خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

فروری 2016

خواتین ڈائجسٹ

بانی و مدیرِ اعلیٰ ——— محمود ریاض

مدیرہ ——— نادرہ خاتون

مدیر ——— آذر ریاض

مدیرہ ——— رضیہ جمیل

لوی ——— امت الصبور

بلقیس بھٹی

——— عدنان

اشتہار ——— خالدہ جیلانی

خواتین ڈائجسٹ

خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی

MEMBER
APNS
CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ----- 6000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ----- 7000 روپے

فروری 2016
جلد 43 شمارہ 10
قیمت 60 روپے

خط وکتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com
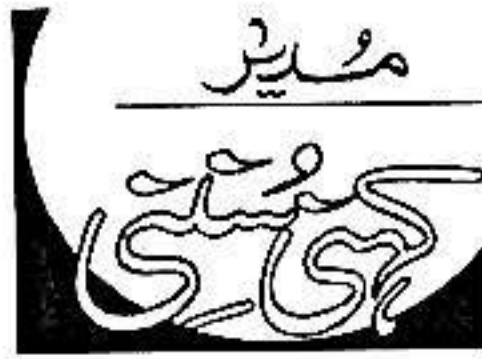
خواتین ڈائجسٹ فروری کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

وہ جنگ جس کا حصہ ہم بنا دیے گئے تھے اس کے شعلے سرد نہیں ہوئے۔ وہ آگ آج بھی ہمارے گھروں کو جلا رہی ہے۔ پشاور آرمی پبلک اسکول پر حملے کا زخم ابھی بھرا نہ تھا کہ ایک اور سانحہ دلوں کو ہلا گیا۔ ایک اور درس گاہ کو مقتل بنا دیا گیا۔ جہاں علم کی روشنی سے منور ذہن مستقبل کے خواب آنکھوں میں بسائے، علم کی شمع سے دہر میں اجالا کرنے کا عزم لیے محنت اور جدوجہد کے راستوں پر آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ نوجوان جن کی عمریں بیس سے پچیس سال کے درمیان تھیں، جنہیں اس ملک کی تعمیر کرنا تھی۔ اپنے والدین کے خوابوں کو تعبیر دینا تھی۔ ہمیشہ کی نیند سلا دیے گئے۔

یہ سانحات ہمارے لیے نئی بات نہیں۔ اس جنگ میں اب تک ہزاروں افراد کا خون بہہ چکا ہے۔ کراچی سے پشاور تک ایک ہی سلسلہ ہے۔

درس گاہیں تو ہر زمانے میں، ہر خطے میں مقدس جگہ سمجھی جاتی رہی ہیں۔ جہاں ذہنوں کو اجال کر علم کی روشنی سے منور کیا جاتا ہے۔ یہ کون لوگ ہیں جو علم کو، روشنی کو، قوم کے مستقبل کو نشانہ بنا رہے ہیں، جو امید کو مایوسی میں بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ہمیں سنجیدگی سے سوچنا چاہیے کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ ان کے پیچھے کون لوگ ہیں۔ ان کے مقاصد کیا ہیں۔ یہ آگ جو ہمارے مستقبل کو جلا کر خاکستر کر رہی ہے۔ ہمیں اس سے اپنے آپ کو کیسے بچانا ہے؟

جب تک ہم متحد ہو کر اپنے اداروں اور اپنے ارادوں کو مضبوط نہیں بنائیں گے۔ یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا۔

اپنا وطن اور آزادی کی قدر کوئی اہل کشمیر سے پوچھے جو اس نعمت کو پانے کے لیے اپنا لہو بہا رہے ہیں۔ یوم کشمیر پر ان مظلوموں کی کامیابی کے لیے دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جلد آزادی جیسی نعمت عطا فرمائے۔ آمین۔

سالگرہ نمبر،

اپریل کا شمارہ سالگرہ نمبر ہوگا۔ سالگرہ نمبر کے لیے تیاریاں شروع کر دی گئی ہیں۔ مصنفین سے درخواست ہے اپنی تحریریں جلد از جلد بھجوا دیں تاکہ سالگرہ نمبر میں جگہ پا سکیں۔

اس شمارے میں،

- نمرہ احمد کا مکمل ناول۔ نمل، ● راشدہ رفعت کا مکمل ناول۔ عبیرہ، ہادی اور ردادی،
- امتہ العزیز شہزاد کا مکمل ناول۔ شہر آشوب، ● ایمل رضا کا ناولٹ۔ چن پردیسیا،
- فرزانہ کھرل، سعدیہ اصغر، مریم نفس عباسی، ہاجرہ ریحان، عمارہ خان اور سویرا فلک کے افسانے،
- عمیرہ احمد اور آمنہ ریاض کے ناول، ● ٹی وی فنکارہ ماہرہ خان سے ملاقات،
- باتیں حریم فاروق سے، ● کرن کرن روشنی۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ،
- خط آپ کے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

خواتین کا ہر شمارہ ہمارے لیے خاص شمارہ ہوتا ہے۔ ہم پوری کوشش کرتے ہیں کہ اسے خوب سے خوب تر بنا کر پیش کیا جائے۔ اس محنت اور کوشش میں آپ ہر دم ہمارے ساتھ ہیں۔ آپ کی پذیرائی، پسندیدگی ہمیں ہمت اور حوصلہ دیتی ہے۔ فروری کے شمارے کے بارے میں اپنی رائے ضرور لکھیے گا۔ ہم منتظر ہیں۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے' اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری' صحیح مسلم' سنن ابوداؤد' سنن نسائی' جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے' وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں' وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

تلبینہ کا بیان

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جب کسی کو بخار ہوتا تو آپ تلبینہ تیار کرنے کا حکم دیتے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

''اس سے غم زدہ انسان کے دل کو سہارا ملتا ہے۔ اور بیمار کے دل سے رنج کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح کوئی عورت پانی کے ذریعے سے اپنے چہرے سے میل کچیل دور کرتی ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ناپسندیدہ مفید چیز تلبینہ (حریرہ) کو اپناؤ۔''

ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جب کوئی بیمار ہو جاتا تو (حریرہ) کی ہنڈیا آگ پر چڑھی رہتی حتیٰ کہ (اس کا معاملہ) کسی ایک طرف لگ جاتا' یعنی وہ فوت ہو جاتا یا شفایاب۔

فوائد و مسائل :

1۔ تلبینہ کی وضاحت یوں کی گئی ہے ''وہ ایک رقیق کھانا ہے جو آٹے یا چھان (آٹے کی بھوسی) سے بنایا جاتا ہے۔ اس میں بعض اوقات شہد بھی ڈالا جاتا ہے۔'' (النہایہ۔ مادہ ''لبن'')

نواب وحید الزماں خاں نے اس کا ترجمہ ''حریرہ'' کیا ہے۔ انہوں نے اس کی وضاحت یوں کی ہے ''حساء وہ کھانا ہے جو آٹے' پانی اور روغن سے بنایا جاتا ہے۔ اس میں کبھی شیرینی بھی ڈالتے ہیں اور کبھی شہد' کبھی آٹے کے بدلے آٹے کا چھان ڈالتے ہیں' اس کو تلبینہ کہتے ہیں اور ہندی میں حریرہ مشہور ہے۔'' (ترجمہ سنن ابن ماجہ حاشیہ حدیث ہذا)

فیروز اللغات اردو میں ''حریرہ'' کے معنی یوں بیان کیے گئے ہیں ''میٹھی اور گاڑھی چیز' جو میدے کو کھانڈ میں گھول کر پکائی جاتی ہے۔''

تلبینہ کی ترغیب دیگر صحیح احادیث میں بھی موجود ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"تلبینہ بیمار کے دل کو سہارا دیتا اور غم میں تخفیف کرتا ہے۔"

کالادانہ (کلونجی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"اس کالے دانے (کلونجی) کو اختیار کرو۔ اس میں موت کے سوا ہر مرض کی شفا ہے۔"

علاج

حضرت خالد بن سعد رحمتہ اللہ سے روایت ہے' انہوں نے کہا: ہم لوگ سفر میں تھے۔ ہمارے ساتھ حضرت غالب بن ابجر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ راستے میں بیمار ہوگئے۔ ہم لوگ مدینہ پہنچے تو وہ (اس وقت بھی) بیمار تھے۔ حضرت ابن ابی عتیق رحمتہ اللہ (عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکر) ان کی بیمار پرسی کے لیے آئے تو ہم سے فرمایا۔
"تم یہ کالادانہ (کلونجی) استعمال کرو۔ اس کے پانچ سات دانے لے کر پیس لو' پھر زیتون کے تیل میں ملا کر ان کی ناک میں چند قطرے اس طرف اور چند قطرے اس طرف (نتھنوں میں) ڈالو کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرمارہے تھے۔
"یہ کالادانہ ہر بیماری کی شفا ہے' سوائے اس کے کہ سام (ہی مقدر) ہو۔" میں نے کہا: سام کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: "موت۔"

فوائد و مسائل : بیمار کی بیمار پرسی کرتے وقت اگر بیماری کا کوئی مجرب علاج معلوم ہو تو مریض کے لواحقین کو بتا دینا درست ہے' تاہم غیر مجرب دوا کا مشورہ نہیں دینا چاہیے۔
علاج کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریقہ ناک میں دوائی ڈالنا بھی ہے۔

کلونجی کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔ امام ابن قیم رحمتہ اللہ نے "زاد المعاد" میں اختصار کے ساتھ کافی فوائد ذکر کیے ہیں۔ ڈاکٹر خالد غزنوی نے طب نبوی کے موضوع پر اپنی تصنیفات میں اس پر زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کتابوں کا مطالعہ مفید ہے۔

شہد

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"دو شفا والی چیزیں اختیار کرو: شہد اور قرآن۔"

فوائد و مسائل : مذکورہ روایت سنداً "ضعیف ہے' تاہم دیگر دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ شہد جسمانی بیماریوں سے شفا کا باعث ہے اور قرآن سے روحانی اور قلبی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔
قرآن سے جسمانی بیماریاں بھی دور ہوتی ہیں' جیسے سانپ کے ڈسے ہوئے مریض کو سورۃ فاتحہ کا دم کرنے سے شفا ہوگئی تھی۔ (صحیح البخاری)

کھمبی اور عجوہ کھجور

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"کھمبی من کی قسم سے ہے۔ اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۔ عجوہ کھجور جنت سے ہے اور یہ جن کے اثر (یا جنون) سے شفا دیتی ہے۔"
(مسند احمد)

فوائد و مسائل : من اس قدرتی خوراک کا نام ہے جو بنی اسرائیل پر نازل کی گئی تھی۔ وہ میٹھے دانوں کی شکل میں ہوتی تھی۔ وہ لوگ حسب ضرورت لے کر استعمال کرلیتے تھے۔
کھمبی کو من اس لیے فرمایا گیا ہے کہ یہ بھی بلا مشقت حاصل ہوجاتی ہے۔
کھمبی کی کئی قسمیں ہیں جن میں سے بعض قابل استعمال ہیں اور بعض نقصان دہ۔ "کماۃ" مفید قسموں میں سے ایک ہے۔ آج کل مفید اقسام کی کھمبی خود

اگائی جاتی ہے۔ جو غذا میں استعمال ہوتی ہے۔

کھمبی کا پانی آنکھ کے امراض کے لیے استعمال کرنے کے بارے میں بعض علماء نے کہا ہے کہ اسے دوسری دوا میں ملا کر استعمال کرنا چاہیے' **مثلاً** "اثمد سرمے میں کھمبی کا پانی ملا کر گوندھ لیا جائے' پھر اسے آنکھ میں لگایا جائے۔ بعض علماء کی رائے میں اس کا پانی نکال کر صرف وہی استعمال کیا جائے۔ (زاد المعاد)

صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اطباء کے مشورے سے آنکھ کی مختلف بیماریوں میں الگ الگ مناسب طریقے سے استعمال کیا جائے۔

عجوہ کے بارے میں اسی مفہوم کی ایک حدیث صحیح بخاری میں ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں: "جو شخص صبح کے وقت سات عجوہ کھجوریں کھائے' اس دن اسے زہر یا جادو سے کوئی (تکلیف یا) نقصان نہیں ہوگا۔" (صحیح البخاری)

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "کھمبی اس من سے ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل پر نازل کیا تھا۔ اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۔" (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بات چیت کر رہے تھے کہ کھمبی کا ذکر آگیا۔ بعض حضرات نے کہا: یہ تو زمین کی چیچک ہے۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا:

"کھمبی من (کی قسموں میں) سے (ایک قسم) ہے اور عجوہ کھجور جنت سے ہے اور وہ زہر سے شفا ہے۔"

فائدہ : جنت سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ برکت والی ہے یا کھجور کی یہ قسم جنت سے زمین پر آئی ہے۔ جس طرح حجر اسود جنت سے زمین پر بھیجا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

نیکی اور برائی

حضرت کلثوم (بن علقمہ) خزاعی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی نے حاضر ہو کر عرض کیا۔"

"اے اللہ کے رسولؐ! جب میں نیکی کروں تو مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ میں نے اچھا کام کیا ہے اور جب میں گناہ کر بیٹھوں تو کیسے معلوم ہوگا کہ میں نے برا کام کیا ہے؟"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تیرے ہمسائے کہیں' تو نے اچھا کام کیا ہے تو (یقین کرلے کہ) تو نے اچھا کام ہی کیا ہے' اور جب وہ کہیں' تو نے برا کام کیا ہے تو پھر تو نے برا کام ہی کیا ہے۔"

فوائد و مسائل :

1۔ عام نیکیاں اور برائیاں ایسی ہیں کہ عام مسلمان انہیں اس حیثیت سے پہچانتے ہیں' خواہ عملی طور پر وہ نیکیوں میں سست اور برائیوں کے عادی ہوں۔

2۔ اخلاقی خوبیاں اور خامیاں سب سے زیادہ ہمسایوں کو معلوم ہوتی ہیں۔ جب کسی شخص کو معلوم ہو کہ ہمسائے اسے اچھا نہیں سمجھتے تو اسے چاہیے کہ اپنی اصلاح کی کوشش کرے۔

3۔ آج کل علم کی کمی کی وجہ سے اور غلط رسم و رواج زیادہ ہو جانے کی وجہ سے بعض اچھے کام چھوٹ گئے ہیں' جب اس پر عمل کیا جائے تو عوام تنقید کرتے ہیں اور بعض غلط کام ایسے مشہور ہو گئے ہیں کہ لوگ انہیں شرعی حکم سمجھ کر عمل کرتے ہیں۔ جب ایسی بدعت سے اجتناب کیا جائے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ سنت کا انکار کیا جا رہا ہے۔ ایسے مسائل میں عوام کی رائے کو اہمیت حاصل نہیں بلکہ ایسے علماء سے دریافت کرنا چاہیے جو صحیح اور ضعیف احادیث میں

امتیاز کر سکتے ہیں اور قرآن و حدیث کی نصوص سے مسائل سمجھ سکتے ہیں۔ محض چٹ پٹی تقریریں کرنے والے واعظوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

نیکی اور برائی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:
"مجھے کیسے معلوم ہو گا جب میں نیکی کروں یا برائی کروں؟ (کہ میں نے نیکی کی ہے یا برائی کی ہے۔)
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جب تو سنے کہ تیرے ہمسائے کہیں 'تو نے اچھا کام کیا ہے تو تو نے اچھا کام ہی کیا ہے۔ اور جب تو انہیں سنے کہ وہ کہیں: تو نے برا کام کیا ہے تو تو نے برا کام ہی کیا ہے۔" (مسند احمد)

جنتی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جنتی آدمی وہ ہے جس کے کانوں کو اللہ لوگوں کی اچھی رائے سے بھر دیتا ہے اور وہ سن رہا ہوتا ہے (کہ لوگ میری تعریف کر رہے ہیں۔) اور جہنمی وہ ہے جس کے کانوں کو اللہ لوگوں کی بری رائے سے بھر دیتا ہے اور وہ سن رہا ہوتا ہے (کہ لوگ مجھے اچھا نہیں سمجھتے۔") (طبرانی)

فوائد و مسائل :

1۔ نیک آدمی کی عدم موجودگی میں بھی اس کی تعریف کی جاتی ہے اور یہ باتیں اس کے کانوں تک بھی پہنچ ہی جاتی ہیں۔
2۔ جب کسی کو معلوم ہو کہ لوگ اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہیں تو اسے چاہیے کہ اللہ کا شکر ادا کرے اور نیکی کے راستے پر قائم رہنے کی اور زیادہ کوشش کرے اور اللہ سے استقامت کی دعا کرے۔
3۔ جب کسی کو معلوم ہو کہ لوگ اس کے بارے میں بری رائے رکھتے ہیں تو اسے چاہیے کہ توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے تاکہ اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں اور آئندہ نیکی کی توفیق ملے۔
4۔ سامنے کی تعریف کا اعتبار نہیں کیونکہ لوگ خوشامد کے طور پر بھی تعریف کرتے ہیں۔

خوش خبری

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا:
"میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ایک آدمی اللہ کی رضا کے لیے (خلوص کے ساتھ) نیک عمل کرتا ہے' اس کی وجہ سے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ مومن کی جلدی مل جانے والی خوش خبری ہے۔" (مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ نیکی کرتے ہوئے یہ نیت نہیں ہونی چاہیے کہ اس کی وجہ سے تعریف اور عزت ہو۔ لیکن مومن کو دنیا میں بھی نیکی کا انعام ملتا ہے اور اسے عزت حاصل ہوتی ہے۔
2۔ عوام کی محبت نیک مومن پر اللہ کا احسان ہے' لہٰذا اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور احتیاط کرنا چاہیے کہ دل میں فخر اور خود پسندی کے جذبات پیدا نہ ہوں۔

نیت کا بیان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:
"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' آپ فرما رہے تھے۔ عمل تو نیتوں ہی سے ہیں۔ اور ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیت کی' چنانچہ جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے' اس کی ہجرت (اجر و ثواب کے لحاظ سے بھی) اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا

حاصل کرنے کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہے' اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کے پاس وہ ہجرت کر کے آیا ہے۔" (بخاری)

فوائد و مسائل:

1۔ اعمال میں نیت ضروری ہے اور ثواب و عذاب کا دارومدار نیت پر ہے۔

2۔ نیت دل کا فعل ہے' زبان سے اس کا اظہار ضروری نہیں' مثلاً" نماز پڑھتے وقت زبان سے جو الفاظ ادا کیے جاتے ہیں یا روزہ رکھنے کی جو نیت عوام میں مشہور ہے' حدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

3۔ ہر کام کے لیے اخلاص ضروری ہے۔ جو کام اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے گا' وہی قبول ہو سکے گا' جس میں کوئی اور مقصد شامل ہو جائے گا' وہ اللہ کے ہاں قبول نہیں ہو گا۔

4۔ خلوص نیت ہی شرعی احکام کی بنیاد ہے۔ یاد رہے کہ ہر کار خیر کے بار آور ہونے کے لیے درست اور خالص نیت کا ہونا ضروری ہے ورنہ خطرہ ہے کہ نہ صرف ثواب سے محروم ہونا پڑے' بلکہ اللہ کے ہاں سخت سزا بھی ملے گی۔

5۔ اس حدیث کو اہل علم نے دین کا ایک چوتھائی حصہ قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

چار افراد

حضرت ابو کبشہ (سعید بن عمرو) انماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس امت کی مثال چار افراد کی سی ہے: ایک آدمی کو اللہ نے مال اور علم سے نوازا۔ وہ اپنے مال میں علم کے مطابق عمل کرتا ہے' اسے جائز مقام پر خرچ کرتا ہے۔ ایک (دوسرا) آدمی وہ ہے جسے اللہ نے علم دیا اور مال نہیں دیا۔ وہ کہتا ہے: اگر میرے پاس بھی اس شخص کی طرح (مال) ہوتا تو میں بھی اس (مال) سے ایسے عمل انجام دیتا جیسے یہ (نیک مال دار) انجام دیتا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ثواب میں یہ دونوں برابر ہیں اور ایک (تیسرا) آدمی وہ ہے جسے اللہ نے مال دیا اور اسے علم نہیں دیا' چنانچہ وہ اپنے مال کو اندھا دھند صرف کرتا ہے۔ (یعنی) ناجائز مقام پر خرچ کرتا ہے۔ اور ایک (چوتھا) آدمی وہ ہے جسے اللہ نے نہ علم دیا نہ مال دیا وہ کہتا ہے: اگر میرے پاس اس (برے مال دار) شخص کی طرح مال ہوتا تو میں بھی اس (مال) سے ایسے کام کرتا جیسے یہ (برا مال دار) کرتا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ دونوں (تیسرا اور چوتھا) گناہ میں برابر ہیں۔" (احمد)

فوائد و مسائل:

1۔ اگر انسان ایک نیکی کی خواہش رکھتا ہو لیکن کسی عذر کی وجہ سے اسے کر نہ سکتا ہو تو اس کی اچھی نیت کی وجہ سے اسے ثواب ملتا ہے۔

2۔ اگر کوئی شخص ایک نیکی کرنے کی کوشش کرے لیکن کسی رکاوٹ کی وجہ سے انجام نہ دے سکے' وہ بھی ثواب کا مستحق ہو گا۔

3۔ گناہ کی خواہش ہو لیکن انسان اس کا ارتکاب کرنے سے معذور ہو' یا گناہ کی کوشش کرے اور کامیاب نہ ہو' تب بھی گناہ گار ہوتا ہے۔

4۔ اگر دل میں گناہ کی خواہش پیدا ہو لیکن اللہ کی رضا کے لیے اس کے ارتکاب سے پرہیز کیا جائے تو ثواب ملتا ہے۔

5۔ نیکی سے محبت اور برائی سے نفرت' اسی طرح نیک کام کرنے والوں سے محبت اور برے کام کرنے والوں سے نفرت بھی ثواب کا باعث ہے۔

ذکر پان کا

انشا جی

پچھلے دنوں کراچی کے سیکنڈری بورڈ کے امتحان میں اول، دوم اور سوم آنے والی طالبات کے انٹرویو کیے گئے تو انہوں نے بتایا کہ ہمیں مشرقی ماحول اور جاسوسی ناول بہت پسند ہیں۔ یہ رائے پڑھ کر ہمیں بہت خوشی ہوئی۔ ہم نے خود اپنا سارا علم جاسوسی ناولوں سے اخذ کیا ہے، ہم جو اپنے امتحانوں میں اول آتے رہے ہیں، اسے محض حسن اتفاق سمجھتے تھے۔ اب یہ معلوم ہو گیا کہ اس کی وجہ تیرتھ رام فیروز پوری کے ناول تھے۔ جن کا ہم نے بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا۔ ان سے ذہن کو جلا ملتی ہے۔ آدمی سراغ لگا سکتا ہے کہ پرچے کس ممتحن کے پاس ہیں اور کسی نہ کسی طرح اسے جا پکڑتا

ہے

پکڑتا ہے۔

ہوتے ہیں گھاتے میں۔

مشرقی روایات کے بارے میں ہم نے ذہن پر بہت زور ڈالا کہ آیا ہمیں مشرقی روایات سے دلچسپی تھی؟ ہونی چاہیے تھی، ورنہ اول کیسے آسکتے تھے۔ یاد آیا کہ ہم انگرکھا پاجامہ پہنتے تھے اور کبھی کبھی پان کھا لیتے تھے۔ یورپ کے لوگ انگرکھا پاجامہ نہیں پہنتے۔ اس لیے ہم نے پہچان لیا کہ یہ مشرقی روایات کا جزو ہے۔ پان کے متعلق اس مضمون سے تصدیق ہو گئی، جو پچھلے ہفتے مقامی ہفت روزہ میں چھپا ہے۔ اس میں لوگوں کے انٹرویو میں بعض نے بے شک کہا کہ ہم تو پان کو منہ بھی نہیں لگاتے، کیونکہ اس سے دامن داغ دار ہو جاتا ہے لیکن ادیبوں اور شاعروں نے کہا کہ پان اس سے بھی ضروری چیز ہے اور پاندان بڑی ضروری چیز ہے۔ یہ ہماری مشرقی ثقافت کا جزو ہے۔ اگر بی بیاں گھر میں چوکی پر بیٹھ کر پان نہیں کھائیں گی، چھالیہ نہیں کاٹیں گی تو ان کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے آئیں گے۔ فاسد خیالات آئیں گے۔ بیل باٹم پہننے لگیں گی اور مشرقی تہذیب کا جنازہ نکل جائے گا۔

✲ ✲ ✲

پان کو حقیر شے نہ جانیے۔ یہ جہان رنگا رنگ ہے، بلکہ پوری کائنات اس میں جمع ہے۔ یہ اپنی ذات سے نباتات کے دائرے میں آتا ہے۔ اس پر جمادات چپڑتے ہیں۔ کیونکہ چونا اور کتھا بھی جمادات ہیں اور پھر حیوانات اسے کھاتے ہیں۔ حضرت انسان ڈارون کی تحقیق کے مطابق جس خانوادے کے چشم و چراغ ہیں، اس میں نقل کا مادہ بہت پایا جاتا ہے۔ پان خوری کی ابتدا یوں ہوئی کہ انسان نے بھینسوں کو جگالی کرتے دیکھا تو خیال آیا کہ میں ان سے ہٹا جا رہا ہوں۔ پہلے گھاس کھا کے دیکھی۔ اس پر دماغ الٹنے لگا اور لوگ پوچھنے لگے کہ کیا گھاس کھا گئے ہو؟ تو اسے چھوڑ یہ پتا پسند کیا۔ اب بھینسیں یہ دعوا نہیں کر سکتیں کہ وہ کسی طور انسان سے برتر ہیں۔ اگر دودھ دینے کا غرہ ہے تو وہ بھی بے محل جانیے، ہمارے گھروں میں جو دودھ سپلائی ہوتا ہے اس میں بھینس اور حضرت انسان برابر کے شریک ہوتے ہیں، بلکہ انسان شریک غالب۔ لاہور میں تو دودھ کے بعض نمونوں میں چھیانوے فیصدی ملاوٹ پائی گئی ہے۔ یہ باقی چار فیصدی کی کسر بھی کسی روز نکل جائے گی۔

جس طرح سائنسی علم دریاؤ ہے کہ اس میں باون بکسوئے لگتے ہیں۔ اسی طرح پان خوری بھی ایک فن ہے۔ پان دان، خاصہ دان، اگال دان سب ہی اس کے متعلقات ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کچھ لوگ ان متعلقات کو پسند کرتے ہیں، کچھ تکلفات بارد سمجھتے ہیں۔ ایک دیہاتی رئیس کسی شہری رئیس کے ہاں

مہمان گئے تھے۔ اس نے قالین پر بٹھایا اور پان پیش کیا۔ ان کو پیک پھینکنے کی خواہش ہوئی تو ادھر ادھر دیکھا۔ میزبان نے ایک منقش اور مجلا مراد آبادی اگال دان سامنے کردیا۔ انہوں نے اسے ہاتھ سے پرے ہٹا دیا اور قالین کا گوشہ ہٹا کر پیک پھینک دی۔ تھوڑی دیر بعد پھر یہ ضرورت پیش آئی تو میزبان نے پھر وہ چم چم کرتا اگال دان آگے کیا۔ مہمان عزیز نے پھر اسے ہاتھ سے پرے کرکے قالین کے گوشہ سے کام لیا۔ تیسری بار میزبان نے اگال دان آگے کیا تو مہمان صاحب تلملائے اور قالین کے نیچے پیک پھینک کر بولے۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ ہر بار تم یہ برتن آگے کردیتے ہو۔ اب کے کیا تو اس میں تھوک دوں گا۔"

☆ ☆ ☆

یہ جو ہم دو تین ہفتے سے ان کالموں سے غائب رہے ہیں۔ اصل میں ملک ہی سے غائب تھے۔ جرمنی' فرانس' انگلستان وغیرہ۔ یوں تو ہم نے پان ترک کر رکھا ہے لیکن لندن میں ہمیں پان پیش کیا گیا تو ہم نے کھایا' تاکہ ہم پر مشرقی روایات سے انحراف کا الزام نہ آئے۔ پان وہاں ملتا ہے اور پاکستان سے اچھا اور سستا ملتا ہے۔ چونا کتھا بھی دکانوں سے لے لیجیے۔ بعض دیسی ریستورانوں میں تو پنواڑی بھی بیٹھنے لگا ہے۔ تاہم مغرب مغرب ہے اور مشرق مشرق۔ اہل فرنگ افیم' چرس اور بھنگ تو رغبت سے استعمال کرنے لگے ہیں۔ پان ابھی اختیار نہیں کیا۔ جانے ہپیوں کی توجہ اس طرف کیوں نہیں ہوئی۔ حالانکہ یہ ان کی دوسری عادتوں اور اشغال سے کم گندی چیز نہیں ہے۔ ہم نے "آوارہ گرد کی ڈائری۔" میں پاکستانی لیڈر کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے جنیوا میں سر راہے پان تھوک دیا تھا تو پولیس والے آگئے تھے کہ یہ شخص خون کیوں تھوک رہا ہے' اس کی حالت نازک ہے۔ اس کو اسپتال بھیجو۔ بڑی مشکل سے رہائی ہوئی۔

☆ ☆ ☆

حضرت جوش ملیح آبادی کی تو دی ہوئی رائے ہمارے نزدیک مستند ہوتی ہے۔ پان کے باب میں ان سے بھی رجوع کیا گیا تو فرمایا کہ نیت درست ہو تو نہ شراب حرام ہے' نہ پان۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ آج کل پان خوری کا سلیقہ نہیں نادانوں کو' لکھنؤ میں شاہی کی بساط نہیں اٹھی تھی تو ایک پان پندرہ دن میں تیار ہوتا تھا۔ پہلے ریت پر گیلا کپڑا' پھر ریت..... اس طرح پان رکھ کر اس کو خوشبوؤں میں بسایا جاتا تھا اور وہ ایسا کرارہ اور خستہ ہوجاتا تھا کہ اوپر سے گرایئے تو شیشے کی طرح چکنا چور ہوجائے۔ ممکن ہے لوگ ان کی اس بات پر بھی ایسے ہی یقین نہ کریں جس طرح یادوں کی برات کے بعض واقعات کو تسلیم نہیں کرتے لیکن ہمارے نزدیک اس میں بعید از امکان کوئی بات نہیں۔ اس زمانے کے لوگوں کو سوائے ماش کی دال سو طرح پکانے اور پان کے مسالے ایجاد کرنے کے کام ہی کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ہندو لوگ ویدوں سے طیارے اور ایٹم بم نکال لاتے ہیں کہ یہ چیزیں تو ہمارے ہاں پراچین' بھارت میں پہلے سے تھیں۔ ہمارے دوست خواجہ حمید الدین شاہد نے کہ تحقیق کے آدمی ہیں۔ پرانوں اور ویدک داستانوں میں اس برگ سبز کو ڈھونڈ نکالا ہے۔ حیرت ہے پان سے ہٹ کر ان کی نظر چکنی ڈلی پر نہیں گئی' ورنہ چکنی ڈلی سے پھسل کر غالب پر جاٹکتی۔

ہے کف دست پہ صاحب کے جو یہ چکنی ڈلی۔
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے۔

اور تو اور مرزا ظفر الحسن آف ادارہ یادگار غالب کو بھی دھیان نہیں آیا کہ جس طرح لوگوں کو اس نیت سے آم کھلائے تھے کہ غالب آم کھاتے تھے' اس طرح کسی روز لوگوں کی چکنی ڈلی سے بھی تواضع کریں۔ بس ہر مہمان کے کف دست پر ایک ایک دانہ چکنی ڈلی کا رکھنا کافی ہوگا۔ ہمیں معلوم نہیں چکنی ڈلی فی زمانہ ملتی ہے یا نہیں۔ چکنے گھڑے تو عام ملتے ہیں۔

☆

حسین اور باصلاحیت فنکارہ

ماہرہ خان سے ملاقات

شاہین رشید

ماہرہ خان نے یوں تو بہت سے ڈرامہ سیریل، ٹیلی پلے کیے ہیں لیکن انہیں جو شہرت ڈرامہ سیریل "ہم سفر" سے ملی کسی سے نہ ملی ہوگی آج بھی جبکہ ماہرہ خان فلموں میں بھی کام کررہی ہیں یہ "ہم سفر" کے حوالے سے ہی پہچانی جاتی ہیں۔

ایک زمانہ تھا جب بجیا اور حسینہ معین کے ڈرامہ سیریلز میں لیڈ رول کرنے والی فنکاراؤں کے بڑے نخرے ہوتے تھے کہ انٹرویو نہیں دینا۔ پتا نہیں ان کی کون سی "انا" مجروح ہوتی تھی۔ آج کی خواتین آرٹسٹوں میں بھی کچھ کے اندر یہ جراثیم ہیں، لیکن پھر بھی وہ پرنٹ میڈیا کو کبھی نہ کبھی لفٹ کرا ہی دیتی ہیں۔

"ہم سفر" شروع ہوا تو "فواد خان" نے تو ایک فون کال پہ انٹرویو دیا۔ مگر ماہرہ خان ہاتھ نہیں آئیں۔ دو چار بار کوشش کی اور پھر چھوڑ دیا کہ چلو خیر ہے۔ میں ہمیشہ اس بات کو اہمیت دیتی ہوں کہ انٹرویو دینا نہ دینا آرٹسٹ کا پرسنل معاملہ ہوتا ہے۔ دے دیں تو شکریہ نہ دیں تو کوئی مسئلہ نہیں۔ مگر اپنا ارادہ ضرور ظاہر کر دیں۔ لارے لپے نہ لگائیں ماہرہ نے انکار نہیں کیا مگر دیا بھی نہیں... پھر ایک دن تھوڑی سی بات چیت کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔

"خیریت سے ہیں؟"

"جی اللہ کا شکر ہے۔"

"مصروفیات کے بارے میں تو نہیں پوچھیں گے کیونکہ وہ ... منظر عام پر آتی ہی رہتی ہیں؟"

"جی... اخبار میں تو وہ خبریں آجاتی ہیں جو ہمیں بھی معلوم نہیں ہوتیں۔"

"ہوں... یہ تو ہے... گھبراتی ہیں ایسی خبروں سے جو بے بنیاد ہوتی ہیں؟"

سے ان کا ستارہ Sagittarius ہے ان کا پورا نام ماہرہ حفیظ خان ہے مگر یہ صرف ماہرہ خان لکھتی ہیں چونکہ یہ کراچی میں پیدا ہوئیں تو کراچی میں ہی ابتدائی تعلیم حاصل کی اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ گئیں اور یونیورسٹی آف سدرن کیلی فورنیا سے گریجویشن کیا۔"

"فیلڈ میں کیسے آئیں اور کتنے سال ہو گئے اس فیلڈ میں آئے ہوئے؟"

"بس اسکرین پہ آنے کا شوق تھا۔ بڑی اسکرین کے بارے میں تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ لہٰذا جب ٹی وی پہ آئی تو بطور "وی جے" آئی اور اچھا رسپانس ملا تو پھر ڈراموں کی آفرز آنے لگیں اور جب میں نے بطور وی جے اسٹارٹ لیا تو اس وقت میں صرف سولہ سال کی تھی... اب اس فیلڈ میں آئے ہوئے کتنے سال ہوئے ہیں تو یہ تو نہیں بتاؤں گی۔ کیونکہ پھر آپ عمر کا اندازہ کرلیں گی... قہقہہ۔"

"زندگی کب بدلی؟"

"پہلے گھبراتی تھی مگر اب نہیں' اب عادت ہو گئی ہے۔ اب نظر انداز کر دیتی ہوں۔"

"پہلے کیوں گھبراتی تھیں؟"

"عادت نہیں تھی۔ نئی نئی فیلڈ میں آئی تھی۔ اندازہ نہیں تھا کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ ڈرتی تھی کہ کیریئر پر اثر نہ پڑے' مگر پھر سب نے سمجھایا کہ اس فیلڈ میں ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"جی... اکثر لوگ تو خود بھی اسکینڈلز بنواتے ہیں؟"

"جی سنا تو یہی تھا' مگر ایسا وہ ہی کرتے ہیں جنہیں سستی شہرت چاہیے ہوتی ہے۔ مجھے تو اپنی محنت کی شہرت پر یقین تھا۔"

"لکس ایوارڈ مبارک ہو آپ کو اور "ہم سفر" میں آپ کو "ہم ایوارڈ" ملا تھا وہ بھی مبارک ہو؟"

"شکریہ۔"

"کیا آپ سمجھتی ہیں کہ سیریل "ہم سفر" نے آپ کو عروج دیا؟"

"بے شک... لیکن ایسا نہیں ہے کہ لوگ مجھے جانتے نہیں تھے۔ لوگ مجھے جانتے تھے' پہچانتے تھے' میرے کام کو پسند کرتے تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس سیریل کی وجہ سے مجھے عالمگیر شہرت ملی اور لوگوں نے میرے کام کو بہت سراہا۔"

"کہانی کا کمال تھا یا آپ کی پرفارمنس؟"

"کہانی ہی فنکار کو اچھا پرفارم کراتی ہے اور پھر ٹیم ورک' اچھا ڈائریکٹر... یہ سب مل کر کسی سیریل کو کامیاب کرتے ہیں۔"

"امید تھی کہ سیریل اور پھر آپ اتنی شہرت پائیں گے؟"

"دیکھیں' ہم تو اپنے کام کو 100 فیصد دیتے ہیں۔ آگے کامیابی اور ناکامی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اللہ کا بہت شکر ہے کہ اس نے اتنی بڑی کامیابی دی اور میرے لیے مزید ترقی کی راہیں کھل گئیں۔"

"ماہرہ خان کے بارے میں آپ کو بتائیں کہ ماہرہ خان 21 دسمبر کو اس دنیا میں تشریف لائیں' اس لحاظ

"ڈرامہ سیریل "ہم سفر" اور فلم "بول" سے۔ اگرچہ میں اپنی اسکول لائف میں ایک دو ڈراموں میں کام کر چکی تھی لیکن پھر بھی "بول" فلم کرتے ہوئے گھبرائی تھی، ظاہر ہے کہ اسکول ڈرامہ، ٹی وی ڈرامے اور فلم کے مکالموں میں فرق تو ہوتا ہی ہے۔ پھر شعیب منصور جیسے ڈائریکٹر ہوں تو گھبراہٹ تو ہوتی ہی ہے.... بول کے بعد فلم کے لیے بھی راستے کھل گئے۔"

"اب ایک کے بعد ایک فلم آرہی ہے آپ کی ٹی وی کو خیرباد کہہ دیں گی؟"

"ارے نہیں، بالکل نہیں.... جس طرح انسان اپنی پوری زندگی میں اپنی تعلیم گاہوں کو نہیں بھول سکتا اس طرح میں ٹی وی کو نہیں بھولوں گی کیونکہ یہ میری درسگاہ ہے اور یہاں سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ بس آپ کو پتا ہی ہے کہ ہر کردار نہیں کرتی۔ وہی کرتی ہوں جو دل کو چھو جائے تو بس جیسے ہی کوئی دل کو چھو جانے والا کردار ملا آپ کو چھوٹی اسکرین پہ ضرور نظر آؤں گی۔ ان شاء اللہ۔"

"اپنی نئی فلم "ہو من جہاں" کے بارے میں کچھ بتائیں؟"

"ہو من جہاں' ایک ہلکی پھلکی کامیڈی فلم ہے۔ جو تین دوستوں پر بنی ہے۔ جو میوزک کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ ان تین دوستوں میں میں شہریار منور اور عدیل حسین ہیں، میں شہریار منور کے ساتھ لیڈ رول میں ہوں اور یہ بہت اچھی مزیدار فلم ہے، نوجوان اسے بہت پسند کریں گے۔"

"شوٹ کہاں ہوئی ملک میں ہوئی یا ملک سے باہر؟"

"پاکستان میں، ہمارا ملک بہت خوب صورت ہے، مگر ہمیں اس کی قدر نہیں ہے اور ہم صرف باہر کی دنیا کو ہی خوب صورت کہتے ہیں "ہو من جہاں" چترال اور گلگت کی خوب صورت اور حسین وادیوں میں بنی ہے اور میں تو اپنے ملک کی خوب صورتی دیکھ کر حیران رہ گئی۔ میں نے باہر کے ممالک میں بھی بہت خوب صورتی دیکھی ہے۔ لیکن اپنے ملک کے شمالی علاقے بھی بے حد حسین ہیں۔"

"ہم اپنے ملک کی ایک تو قدر نہیں کرتے دوسرے یہ کہ ہم ٹورسٹ کے لیے سہولیات بھی اتنی فراہم نہیں کرتے جتنی ہمیں کرنی چاہییے؟"

"بالکل، آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ٹورسٹ کو دیکھ کر ایک تو مہنگائی بھی آسمانوں سے باتیں کرنے لگتی ہے پھر سڑکیں وغیرہ بھی اتنی اچھی اور محفوظ نہیں ہیں.... یہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے تو کیا کہنے.... میں نے چترال اور گلگت میں بہت اچھا وقت گزارا، بہت یادگار۔"

"اس فلم میں بھی "بن روئے" والی مشکلات پیش آئیں اور پاکستان میں بھی اب فلمیں بننے لگی ہیں۔ کچھ کہیں گی اس کے بارے میں؟"

"نہیں اس میں ایسی کوئی مشکلات پیش نہیں آئیں "بن روئے" میں بھی نہ آتیں اگر اس فلم کا ڈائریکٹر بیچ میں کام چھوڑ کر چلا نہ جاتا۔ خیر پھر اللہ کا شکر کہ سارے کام سیٹ ہو گئے.... اور پاکستان میں بھی فلمیں بننے لگی ہیں یہ ایک اچھا سائن ہے اور فلم کا میڈیم بھی ساری دنیا میں ایک پاور فل میڈیا مانا جاتا ہے اس لیے ہم فلم کے ذریعے بھی اپنے ملک کے امیج کو بہت اچھا کر سکتے ہیں تفریح اور تعمیر دونوں چیزیں ہونی چاہئیں۔"

"اب تک آپ تین فلمیں کر چکی ہیں۔ بہترین کسے کہیں گی؟"

"بن روئے" اور "ہو من جہاں" یہ دو فلمیں ایسی ہیں جس میں آپ کو کمرشل رنگ ملے گا۔ یعنی ہلہ گلہ، ناچ گانا، رومینس گلیمر سب کچھ ملے گا۔ جبکہ "بول" کو میں ایک "آرٹ مووی" کہوں گی۔ اس میں کمرشل والا کوئی رنگ نہیں تھا۔ میں نے ان فلموں

میں کام کرنے کے لیے ڈانس کی تربیت بھی لی ہے۔ کیونکہ یہ بہت ضروری ہے۔"

"لوگ بڑی اسکرین سے چھوٹی اسکرین پہ آتے ہیں۔ ہمارے ملک میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں، آپ چھوٹی سے بڑی میں گئیں بہتر کیا ہے؟"

" میرے خیال میں چھوٹی اسکرین سے بڑی اسکرین پر جانا کامیابی سمجھا جاتا ہے۔ فلموں کا زوال شروع ہوا تو بہت سے لوگ چھوٹی اسکرین پہ آئے... اور اسکرین چھوٹی ہو یا بڑی فنکار کو کامیاب ہونا چاہیے۔"

"ڈراموں میں تو اپنے آپ کو دیکھا ہی ہو گا فلموں میں اپنے آپ کو دیکھ کر کیسا لگا؟"

"ڈراموں کو دیکھ کر بھی اچھا لگتا تھا اور اب فلموں میں بھی اپنے آپ کو دیکھ کر اچھا لگتا ہے۔ "بول" میں میرا زیادہ رول نہیں تھا لیکن ان دو فلموں میں تو میرا لیڈ رول تھا تو مجھے بہت اچھا لگا اپنے آپ کو دیکھ کر کہ میں فلموں میں اچھی لگ رہی ہوں اور فلموں کے لیے ایک اچھی ہیروئن بھی... اور لوگوں نے مجھے پسند کیا ہے۔ اپنے رب کی بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے یہ کامیابیاں عطا کی ہیں۔"

"اور اب بھارتی فلم میں کام کر کے مزید کامیابیاں آپ کی منتظر ہیں؟"

"جی ان شاء اللہ۔ بہت گھبرا رہی تھی لیکن وہاں کام کر کے اندازہ ہوا کہ وہاں کا ماحول تو بہت پروفیشنل ہے اور سب لوگ بہت اچھے اور محبت کرنے والے ہیں۔ اور یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے پہلی ہی بھارتی فلم میں شاہ رخ کے ساتھ کام کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ فلم کا نام رئیس ہے۔"

"آپ کا کون سا ڈرامہ دیکھ کر آپ کو آفر آئی؟"

"ڈرامے تو خیر انہوں نے دیکھے ہوئے ہی تھے بول" دیکھ کر انہوں نے اپروچ کیا، پھر ایک فیشن شو کے سلسلے میں انڈیا جانا ہوا تو کافی سارے لوگوں سے ملاقات ہوئی اور بس پھر فلم کی آفر آ گئی اور آپ کو مزے کی بات بتاؤں کہ "ہم سفر" سیریل کے حوالے سے تو ہر کوئی جیسے بات کرنا چاہتا تھا۔"

"اور اب یہ بتائیں کہ اپنے آپ کو فٹ رکھنے کے لیے کیا کرتی ہیں؟"

"مجھ پر اللہ کا خاص کرم ہے کہ مجھے زیادہ کھایا پیا لگتا نہیں ہے پھر بھی کوشش کرتی ہوں کہ اپنے آپ کو فٹ رکھوں اور فٹ رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرتی رہتی ہوں۔"

"ناشتہ ہیوی کرتی ہیں یا کرتی ہی نہیں ہیں اور نخرہ ہے کھانے میں؟"

"ناشتہ میں کرتی ضرور ہوں... اگر گھر سے نکلنے کی جلدی نہ ہو تو پھر انڈوں کے ساتھ پراٹھا ضرور بنواتی ہوں اور اگر جلدی میں ہوتی ہوں تو پھر بریڈ پہ چیز cheeze لگا کر ایک کپ چائے پی کر چلی جاتی ہوں... اور نخرہ وخرہ نہیں ہے مجھ میں، دوپہر اور شام کے کھانوں میں جو پکا ہوا ہوتا ہے ہنسی خوشی کھا لیتی ہوں.. ہاں دال چاول مجھے بہت پسند ہیں وہ ہوں تو تھوڑا زیادہ کھا لیتی ہوں۔"

"فارغ وقت میں کیا شغل ہوتے ہیں؟"

"کچھ خاص نہیں کلاسیکل موویز دیکھنے کا شوق ہے وہ دیکھ لیتی ہوں۔ کوئی اچھا سا میوزک سن لیتی ہوں۔"

"میوزک میں کون پسند ہے؟"

"عابدہ پروین... میری پسندیدہ ترین گلوکارہ ہیں اور پھر راحت فتح علی۔ انہیں تو ضرور سنتی ہوں اور باقی گلوکاروں کو اپنے موڈ کے مطابق سنتی ہوں۔"

"ماڈلنگ میں اپنی مرضی سے معاوضہ لیتی ہیں؟"

"بالکل جی... یہ میرا حق ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے انٹرویو کا اختتام کیا۔

باتیں حریم فاروق سے

شاہین رشید

1 ''اصلی نام؟''

''حریم فاروق۔''

2 ''پیار کا نام؟''

''سب نے اپنی مرضی کے نام رکھے ہوئے ہیں۔ جس کو جتنا پیار آتا ہے اسی حساب سے بلاتا ہے۔''

3 ''تاریخ پیدائش/شہر؟''

''26 مئی 1989ء/اسلام آباد۔''

4 ''قد/ستارہ؟''

''5فٹ 8انچ/جیمنائی۔''

5 ''بہن بھائی/آپ کا نمبر؟''

''میری ایک چھوٹی بہن ہے۔''

6 ''تعلیمی قابلیت؟''

''گریجویٹ ہوں ''سوشیالوجی'' اور ''جرنلزم'' میں۔''

7 ''تعلق؟''

''نارووال۔''

8 ''شادی؟''

''جب قسمت میں ہوگا' ہوجائے گی۔''

9 ''شوبز میں اپنی مرضی سے آئیں؟''

''بالکل جی... اگرچہ اماں ابا دونوں ڈاکٹر ہیں مگر میری خواہش تھی کہ میں شوبز میں آؤں۔''

10 ''وجہ شہرت ٹی وی ڈرامہ؟''

''میرے ہمدم' میرے دوست۔''

11 ''چھوٹی عمر کا کوئی کارنامہ؟''

''ایک این جی او کے ساتھ کام کیا جس پر مجھے تین ہزار ملے۔ اس وقت میں 14 سال کی تھی۔''

12 ''ماحول آپ کو برا بناتا ہے یا ماحول کو آپ؟''

''کوئی کسی کو برا نہیں بنا سکتا جب تک آپ خود برے نہ ہوں۔ آپ اچھے ہیں تو سب کچھ اچھا ہے۔ بس اپنے کام سے کام رکھیں۔''

13 ''جلدی اٹھنے کی عادت ہے؟''

''جی میں 9 بجے اٹھ جاتی ہوں اور رات کو بارہ ایک بجے تک سو جاتی ہوں۔''

14 ''صبح اٹھتے ہی پہلا کام؟''

''میں گرین ٹی پیتی ہوں۔ پھر جم جاتی ہوں۔''

15 ''گھر والوں کی بات جو بری لگتی ہے؟''

''نہیں کوئی بات بری نہیں لگتی۔''

16 ''کس تہوار کا انتظار رہتا ہے؟''

''عیدالفطر کا' کیونکہ اس دن سب ایک جگہ ایک ہی گھر میں ہوتے ہیں تو سب سے مل کر اچھا لگتا ہے۔''

17 ''جم جانے کی وجہ موٹاپا یا ڈائیٹ؟''

''ڈائٹ کنٹرول تو نہیں' میں فٹ رہنا چاہتی ہوں۔ ہیلدی فوڈ کھائیں مگر پھر بھی فٹ رہیں۔''

18 ''شدید بھوک میں کیفیت؟''

"نہ پوچھیں.... کام میں بھوک کا اندازہ نہیں ہوتا۔ مگر فارغ ہوں اور بھوک لگ جائے تو دماغ گھومنا شروع ہو جاتا ہے۔"

19 "دوستوں میں رہنا اچھا لگتا ہے یا رشتے داروں میں؟"

"شکر الحمد للہ کہ رشتے دار بھی بہت اچھے دوست ہیں اور دوست بھی بہت اچھے ہیں۔ دونوں کے ساتھ ہی انجوائے کرتی ہوں۔"

20 "کس دن کا انتظار رہتا ہے؟"

"چھٹی کے دن کا۔"

21 "شدید تھکن میں بھی جانے کو دل چاہتا ہے؟"

"ایسی جگہ جہاں نیچر ہو۔ پہاڑ ہوں یا سمندر ہو۔"

22 "خوشی کا اظہار کس طرح کرتی ہیں؟"

"گانے گا کر.... اور ہلا گلا مچا کر۔"

23 "انتہا کی حد تک ضدی ہیں یا کم کم؟"

"کم کم.... ہلکی پھلکی ضد تو ہونی ہی چاہیے اور کچھ کرنے کی ضد ہوتی ہے۔"

24 "ملک میں کون سی تبدیلی ضروری ہے؟"

"ہماری سوچ کی۔"

25 "دماغ کا میٹر کب گھومتا ہے؟"

"جب کوئی جھوٹ بولتا ہے۔"

26 "رونا کب آتا ہے؟"

"جب میں غصے میں ہوتی ہوں۔"

27 "مردوں میں کیا بات ہونی چاہیے؟"

"انہیں دوسروں پر بھروسہ کرنا آنا چاہیے اور لائیلٹی ہونی چاہیے۔"

28 "کوئی لڑکا مسلسل گھورے تو؟"

"تو پھر میں سنا دیتی ہوں۔"

29 "گھر میں کس کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟"

"اماں ابا غصہ نہیں کرتے۔ مگر مجھے ان کی ناراضی سے ڈر لگتا ہے۔"

30 "پرائز بانڈ کبھی آزمائے؟"

"نہیں کبھی نہیں مگر سنا ہے کہ نکلتے ہیں اس لیے ضرور

آزماؤں گی۔"

31 "وقت سے پہلے کچھ ملا؟"

"بالکل یہ جو اتنی شہرت اور عزت مل رہی ہے اس کے لیے میں سوچتی ہوں کہ شاید ابھی میں اس کی مستحق نہیں تھی وہ مجھے میری اوقات سے بڑھ کر دے رہا ہے۔"

32 "بینک میں اکاؤنٹ ہے؟"

"بالکل ہے۔ الحمد للہ.... مگر پرسنل ہے جوائنٹ نہیں ہے۔"

33 "کس چیز کی شوقین ہیں؟"

"میں شاپنگ کی بہت زیادہ شوقین ہوں۔"

34 "ہمیں زندگی کس طرح گزارنی چاہیے؟"

"زندگی بہت بڑی نعمت ہے اس کو جلنے کڑھنے میں سوچ کر نگینو کر کے برباد نہیں کرنی چاہیے۔"

35 "پیسہ خرچ کرتے وقت کیا سوچتی ہیں؟"

"سوچتی ہی تو نہیں ہوں۔ یہی تو میرا مسئلہ ہے۔"

36 "کبھی برا وقت گزارا؟"

"بالکل گزارا.... جب کراچی تھیٹر کرنے آئی تھی تو والدین سے کہہ دیا تھا کہ اب آپ کو کچھ بن کے دکھاؤں گی۔"

37 "بہترین تحفہ؟"

"دوسروں کا دل خوش کرنا میرے خیال سے بہترین تحفہ ہے۔"

38 "موڈ اچھا ہو جاتا ہے؟"
"کئی باتیں ہیں جن سے موڈ اچھا ہو جاتا ہے کسی خاص بات سے موڈ اچھا نہیں ہوتا۔"

39 "زندگی کا سب سے مشکل کام؟"
"نیند سے بیدار ہونا۔ میں اٹھنے سے گھنٹہ پہلے کا الارم لگاتی ہوں تاکہ اپنے آپ کو بستر سے اٹھانے کے لیے تیار کر سکوں۔"

40 "مخلص کون ہوتے ہیں؟"
"کوئی بھی ہو سکتا ہے.... یہ تو آزمانے پر پتا چلتا ہے۔"

41 "چھٹی کا دن کہاں گزارنا اچھا لگتا ہے؟"
"گھر پہ....."

42 "لباس کس قسم کے پسند ہیں؟"
"جو آرام دہ ہوں۔"

43 "لڑکی ذہین ہونی چاہیے یا حسین؟"
"خوب صورت سے زیادہ خوب سیرت ہونی چاہیے۔ جو ساری زندگی کام آتی ہے۔"

44 "سکون ملتا ہے؟"
"کام سے آکر اپنے کمرے میں۔"

45 "کس کے ایس ایم ایس کے جواب فوراً" دیتی ہیں؟"
"میں اس معاملے میں بہت سست ہوں، لگتا ہے فون میرے لیے نہیں بنا۔ کوئی ضروری کام ہو یا کوئی پریشانی ہو تو فوراً" جواب دیتی ہوں۔"

46 "فارغ اوقات میں کیا کیا کرتی ہیں؟"
"بہت کچھ کرتی ہوں۔ کوئی کتاب پڑھ لیتی ہوں۔ میوزک سن لیتی ہوں یا پھر ٹی وی دیکھ لیتی ہوں اور اپنے ادھورے کام بھی کر لیتی ہوں۔"

47 "اچانک مہمان آجائیں تو؟"
"تو آجائیں، کوئی مسئلہ نہیں، مجھے مہمان اچھے لگتے ہیں۔"

48 "کون سی چیز جمع کرنے کا شوق ہے؟"
"جوتے، کپڑے، خاص طور پر جیولری اور جیولری میں انگوٹھیاں بہت پسند ہیں۔"

49 "نصیحت جو بری لگتی ہے؟"
"قہقہہ..... چونکہ ہمارے لوگوں نے ابھی تک میڈیا کی اہمیت کو تسلیم نہیں کیا تو سال میں ایک آدھ بندہ ایسا ضرور مل جاتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اس فیلڈ کو چھوڑ کر شادی کر لو۔"

50 "اپنی زندگی کا بہترین دور کسے کہیں گی؟"
"میرے خیال میں ہر دور ہی اچھا ہوتا ہے خواہ برا ہو یا اچھا۔ ہر دور اللہ کی آزمائش ہوتا ہے برا بھی اور اچھا بھی۔"

51 "وقت کی پابندی کرتی ہیں؟"
"کام کے معاملے میں وقت کی بہت پابند ہوں۔"

52 "کن لوگوں پہ" خرچ کرنے کو دل چاہتا ہے؟"
"اپنوں پر، اپنے دوستوں پر.... خرچ کر کے بہت اچھا لگتا ہے۔"

53 "کب اپنے آپ کو ساتویں آسمان پر سمجھا؟"
"جب آپ کسی چیز کے لیے محنت کریں اور آپ کو داد اور حوصلہ افزائی ملے تو میں تو پہلے رب کا شکر کرتی ہوں اور پھر اپنے آپ کو ساتویں آسمان پر سمجھتی ہوں۔"

54 "اپنے لیے اپنی کمائی سے قیمتی چیز کیا خریدی؟"
"میرے لیے قیمتی چیز میٹریل تو نہیں ہوتا بلکہ Experience ہوتا ہے۔"

55 "کھانے کا مزہ کہاں آتا ہے۔ ٹیبل پہ، چٹائی پر یا اپنے بیڈ پر؟"
"مجھے زمین پہ بیٹھ کر کھانے کا بہت مزہ آتا ہے۔"

56 "پسندیدہ فوڈ اسٹریٹ؟"
"لاہور کی فوڈ اسٹریٹ بہت پسند ہے۔ کیونکہ لاہور کے کھانے بہت مزے کے ہوتے ہیں۔"

57 "ہاتھ سے کھانا کھانے میں لذت ہے یا چھری کانٹے سے؟"
"ہاتھ سے کھانے کا تو مزہ ہی کچھ اور ہے۔"

58 "انٹرنیٹ سے اور فیس بک سے دلچسپی؟"
"ہے مگر کوئی خاص نہیں۔"

59 "دنیا سے کیا ایوارڈ لینا چاہتی ہیں؟"

"ماں باپ نے ہمیشہ ایک بات سمجھائی کہ دنیا سے اس لیے نہیں ڈرو کہ تم ایک عورت ہو۔ میں زندگی میں کامیاب ہوں گی تو عورت کو سکھاؤں گی کہ عورت مضبوط ہوتی ہے۔ جب چاہوں گی کہ دنیا میری طاقت کو تسلیم کرے۔"

60 "دیسی کھانے پسند ہیں یا بدیسی؟"
"مجھے تجربات حاصل کرنے کا بہت شوق ہے تو ہر طرح کے کھانے پسند کرتی ہوں۔"

61 "سبزی خور ہیں یا گوشت خور؟"
"دونوں ویسے سبزیاں زیادہ پسند ہیں۔"

62 "نرم گوشہ کس میں ہوتا ہے مرد میں یا عورت میں؟"
"دونوں ہی ہوتے ہیں میرے خیال سے۔"

63 "کیڑے مکوڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"
"بالکل جی.... اڑنے والے لال بیگ سے ڈر لگتا ہے۔"

64 "محبت اندھی ہوتی ہے؟"
"جی محبت اندھی ہوتی ہے۔" ہنستے ہوئے۔

65 "شادی میں کون سی رسم انجوائے کرتی ہیں؟"
"مہندی کی' بہت مزہ آتا ہے۔"

66 "شادی میں کیش دینا چاہیے یا تحفہ؟"
"آپ دیکھیں کہ ان کی ضرورت کیا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ان کے لیے کیش بہتر ہے تو کیش دیں ورنہ تحفہ۔"

67 "کھانا اور ناشتہ کس کے ہاتھ کا پسند ہے؟"
"گھر پر ہوتی ہوں تو امی کے ہاتھ کا۔"

68 "فون نمبر کتنی بار تبدیل کیا؟"
"نہیں کرتی۔ کئی سالوں سے ایک ہی نمبر چلا آرہا ہے۔"

69 "آپ کو فوبیا ہے؟"
"بالکل ہے اور اپنی کسی قریبی شخصیت کو کھونے کا ہے اپنے پیاروں کو کھونے سے ڈرتی ہوں۔"

70 "کن چیزوں کے بغیر گھر سے نہیں نکلتی؟"
"بیگ' جس میں دنیا جہاں کی چیزیں ہوتی ہیں۔"

71 "شہرت مسئلہ بنتی ہے؟"
"نہیں' بلکہ دل خوش ہوتا ہے اور شہرت کے لیے کام

نہیں کرنا چاہیے' کسی مقصد کے لیے کام کرنا چاہیے۔"

72 "لوگ ملتے ہیں تو کیا فرمائش کرتے ہیں؟"
"میم ایک سیلفی ہو جائے۔"

73 "ماں ناراض ہو تو کس طرح مناتی ہیں؟"
"میری زندگی میں جو اللہ تعالیٰ نے نعمتیں دی ہیں ان میں سب سے بڑی نعمت میرے ماں باپ ہیں اور امی بہت کیوٹ ہیں' انہیں ہنسا دو تو وہ مان جاتی ہیں۔"

74 "زندگی میں بھائی کی کمی محسوس ہوتی ہے؟"
"مجھے تو ہوتی ہے مگر والدین کو شاید نہیں' وہ کہتے ہیں کہ تم ہی ہمارا بیٹا ہو۔"

75 "غلطی کا اعتراف کر لیتی ہیں؟"
"ہاں اگر میری غلطی ہو تو۔"

76 "دل کی سنتی ہیں یا دماغ کی؟"
"مجھے لگتا ہے کہ میں دماغ کی سنتی ہوں' مگر دنیا کہتی ہے کہ تم دماغ سے کام نہیں لیتیں' دل کی بات سنتی ہو۔"

77 ''بچپن کا کوئی کھلونا جو آج بھی محفوظ ہے؟''
''کھلونا نہیں البتہ جو ڈرائنگ بناتی تھی' وہ محفوظ ہیں۔''
78 ''غصے میں کھانا پینا چھوڑا؟''
''بہت بار' غصے میں بھوک نہیں لگتی۔''
79 ''غصے میں پہلا لفظ؟''
''یار......ر۔''
80 ''خدا کی حسین تخلیق؟''
''ہر چیز۔''
81 ''بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر کیا کیا رکھتی ہیں؟''
''میری بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ بہت پھیلاوا ہوتا ہے۔ والٹ' ایک فون..... ہر چیز۔''
82 ''کھانے کی ٹیبل پہ کیا ہونا ضروری ہے؟''
''کچھ نہیں.... بس کھانا اچھا ہونا چاہیے۔''
83 ''محنت سے پیسہ ملتا ہے یا قسمت سے؟''
''دونوں سے۔''
84 ''زندگی کب بدلی؟''
''ہر پل بدلتی رہتی ہے۔''
85 ''کوئی گہری نیند سے اٹھا دے تو؟''
''بہت برا لگتا ہے۔ جس دن میری چھٹی ہو اور اس دن اگر کسی نے یہ جرات کی تو میں اس کا قتل بھی کر سکتی ہوں' قہقہہ۔''
86 ''جھوٹ کب بولتی ہیں؟''
''چھوٹے چھوٹے سے معصوم سے جھوٹ بولتی ہوں۔ بڑے جھوٹ نہیں بولتی کہ ڈرتی ہوں کہیں پکڑی نہ جاؤں۔''
87 ''کب فریش محسوس کرتی ہیں؟''
''شام کے وقت۔''
88 ''گھر آکر پہلی خواہش؟''
''اپنا بیڈ۔''
89 ''کوئی وہم جو پریشان کرتا ہے؟''
''نہیں ایسا کوئی وہم نہیں ہے جو پریشان کرے۔''
90 ''دنیا کا کون سا مسئلہ اب حل ہو جانا چاہیے؟''
''اب ساری دنیا میں ''امن'' ہو جانا چاہیے۔''
91 ''کیا چیز نشے کی حد تک پسند ہے؟''
''گرین ٹی کا نشہ ہے مجھے۔''
92 ''کوئی خواب جو بار بار دیکھتی ہیں؟''
''نیند والا خواب تو کوئی نہیں ہے مگر حقیقی دنیا کا ایک خواب ضرور ہے کہ دنیا میں کچھ چینج لاؤں تو ان شاء اللہ ایکٹنگ کی دنیا میں ضرور چینج لاؤں گی۔''
93 ''موبائل سروس آف ہو تو ٹینشن ہوتی ہے؟''
''ہرگز نہیں بلکہ وہ دن بہت سکون سے گزرتا ہے۔''
94 ''فقیر کو کم سے کم کتنا دیتی ہیں؟''
''کوئی اللہ کے نام پر مانگے تو کنجوسی نہیں کرتی۔''
95 ''کس ملک کے لیے سوچتی ہیں کہ کاش یہ ہمارا ہوتا؟''
''نہیں جی۔ ہمارا ملک بہت اچھا ہے۔''
96 ''کیا لوگ وقت ضائع کرتے ہیں؟''
''بالکل کرتے ہیں۔ گوسپ کرنے میں۔''
97 ''ایک مصرعہ ہے منیر نیازی کا.... ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں؟ کبھی ایسا ہوا؟''
''بے ساختہ قہقہہ.... ہمیشہ ایسا ہوتا ہے۔ میں بائے نیچر تھوڑی سست انسان ہوں تو اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔''
98 ''شاپنگ کے لیے پسندیدہ جگہ؟''
''کوئی پسندیدہ جگہ نہیں ہے۔ جہاں سے کچھ اچھا لگتا ہے اٹھا لیتی ہوں۔''
99 ''اچانک چوٹ لگ جائے تو؟''
''اف اللہ۔''
100 ''لائٹ چلی جائے کام کے دوران تو؟''
''شٹ یار۔''
101 ''اگر آپ کی شہرت کو زوال آجائے تو؟''
''اللہ مالک ہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں سوچنا چاہیے کہ شہرت کو زوال نہیں آئے گا۔''

حرفِ سادہ کو دیا اعجاز کا رنگ

امت الصبور

گردشِ ماہ و سال کی نیرنگیوں میں کئی راستوں سے گزرے' کئی اتار چڑھاؤ دیکھے' لیکن قافلۂ شوق رکنے نہیں پایا۔

اس طویل سفر میں ہماری مصنفین نے ہمارا بھرپور ساتھ دیا' ان کی سوچ اور فکر کے رنگ لفظوں میں ڈھلے تو ان میں زندگی کے سارے منظر سمٹ آئے' ان کی تحریروں میں عہدِ حاضر کی کرب ناک حقیقتوں کی آگہی کے ساتھ ساتھ شگفتگی' دل آویزی اور خوابوں کے دلکش رنگ بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے لاکھوں قارئین کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی' ان کے دلوں میں امید کے چراغ روشن کیے' یہی وجہ ہے کہ خواتین ڈائجسٹ کے ذریعے مصنفین کو اپنی پہچان کے ساتھ ساتھ قارئین کی بے پایاں محبت و تحسین بھی ملی۔

فطری بات ہے' ہم جن کو پسند کرتے ہیں' جن سے لگاؤ رکھتے ہیں ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتے ہیں' ہماری قارئین بھی مصنفین کے بارے میں' ان کی ذات کے حوالے سے جاننا چاہتی ہیں۔ اس لیے ہم نے مصنفین کے لیے ایک سروے ترتیب دیا ہے۔ جس کے سوالات یہ ہیں۔

س 1۔ لکھنے کی صلاحیت اور شوق وراثت سے منتقل ہوا؟ یا صرف آپ کو قدرت نے تخلیقی صلاحیت عطا کی۔ گھر میں آپ کے علاوہ کسی اور بہن بھائی کو بھی لکھنے کا شوق تھا؟

س 2۔ آپ کے گھر والے' خاندان والے آپ کی کہانیاں پڑھتے ہیں؟ ان کی آپ کی تحریروں کے بارے میں کیا رائے ہے؟

س 3۔ آپ کی کوئی ایسی کہانی جسے لکھ کر آپ کو اطمینان محسوس ہوا ہو؟ اب تک جو لکھا ہے' اپنی کون سی تحریر زیادہ پسند ہے؟۔

س 4۔ اپنے علاوہ کن مصنفین کی تحریریں شوق سے پڑھتی ہیں؟۔

س 5۔ اپنی پسند کا کوئی شعر یا اقتباس ہماری قارئین کے لیے لکھیں۔

آیئے دیکھتے ہیں' مصنفین نے ان کے سوالات کیا جوابات دیے ہیں۔

حیا بخاری

زندگی ہے ہی سفر کا نام۔ ہر روز کسی نہ کسی طرف کسی نہ کسی کو قدم بڑھانا ہی پڑتا ہے۔ رفتہ رفتہ طے ہوتا یہ سفر جس قدر طویل لگتا ہے۔ وقت گزرنے پہ احساس اسی قدر شدید ہوتا ہے کہ سفر کیسے کٹ گیا۔ کتنی طویل ساعتوں کے کتنے ہی طویل سفر طے ہو گئے اور ہمیں وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔

اور پھر باقی رہ جاتا ہے تجزیہ۔ گزرتا وقت ۔۔ ہاتھ میں پچھتاوا تھما جاتا ہے۔ یا پھر خوشی۔ کسی کے دل میں کسک رہ جاتی ہے کہ سفر آسان تھا مگر وہ ہی صحیح راستوں کا تعین کرنے میں ناکام رہا۔ اور کسی کو صحیح وقت پہ صحیح فیصلے لینے کی خوشی ہوتی ہے۔ کہ اس نے راستوں کو سمجھا۔ اوروں کے لیے راہ آسان کی اور اپنے سفر کو اچھا بنا کر ہمیشہ کا اطمینان حاصل کر لیتے ہیں وہ لوگ۔

خواتین ڈائجسٹ کا قافلہ بھی ننھی سی چند

مشعلیں لے کر سفر پہ نکلا اور آج کتنی ہی شمعیں جلائے کس قدر طویل سفر کتنی آسانی اور مسلسل بہتری کے ساتھ طے کیا کہ کتنے ہی لوگوں کے لیے نئی راہیں کھول دیں۔ کتنے ہی لوگوں کو جینے کا سبب دیا۔ اور کتنے ہی دلوں کو دھڑکنے کا ڈھنگ کہ زندگی صرف اپنی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس پہ آپ کے اردگرد سب ہی بسنے والوں کا بھی حق ہوتا ہے۔

1۔ انسان کو یوں تو بہترین نعمتیں اور رحمتیں عطا کی گئیں۔ مگر میرے نزدیک سب سے بہترین انعام قلم اور کتاب ہے۔ دوسروں کو پڑھنا جس قدر انوکھا اور اچھوتا احساس ہے۔ خود کو اور اپنے ذاتی تجربات کو لفظوں کا رنگ دے کر کہانیوں اور نظموں کی صورت میں ڈھال کر قلم سے کتاب کے اوراق کی زینت بنانا اس سے کہیں زیادہ حسین اور پرلطف۔ اتنا لطف، اتنی لذت اور کسی چیز کو تلاش کرنے میں نہیں جو خود کو کھوجنے اور خود کو سمجھنے میں ہے۔

مجھے آج تک یہ نہیں پتا چلا کہ کب میں نے پہلی بار دل پر لفظوں کی دستک محسوس کی۔ مجھے تو جب سے یاد آتا ہے یہی آتا ہے کہ تعلیم کے علاوہ اگر میرا وقت گزرتا تو صرف ڈائری پر لکھنے یا کتابیں پڑھنے میں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرے اور کوئی مشاغل نہ تھے۔ میں بہت ہی ایکٹیو لائف گزارنے پہ یقین رکھتی ہوں۔ لیکن جو وقت کتاب اور قلم نے لیا۔ اتنا زیادہ وقت میں اور کسی دوسری چیز کو نہ دے سکی۔ ہمارے خاندان میں کوئی رائٹر نہیں تھا مگر ایک دور کے ماموں ہیں جو پشتو زبان میں صرف شاعری کرتے ہیں۔ تب ہی سب خاندان والوں کی یہی دعا ہوتی تھی کہ کاش کوئی ایسا ہو ہمارے خاندان سے بھی۔ جو ان رسالوں (جو ان کے گھر کا ایک اہم ترین حصہ ہیں) میں ایک لکھاری کی حیثیت سے پہچانا جائے۔ میری امی کا تو یہ خواب تھا۔ جو بچپن سے ہی وہ ہر بچے کو تھماتی رہیں۔ اور میں اس خدائے بزرگ و برتر کی ممنون ہوں کہ جنہوں نے اس خواب کی آبیاری میرے ذریعے کردی۔ امی جب فخر سے میری پیشانی چومتے ہوئے مجھے ان کا خواب پورا کرنے والی بچی کا اعزاز بخشتی ہیں تو سچ میں لگتا ہے کہ زندگی اتنی بے کار نہیں گزری۔ مقصد میرے ہاتھ میں ہے۔ اور بہن بھائیوں کو پہلے تو شوق نہیں تھا مگر اب وہ بھی اس طرف راغب ہو رہے ہیں۔ خصوصاً" میری بڑی بہن ان کو اب جنون سا ہے کہ کاش کبھی ان کی کہانی بھی ان رسالوں کی زینت بن جائے۔

2۔ خاندان والے چونکہ باقاعدگی سے ڈائجسٹ پڑھتے ہیں۔ تو میری کہانیاں بھی جلد ہی ان کی نظر میں آگئی تھیں۔ بلکہ میری پہلی کہانی شائع ہوتے ہی نا صرف میرے خاندان بلکہ میرے گاؤں کے لوگوں نے مبارک باد دی۔ اور اس وقت میں واقعی حیران رہ گئی تھی۔ ہمارا گاؤں ادب کے لحاظ سے خاصا زرخیز ہے مگر صرف شعراء ہی تھے یہاں۔ تب ہی جب افسانہ نگاری کا پتا چلا تو نہ صرف سب نے سراہا بلکہ داد بھی دی۔ ویسے میری کہانیاں سب سے زیادہ میری امی اور میرے شوہر پڑھتے ہیں۔ اور چھپنے سے بھی پہلے پڑھتے ہیں اور کبھی کبھی زبردستی ایڈیٹنگ بھی کرا لیتے ہیں۔ (گھریلو ایڈیٹر جو ہوئے) اور ان کی بات مجھے ہر حال میں ماننا بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ چاہے میں کتنا ہی لکھ لوں۔ پوسٹ کرانا تو ان ہی کے ہاتھ میں ہے۔

3۔ ایسی کہانیاں ہوتی ہیں بعض دفعہ جو آپ خاص خود پر کسی کے لیے یا کسی کے کہنے پر لکھتے ہو۔ اور ایسی کہانیوں کے بارے میں پھر آپ حساس بھی بہت ہوتے ہو کہ کیا وہ یہ پڑھ کر خوش بھی ہوگا یا نہیں۔ مطمئن ہوگا یا؟ تب ہی ایسی دو کہانیاں "آگہی کرب مسلسل" اور "آدم کی جنت" لکھ کر میں جس قدر بے چین رہی تھی۔ اسی قدر شائع ہونے کے بعد انہوں نے مجھے اطمینان بھی بخشا تھا۔ کیونکہ جن لوگوں نے یہ کہانیاں مجھے سنائی تھیں انہوں نے خود مجھے کہا تھا کہ

"حیا! آپ کی کہانی پڑھ کر مجھے میرے نقصان کا اندازہ مزید اچھی طرح ہو گیا ہے۔" (آگہی کرب مسلسل کا شاہ ویز)

4۔ مجھے شازیہ چوہدری اور اشفاق احمد صاحب بہت پسند ہیں۔ شازیہ چوہدری کے لیے بہت سی دعائیں اب بھی لبوں پر مچلتی رہتی ہیں۔ آج کل سائرہ رضا اور تنزیلہ ریاض۔ تنزیلہ آپی کے عہد الست نے تو مجھے قسط وار ناول ماہوار پڑھنے پر بھی مجبور کر دیا۔ ورنہ قسط وار میں ہمیشہ ایک ساتھ مکمل کر کے ہی پڑھتی ہوں۔ اس کے علاوہ کنیز نبوی کا سندھی اسٹائل بھی مجھے بے حد پسند ہے۔

5۔ اشفاق احمد کا لکھا ہوا ایک ایک حرف مجھے بے حد پسند ہے۔ ان کی تحریروں میں زندگی کی سچائیاں نکھر کر سامنے آتی ہیں۔ یوں کہ کوئی ٹھوکر کھائے بنا ہی بندہ بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ تجربہ حاصل کر سکتا ہے۔ ان ہی کی کتاب زاویہ سے چند لائنیں۔

"دنیا بہت اچھی ہے۔ جب ہم اس پر تنگ نظری کی نظر ڈالتے ہیں تو یہ ہمیں تنگ نظر دکھائی دیتی ہے۔ جب ہم اس پر کمینگی سے نظر دوڑاتے ہیں۔ تو یہ ہمیں کمینی نظر آتی ہے۔ جب اسے خود غرضی سے دیکھتے ہیں تو یہ خود غرض ہو جاتی ہے۔ لیکن جب ہم اس پر کھلے دل، روشن آنکھ اور محبت بھری نگاہ دوڑاتے ہیں تو پھر اسی دنیا میں کیسے پیارے پیارے لوگ نظر آنے لگتے ہیں۔"

اور واقعی میں نے آزمایا ہے۔ کہ جیسا ہم سوچتے ہیں۔ ویسا ہی ہم پاتے ہیں۔

آخر میں سب بہنوں کے لیے ایک چھوٹی سی بات کہ زندگی کا ہر امتحان آسان ہے اگر آپ کے پاس یقین کی دولت ہے۔

مجھے ڈبوئے گا کیا ناامیدی کا بحر
بہت وسیع میرے یقین کا احاطہ ہے۔

نبیلہ رمضان

بلاشبہ ادارہ خواتین ایک بہت بڑا پلیٹ فارم ہے جو نہ صرف گوہر نایاب تلاشنے میں ماہر ہے بلکہ ان کو مزید "پالش" کر کے عقیق بنانے کا کام بھی سرانجام دیتا ہے۔ اب آتے ہیں سوالوں کی طرف۔

1۔ اپنی فیملی میں، میں فرد واحد ہوں جس نے قلم اٹھایا ہے اور اب اس کوشش میں ہوں کہ اس کا حق ادا کر سکوں۔ لکھنے کی یہ صلاحیت گاڈ گفٹڈ (خداداد) ہے۔ گھر کا ماحول ادبی تھا جس نے ذہن و فکر پر مثبت اثر کیا۔ گھر میں میرے علاوہ نہ تو کسی کو لکھنے کا شوق ہوا اور نہ ہی کسی نے ایسی کوشش کی۔

2۔ جی ہاں بالکل پڑھتے ہیں۔ غلطیوں کی نشان دہی بھی کرتے ہیں اور حوصلہ افزائی بھی۔ جیسا کہ "مرگ وفا" کے بارے میں میرے ٹیچر نے کہا کہ "کہیں کہیں آپ نے بہت جلدی میں بات مکمل کر دی اور ضروری معلومات بھی حذف کر گئیں۔"

ان کی بات بالکل درست تھی کیونکہ ایک تو میں ایگزامز میں مصروف تھی اور دوسرا ناولٹ کے کم از کم

دس اوراق ایسے تھے جنہیں لکھنے کے بعد محسوس ہوا کہ بلاوجہ کی طوالت ہے تو میں نے انہیں حذف کردیا۔ ان دس اوراق میں "سون جاہ تو" کی وجہ سے عبید اور ام ہانی کا جھگڑا اور ڈوگون کے ساتھ ایک قبیلے کی لڑائی کی تفصیل تھی۔ پبلش ہونے کے بعد فیس بک کمنٹس پڑھے تو کم و بیش سب نے یہی کہا تھا کہ تشنگی سی رہ گئی ہے۔ ناولٹ کے پیجز کم تھے اور یہ کہ اس ناولٹ کو قسط وار ہونا چاہیے تھا۔

اب "اوتار" لکھتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھ رہی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے دو اقساط میں سمیٹنا مشکل لگ رہا ہے۔ بلاوجہ کی لفاظی مجھے بلاوجہ کے تردد میں مبتلا کردیتی ہے۔ لکھتے ہوئے سعی کوشش ہوتی ہے کہ ٹو دی پوائنٹ لکھوں۔

3۔ سوال نامہ ہاتھ میں پکڑ کے میں کافی دیر یہی سوچتی رہی کہ اس سوال کا جواب کیا لکھوں۔ ابھی تو میں نے لکھنے کا آغاز ہی کیا ہے۔ میرے خیال میں زمانہ طالب علمی میں لکھنا ایک مشکل امر ہے یا پھر یہ کجی مجھ میں ہے کہ میں تعلیم کے ساتھ کوئی شوق رواں رکھنے سے قاصر ہوں۔ اگر ایم فل کا سودا سر میں نہ سما گیا تو بہت جلد اس زمانے کو خیرباد کہہ دینا ہے۔

اگر میں لکھنے کا آغاز تعلیم مکمل کرنے کے بعد کرتی تو یقیناً" اس سے بہت اچھا اور بہتر لکھتی۔ تعلیم ہی ایک وجہ ہے کہ ابھی تک میں نے بہت کم لکھا ہے اور بہت مختصر لکھا ہے۔

4۔ جہاں تک اپنی تحریر کی پسندیدگی کا سوال ہے تو رب تعالیٰ کی شکر گزار ہوں مگر مکمل طور پر مطمئن نہیں ہوں اور مزید بہتری کے لیے کوشاں ہوں۔

میں نے ملکی ادب بہت کم پڑھا ہے مگر جو پڑھا ہے وہ ذہن پہ نقش ہے۔ صدیق سالک کی ایک لاجواب "تصنیف ہمہ یاراں دوزخ" ایک شاہکار ہے۔ شیکھر جوشی ہندی ادب میں ایک بڑا نام ہیں۔ ان کی ہندی کہانیوں کا مجموعہ "ڈانگری والے" اپنی اٹھارویں سالگرہ سے پہلے پڑھ چکی تھی۔ جدید بنگالی شاعر "نریندر ناتھ چکرورتی" کا مجموعہ کلام "النگو راجا" دل و دماغ پر نقش ہے اور اب تو یاد تک نہیں کہ کتنی بار پڑھ چکی ہوں۔ قاسم بن سلیم کی سوانح عمری جسے سرہنری شارپ نے " the Arrarrins " میں سمیٹا ہے۔ ایک اعلا پایہ کا قصہ ہے۔ اس کا ترجمہ باآسانی مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ میرے خیال میں اسلامی تاریخ اس کے بغیر نامکمل ہے۔

یہ تو ناممکن ہے کہ میں رائٹرز کی بات کرتے ہوئے افریقی ادب کے ستارے "گورڈیمر" کو بھول جاؤں۔ ان کا انعام یافتہ ناول " conservationist The " بار بار پڑھا۔ حضرت عبدالقادر جیلانی کی "غنیتہ الطالبین" اور حضرت امام غزالی کی مکاشفتہ القلوب۔ یہ دو تصانیف ایسی ہیں جنہوں نے صحیح معنوں میں میری زندگی کو بدل کے رکھ دیا۔ میں ہر مسلمان و مومن کو یہ کتابیں پڑھنے کا ضرور کہوں گی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ادارہ خواتین کی مستقل قاری نہیں بن سکی' یہی وجہ ہے کہ خواتین ڈائجسٹ کی بہت کم مصنفین ایسی ہیں جن کو پڑھ پائی ہوں۔ اب تعلیم سے فراغت کے بعد ان شاء اللہ پڑھنے اور لکھنے کی راہ پہ قدم بہ قدم چلوں گی۔

5۔ "قیامت کے دن اللہ کے قریب تر وہی ہوگا جس نے بھوک اور پیاس برداشت کی ہوگی۔ لہٰذا عقل مند آدمی کا کام یہ ہے کہ وہ فاقہ کرکے انسانی خواہشات کو کاٹ دے۔ یہ اللہ کے دشمن شیطان پر ایک قہر ہے اور شہوت نفسانی' خواہشات اور کھانے پینے کی کثرت ہی شیطان کے ہتھیار ہیں۔ ابن آدم کے لیے شدید تر ہلاکت یہی ہے کہ وہ پیٹ کی خواہشات میں لگا رہے۔ شہوت بادشاہوں کو غلام اور صبر غلاموں کو بادشاہ بناتا ہے۔"

(مکاشفتہ القلوب)

آمنہ ریاض

دشتِ جنوں

قلعہ فلک بوس کا آسیب آیوشمتی.... ایک بھٹکتی روح جس کے اسرار سے کوئی واقف نہیں ہے۔

معاویہ فلک بوس آتا ہے تو اسے وسامہ کی ڈائری ملتی ہے۔

فلک بوس میں وسامہ اپنی بیوی آئے کت کے ساتھ رہتا ہے۔ وسامہ بہت اچھا اور ذہین مصنف ہے۔ وہ باوقار اور وجیہہ شخصیت کا مالک ہے لیکن ایک ٹانگ سے معذور ہے۔ وہ غیر معمولی حساس ہے۔ اسے قلعہ فلک بوس میں کوئی روح محسوس ہوتی ہے۔ آوازیں سنائی دیتی ہیں لیکن کوئی نظر نہیں آتا۔ معاویہ' وسامہ کا پھوپھی زاد بھائی ہے' آئے کت اور وسامہ' معاویہ کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ قلعہ فلک میں آیوشمتی کی روح ہے لیکن معاویہ مضبوط اعصاب کا مالک ہے' اسے اس بات پر یقین نہیں آتا۔

کہانی کا دوسرا ٹریک جہاں تین بھائی جوائنٹ فیملی سسٹم کے تحت رہتے ہیں۔

صابر احمد سب سے بڑے بھائی ہیں۔ صابر احمد کی بیوی صباحت تائی جان ہیں اور تین بچے' رامین' کیف اور فہمینہ ہیں۔ رامین کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ملائیشیا میں ہے۔

شفیق احمد کی بیوی فضیلہ چچی ہیں۔ مالی لحاظ سے وہ سب سے مستحکم ہیں۔ شفیق احمد نے ان سے پسند کی شادی کی تھی۔ دو بیٹیاں صیام اور منہا ہیں اور دو بیٹے شاہجہاں اور شاہ میر ہیں۔ بڑے بیٹے شاہ جہاں عرف مٹھو بھائی کا دماغ چھوٹا رہ گیا ہے۔

باسط احمد تیسرے بھائی کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کی بیوی روشن امی اور دو بیٹیاں خوش نصیب اور ماہ نور ہیں۔۔۔ خوش نصیب کو سب منحوس سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ تنک مزاج ہو گئی ہے۔ خوش نصیب کی نانی بھی ان کے ساتھ رہتی ہیں۔ خوش نصیب کو دونوں چچاؤں سے شکایت ہے کہ انہوں نے ان کا حق نہیں دیا ہے۔ گھر کا سب سے خراب حصہ ان کے پاس ہے۔ صباحت تائی جان اور روشن امی خالہ زاد بہنیں ہیں۔ صباحت تائی جان کے چھوٹے بھائی عرفات ماموں جو بہت نرم گفتار اور دل موہ لینے والی شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے شادی نہیں کی۔ وہ کیف کے ماموں ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا آئیڈیل بھی ہیں۔

کہانی کا تیسرا ٹریک منفرا اور ٹیمی ہیں۔ منفرا امریکہ میں پڑھنے آئی ہے۔ ہاسٹل میں رہتی ہے۔ زیر زمین ٹرین میں ان کی ملاقات معاویہ سے ہوتی ہے۔ منفرا کی نظریں معاویہ سے ملتی ہیں تو اسے وہ بہت عجیب سا لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی سفاکی اور بے حسی ہے۔ منفرا چونک سی جاتی ہے۔

دوسری قسط

رات کا دوسرا پہر تھا۔

کاتک کی دھند نے بشام کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اونچے قد آور درخت تن کر، لیکن ایسے ساکت کھڑے تھے جیسے گہری نیند میں ہوں۔ کبھی کبھی ہوا کا کوئی جھونکا آتا اور پہاڑ کے سینے پر سانپ کی طرح بل در بل بچھی ہوئی پگڈنڈیوں پر کرب پائی سے چلتا خودرو جنگلی گھاس میں تحلیل ہو جاتا۔

تو وہ پگڈنڈیاں جن پر ہوا کا جھونکا بھی رات کا احترام کرتے ہوئے احتیاط سے چلتا تھا ان ہی پگڈنڈیوں پر ایک وجود خوف کے احساس سے بدحال دوڑتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ اس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔ سنہرے لبادے سے بنی گٹھڑی کو اس نے سینے سے لگا رکھا تھا اور اس طرح بھاگ رہی تھی جیسے کوئی اس کے تعاقب میں ہو۔ گو کہ اس کا چھریرا بدن جوانی کی حکایت سناتا تھا، لیکن خوف سے بوجھل آنکھیں بتاتی تھیں کہ خوابناک زندگی کا ہر خواب
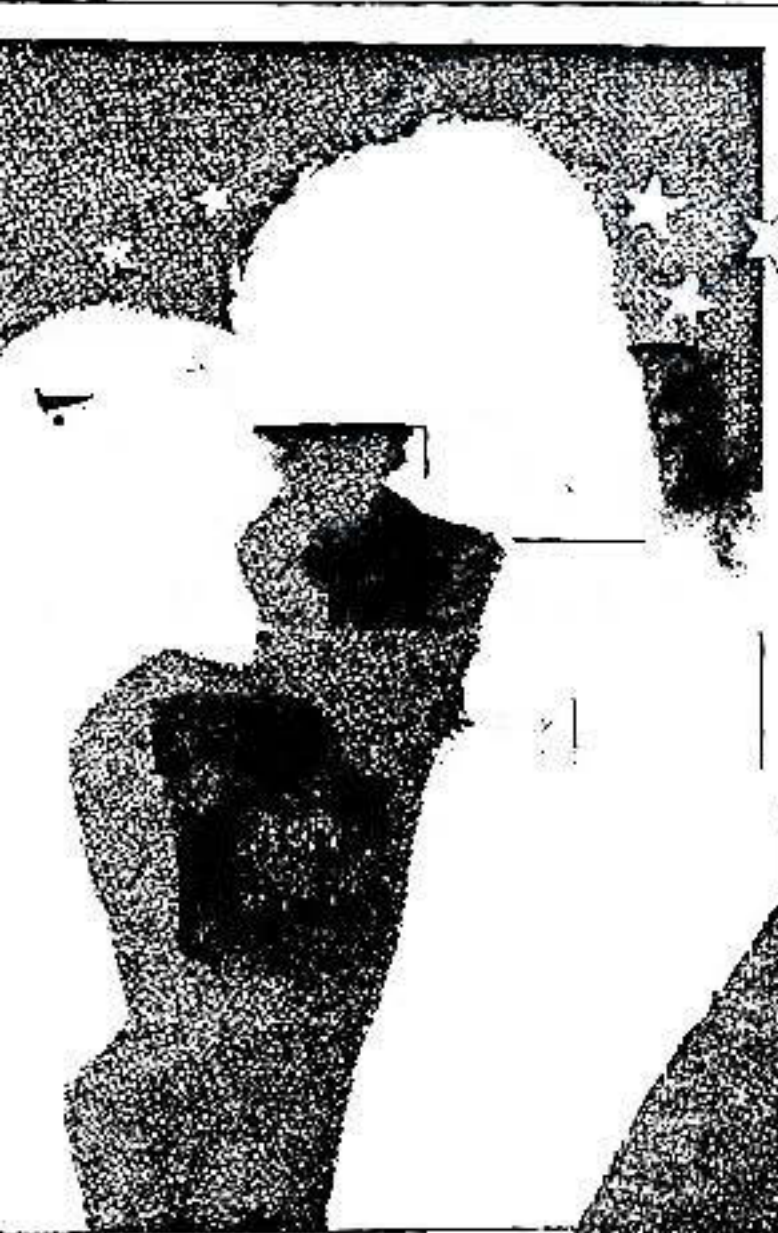
ملیامیٹ ہوچکا ہے۔

بھاگتے بھاگتے اس نے دیکھا' نیچے بہت دور' وادی دھند کے باعث اس کی بصارت سے اوجھل ہوچکی تھی۔ پھر اس نے پیچھے دیکھا۔ اس سے بہت دور قلعہ فلک بوس اپنے پورے طمطراق سے سر اٹھائے کھڑا تھا۔ آرائشی قمقمے جن سے پوری عمارت کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا ابھی بجھائے نہیں گئے تھے' لیکن سناٹا پوری عمارت کو نگل چکا تھا۔

معا" ایک حقیقت اس کے سر پر قیامت بن کر ٹوٹی۔ وہ جتنی دیر سے بھاگ رہی تھی' اب تک اسے قلعہ فلک بوس کی حدود سے مکمل طور پر باہر نکل جانا چاہیے تھا' لیکن بھاگتے بھاگتے ان ہی راستوں پر آگئی تھی جن کو اس کے بھاگتے ہوئے قدموں نے کچھ دیر پہلے عبور کیا تھا۔ اور یہ تیسری بار ہوا تھا۔ کس قدر احمق تھی وہ۔ جو سوچ رہی تھی کہ قلعہ فلک بوس سے دور چلی جائے گی۔ جس عمارت کے اسرار نے پوری وادی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا' اس عمارت میں زندگی بیدار ہوجانے کے باوجود رات کے اس پہر اس کی حدود سے نکلنا آسان نہیں تھا۔

اپنی بے وقوفی کا احساس ہوتے ہی خوف کی شدید ترین لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔ ذرا سا دھیان بٹا اور وہ منہ کے بل گری۔ لبوں سے کراہ برآمد ہوئی' لیکن پہاڑوں کے سناٹے میں آوازیں گونجتی ہیں سو اس نے تکلیف کی شدت کے باوجود آواز کو دبالیا۔ ہاتھوں میں دبوچی ہوئی سنہری گٹھڑی چھوٹ کر دور جاگری تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ لپک کر اپنی قیمتی متاع اٹھاتی' قلعہ فلک بوس سے پرے کہیں دور کسی جنگلی بھیڑیے نے رونا شروع کیا اور سناٹے اور دھند کے پردے میں شگاف پڑگیا۔

اسی وقت درخت کی اوٹ سے ایک اور سایہ برآمد ہوا۔ اسے دیکھ کر لڑکی کی آنکھوں میں ہراس پھیل گیا' لیکن اس سے پہلے کہ وہ ایک بھی لفظ زبان سے نکال پاتی' سائے نے اپنی اوٹ سے ہاتھ باہر نکال کر بلند کیا۔ ہاتھ میں تیز دھار خنجر تھا۔ قلعہ فلک بوس کے آرائشی قمقموں کی ایک لہر خنجر کی دھار سے ٹکرائی۔ خنجر ہوا میں لہرایا اور لڑکی کے عین دل کے مقام پر گر گیا۔ اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل کر شام کے سناٹے کو چیرتی چلی گئی۔

عین اس وقت جب شام اس چیخ سے لرز رہا تھا' ٹھیک اسی وقت' قلعہ فلک بوس کی آرائشی بتیاں ہمیشہ کے لیے بجھادی گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"آپ کیف کو سمجھاتے کیوں نہیں ہیں؟" ناراضی سے پوچھا۔

"کیا سمجھاؤں؟" عرفات حیران ہوئے۔

"یہی کہ مجھ سے بدتمیزی نہ کیا کرے۔" ٹھنک کر کہا گیا۔

عرفات مزید حیران ہوئے۔ "اس نے کب بدتمیزی کی؟"

"ابھی ابھی..... آپ کے سامنے....."

"تمہیں چڑا رہا تھا وہ۔" رسان سے بولے۔

"ہاں تو ایک ہی بات ہے۔" اس نے فورا" کہا۔ "چڑانا بھی تو بدتمیزی ہی ہوتی ہے۔"

"تمہیں خوامخواہ ہی کیف سے شکایت رہتی ہے۔ ورنہ وہ تو اتنا اچھا بچہ ہے کہ روتے ہوئے کو ہنسا دے۔"

انہیں کیف سے بہت پیار تھا اور یہ پیار اس وقت ان کے لہجے سے جھلک رہا تھا۔ خوش نصیب بدمزہ ہوگئی۔

"ہنسا تو جوکر بھی دیتا ہے۔ اس میں کیا کمال کی بات ہے۔" بڑبڑاتی آگے بڑھی اور کھڑکی کھول دی۔ کمرے میں

داخل ہوں تو دائے ہاتھ پر پلنگ بچھا تھا۔

دوسری طرف کتابوں کی الماریاں اور اسٹڈی ٹیبل۔ سامنے ایک پرانی طرز کی دوپٹ والی کھڑکی جو اس حویلی نما مکان کے مرکز میں کھلتی تھی۔ کمرہ چونکہ دوسری منزل پر تھا تو اس کھڑکی میں کھڑے ہوجاؤ تو سب کے پورشنز دکھائی دیتے تھے اور ایسی ہی کئی کھڑکیاں دروازے سب ہی کے پورشنز میں تھیں۔ کیف کو جب کوئی کام ہوتا تو اپنی کھڑکی سے خوش نصیب کی کھڑکی پر پتھر مارتا۔ اور بہت سی باتوں کی طرح اس بات سے بھی خوش نصیب چڑ جاتی تھی لیکن اتنے بہت سے سالوں میں کیف کی عادت بدلی نہ خوش نصیب کی چڑچڑاہٹ۔

بالکل سیدھ میں تھوڑا سا بائیں طرف دیکھو تو خوش نصیب کا پورشن تھا اور جو بقول خوش نصیب اگر روشن امی کا سگھڑاپا اور نفاست پسندی کا ساتھ نہ ہوتا تو اب تک موہنجوداڑو کے کھنڈرات سے مشابہہ لگنا شروع ہوچکا ہوتا۔

تو یہ کھڑکی خوش نصیب کی پسندیدہ جگہ تھی۔ وہ ہمیشہ عرفات ماموں کے کمرے میں آتی اور کھڑکی کھول کر کھڑی ہوجاتی۔

اب بھی اس نے یہی کیا۔ کیف کے باہر جاتے ہی استحقاق سے آگے بڑھی اور کھڑکی کے پٹ وا کردیے۔ نیچے فضل منزل کا احاطہ تھا۔ کھلا اور خالی ہو کر بھی پُر رونق۔

شام کا آسمان کھلا کھلا اور پُربہار دکھائی دیتا تھا جبکہ نیچے احاطے کے فرش کی سرخ اینٹیں دُھل دھلا کر نکھری ستھری سی لگ رہی تھیں۔

خوش نصیب نے سب کے پورشنز میں ایک اُڑتی پڑتی نظر ڈالی اور گردن موڑ کر عرفات ماموں کو دیکھا۔

"آپ کو پتا ہے مجھے آپ کی یہ کھڑکی کتنی اچھی لگتی ہے؟" اس کے انداز میں دبا دبا سا جوش تھا۔

عرفات اپنی مطلوبہ کتاب نکال کر واپس ایزی چیئر پر بیٹھ چکے تھے۔ چشمہ لگائے کتاب ہاتھ میں پکڑے مدبر مدبر سے۔

اس سوال پر رخ میز کی طرف موڑتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا اور بولے۔

"بہت اچھی طرح سے..." سنجیدگی سے بولے۔ "اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم اس کھڑکی سے سب کے گھروں میں نظر رکھ سکتی ہو... ہے نا یہی بات؟"

خوش نصیب نے بے ساختہ زبان دانتوں تلے دبائی۔ اسے ہمیشہ لگتا تھا جو اس کے دل میں ہے وہ کوئی جان نہیں سکتا۔ وہ خود کو ایسا ہی ہوشیار' چالاک' ذہین اور پتا نہیں کیا کیا سمجھتی تھی لیکن ساری ہوشیاری اور ذہانت عرفات ماموں اور کیف کے سامنے دھری کی دھری رہ جاتی۔ عرفات ماموں تو پھر بھی نرم لہجے میں اپنے مخصوص مدبرانداز میں اس کے ارادوں کی نشاندہی کرتے تھے۔ وہ کیف کا بچہ تو ایسے تاک کروار کرتا کہ خوش نصیب دنوں سلگتی رہتی۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔" منہ کے زاویے بگاڑتی ہوئی وہ پلنگ پر بیٹھ گئی۔ "اتنی اچھی لگتی ہیں مجھے یہ کھڑکیاں... اور دروازے... ایسے جیسے کوئی پرانے زمانے کی **فینٹسی ہو۔**"

عرفات نے جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے کتاب کے صفحے پلٹتے رہے۔

خوش نصیب کے دل میں چور تھا سو چپکے چپکے انہیں ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔ اس کے حساب سے سب تو ڈانٹ چکے' بس عرفات ماموں ہی باقی رہ گئے تھے۔ خوش نصیب چاہتی تھی وہ بھی ایک بار اسے سنالیں تاکہ اس کے دل سے بوجھ تو کچھ کم ہو۔ ظاہر ہے ان کے سامنے تو کھل کر بولا جاسکتا تھا۔ دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے یہ بھی ایک

اچھا بلکہ بہترین پلیٹ فارم تھا۔
"آپ مجھے ڈانٹیں گے نہیں؟" بالآخر اس نے کہا۔
"پہلے کبھی ڈانٹا ہے؟" انہوں نے بنا اس کی طرف دیکھے پوچھا۔
"نہیں۔۔۔ ڈانٹا تو نہیں ہے۔" وہ جھینپ سی گئی۔
"پھر؟"
"سمجھائیں گے تو ضرور۔۔۔" نروٹھے پن سے بولی۔ "میں جانتی ہوں۔۔۔ سب کی طرح آپ کو بھی یہی لگتا ہے کہ میں ہی غلط ہوں اور صباحت تائی جان تو آپ کی بہن بھی ہیں۔ وہ بھی سگی والی۔"
"سوال یہ نہیں کہ سب کو کیا لگتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ تم خود کو کیا سمجھتی ہو۔" اب وہ بھی اسکول ٹیچر کی طرح شروع ہوئے۔
"مجھے تو یہی لگتا ہے کہ میں ہی صحیح ہوں۔" گردن اکڑا کر بولی۔ "اور آپ سے تو کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ جو کچھ بھی سارے خاندان والوں نے ہمارے ساتھ مل کر کیا' وہ آپ کے سامنے ہی تو ہوتا رہا ہے۔"
"بس کرو خوش نصیب! نکل آؤ اس خود ترسی سے۔۔۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔ "تمہیں اعتراض ہے کہ تم لوگوں کو تمہارا جائز حق نہیں دیا گیا۔ اپنی دنیا سے باہر نکلو اور باقی دنیا میں جھانک کر دیکھو۔ انسانوں کے ایسے ایسے مسائل ہیں کہ تم سن کر ہی دنگ رہ جاؤ گی۔ اس پر بھی کمال یہ ہے کہ وہ شکایت کا حرف زبان تک نہیں لاتے۔"
وہ سانس لینے کے لیے لمحہ بھر رکے۔ خوش نصیب کو دوبارہ سے اسٹارٹ لینے کے لیے اتنا ہی وقت کافی ہوتا تھا۔
چابی لگی گاڑی کی طرح فوراً "چوتھے گیئر میں چل پڑی۔
"کوئی ولی ہوں گے وہ سب۔۔۔ ہم سے تو نہیں ہوتا اتنا درگزر۔"
"ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی۔" عرفات نے سر ہی جھٹک دیا۔ اسے سمجھانا فضول تھا۔
"اچھا اب ناراض تو نہ ہوں۔" اسے فکر ہوئی۔
"ناراض نہیں ہو رہا' لیکن تمہارے ساتھ سر کھپانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں۔ ٹھیک ہی کہتا ہے کیف۔"
خوش نصیب کے کان فوراً "کھڑے ہوئے۔ "کیا کہتا ہے کیف؟"
عرفات کو احساس ہوا اب یہ نیا دفتر کھول کر بیٹھ جائے گی تو بات سمیٹ کر بولے۔
"ارے کچھ نہیں کہتا' لیکن تمہیں ذرا سی بات کے لیے آپا سے اتنی بدتمیزی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اس لیے نہیں کہہ رہا کہ میری بہن ہیں۔ اس لیے کہہ رہا ہوں ـــ کہ تمہاری بزرگ ہیں' بزرگوں کا احترام کرو گی تو زندگی میں کامیاب رہو گی۔"
"صباحت تائی جان اور فضیلہ چچی مجھے ڈائن' چڑیل' کالی بلی' پچھل پیری اور پتا نہیں کیا کیا کہتی ہیں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔
"تم ہو۔۔۔؟ نہیں نا۔۔۔ تو اگنور کر دیا کرو ان کی باتوں کو۔۔۔ کسی کے کچھ کہنے سے تم ویسی بن تو نہیں جاؤ گی نا خوش نصیب!" انہوں نے رسان سے کہا پھر موضوع بدل دیا۔ وہ اس کے آنسو نہیں دیکھ سکتے تھے۔
"اچھا چھوڑو۔۔۔ یہ بات نہیں کرتے' کوئی اور بات کرتے ہیں۔"
"اور کون سی بات؟" اس نے آنکھیں رگڑ کر پوچھا۔
"آگے کیا ارادہ ہے؟ تم نے کہا تھا ماسٹرز کرو گی؟ ایڈمیشن کب سے شروع ہو رہے ہیں؟"
"کون سی یونیورسٹی' کہاں کا ایڈمیشن۔۔۔" دل پھر بھر آیا۔ "اکیڈمی میں دو چار اسٹوڈنٹس آ گئے ہوتے تو ایڈمیشن

کی فیس بھی جمع ہو جائی' روشن امی تو پہلے ہی کہہ چکی ہیں' اخراجات بہت ہیں' ایڈمیشن کا سوچنا بھی مت۔"
"فیس بھی مل جائے گی۔ تم فارم منگوالو۔" انہوں نے آہستگی سے کہا۔ اس بات کا مطلب خوش نصیب بخوبی جانتی تھی' سو بددلی سے بولی۔
"رہنے دیں عرفات ماموں! میں پرائیویٹ پڑھ لوں گی۔ آپ سے پیسے لینے کے لیے روشن امی کبھی راضی نہیں ہوں گی۔"
"تم فارم منگواؤ۔ تمہاری امی سے میں خود بات کرلوں گا۔"
وہ قائل ہوئی یا نہیں چپ ضرور ہو گئی پھر کچھ خیال آنے پر بولی۔
"ہم یہ حویلی بیچ کیوں نہیں دیتے؟ کروڑوں میں قیمت لگے گی ایمان سے۔ کمرشل پلاٹ ہے۔ سب کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔" اپنے مخصوص انداز میں ہتھیلی پر تالی بجا کر بولی۔
"چلو! اب تم یہ نئی بحث چھیڑ کر بیٹھ جاؤ۔" عرفات خفیف سا ہنس دیے۔ "تمہیں یہ گھر پسند نہیں ہے؟"
"ارے کوئی ایسا ویسا؟" آنکھیں پھیلا کر اور ہنس کر بولی۔ "مجھے تو خواب میں بھی یہی گھر نظر آتا ہے۔ پتا ہے عرفات ماموں! کبھی کبھی مجھے خوف آتا ہے کہ میں سفید جوڑے پر رنگین دوپٹہ اوڑھے ان کھڑکیوں سے جھانک رہی ہوں۔ کبھی صحن میں بھاگتی ہوئی۔ کبھی بارش ہونے لگتی ہے اور میں اس رم جھم بارش میں آم کی شاخوں پر جھولا جھول رہی ہوں۔" پلنگ کا پایا پکڑے وہ جیسے اپنے خواب میں ہی کھو گئی۔
عرفات نے زیر لب مسکراتے رہے۔
"تمہارے خواب بھی تمہاری طرح دلچسپ ہیں۔"
"دلچسپ؟ اجی احمقانہ کہیے۔" کیف کی آواز آئی۔
خوش نصیب کا خواب چھن سے ٹوٹ گیا۔ برا سا منہ بنا کر اسے دیکھا۔ وہ اندر آچکا تھا اور شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ عقب سے نکل کر شیرو نے چائے کی ٹرے میز پر رکھ دی۔
"تم میرا کوئی خواب پورا ہونے نہ دینا۔" لڑاکا عورتوں کی طرح بولی۔
"صرف میں ہی تو ہوں جو تمہارے سارے خوابوں کو پورا کر سکتا ہوں۔ لیکن تم سمجھتیں ہی نہیں۔" شرارتی آنکھیں' غیر سنجیدہ انداز۔
خوش نصیب جھنجلا کر اٹھی۔ اپنا چائے کا کپ اٹھایا۔
"کپ بعد میں بھجوا دوں گی۔" اور کیف کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتی باہر نکل گئی۔
"اچھی بات ہے۔ ورنہ تمہارا کوئی پتا نہیں' چائے کے ساتھ کپ کو بسکٹ سمجھ کر کھا جاؤ۔"
خوش نصیب نے اپنے پیچھے کیف کی آواز اور پھر قہقہہ سنا تھا۔ جان جل کر خاک ہی ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

وسامہ پلنگ پر تکیوں کے سہارے بیٹھا ہوا تھا۔

آئے کت نے ایک ٹیبلیٹ پتے سے نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔ وسامہ نے بنا کسی اعتراض کے گولی زبان پر رکھی اور پانی کے ایک گھونٹ کے ساتھ حلق سے اتار کر گلاس آئے کت کی طرف بڑھا دیا۔
پانی پیتے ہوئے اس نے دیکھا معاویہ جھجکتے ہوئے کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔
"مجھے کچھ بات کرنی ہے۔"

اس سے پہلے کہ وسامہ کوئی جواب دیتا آئے کت نے کہا۔ ''ابھی نہیں معاویہ! وسامہ کو آرام کرنے دو۔'' لہجہ نرم لیکن دوٹوک تھا۔

''تم ہمیشہ میرے اور میرے بھائی کے درمیان آجاتی ہو؟'' معاویہ جذباتیت سے بولا۔

آئے کت نے گردن موڑ کر اسے ناراضی سے دیکھا۔

''یہ وقت کسی بے تکی بحث کا نہیں ہے معاویہ!''

''بھائی!'' معاویہ نے بچوں کی طرح منہ بسور کر مدد طلب نظروں سے وسامہ کو دیکھا۔

''آئے کت ٹھیک کہہ رہی ہے معاویہ!'' وسامہ نے کہا۔ ''میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' معاویہ نے ناراضی سے کہا اور کمرے سے باہر جانے لگا۔

''لیکن تم باہر مت جاؤ۔ یہیں رکو۔ ایسا نہ ہو۔ وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچادے۔'' وسامہ کے لہجے میں ایک بار پھر ہراس نمایاں ہونے لگا تھا۔

''وہ کون؟'' معاویہ نے ذرا سا رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کا انداز کسی قدر جھنجلاہٹ والا تھا۔

''وہ آسیب۔ آیو شمتی کی طرح۔'' اس کی آواز بے حد ہلکی اور خوف سے سرسرا رہی تھی۔

''ان محترمہ سے تم خوف کھاتے رہو۔ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی وہ۔'' اس نے چڑ کر کہا اور دھڑ سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

ان دونوں نے معاویہ کو کمرے سے جاتے دیکھا پھر وسامہ نے آئے کت سے کہا۔

''اسے سمجھاؤ آئے کت!'' وہ بے چین سا ہو رہا تھا۔

''بچہ ہے۔ کچھ وقت گزرے گا تو سمجھ جائے گا۔'' اس نے بھی آہستگی سے کہا۔

''تمہیں، وہ اب ناراض ہو گیا ہے۔'' اس کا لہجہ مزید بجھ گیا تھا۔ ''اس سے کہو کم سے کم وہ تو مجھ سے ناراض نہ ہو۔''

''آپ فکر کیوں کرتے ہیں۔'' آئے کت نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''سب راضی ہو جائیں گے آپ سے۔ کوئی ناراض نہیں رہے گا۔''

''خدا کرے میرے مرنے سے پہلے یہ وقت آجائے۔'' وسامہ نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی بے بسی سے کہا تھا۔

''وسامہ!'' آئے کت نے دہل کر اسے ٹوکا۔ ''پلیز اس طرح کی باتیں مت کریں۔ آپ کو کچھ ہوا تو میں کیسے زندہ رہوں گی۔'' وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

''میں تو پہلے ہی ایک لاش ہوں۔ مجھ سے کیا حاصل ہے تمہیں۔'' وہ بہت مایوس لگ رہا تھا۔

''آپ اس طرح کی باتیں کریں گے تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔'' اس نے زچ ہو کر کہا۔

وسامہ نے دیکھا، آئے کت کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو دکھائی دے رہے تھے جنہیں پلکوں کی سرحد عبور کرنے سے روکنے کے لیے اس بیچاری کو خود پر بڑا جبر کرنا پڑ رہا تھا۔ اس نے ہونٹ بھینچ رکھے تھے پھر بھی آنسو اس کے گالوں پر بہنے لگے۔

وسامہ نے اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ کر اپنی پیشانی سے لگا لیا۔

''میں جانتا ہوں میرا ناکارہ وجود تمہارے کسی کام کا نہیں ہے۔ یہ تمہاری محبت ہے اور تمہاری رحم دلی جو تمہیں میرے ساتھ رہنے پر مجبور کر رہی ہے۔ میں تمہارا احسان کبھی نہیں چکا سکوں گا آئے کت!''

آئے کت نے ایک گہری سانس لی اور اپنا ہاتھ اس کی مضبوط گرفت سے چھڑا کر نرمی سے اس کا سر سہلانے لگی۔

"آپ سوجائیں۔ کچھ دیر سوئیں گے تو بہتر محسوس کریں گے۔"

"ہاں، میں سوجاتا ہوں۔" اس نے بھی گہری سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔ "مجھے نیند آرہی ہے۔ تم یہیں رہو۔ تمہیں آیوشمتی تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچادے۔ معاویہ کو بھی بلالو۔ اسے بھی اکیلے نہیں رہنا چاہیے۔"

آنکھیں موندے وہ بولتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھ کی گرفت آئے کت کے ہاتھ میں کمزور پڑنے لگی۔ لیکن وہ پرسکون تھا۔ پھر ابھی اس کا ذہن نیند میں جھول رہا تھا جب اس نے محسوس کیا کہ نرمی سے آئے کت نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور محتاط انداز میں وہ اس کے پاس سے اٹھ گئی۔ اور دبے قدموں کمرے سے باہر جا کر اس نے بنا آواز دروازہ بند کر دیا۔ وسامہ کے غنودگی میں ڈوبتے ذہن پر یہ بات گراں گزری۔

وہ آئے کت کو روکنا چاہتا تھا لیکن نیند میں جاتے ہوئے ذہن کے ساتھ اس کے جسم کی طاقت ختم ہونا شروع ہوگئی تھی۔ وہ آواز دینا تو دور کی بات آنکھیں بھی نہیں کھول پا رہا تھا۔ کمرے میں اکیلے رہ جانے کے خیال سے اس کا دل ایک بار پھر دہشت سے بھرنے لگا۔ اور اسے ایسا لگا جیسے دو پُراسرار آنکھیں اسے گھور رہی ہوں۔

کمرے کی بند کھڑکی جس کے شیشے پر بھاری پردے گرے ہوئے تھے اور جس کے باہر شام کی خوب صورت رات چپکے چپکے بہہ رہی تھی۔ اس کھڑکی کے شیشے پر ایک غیر مرئی ہاتھ ہولے ہولے دستک دینے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

خوش نصیب کا اکیڈمی بند ہونے کا صدمہ ماند پڑ چکا تھا لیکن مکمل طور پر ختم نہ ہوا تھا۔

وہ مونگ کی دال کے ساتھ لیموں اور سبز مرچ چھڑکی ہوئی پیاز پلیٹ میں ڈالتی۔ اچار کی قاش تازہ پھلکے پر رکھ کر پیٹ بھر کر کھانا کھاتی اور پہروں اپنے خاندان والوں کی زیادتیوں اور خود پر گزرے مصائب پر کڑھتے ہوئے گزار دیتی۔

اس کے مقابلے میں ماہ نور ایک مصروف انسان تھی۔ پرائیویٹ ماسٹرز کرچکی تھی۔ آج کل ایم فل کرنے کا سوچ رہی تھی۔ گھریلو کاموں میں طاق تھی سو روشن امی کا ہاتھ بٹا دیتی۔ سلائی میں ایسی مہارت رکھتی تھی کہ کیا ہی کوئی کامیاب اور ماہر ٹیلر ایسے ڈیزائن بناتا ہوگا جو ماہ نور بنا دیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ صیام اور منہا کی بھی مروتاً بہن تھی۔

صباحت تائی جان اکثر فضیلہ چچی کو دبے لفظوں میں سمجھاتیں۔ "ان دونوں کو بھی کچھ سکھادو۔ اور کچھ نہیں تو ایک ہنر ہی ہاتھ آجاتا ہے۔ میرے منہ میں خاک۔ اگلے گھر جا کر کوئی مشکل وقت آیا تو چار پیسے کمانے جوگی تو ہوں گی۔"

انہوں نے اپنی طرف سے بڑا اپناپن جتایا تھا لیکن فضیلہ چچی تو یوں بھی مزاج کی نازک واقع ہوئی تھیں اس بات پر تو بالکل ہی برا مان گئیں اور تنک کر بولیں۔

"آپ اپنی فہمینہ کو سکھالیں۔ اللہ خیر کا وقت لائے۔ صیام اور منہا کے ابو کی دو دو دھاگہ فیکٹریاں ہیں فیصل آباد میں۔ میں انہیں ایسے گھر میں بیاہوں گی ہی نہیں جہاں کپڑے خود سلائی کر کے پہننے پڑیں۔"

صباحت تائی جان اپنا سا منہ لے کر خاموش ہو رہیں۔ اور فضیلہ چچی نے اتنا نخوت بھرا بیان جاری کرتے ہوئے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ اگر کپڑے سلائی کرنا اتنا ہی نیچ کام ہے تو اب تک تو صیام اور منہا کے ابو کی دو دو

دھاگا فیکٹریاں بند ہوجاتی تھیں۔ یہ ستمبر کی دوپہریں تھیں۔ گو کہ سمٹ رہی تھیں مگر جلدی ختم نہ ہوتی تھیں۔
خوش نصیب کتاب پڑھنے نانی کے پلنگ پر لیٹی۔ پڑھتے پڑھتے اونگھ آگئی تو وہیں لمبی سوگئی۔
جس وقت ماہ نور پریشان پریشان سی اندر داخل ہوئی خوش نصیب پلنگ پر اوندھی لیٹی دھت سو رہی تھی۔ ایک بازو پلنگ سے لٹک رہا تھا۔ کتاب نیچے فرش پر تھی اور خوش نصیب کے لیٹنے کی پوزیشن ایسی تھی کہ لگتا تھا ابھی نیچے گر جائے گی۔
ماہ نور نے اسے دیکھا اور سٹپٹا کر اسے گرنے سے بچانے کے لیے بھاگی۔ "خوش نصیب!"
خوش نصیب ہڑبڑا کر اٹھی۔
"کیا ہوا؟ کیا ہوا؟"
"تم گر رہی تھیں۔"
"ہائیں۔ میں گر گئی تھی؟" وہ جاگتے ہوئے بھی کون سا حواس میں رہتی تھی جو سوتے ہوئے کوئی اچھی توقع کی جاتی۔
ماہ نور نے بے ساختہ سر پیٹا۔ "تم گرنے والی تھیں۔ میں نے بچا لیا۔"
"لو اور سنو۔" خوش نصیب طنزاً بولی۔ "تم نے مجھے بچایا؟ تم نے؟ خوش نصیب کو کوئی نہیں بچائے گا۔ خوش نصیب خود اپنا سہارا بنے گی۔"
ماہ نور نے چڑ کر اس کے سر پر چپت لگائی۔ "افوہ! کبھی تو پورے ہوش میں آکر بات کیا کرو۔"
"میں ہوش میں ہی ہوں۔" اس نے بھی دوبدو جواب دیا۔ "ویسے بھی اتنی عالمانہ گفتگو کوئی ہوش سے بیگانہ نسان نہیں کرسکتا۔ لیکن خیر۔ یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔"
"میری کچھ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ تم ایک بات دھیان سے سمجھ لو کہ نانی کا کچھ پتا نہیں چل رہا۔ صبح سے گھر سے نکلی ہوئی ہیں ابھی تک واپس نہیں آئیں۔" اس نے پریشانی سے بتایا۔
خوش نصیب کی سماعت ہی نہیں دوبارہ نیند میں جاتی آنکھیں بھی کھل گئیں۔
"کیا کہہ رہی ہو؟ نانی گھر سے بھاگ گئیں وہ بھی اس عمر میں۔" صدمہ' بے یقینی۔
"اوفف۔" ماہ نور کا دل چاہا اس کا سر ہی پھاڑ دے۔
"کبھی تو کوئی عقل والی بات کیا کرو خوش نصیب! نانی کیوں گھر سے بھاگیں گی اور ویسے بھی۔" جھنجلاہٹ کے وجود بات کرتے جھجک سی گئی۔ "انہیں بھاگنا ہی ہوتا تو صحیح عمر میں بھاگتیں۔ اب کیا کریں گی بھاگ کر۔"
خوش نصیب نے پریشانی اور حیرانی کے باوجود اپنے مخصوص انداز میں بائیں ہتھیلی پر دائیں ہاتھ سے تالی بجائی۔
"یہی بات تو میں کہہ رہی ہوں۔"
"اچھا بکو مت۔ اور جا کر نانی کو ڈھونڈو۔ صبح سے اپنے بھتیجے کے گھر گئی ہوئی ہیں۔ امی نے منع بھی کیا تھا لیکن نہ نے ایک نہیں سنی۔"
"ہاں تو ظاہر ہے سنتیں بھی کیسے۔" وہ جلدی جلدی پیروں میں چپل پہنتے ہوئے بڑبڑائی۔ "کانوں سے تو کئی الوں سے انہیں سنائی دینا بند ہوچکا ہے۔"
ماہ نور نے پھر اسے ناراضی سے دیکھا۔
"اور روشن امی سے کہو پریشان نہ ہوں۔ نانی یہیں کہیں گلیوں میں بھٹک رہی ہوں گی میں ڈھونڈ لاتی ہوں۔"
وہ جلدی جلدی بولتی باہر نکل گئی۔

ماہ نور پریشانی سے دعا کرنے لگی کہ نانی صحیح سلامت مل جائیں۔ کانوں سے کم سنائی دیتا تھا۔ آنکھیں بھی رفتہ رفتہ ساتھ چھوڑ رہی تھیں۔ ہاتھ پیر البتہ مضبوط تھے۔ اچھے وقتوں کی پیداوار تھیں۔ خالص خوراکیں کھا کر بوڑھی ہوئی تھیں سو بقول خوش نصیب مشینری پرانی ہو کر بھی چلتی جا رہی تھی۔ سو یہی بڑی بات تھی۔ خوش نصیب انہیں اینٹیک پیس (نادر نمونہ) بلاتی تھی۔

وہ اکثر ایسے ہی کسی دور پار کے رشتہ دار سے ملنے نکل کھڑی ہوتی تھیں اور واپس لانے کے لیے خوش نصیب کو ہی گھر سے نکلنا پڑتا تھا۔

☆ ☆ ☆

بروکلن ہائیٹس میں وہ کئی منزلہ عمارت تھی جو سر اٹھائے کھڑی تھی۔

کھڑکیوں کے شیشوں پر بارش کا پانی لکیریں بناتا ہوا بہہ رہا تھا۔ ان ہی کھڑکیوں میں سے ایک کے پیچھے معاویہ سر جھکائے بیٹھا تھا اس کے ہاتھوں میں سرمئی ڈائری تھی جس پر وسامہ طالب کا نام ابھرا ہوا تھا۔

کھڑکی کے پاس ایک چھوٹے سائز کا ٹیبل لیمپ جل رہا تھا بس اتنی ہی روشنی تھی جو معاویہ کو ڈائری کی سطریں پڑھنے میں مدد دے سکتی تھی۔

کھڑکی سے کچھ قدم کے فاصلے پر ایک چھوٹی میز رکھی تھی۔ میز کے درمیان ایک بڑا سا پوسٹر نما چارٹ بچھا ہوا تھا جس کے وسط میں ایک آنکھ بنی ہوئی تھی۔ ارد گرد مختلف زبانوں میں حروف لکھے ہوئے تھے۔ قریب ہی مختلف ساخت کے چند چھوٹے بڑے پتھر، کچھ لکڑیوں کے ٹکڑے اور TarotCards پڑے تھے۔ ان سب میں سب سے دہلا دینے والی چیز وہ کھوپڑی تھی جو میز کے کونے میں اوندھی پڑی تھی۔

باقی کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور خوف کے احساس کو ابھار رہا تھا۔

معاویہ نے ڈائری بند کردی اور گردن موڑ کر باہر دیکھنے لگا۔ وہ عمارت کی جس منزل پر رہتا تھا اس کی کھڑکی سے سڑک دور دکھائی دیتی تھی لیکن نیویارک کی جگمگاتی رات پوری طرح بیدار نظر آرہی تھی۔ برستی ہوئی بارش اور اس سے پرے جلتی بجھتی روشنیاں۔

کھڑکی کے اس طرف اگر تاریکی کا ہراس تھا تو دوسری طرف روشنیوں کی خوب صورتی۔

کوئی عام انسان ہوتا تو اسے یہ منظر متاثر کرتا لیکن معاویہ عام انسان نہیں تھا۔ وہ یہ بات کئی سال پہلے تسلیم کر چکا تھا اور چاہتا تھا اس سے وابستہ باقی لوگ بھی یہ بات تسلیم کرلیں۔ جب انہوں نے معاویہ کی حیثیت کو قبول نہیں کیا تو وہ ان سے دور ہونے لگا۔ اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

زندگی میں دو اہم ترین انسانوں سے دور ہو جانے کے بعد کسی اور کے نزدیک رہنے کی اسے خواہش بھی نہیں تھی۔ اسے نیویارک کی خوب صورتی متاثر نہیں کرتی تھی۔ اس نے بہت خوب صورتی دیکھی تھی۔ دنیا میں بشام سے زیادہ خوب صورتی اور کہاں ہو سکتی تھی۔ معاویہ کو وہ زمین پر جنت لگتی تھی اور اگر بشام جنت نہیں تھا تو جنت کا چھوٹا موٹا ٹکڑا ضرور تھا۔

باقی جہاں تک خوف کا تعلق ہے۔ تو خوف قلعہ فلک بوس سے زیادہ کہاں ہو سکتا تھا؟ جس کا مرکزی دروازہ کھلتے ہی اس آسیب کا اسرار اپنی لپیٹ میں لینے لگتا تھا جس کا نام آیوشمتی تھی۔

کھڑکی کے شیشوں سے پرے ایک دم نیویارک کی روشنیاں اور بارش کی لکیریں آپس میں گڈمڈ ہونے لگیں اور ان کی جگہ فلک بوس کی اس رات نے لے لی جب وہ وسامہ کے کمرے کے باہر ناراض سا کھڑا تھا۔ فلک بوس کی

دیواریں کھڑکیاں روشن دان، راہ داریاں، دریچے اور جھروکے ابھی بھی خاموشی اور رات کے سناٹے میں ڈوبے ہوئے تھے لیکن بہت زیادہ نظریں گھما گھما کر دیکھ لینے کے باوجود آسیب یا بدروح جیسی کسی چیز کا شائبہ تک نظر نہ آیا تھا۔

وسامہ کے سونے کے بعد آئے کت کمرے سے نکلی۔ معاویہ کو کھڑا دیکھ کر رکی پھر نظر انداز کر کے کمرے کا دروازہ بہت آہستگی سے بند کیا اور جوں ہی پلٹی، معاویہ ایک دم سے اس کے سامنے آگیا۔

"یہ سب کیا تماشا ہے؟"

معاویہ نے کوئی اچھے طریقے سے نہیں پوچھا تھا۔ اس کا انداز چبھتا ہوا تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔" آئے کت نے تحمل سے کہا۔ "میں وسامہ کی چیخیں سن کر کمرے سے نکلی تھی۔ میں نے دیکھا وہ بہت بری طرح ڈرا ہوا تھا' باقی ساری بات تو تمہارے سامنے ہی ہوئی ہے۔"

"میں اس ساری بات سے پہلے کی بات کر رہا ہوں۔" معاویہ نے ناراضی سے کہا۔ "اچانک وسامہ کو کیسے یہ شک پڑا کہ فلک بوس میں کوئی بدروح ہے؟ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"پچھلے تین چار مہینوں سے وسامہ اپنے شک کا اظہار کر رہا تھا۔" آئے کت نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں نے اس کی بات کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا۔ تم جانتے ہو وہ ذرا جلدی ڈر جاتا ہے۔ میں نے سوچا ایسی ہی کوئی بات ہوگی۔ لیکن آج جس طرح وسامہ نے ری ایکٹ کیا ہے۔ میں پریشان ہو گئی ہوں۔" وہ الجھی الجھی سی بول رہی تھی۔

"تمہیں پریشان ہونا بھی چاہیے۔" معاویہ نے رکھائی سے کہا۔ "تمہارا شوہر کسی Psychological Disorder (نفسیاتی مرض) کا شکار ہو رہا ہے۔ اور تم نے اس بات کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی۔"

"یہ درست نہیں ہے۔" آئے کت اس کی بدگمانی پر سٹپٹا گئی۔ "میں تمہیں بتانا چاہ رہی تھی لیکن۔۔۔ ہاں۔۔۔ شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لیکن اس سے پہلے وسامہ کی حالت ایسی کبھی نہیں ہوئی۔ اف! میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔

بارش کے پانی نے اس منظر کو ایک بار پھر دھندلا دیا۔

اپنے اپارٹمنٹ کی کھڑکی میں بیٹھے ہوئے معاویہ کو نیویارک کی روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی ڈائریکٹ اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ کوئی اس روشنی میں دیکھتا' اس یاد نے اس کی آنکھوں کو بے تحاشا سرخ کر دیا تھا۔ اس کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے اور کنپٹی کے قریب ایک رگ پھڑپھڑانے لگی تھی۔

معاویہ نے وحشت زدہ انداز میں ہاتھ بڑھا کر لیمپ کا رخ بدل دیا۔ اب اس کا وجود اندھیرے میں ڈوب گیا اور ٹیبل لیمپ سے نکلتی روشنی کا چھوٹا سا گولا میز پر پھیلی ہوئی چیزوں پر پڑنے لگا۔ روشنی کے اس ٹکڑے نے اوندھی پڑی ہوئی کھوپڑی کی ہیبت کو کچھ اور نمایاں کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے تہیہ کیا تھا کہ کیف سے بات نہیں کرے گی لیکن جس وقت نانی کی تلاش میں نکلی' وہ سامنے سے آرہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھٹکے۔ خوش نصیب نے منہ بگاڑ کر آگے نکلنا چاہا تو کیف کی آنکھیں شرارت سے چمک اٹھیں۔ وہ دانستہ پھیل کر کھڑا ہو گیا۔

خوش نصیب نے دائیں طرف سے نکلنا چاہا وہ دائیں طرف ہو گیا۔ بائیں سمت پکڑی تو اس طرف سے راستہ روک لیا۔

"ہٹو آگے سے۔ چھوڑو میرا راستہ۔" خوش نصیب کو پتنگے لگ گئے۔
"تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے میرے پاس۔ کیا یاد کروگی کس سخی سے پالا پڑا ہے۔" بلاوجہ اترا کر بولا۔ ویسے بھی وہ جانتا تھا خوش نصیب کو کیسے چڑانا ہے۔ پہلے اس کے شوق کو ہوا دیتا پھر چڑا کر لطف لیتا۔
"کیا؟" وہ کیف کی شکل دیکھنے لگی۔
"پہلے ہنس کر بات کرو۔" سینے پر بازو باندھتے ہوئے ڈھٹائی سے کہا۔
خوش نصیب فوراً اس کی شرارت سمجھ گئی۔ "شکل دیکھی ہے اپنی۔" وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔ "ایسی شکل کے ساتھ کون ہنس کر بات کرسکتا ہے۔"
"چلو۔ ہنس کر نہ سہی۔ مسکرا کر ہی بات کرلو۔" اس نے بیچ کی راہ نکالی۔
خوش نصیب نے ہونٹوں کے کنارے پھیلائے لیکن مسکرائی نہیں۔ دانت کچکچا کر بولی۔
"مجھے مسکرانا نہیں آتا۔"
"ہاہاہا۔" وہ دل کھول کر ہنسا۔ "آج پہلی بار اپنے بارے میں سچ بولا ہے۔"
"ایک تو اتنی بری شکل ہے تمہاری۔ اوپر سے زہر لگ رہے ہو ایسے ہنستے ہوئے۔"
"آہا۔ اتنی اچھی تو ہے میری شکل۔" ٹھنک کر کہا۔ "یونیورسٹی کی آدھی لڑکیاں اس شکل کے لیے وظیفے کرتی ہیں۔ تمہیں قدر ہی نہیں ہے۔" اترا کر بولا۔
"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا اس یونیورسٹی میں ایڈمیشن نہ لو۔ جہاں عقل سے پیدل لڑکیوں کو ایڈمیشن دے دیتے ہیں وہاں پڑھائی کا کیا معیار ہوگا۔" مزے سے بولی پھر ہتھیلی پر ہاتھ مار کر خود ہی زور سے ہنس پڑی۔
کیف اس کی ہنسی میں گم ہوتے ہوتے بچا۔ مزاج کی چڑیل تھی لیکن اس چڑیل کی ہرادا دل کو بھاتی تھی۔
"تم پڑھائی کے معیار کی فکر مت کرو۔ عنقریب مجھے گولڈ میڈل ملنے والا ہے۔ ادھر میری ڈگری کمپلیٹ ہوئی ادھر ہر بڑا نیوز چینل میرے پیچھے ہوگا۔"
"کیا مطلب؟ جعلی ڈگری نکلوا رہے ہو؟" معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کر پوچھا۔
کیف بدمزہ ہوگیا۔
"تم احمق ہی رہنا۔" اس نے چڑ کر کہا "نیوز چینل والے اس لیے میرے پیچھے ہوں گے تاکہ مجھ جیسے کامیاب جرنلسٹ سے اپنے چینل پر ایک زبردست سا ٹاک شو کرواسکیں۔ سیاستدانوں کے ایسے بخیے ادھیڑوں گا۔ ایسے بخیے ادھیڑوں گا ایسے..." ہاتھ اٹھائے وہ کسی عوامی لیڈر کی طرح بلند و بانگ دعوے کررہا تھا۔
"بس بس۔" خوش نصیب نے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر ٹوک دیا۔ "ایسے ہی شیخ چلی کی ٹوکری گری تھی اور مرغیوں اور انڈوں کا کاروبار شروع ہونے سے پہلے ہی ٹھپ ہوگیا تھا۔"
"میں بھی کہوں۔ تمہاری اکیڈمی کیسے بند ہوگئی۔" اپنی طرف سے وہ دور کی کوڑی لایا۔
خوش نصیب منہ بگاڑ کر آگے بڑھنے لگی تو کیف نے پھر راستہ روک لیا۔ شرارت جیسے اس کی آنکھوں اور ہونٹوں سے چپک کر رہ گئی تھی۔
"واپس اسلام آباد جارہا ہوں۔ دو مہینے بعد واپس آؤں گا۔ یاد کروگی؟" اس نے بڑی آس سے پوچھا تھا۔
جب سے قائداعظم یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا ہر بار جاتے ہوئے پوچھتا تھا۔ اسی امید پر کہ شاید کبھی وہ کہہ دے "ہاں یاد کروں گی۔" لیکن ہر بار وہ ٹکا سا جواب دے دیتی۔
"میرے برے دن چل رہے ہیں کیا؟ جو تمہیں یاد کروں گی۔"
اس نے منہ بسور لیا۔ "ٹھیک ہے۔ نہ یاد کرنا۔ میں بھی اپنی ہونے والی بیوی نمبر دو کے ساتھ کافی پینے جاؤں گا

اور تصویریں کھینچ کھینچ کر تمہیں بھیجوں گا۔"
بات خوش نصیب کے سر سے گزر گئی۔
"تم دوسری شادی کر رہے ہو؟ پہلی کب کی؟" متجسس ہو کر پوچھا۔ کیف نے سر پیٹ لیا پھر سر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا اور دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولا۔
"یا اللہ! کسی کو ایسا کم عقل محبوب نہ دینا۔"
خوش نصیب پھر چڑ گئی۔
"ارے ہٹو آگے سے۔" اس کا بس نہ چلتا تھا اسے اٹھا کر ہی پھینک دے۔ "میری نانی گم ہو گئی ہیں، تمہاری مسخریاں ہی ختم نہیں ہو رہیں۔"
"نانی؟" کیف چونکا۔ "کیا ہوا ہے خالہ نانی کو؟"
"ہوا کچھ نہیں ہے۔ لیکن صبح سے غائب ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہاں چلی گئی ہیں۔"
"حد ہے لاپروائی کی خوش نصیب! یہ بات اب بتا رہی ہو۔" اسے غصہ آیا اور پریشان بھی ہو گیا۔
"تم نے مجھے بولنے کا موقع ہی کب دیا۔ کہ میں بتاتی۔"
"اگلے پچھلے سارے حساب برابر کر لیے۔ اور اتنی اہم بات بتانے کے لیے تمہیں موقعے کی ضرورت تھی۔" اس نے ڈپٹ کر کہا۔ پھر غصے سے پلٹا۔
"صبح سے شام ہو گئی۔ پتا نہیں بیچاری نانی کہاں ہوں گی۔" فکرمندی سے بولتا ہوا چلا گیا۔ اور وہ کاغذ، جس پر خوش نصیب کے لیے وہ اسٹوڈنٹس کا نام پتا لکھ کر لایا تھا۔ اس کی جیب میں ہی پڑا رہ گیا۔
خوش نصیب ہونق سی بنی کھڑی رہ گئی۔
"لو! اب نانی گم ہو گئیں تو یہ بھی میرا قصور۔ حق ہاہ۔ خوش نصیب! تو، تو ہے ہی بدنصیب۔"
ماتھے پر ہتھیلی مار کے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

وسامہ گہری نیند سو رہا تھا۔ آئے کت اسے کمرے میں اکیلا چھوڑ کر جا چکی تھی۔
معاً اسے ایسا لگا جیسے اس کی کلائی پر کوئی چیز حرکت کر رہی ہو۔ اسے الجھن محسوس ہوئی۔ اس نے اس چیز کو جھاڑنا چاہا لیکن وہ اپنے ہاتھ اور کلائی کو ذرا بھی حرکت نہیں دے سکا۔ اس چیز نے اسے مزید بے چین کر دیا۔ اور سوئے ہوئے وسامہ کی الجھن اور اضطراب بڑھنے لگا۔
وہ چیز نرم اور چپچپی اور لیس دار تھی۔ کلائی پر حرکت کرتی ہوئی وہ چیز اب وسامہ کی گردن کی طرف بڑھ رہی تھی۔
وسامہ نے اپنی کلائی اور گردن کو جھٹکے دے کر اس چیز کو گرانا چاہا لیکن اس کے کندھے بھی جیسے جکڑے ہوئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی دیوہیکل وجود اس پر جھکا ہوا ہو اور اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے وسامہ کے کندھوں کو جکڑ رکھا تھا۔
وسامہ نے خود کو اس کی قید سے آزاد کرنا چاہا لیکن بے سود۔ وہ جتنی طاقت لگاتا تھا وہ دیوہیکل وجود اس سے دگنی زیادہ طاقت سے اس پر جھک آتا تھا۔ وسامہ کا دل دہشت سے بھر گیا۔ اس کا سانس گھٹ رہا تھا۔ اسی دوران وہ چپچپی چیز رینگتی ہوئی وسامہ کی گردن سے کان تک پہنچ گئی۔
اس نے اپنے کان میں ایک سرگوشی سنی۔ یہ کسی کی سانس کی آواز تھی جیسے سانپ پھنکار رہا ہو۔

وسامہ نے پوری طاقت لگا کر آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ اپنے سر کو جھٹکا دیا لیکن اتنی کوشش کے باوجود وہ اپنے جسم کو ایک انچ بھی نہیں ہلا سکا تھا۔ یہاں تک ۔ بے بسی کے احساس سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"مجھے چھوڑ دو۔"

"نہیں چھوڑ سکتی۔" وسامہ نے اپنے کان کے بالکل قریب سنسناتی ہوئی سرگوشی سنی۔ یہ آواز کہیں دور سے آرہی تھی۔ کبھی پاس آتی کبھی دور چلی جاتی۔ "کبھی نہیں چھوڑوں گی۔ نہیں چھوڑوں گی۔"

وسامہ خوف اور دہشت سے کانپنے لگا۔

"میں... میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا۔" وہ سسکا۔ جواب میں اس کے کندھوں پر پڑا ہوا بوجھ ہلکا پڑ گیا۔ پھر ایک کھلکھلاتی ہوئی ہنسی کی آواز اس کے کان میں گونجی۔ وسامہ کو ایسا لگا جیسے اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہو۔

"مجھے چھوڑ دو۔ میں سانس نہیں لے پا رہا۔ تمہیں اللہ کا واسطہ ہے، مجھے چھوڑ دو۔" اس کے ہونٹوں سے ٹوٹے پھوٹے لفظ نکلے۔ کیونکہ جسم کی طرح زبان ہلانا بھی اس کے اختیار میں نہیں رہا تھا۔ جوں ہی اس نے جملہ مکمل کیا وہ بوجھ اس کے کندھوں اور گردن پر سے مکمل طور پر ہٹ گیا۔ اور ایک ہیولا بھاگتا ہوا اس کے قریب سے گزر کر دیوار میں جذب ہو گیا۔

وسامہ نے گہرے سانس لیے۔ اس کے دل سے خوف کسی حد تک کم ہوا اور اس کا ذہن مکمل طور پر نیند میں ڈوب گیا۔

☼ ☼ ☼

فضیلہ چچی کو جب نانی کی گمشدگی کے بارے میں پتا چلا انہوں نے ہتھیلیاں آپس میں رگڑ رگڑ کر اپنے دکھ اور پریشانی کا اظہار کیا۔

سوئے اتفاق جس وقت وہ غم سے نڈھال روشن امی، ماہ نور اور خوش نصیب کو ان کی لاپرائی پر کوس رہی تھیں۔ خوش نصیب ان کی کھڑکی کے پاس سے گزر رہی تھی۔

جوں ہی کان میں اپنا نام پڑا ٹھٹک کر رکی اور عادت سے مجبور ہو کر وہیں کھڑی ہو کر سننے لگی۔

"ایک بوڑھی عورت کا خیال نہیں رکھا جاتا ماں بیٹیوں سے... تاؤ... خالہ جی کا کام ہی کتنا ہے۔ جو ہر دوسرے دن رشتے داروں کے یہاں بھیج دیتی ہیں۔ دو وقت کی روٹی ہی تو پکانی ہے... کہتی ہوں روشن سے... ماں کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتیں تو مجھے بتائیں... میں اپنی طرف خالہ جی کو ٹھہرا لوں گی۔"

"اوہو امی! آپ کو زیادہ سخی بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاوجہ دوسروں کی پریشانی اپنے سر لینا چاہ رہی ہیں۔" پاس بیٹھی صیام نے چڑ کر کہا تھا۔

"نانی کا کام ہی کتنا ہو گا کہ انہیں پریشانی گردانا جائے۔" منہا بیٹھی پڑھ رہی تھی اس نے بھی مداخلت کی۔

"لو اور سنو... روز روز کون نانی کا کمرہ صاف کرے گا اور روٹی کون بنا کر دے گا؟" صیام نے اپنی خوب صورت ناک چڑھا کر کہا۔ "اور ویسے بھی وہ خوش نصیب اور ماہ نور کی نانی ہیں... ہم کس خوشی میں ان کے کام کریں۔"

منہا نے گردن موڑ کر بڑی بہن کو دیکھا۔ "دور کا ہی سہی لیکن ابو سے بھی ان کا کوئی رشتہ ہے۔"

"اے ہٹو تم..." فضیلہ چچی برا مان گئیں۔ "ایسی دور پرے کی رشتہ داریاں نبھانے بیٹھ گئے تو تمہارے ابا کا تو خاندان ہی ختم نہیں ہو گا۔"

"چھوڑیں امی! آپ غصہ نہ کریں۔ یہ تو ویسے بھی ان سب کی ہمدرد ہے۔ بس نہیں چلتا اپنے جوتے کپڑوں کے

ساتھ ساتھ کھانا بھی اٹھا کر انہیں ہی دے آئے۔"
"خدا کو مانو صیام! ایک ہی بار سوٹ دیا تھا میں نے خوش نصیب کو اور وہ بھی نیا نہیں تھا میرا پہنا ہوا سوٹ تھا۔ اس نے اسکول کی پارٹی اٹینڈ کر کے مجھے واپس کر دیا تھا۔ اتنی غیرت مند تو وہ بھی ہے اور تم نے بات ہی بنالی۔" ناراضی سے کہا۔

صیام نے ایسے ہاتھ لہرایا جیسے منہا کی بات کو مکھی سے زیادہ اہمیت نہ دی ہو۔

"تم فکر نہ کرو صیام! میں بھی کوئی بے وقوف تو نہیں ہوں جو پرائی مصیبت سر لوں گی۔" فضیلہ چچی نے ماحول خراب ہوتا دیکھ کر ہنس کر کہا۔ "بس ایک دفعہ خالہ جی مل جائیں' میں بھی روشن کو جتاؤں گی ضرور۔ ساری زندگی اس عورت نے سینے پر مونگ دلا ہے اور اب اس کی وہ چنڈال بیٹیاں۔ ایک کی صورت ایسی بھولی ہے کہ دیکھتے ہی پیار آتا ہے۔ مزاج بالکل ماں والا.... گھنا میسنا.... دوسری کا نام خدا جانے بھائی صاحب خوش نصیب کیوں رکھ گئے۔ میرے بس میں ہو تو اسے خوش نصیب کے بجائے **پچھل پیری** کہہ کر بلایا کروں۔"

فضیلہ چچی نے نفرت سے کہا۔

باہر کھڑی خوش نصیب گو کہ ان کے خود سے متعلق خیالات سے واقف تھی' لیکن لفظ **پچھل پیری** تو جیسے دماغ پر لگا اور دماغ سنسنا اٹھا۔ یعنی کہ **پچھل** پیری.... **پچھل** پیری اور وہ....

"اس کی تو شکل بھی **پچھل** پیری سے ملتی ہے۔" صیام نے مذاق اڑایا۔

خوش نصیب کے تو تن بدن میں آگ ہی لگ گئی۔ کوشش کے باوجود وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔ کھڑکی کا نیم وا پٹ ہاتھ مار کر پورا کھول دیا۔

اندر بیٹھی ہوئی تینوں خواتین اس دھماکے کی آواز سے ایک ایک فٹ اوپر اچھل کر کھڑی ہوئیں۔

"خوش نصیب!" منہا نے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"صیام کی خیریت پوچھنے آئی تھی۔" دانت کچکچا کر اور مسکرا مسکرا کر بولی۔ "کیوں صیام! سر پر کچھ بال بچے ہیں یا طوطے بھائی نے سارے جڑوں سے اکھاڑ دیے؟"

صیام کو بری طرح تاؤ آیا۔ یہ بات تو بڑی چھپا کر رکھی گئی تھی' خوش نصیب جیسی فسادن تک کیسے پہنچ گئی؟

"تم.... تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" اس نے دانت کچکچا کر کہا۔

"اس میں اتنا ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟ میں نے تو ایک بات ہی پوچھی تھی۔" معصوم بن کر کہا کندھے اچکائے اور ناک چڑھا کر who cares والے تاثرات چہرے پر سجا کر آگے بڑھ گئی۔

اندر منہا نے اپنی بے ساختہ امڈتی مسکراہٹ چھپانے کے لیے پیشانی بالکل ہی کتاب سے لگا دی جبکہ صیام اور فضیلہ چچی غصے سے پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

ٹیبل لیمپ کا رخ اب دوسری طرف تھا۔ معاویہ دیوار سے ٹیک لگائے نیم دراز ہو چکا تھا۔ کھڑکی سے باہر نیویارک ابھی بھی تیز ہوا اور بارش سے بھیگ رہا تھا۔ وسامہ کی ڈائری اس کے سینے سے لگی تھی۔ اور اس کا ذہن کہیں فلک پوس میں بھٹک رہا تھا۔

وہ ایک چمکیلی صبح تھی جب ٹیرس کی ریلنگ سے اس نے آئے کت کو تالاب کے کنارے بیٹھے دیکھا۔ وہ ہمیشہ بن سنور کر رہتی تھی' لیکن اس وقت اس نے سادہ سا لباس پہنا ہوا تھا۔ پھیکے رنگ کی گرم شال کندھوں کے گرد لپیٹ رکھی تھی اور بالوں کو سمیٹ کر سر پر اونچا سا جوڑا باندھ لیا تھا۔ چہرے پر پریشانی تھی۔ اس سب کے باوجود وہ

منفرد لگ رہی تھی ایک ایسا چہرہ جو ہمیشہ متوجہ کر لیتا ہے۔
معاویہ بے دھیانی میں وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی نظروں کے ارتکاز نے آئے کت کو چونکا دیا۔
اس نے سر اٹھا کر ٹیرس کی طرف دیکھا۔ معاویہ کو کھڑا دیکھ کر چونکی، لیکن پھر ایسے ہی واپس سر جھکایا اور تالاب کے پانی کو انگلی کی پور سے چھونے لگی۔
معاویہ پچھلی رات سکون سے سو نہیں پایا تھا۔ اس کے ذہن پر وسامہ کی ذہنی حالت اور باتیں سوار رہی تھیں۔ ابھی جب اس کی آنکھ کھلی اور وہ اٹھ کر تازہ ہوا لینے کی غرض سے ٹیرس پر آیا تو اس کا ارادہ کچھ دیر مزید سونے کا تھا، لیکن آئے کت کو دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور گرل کے پاس سے ہٹ کر نیچے آئے کت کے پاس آگیا۔
خشک پتے اور گھاس اس کے پیروں کے نیچے چرمرائے تو آئے کت نے ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا۔
معاویہ شرمندہ سا کھڑا تھا۔
"سوری.... مجھے کل تمہارے ساتھ اتنا arrogant (مغرور) نہیں ہونا چاہیے تھا۔" اس نے کہا۔
آئے کت نے دیکھا۔ اپنے نائٹ سوٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے وہ، سر جھکائے جوتے کی ٹو سے ایک پتے کو مسل رہا تھا۔
"کوئی بات نہیں...." آئے کت سادگی سے بولی۔ "اب تو اس اروگنس کی عادت ہوتی جا رہی ہے۔"
معاویہ مزید شرمندہ ہو گیا لیکن ذرا چڑ کر بولا۔
"میرا بھائی عجیب حرکتیں کر رہا ہے۔ وہ کسی پریشانی کا شکار ہے، میں نارمل کیسے رہ سکتا ہوں؟"
"تمہارا بھائی میرا شوہر بھی ہے۔"
معاویہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔
"تم نے مجھے وسامہ کے بارے میں پہلے کیوں نہیں بتایا؟" اب اس نے جرح کا آغاز کیا۔
"سچ تو یہ ہے کہ مجھے کبھی یہ بات اتنی پریشان کن لگی ہی نہیں۔" آئے کت نے آہستگی سے اور کمپوزڈ لہجے میں کہا۔ ایک رات گزر جانے کے بعد وہ خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔ وسامہ کی پریشان کن حالت اور اس بدروح سے متعلق انکشاف نے ذہن کو جتنا بدحواس کیا تھا، اب وہ اتنے ہی پرسکون انداز میں ان باتوں پر غور کر سکتی تھی۔
"چند مہینے پہلے وسامہ نے فلک بوس میں کچھ اثرات کا ذکر کیا تھا۔ وہ اکثر رات کو ڈرنے لگا تھا، لیکن ایسے ہی جیسے کبھی انسان سوتے ہوئے ڈر جاتا ہے۔ کبھی اس کی حالت مجھے اتنی پریشان کن نہیں لگی تھی کہ میں تمہیں یا کسی اور کو اطلاع کرتی۔ ویسے بھی تم نے ہی مجھے بتایا تھا، وسامہ بچپن سے تھوڑا ڈرپوک واقع ہوا ہے۔ وہ اکثر اندھیرے سے ڈر جاتا تھا۔ اکیلے رہنے سے اسے خوف آتا تھا، لیکن یہ تو اکثر لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے، مگر جو کچھ کل ہوا... وہ اکثر لوگوں کے ساتھ نہیں ہوتا۔" وہ ایسے بول رہی تھی جیسے کوئی انسان مستقل پریشانی سے تھک چکا ہوتا ہے۔ پھر اس نے معاویہ کی طرف دیکھا اور کہا۔
"اب تم مجھے بتاؤ... یہ کل تم دونوں کس آسیب کا ذکر کر رہے تھے؟ اور اگر ایسی کوئی بات تھی تو یہاں آنے سے پہلے مجھے اس بارے میں کیوں نہیں بتایا گیا؟"
معاویہ نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔ "ان باتوں میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ وادی کے لوگوں نے بس کچھ الٹی سیدھی باتیں مشہور کر دی ہیں اور کچھ نہیں۔"
"تم مجھے ٹال رہے ہو معاویہ!"

"نہیں... میں ٹال نہیں رہا۔ یہی حقیقت ہے۔ تمہیں پتا ہے یہ فلک بوس تقریباً" ڈیڑھ سو سال پرانی عمارت ہے۔ ہشام کے نواب صاحب نے میرے دادا کی خدمات سے خوش ہو کر انہیں تحفے میں دیا تھا۔ میرے بابا بتاتے ہیں جب دادا جان یہاں آئے اس وقت بھی مقامی لوگوں نے آیو شمتی سے متعلق کچھ کہانیاں دادا جان کو سنائی تھیں' مگر ان کہانیوں میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ نہ کبھی دادا جان کو یہاں کسی روح کا سایہ ملا نہ مجھے... میں نے بتایا نا... ہم نے بچپن سے لے کر اب تک کئی چھٹیاں فلک بوس میں گزاری ہیں۔"

آئے کت دھیان سے اس کی بات سن رہی تھی۔ ساری بات سن کر مزید الجھ گئی۔

"تم بتاؤ... تم تقریباً" دو سال سے یہاں رہ رہی ہو۔ کیا تم نے کبھی کوئی ایسی چیز دیکھی جو تمہیں مافوق الفطرت لگی ہو؟" معاویہ نے پوچھا۔

آئے کت نے الجھن بھرے انداز میں نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں... میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی... نہ ہی میں نے ان اثرات کو محسوس کیا ہے جن کا ذکر وسامہ کرتا ہے۔"

"وسامہ اثرات کا ذکر کرتا تھا؟"

"ہاں... میں نے بتایا نا... چند مہینے سے اسے عجیب عجیب چیزیں نظر آنے لگی تھیں۔ کبھی اس کی کوئی چیز غائب ہو جاتی تھی۔ کبھی اسے چیزیں ہلتی ہوئی نظر آنے لگتیں۔ کبھی لیپ ٹاپ نہیں ملتا تھا اور کبھی وہ کہتا تھا اسے سائے نظر آتے ہیں۔ اسپیشلی سیکنڈ فلور پر وہ شام کے بعد کبھی نہیں جاتا تھا۔ اسے گھبراہٹ محسوس ہوتی تھی' لیکن خدا گواہ ہے معاویہ! میں نے یہاں ایسا کچھ محسوس نہیں کیا اگر واقعی یہاں اثرات ہوتے تو مجھے بھی نظر آتے۔"

وہ ابھی یہیں تک پہنچی تھی کہ اندر سے وسامہ کے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں۔

آئے کت اور معاویہ گھبرا کر سرپٹ اندر کی طرف بھاگے۔

☼ ☼ ☼

یہ اندرون شہر تھا۔ چھوٹی گلیوں اور قدیم عمارتوں کی فینٹسی سے بھرا ہوا علاقہ۔

اکثر انگریز سیاح نظر آتے جو گھٹنوں سے ذرا نیچے تک کی پتلونیں پہنے منہ اٹھائے ان پرانی عمارتوں کو دیکھتے ہوئے خود ایک لطیفہ سا محسوس ہوتے تھے۔

جس وقت خوش نصیب نانی کی تلاش میں نکلی' آسمان سے زمین پر اترتی شام کے رنگوں میں بادلوں کی سیاہی شامل ہونے لگی تھی اور گلی محلے کے بچے آگے پیچھے بھاگتے پھر رہے تھے۔ پتا نہیں انہیں کس بات کی اتنی خوشی تھی جو بلاوجہ ہی ہنستے جاتے تھے۔

ہوا کے جھونکے جوں جوں تیز ہو کر آندھی کا روپ دھار رہے تھے' خوش نصیب کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

بچوں کا ایک گروہ بھاگتا ہوا اس کے پاس سے گزر گیا۔

"اللہ میاں پانی دے... سو برس کی نانی دے۔" وہ نعرے لگا رہے تھے اور آسمان پر بادل مزید سے مزید گہرے ہوتے جاتے تھے۔

خوش نصیب پیشانی پر ہاتھ مار کر بڑبڑائی۔

"ان کی سن لو ذرا... ہم سے اسی برس کی نانی نہیں سنبھالی جا رہی... ان کو سو برس کی چاہیے۔"

سامنے سے کیف آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی پریشانی تھی۔ خوش نصیب نے جلدی سے درمیانی راستہ عبور

کیا۔
"کیف! نانی کا کچھ پتا چلا؟"
کیف نے مایوسی سے نفی میں سر ہلا دیا۔ خوش نصیب کی جو اس کی شکل دیکھ کر تھوڑی آس بندھی تھی، بالکل ہی ٹوٹ گئی۔
"ہائے میری بوڑھی نانی! پتا نہیں کہاں ہوں گی بے چاری۔ وہ تو بتیسی بھی گھر ہی بھول گئی تھیں۔ کچھ کھایا بھی نہیں ہوگا۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے اور کیف کا دل پگھلنے لگا۔ محبوب کے آنسوؤں میں ایک عجیب تاثیر ہوتی ہے۔ وہ دن کا چین اور راتوں کی نیند غارت کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔
کیف کا دل چاہا خوش نصیب کو تنگ کرنے کا ارادہ ترک کرکے بتا دے کہ نانی کو تلاش کرکے صحیح سلامت گھر پہنچا آیا ہے، لیکن اسی وقت ایک کالے رنگ کی vitz ادھر آن نکلی۔ گلی میں، جہاں وہ دونوں کھڑے تھے ان کے بالکل پیچھے۔
ہارن پہ ہارن بجنے لگا۔ وہ دونوں ذرا سا سائیڈ پر ہو گئے، لیکن گلی اتنی تنگ تھی کہ ایسے کھڑے رہنا اور گاڑی کا نکل جانا محال تھا۔
"یہ کہاں پھنس گیا بے چارہ۔ ان گلیوں سے نکلتے تو صبح ہو جائے گی اسے۔" کیف نے کہا، لیکن مسلسل بجتے ہارن سے خوش نصیب کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔ وہ یوں بھی راستہ دینے کے لیے خلافِ توقع دو تین بار ادھر ادھر ہو چکی تھی۔
"تو کیا ہم نے مشورہ دیا تھا ان گلیوں میں یہ بڑی سی گاڑی لے کر گھسے۔" وہ جارحانہ انداز میں پلٹی۔
"ایک تو میری نانی نہیں مل رہیں، اوپر سے اس نے ہارن بجا بجا کر سر میں درد کر دیا ہے۔"
"تم جا کہاں رہی ہو؟ خوش نصیب! میری بات سنو۔"
کیف کے منع کرنے کے باوجود وہ اس کے سر پر پہنچ گئی۔ انگلی کی پشت سے شیشہ بجایا۔ ادھر شیشہ کھلنا شروع ہوا ادھر اس کی زبان چلنے لگی۔
"مسئلہ کیا ہے بھئی۔ کب سے ہارن پر ہارن بجائے جا رہے ہو۔ یہ نہیں کہ دیکھ ہی لو کوئی پریشان کھڑا ہے۔"
شیشہ کھل گیا۔ "دیکھیے میں معذرت چاہتا ہوں۔" پھر دروازہ بھی کھلا اور وہ باہر آ گیا۔
اچھی شکل تھی، لیکن شکل سے اچھی گاڑی تھی۔ اس کا لباس تھا اور وہ گھڑی جو اس نے کلائی پر باندھی ہوئی تھی۔ خوش نصیب کو یقین تھا اگر آسمان پر اتنے بادل نہ ہوتے تو ضرور اس گھڑی سے شعاعیں نکلتیں اور اس کی بصارت کو چندھیا دیتیں۔
"ارے نہیں، معذرت کی کیا بات ہے۔ گلی ہے ہی اتنی چھوٹی کہ دو لوگ کھڑے ہو جائیں تو گزرنا مشکل ہو جاتا ہے۔"
یک دم وہ پینترا بدل کر بولی۔ کیف جو اسے مسلسل منع کر رہا تھا، اس طرح بولنے پر ہکا بکا رہ گیا۔
"میں پچھلے دو گھنٹوں سے ان ہی گلیوں میں بھٹک رہا ہوں۔ ہر تھوڑی دیر کے بعد گاڑی وہیں آ جاتی ہے جہاں سے میں چلا ہوتا ہوں۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔
"آپ فکر نہ کریں یہ کیف آپ کو راستہ سمجھا دے گا.... کیف! ان کی گاڑی تو نکلوا دو ذرا۔" ایسے میٹھے پن سے کہا جیسے بڑے دوستانہ تعلقات ہوں کیف سے۔
کیف اس کی پچھلی بات کے اثر سے نہیں نکل پایا تھا کہ دوسری بات سامنے آ گئی، لیکن فوراً ہی اس نے اپنے تاثرات چھپا لیے۔ وہ خوش نصیب تھی، کسی بھی وقت کچھ بھی کہہ سکتی تھی۔ کر سکتی تھی۔ اس سے کچھ بھی بعید

نہیں تھا۔
کیف راستہ سمجھانے لگا تو خوش نصیب اپنے راستے چل دی' لیکن جاتے جاتے۔ ان دونوں سے نظر بچا کر.... چپکے سے اس نے گاڑی کے بونٹ پر ہاتھ پھیرا اور دل میں ایک لمبی سی متاثر کن آہ بھری۔ یہ کالے رنگ کا لوہا نہیں کالے رنگ کا مخمل تھا جس کی نرمی میں اس کا ہاتھ ڈوبتا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

بشام کے پہاڑوں پر سورج طلوع ہوا اور پائن کے درختوں کے پتے چمک کر مزید سبز دکھائی دینے لگے۔
چند کرنیں فلک بوس کی اس کھڑکی کے شیشے پر پڑیں جس پر پچھلی رات ایک نادیدہ ہاتھ دستک دیتا رہا تھا۔
اندر پلنگ پر وسامہ گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کی پچھلی رات بہت بے چین گزری تھی۔ پوری رات اسے مختلف آوازیں سنائی دیتی رہی تھیں۔
اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب معاویہ نے اسے جگایا۔ وسامہ اتنی گہری نیند سو رہا تھا کہ معاویہ کی آواز اسے بہت دور سے آتی ہوئی سنائی دی۔ پھر اس کی نیند کا سلسلہ ٹوٹا۔ آنکھیں کھولتے ہی اسے اپنا سر بے حد بھاری محسوس ہوا تھا۔
"اف...." اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو پکڑ لیا۔ "لگتا ہے میں بہت دیر سویا ہوں' لیکن ابھی بھی نیند پوری نہیں ہوئی۔ میرا سر بہت بھاری ہو رہا ہے۔" وہ چپ ہوا کہ شاید معاویہ اسے کوئی جواب دے گا' لیکن معاویہ خاموش رہا۔
"اچھا ہوا' تم نے مجھے جگا دیا۔ صبح دیر تک سوؤں تو سارا دن بے زار گزرتا ہے۔" اس نے بولتے ہوئے گردن موڑ کر اس طرف دیکھا جس طرف معاویہ کھڑا تھا' لیکن گردن موڑتے ہی وہ بری طرح شاکڈ ہوا۔ وہ کمرے میں اکیلا تھا۔ معاویہ کہیں نہیں تھا۔
وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔
اگر معاویہ وہاں نہیں تھا تو اسے کس نے جگایا تھا۔ یقیناً "آیوشمتی" نے۔
ڈر سے اس کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ اس نے اپنی بیساکھی کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا' لیکن وہ اس کی پہنچ سے دور تھی۔ وہیل چیئر بھی کافی فاصلے پر پڑی تھی۔ وسامہ بنا کسی سہارے کے ان دونوں چیزوں تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔
لیکن حواس باختہ ہو کر اس نے ادھر ادھر ہاتھ مارے' بے دھیانی میں اس کا ہاتھ اپنے کان پر لگا اور درد کی تیز لہر دماغ تک دوڑ گئی۔ ساتھ ہی اسے اپنے کان پر کوئی چپچپی چیز بہتی ہوئی چیز محسوس ہوئی۔ وسامہ نے ہاتھ سامنے کیا تو دنگ رہ گیا۔ اس کے ہاتھ پر خون لگا ہوا تھا اور یہ خون اس کے کان سے بہہ رہا تھا۔ وہ ہکا بکا سا مڑا۔ اس کے تکیے پر خون کے دھبے تھے۔
اور بس یہ حد تھی' وسامہ خوف سے پاگل ہو کر چیخنے لگا۔ اس نے آئے کت اور معاویہ کو آوازیں دینا شروع کر دی تھیں۔
جب تک وہ دونوں تالاب کے کنارے سے بھاگتے ہوئے اس تک پہنچے۔ چیخ چیخ کر اس کی آواز بیٹھ چکی تھی۔ وہ خوف کی اس اسٹیج پر تھا جہاں انسان حواس کھو دیتا ہے۔ اسے قابو کرنا مشکل ہو رہا تھا۔
"جلدی سے پانی لے کر آؤ۔" معاویہ نے وسامہ کو دونوں بازوؤں سے پکڑتے ہوئے آئے کت سے کہا۔
آئے کت بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"وسامہ! کچھ نہیں ہے۔ خاموش ہو جاؤ۔" معاویہ مسلسل ایک ہی بات بول رہا تھا۔
وسامہ ان دونوں کو دیکھ کر ذرا پر سکون ہوا تھا۔ آئے کت پانی لے آئی۔ وسامہ نے چند گھونٹ پانی پیا۔
"وہ پھر آئی تھی... آیوشمتی پھر آئی تھی... وہ رات بھر یہاں تھی... دیکھو! اس نے مجھے زخمی کیا ہے۔" وہ اب رونے لگا۔
معاویہ کو اس کے ہاتھ پر خون نظر آیا تو وہ بری طرح پریشان ہو گیا۔
"میں یہاں نہیں رہوں گا... مجھے باہر لے چلو معاویہ!"
"ہوں... ہاں... ہاں چلو..." وہ سہارا دے کر وسامہ کو باہر لے گیا۔ آئے کت ان دونوں کے پیچھے تھی۔

☼ ☼ ☼

جس وقت مغرب کی اذانیں شروع ہوئیں۔ وہ سر اور کندھے جھکائے مایوس سی گھر میں داخل ہوئی۔
سامنے نانی بیٹھی تھیں۔ گھر کی تقریباً" سب ہی خواتین ان کے اردگرد جمع تھیں۔ خوش نصیب کو خوشی کا جھٹکا لگا' دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔
"نانی... نانی... ! میری پیاری نانی!"
"ارے ہٹو... کیا ننھی منی کی طرح لپٹی جاتی ہو۔" نانی نے اس کے لاڈ کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔
"کیوں کیوں؟ کیوں ہٹوں بھئی۔ اتنی مشکل سے ملی ہیں آپ... میں تو نہیں چھوڑوں گی۔" وہ اور زور سے لپٹ گئی۔
"ارے جانے دو خوش نصیب! تمہیں کہاں سے محبت ہو گئی خالہ جی سے۔" فضیلہ چچی اس کی جان جلانے کمر کس کر میدان میں اتر آئیں۔ "ایسی پروا ہوتی تو اتنی بوڑھی نانی کو اکیلا نہ جانے دیا ہوتا۔"
"بوڑھے ہوں میری نانی کے دشمن۔" اس نے فوراً" کہا۔ "ایسی چمک دار اسکن تو آپ کی صیام کی بھی نہیں ہے جیسے میری نانی کی ہے۔"
ماہ نور نے ٹھوکا دیا۔ روشن امی نے آنکھیں دکھائیں کہ خاموش رہو' لیکن وہ خوش نصیب ہی کیا جو ایک بار بولنے لگے تو چپ ہو جائے۔
"ہاں ہاں... پورے خاندان میں ایک تم خوب صورت ہو' ایک تمہاری نانی۔" فضیلہ چچی بدمزہ ہو کر پلٹ گئیں۔
خوش نصیب نے اترا کر پیچھے سے ہانک لگائی۔ "شکریہ چچی جان!" اور خود ہی ہنسنے لگی۔
صباحت تائی جان نے اسے ذرا سی ناپسندیدگی کے ساتھ دیکھا پھر روشن آرا سے بولیں۔
"روشن! خالہ جان کا خیال رکھا کرو... اکیلے نہ نکلنے دیا کرو گھر سے۔" ان کا لہجہ نرم تھا' طنز سے عاری۔ "کیف بتا رہا تھا عین سڑک کے فٹ پاتھ پر اکیلی بیٹھی ہوئی تھیں۔"
"ارے میں کیا چھوٹی سی بچی ہوں کہ کسی کی انگلی پکڑ کر ہی نکلوں گھر سے۔" نانی برا مان کر بولیں۔
"بات چھوٹے یا بڑے پن کی نہیں ہے خالہ جان! لیکن آپ کی آنکھیں بھی کمزور ہو رہی ہیں۔ خدانخواستہ کوئی حادثہ ہو سکتا تھا۔" صباحت تائی جان نے نرمی سے ہی کہا۔
"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپا! لیکن اماں میری سنتی کب ہیں۔" لاچاری سے کہا۔
"وہ تو اس لیے کیوں کہ نانی کو سنائی کم دیتا ہے... ورنہ تو اچھے بچوں کی طرح ہر ایک کی بات مانتی ہیں۔"
"تم تھوڑی دیر کے لیے خاموش نہیں بیٹھ سکتیں۔" روشن امی نے جھنجلا کر کہا۔

"اچھا سوری۔" وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بیٹھ گئی' لیکن اگلے ہی منٹ پھر کچھ یاد آگیا۔
"لیکن اب بس کریں نا روشن امی! پہلے ہی نانی گم ہو کر تھک گئی ہوں گی۔ ویسے بھی گم ہونا کوئی آسان کام ہے۔ اچھی خاصی محنت لگتی ہے۔ کیوں نانی؟" وہ زیادہ ہی نانی کی ہمدرد بنی۔ نانی بات سمجھیں یا نہیں اثبات میں زور و شور سے سر ضرور ہلانے لگیں۔
"آپ سو جائیں نانی! میں آپ کی ٹانگیں دبا دیتی ہوں۔"
اس نے نانی کو لٹا دیا۔ اور ان کی ٹانگیں دبانے لگی۔
صباحت تائی جان کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ عجیب لڑکی تھی وہ۔ وہ مسکراہٹ چھپاتی باہر نکل گئیں۔ روشن بھی ان کے پیچھے تھیں۔
اسی وقت کیف کمرے میں داخل ہوا۔ خوش نصیب کو نانی کی ٹانگیں دبا تا دیکھ کر رگ شرارت پھڑک اٹھی۔
"کوئی ایک بندہ رکھوالی کے لیے یہیں بیٹھ جائے۔ اس کا کوئی پتا نہیں' پاؤں دباتے دباتے گردن ہی دبا دے۔" ماہ نور سے بولا۔
"یہ میری نانی کے پاؤں ہیں' تمہارے نہیں کہ مجھے گردن دبانے کا خیال آئے۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
"آئے ہائے..." کیف شرارت سے مسکراتے ہوئے لہک کر بولا۔ "اس کا مطلب خیالوں خیالوں میں تم میرے پاؤں بھی دباتی ہو... تم سیدھی جنت میں جاؤ گی۔ ابھی سے خدمت گزار بیویوں والے خیالات ہیں۔"
"پاؤں نہیں شہ رگ دباتی ہوں۔ یقین کرو خواب میں تو کئی بار میں نے گڑھا کھود کے تمہیں دفن بھی کیا ہے۔"
"کس قدر ظالم لڑکی ہو تم۔" وہ اس قدر مایوس نہیں ہوا تھا جس قدر مایوس شکل بنا کر دکھائی تھی۔
"ظالم میں ہوں یا تم؟ بتا نہیں سکتے تھے کہ نانی مل گئی ہیں' میں ایسے ہی اتنی دیر خوار ہوتی رہی۔"
کیف شرارت سے ہنستا رہا— جواب نہیں دیا۔
"چھوڑ آئے اسے؟" اچانک خوش نصیب کو یاد آیا۔
کیف نے ناک چڑھا کر اسے دیکھا۔ "تمہیں بڑی فکر ہو رہی ہے اس کی۔"
"ہاں تو کیوں نہ ہو۔" وہ کندھے اچکا کر بولی۔ "اتنی اچھی گاڑی تھی اس کے پاس۔" ایسے کہا جیسے بڑی معقول وجہ بتا رہی ہو۔
"میں اچھی گاڑی لے لوں... تو میری بھی فکر کرو گی؟"
"ہرگز نہیں..." خوش نصیب اب کی بار شرارت سے بولی۔ "اسے دیکھا تھا تم نے۔ ایک تو گاڑی اتنی اچھی... اوپر سے وہ خود انگلش فلموں کا ہیرو لگ رہا تھا اور تم تو پنجابی فلموں کے ہیرو بھی نہیں لگتے۔"
"کون...؟ کس کی بات ہو رہی ہے؟" ماہ نور نے پوچھا۔
"تھا ایک۔" وہ جلدی سے بولی۔ "فرصت سے بتاؤں گی تمہیں' ابھی تو میں تھک گئی ہوں قسم سے... ماہ نور! ایک اچھی سی چائے تو پلا دو میری بہن!" مطلب کے وقت لہجے کی شیرینی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔
"لاتی ہوں... تم پیو گے کیف؟"
"نہیں... میں بس خالہ نانی کو دیکھنے آیا تھا۔"
اس نے نفی میں سر ہلا دیا پھر باہر جانے سے پہلے عادتاً" خوش نصیب کی طرف دیکھا۔
نانی کی ٹانگیں دباتی دباتی وہ خود بھی نیم دراز ہو چکی تھی اور تقریباً" تقریباً" نیند کی وادی میں اترنے کو تھی۔ کیف باہر نکل گیا اور دروازہ تھوڑا سا کھلا رہنے دیا تاکہ برآمدے کی روشنی خوش نصیب کو تنگ نہ کرے۔

اتنا خیال‘ ایسی محبت..... اس کا دعوا غلط نہیں تھا۔ ایسے چاہنے والوں کے لیے لڑکیاں منتیں مان لیتی ہیں۔ راتوں کو جاگ جاگ کر وظیفے کرتی نہیں تھکتیں اور جس کو بن مانگے ایسی محبت مل رہی تھی وہ محبت کے ادراک سے کوسوں دور تھی۔

لاپروا‘ اپنی دنیا میں مگن‘ اندر کمرے میں نانی کے پلنگ پر لیٹی نیند سے پہلے کسی اور ہی خواب میں گم ہو رہی تھی‘ جہاں پیسے کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور ایک کالی مخمل سے بنی ہوئی گاڑی تھی جس کے کھلے ہوئے دروازے سے انگلش فلموں کا ہیرو باہر نکل رہا تھا۔

☼ ☼
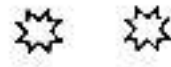
وہ اسے قریبی ڈسپنسری لے آئے۔

ڈسپنسر نے بغور زخم کا معائنہ کیا اور بینڈیج کر دی۔

"یہ کسی کیڑے کے کاٹنے کا زخم نہیں ہے۔ یہ چھری یا کسی تیز دھار چیز سے کٹ لگایا گیا ہے۔" وہ اپنی میز کے پیچھے لگی الماری سے دوائیاں نکالتے ہوئے بولا۔

معاویہ اور آئے کت پہلے ہی پریشان تھے‘ لیکن اس انکشاف نے ان دونوں کو مزید پریشان کر دیا‘ مگر آپس میں کوئی بات کیے بغیر انہوں نے دوائیاں وصول کیں اور وسامہ کو لے کر باہر آگئے۔ وہ اپنی بیساکھی کے سہارے اس وقت خود چل سکتا تھا اس لیے سہارے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی‘ لیکن وہ گم صم تھا۔

جو کچھ فلک بوس میں اس کے ساتھ ہو رہا تھا‘ وہ اچھے خاصے انسان کو چکرا دینے کے لیے کافی تھا۔

جس وقت معاویہ نے اس کے لیے جیپ کا دروازہ کھولا۔ وسامہ نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"میں نے تم دونوں کو پریشان کر دیا ہے۔" وہ بہت زیادہ شرمندہ لگ رہا تھا۔

معاویہ نے ایک گہری سانس بھر کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اس بارے میں فلک بوس جا کر بات کریں گے۔"

وسامہ کے چہرے پر ایک دم سے خوف لہرایا۔ اس نے حلق تر کیا اور بولا۔

"میں فلک بوس نہیں جاؤں گا۔" اس کا لہجہ ضدی نہیں تھا‘ التجا آمیز تھا۔

معاویہ اور آئے کت چپ کے چپ رہ گئے۔ وہ اس کی جھجک سمجھ سکتے تھے۔ پھر معاویہ نے پہلے اسے جیپ میں بٹھایا۔ آئے کت اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ معاویہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور پورا کا پورا اس کی طرف مڑ گیا۔

"فلک بوس میں کچھ نہیں ہے وسامہ! کوئی بدروح‘ کوئی آتو شمتی‘ کسی آسیب کا نام و نشان نہیں ہے وہاں..... یہ صرف تمہارا وہم ہے اور کچھ نہیں۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتا بہت نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

"معاویہ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔" آئے کت نے کہا۔ "آپ کا وہم ہے۔ جسے آپ نے دماغ پر سوار کر لیا ہے۔ کل میں پوری رات آپ کے پاس تھی۔ اگر ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور کمرے میں آیا ہوتا تو کم از کم مجھے تو پتا چلتا۔"

"یہ زخم میری اس بات کی سب سے بڑی گواہی ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔" وسامہ نے بے بسی سے کہا تھا۔

"کون کہہ رہا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔" معاویہ نے جلدی سے کہا۔

"میں نے چیک کیا ہے وسامہ! یہ کسی کیڑے کے کاٹنے کا نشان ہے۔"

"تم نے ڈاکٹر کی بات نہیں سنی۔"

"وہ ڈاکٹر نہیں ڈسپنسر تھا۔" معاویہ نے کہا۔

"اور وہ مجھے اتنا کوالیفائیڈ بھی نہیں لگا۔" اب آئے کت نے کہا۔ "آپ جانتے ہیں میں نے چھ سال بطور نرس کام کیا ہے۔ کوئی بھی میڈیکل کی الف بے جاننے والا ایک نظر دیکھ کر ہی بتا سکتا ہے کہ یہ کسی چھری بلیڈ کا زخم نہیں ہے بلکہ کسی کیڑے کے کاٹنے کا زخم ہے۔"

وسامہ سر جھکائے سنتا رہا۔ یہ سمجھنا مشکل تھا کہ وہ قائل ہوا ہے یا نہیں۔

معاویہ کے اشارہ کرنے پر آئے کت نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

"یہ روح' آسیب' جن' بد روح کچھ نہیں ہوتا وسامہ! ان باتوں کو اپنے ذہن پر سوار مت کریں۔ اگر آپ کے دل میں کوئی ڈر ہے تو ہم فلک بوس میں قرآن پڑھیں گے۔ اللہ کے کلام میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ دیکھیے گا۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ بہت دکھ کے ساتھ بول رہی تھی۔ اسے وسامہ کی حالت تکلیف پہنچا رہی تھی۔

معاویہ نے رخ بدلا اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

"میں طالب ماموں سے بات کرتا ہوں۔ اپنی ناراضی ختم کریں۔ تم دونوں کا فلک بوس سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔" اس نے جیپ اسٹارٹ کی اور رشام کے اونچے نیچے راستوں پر سفر شروع ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

موبائل کی بپ بج رہی تھی' معاویہ کا ارتکاز ٹوٹ گیا۔

چونک کر فون اٹھایا پھر آف کر کے سائیڈ پر پھینک دیا۔ اسے وہ رات یاد آ رہی تھی جب وسامہ کی وجہ سے وہ اور آئے کت بہت دیر تک جاگتے رہے تھے۔

وسامہ نے اپنے بیڈ روم میں جانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ تینوں آتش دان والے کمرے میں آ گئے تھے۔ وسامہ باتیں کرتا وہیں صوفے پر سو گیا تھا۔ آئے کت نے اس پر لحاف پھیلا دیا۔ خود وہ دونوں آتش دان کے قریب بیٹھ گئے۔ آتش دان میں الاؤ روشن تھا اور الاؤ کی روشنی سیدھی ان دونوں پر پڑ رہی تھی۔

"تم نے یہ کیوں کہا کہ ہمیں فلک بوس سے چلے جانا چاہیے؟ یہاں سے نکل کر میں اور وسامہ کہاں جائیں گے؟ ہمارے پاس تو اتنے پیسے بھی نہیں ہیں کہ ایک کرائے کا گھر ہی افورڈ کر سکیں۔"

"تم نے شاید پوری بات نہیں سنی' میں نے کہا تھا میں طالب ماموں سے بات کرتا ہوں' تم دونوں ان کے گھر شفٹ ہو جانا۔" معاویہ نے کہا۔

"تم جانتے ہو' یہ ممکن نہیں ہے۔" آئے کت نے تیزی سے کہا تھا۔ "تمہارے ماموں کے نزدیک پسند کی شادی اتنا بڑا گناہ ہے کہ وہ کسی صورت وسامہ سے ناراضی ختم نہیں کریں گے۔"

"ضروری نہیں ہے۔" معاویہ کافی پر امید تھا۔

"ضروری ہے۔" آئے کت نے پھر جلدی سے کہا۔ وہ دونوں وسامہ کی نیند خراب ہونے کے ڈر سے دانستہ آواز دبا کر بول رہے تھے۔

"ان کی ناراضی اگر ختم ہونا ہوتی تو کم سے کم اس وقت ہی ہو جاتی جب وسامہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ بیٹا ساری زندگی کے لیے ایک ٹانگ سے معذور ہو گیا اور وہ اسے ایک نظر دیکھنے بھی نہیں آئے۔" وہ بدگمان سی بول رہی تھی۔

"ان سب باتوں کا ذکر کم سے کم اس وقت مت کرو۔" معاویہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"یہ جو کچھ وسامہ کے ساتھ ہو رہا ہے اس کے پیچھے ان ہی سب باتوں اور رویوں کا ہاتھ ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ۔۔۔" معاویہ کشنز کے سہارے نیم دراز تھا اس نے سر کے پیچھے ہاتھوں کا چھجا سا بنا رکھا تھا۔ روشن دان کی چٹخی ہوئی لکڑیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔
"مطلب یہ کہ وسامہ بہت جذباتی انسان ہے۔ عام سے عام بات کو بھی اتنی شدت سے محسوس کرتا ہے کہ بعض دفعہ حیرت ہونے لگتی ہے کہ کوئی اتنا کیسے سوچ سکتا ہے۔ مجھے لگ رہا ہے طالب ماموں کی ناراضی کو اس نے دماغ پر سوار کرلیا ہے۔ ہو سکتا ہے ان کی ناراضی ختم ہونے کا خیال اس کی ذہنی رو بدل دے۔"
آئے کت نے جواب نہیں دیا۔ خاموش ہوگئی۔
"اچھا تم بیٹھو۔۔۔ میں ذرا اوپر آیوشمتی سے مل کر آتا ہوں۔" معاویہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"کیا؟" آئے کت کو جھٹکا لگا۔
"مذاق کر رہا ہوں۔" معاویہ ہنس پڑا تو آئے کت بھی اپنے ری ایکشن پر جھینپ کر مسکرادی۔
"ذرا اوپر کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔"
"اس وقت مت جاؤ معاویہ!" آئے کت نے بے ساختہ کہا۔
"یعنی تمہیں بھی لگتا ہے آیوشمتی مجھے پکڑ لے گی۔" اس نے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر کہا۔
آئے کت جھینپ کر ہنسی۔ "یہ مطلب نہیں تھا میرا۔"
"میں آتا ہوں پھر۔۔۔ صبح سارے ملازموں کو بھی اکٹھا کرو' ویسے تو مجھے یقین ہے' وسامہ کے ذہن پر ماموں کی ناراضی کا اثر ہو رہا ہے' لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی بات ہے تو مجھے اس کی تہہ تک پہنچنا ہے۔" کہتے ہوئے وہ باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼
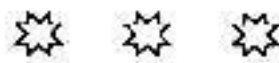
کیف چلا گیا اور اپنے ساتھ گھر کی رونق بھی لے گیا۔
لیکن خوش نصیب خوش تھی' اسے کسی کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ایک صبح بیدار ہوئی تو روشن امی نے کہا۔
"اپنا اور ماہ نور کا جتنا سامان اس کمرے میں ہے سمیٹ لو اور سنو اماں کی دوائیاں احتیاط سے اٹھانا۔ اتنی مہنگی دوائیاں ہیں ایک بھی شیشی ٹوٹ گئی تو خریدنے کے لیے اگلے مہینے کا انتظار کرنا پڑے گا۔"
"سامان کیوں سمیٹنا ہے؟ ہمیں بڑا کمرہ دے رہے ہیں تایا جان؟" اس نے ایک دم سے خوش ہو کر پوچھا تھا۔
بڑے کمرے میں جا کر رہنے کا خواب کئی سال پرانا تھا۔
"بڑے کمرے میں نہیں جا رہے۔" روشن امی نے حسب معمول عام سے لہجے میں بہت دھیمی آواز میں کہا تھا۔ "ہم اوپر والے پورشن میں جا رہے ہیں۔ بھائی صاحب نے چھت والا کمرہ ہمیں دیا ہے۔"
"اوپر والا پورشن۔۔۔؟ چھت والا کمرہ؟" خوش نصیب کو شدید صدمہ پہنچا۔ "چھت پر تو صرف ایک کمرہ ہے امی! اور اس میں تو طوطے بھائی کے کبوتر رہتے ہیں۔"
"اسی کمرے کی بات کر رہی ہوں۔"
"تو کبوتر کہاں جائیں گے۔" جرح کا آغاز ہوا۔
"کبوتروں کا کیا ہے؟ ڈربے میں رکھ دیں گے۔ کمرہ صاف ہو جائے گا۔"

"یعنی ایک گندے کمرے سے نکال کر ہمیں دوسرے گندے کمرے میں بھیجا جا رہا ہے؟" وہ غصے میں آ گئی۔
"اب کسی بے تکی بحث کو شروع مت کرنا خوش نصیب!" ذرا جھنجلا کر بولیں۔ "اس کمرے کی ضرورت ہے ان لوگوں کو۔۔۔ فضیلہ کے کوئی دور پار کے رشتہ دار آ رہے ہیں۔ وہی یہاں ٹھہریں گے۔ اگر ہم کسی کے کام آجائیں تو آخر اس میں برائی کیا ہے؟"
خوش نصیب جانتی تھی وہ اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے باتوں میں الجھا رہی تھیں۔ مشکل زندگی کو آسان بنانے والے راستے دکھا رہی تھیں۔
لیکن اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بچپن سے لے کر اب تک روشن امی نے اسے اور ماہ نور کو اپنا دل مار کر دوسروں کی رضا میں راضی رہنا سکھایا تھا لیکن خوش نصیب ان کی باغی بیٹی تھی، جو بات ایک عام بچے کو سمجھانا آسان ہوتا تھا اس کو سمجھاتے ہوئے وہ بھی درد سر بن جاتی تھی۔
"ان سے کہیں، کبھی ہمارے کام بھی آجایا کریں۔"
"تم سامان سمیٹنا شروع کرو۔ ماہ نور کچن میں برتن دھو رہی ہے۔"
"میں نہیں سمیٹ رہی۔ پہلے مجھے تایا جان سے بات کرنے دیں۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔
"ان سے کیا بات کرو گی؟" روشن امی اس کا ارادہ بھانپ کر ٹھٹک گئیں۔
"یہی کہ ہمیں کوئی بہتر کمرہ دیا جائے۔"
"گھر میں خالی کمرے ہیں ہی کتنے خوش نصیب؟ کہ ہمیں دیا جائے؟"
"کمرہ خالی بھی تو کروایا جا سکتا ہے۔ آخر ہم بھی تو خالی کریں گے تب ہی تو فضیلہ چچی کے مہمان ٹھہریں گے۔" اس کے پاس جواب تیار تھا۔
"کمرہ خالی کرنے کا فضیلہ نے نہیں کہا، صابر بھائی صاحب نے کہا ہے۔ وہ بڑے ہیں، ان کی بات ٹالی تو نہیں جا سکتی۔"
"تایا جان سربراہ ہیں اس گھر کے، جب وہ فضیلہ چچی کے مہمانوں کے لیے ہمارا کمرہ خالی کروا سکتے ہیں تو ہمارا خیال کبھی کیوں نہیں آیا روشن امی؟"
"غلطی ہو گئی مجھ سے جو سامان سمیٹنے کا تمہیں کہہ دیا۔" وہ اپنا سر پکڑ کر بولیں۔ "ماہ نور سے کہتی تو اب تک آدھا کام ہو بھی چکا ہوتا۔"
"روشن امی! یہ زیادتی ہے۔" پہلے غصہ، پھر ناراضی اور اب بے بسی کا احساس۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ہی آ گئے۔

"مطوطے بھائی کے کبوتروں کو نہیں۔۔۔ دراصل ہمیں ڈربے میں منتقل کیا جا رہا ہے۔"
"ارے آواز آہستہ رکھو۔۔۔ کوئی سن لے گا تو مصیبت ہو گی۔" وہ گھبرا گئیں۔
"سنتا ہے تو سنے۔۔۔" وہ روتے روتے زور سے بولی۔ "جب تایا جان اوپر والے کمرے کی بات کر رہے تھے تو آپ کو احتجاج کرنا چاہیے تھا ہم کیوں اپنا کمرہ چھوڑیں؟"
"میں احتجاج نہیں کر سکتی خوش نصیب! محتاجی میں سب سے پہلے زبان کو تالا لگانا پڑتا ہے، اعتراضات کا گلا گھونٹنا پڑتا ہے، میں تمہیں کس زبان میں سمجھاؤں۔ ان لوگوں کو ہماری ضرورت نہیں ہے بلکہ ہمیں ان کی ضرورت ہے۔ یہ چھت جو تمہارے بابا کے بھائیوں نے ہمیں دے رکھی ہے بہت بڑی نعمت ہے۔ ان سے جھگڑا کریں گے تو سڑک پر رہنا پڑے گا اور سڑک پر رہنے والی عورت کی کوئی عزت نہیں کرتا۔"
خوش نصیب نے آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ انہیں دیکھا۔ ناراضی سے سر جھٹکا اور بھاگتی ہوئی باہر نکلی،

لیکن دروازے میں رک گئی اور پلٹ کر بولی۔
"میں اس مہمان کو یہاں سے بھگا دوں گی۔ آپ دیکھیے گا میں اس کے ساتھ کرتی کیا ہوں۔" دھمکانے والے انداز میں کہتی وہ باہر نکل گئی تھی۔ روشن امی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

✵ ✵ ✵

رات بھر بارش برسی۔ صبح نیویارک بیدار ہو کر پھر سے نکھرا ستھرا چاق و چوبند ہو گیا۔
سینٹ فرانسس کے کراس کلچرل سائیکالوجی ڈپارٹمنٹ کے کیفے ٹیریا میں فی بی' منفرا' ایڈی' جینی' ایرک اور ان کے کچھ مزید کلاس فیلو سر سے سر جوڑے بیٹھے اپنا اگلا پراجیکٹ ڈسکس کر رہے تھے۔ آخری تاریخیں سر پر تھیں اور ان میں سے کسی نے بھی اپنا کام پورا نہیں کیا تھا۔
اس روز سردی ضرورت سے کچھ زیادہ تھی۔ منفرا نے اپنی لیدر جیکٹ کے ساتھ براؤن اونی ٹوپی پہنی۔ سلکی بالوں کی لیئرز کو چہرے پر دائیں بائیں پھیلی رہنے دیا تھا۔
اچانک بہت زچ ہو کر جینی نے ہاتھ میں پکڑا ہوا انٹو جرنل پر پھینک دیا اور اکتائے ہوئے انداز میں بولی۔
"او گاڈ! یہ کیا مصیبت گلے پڑ گئی ہے۔ مجھے نہیں لگتا ہم ویکیشنز تک یہ پراجیکٹ مکمل کر پائیں گے۔"
"ایگزیکٹلی۔" پریتی نے کہا۔ "اور اگر پراجیکٹ مکمل نہ ہوا تو ڈاکٹر ربسن ہم سب کی بینڈ بجا دیں گے۔"
وہ سب ہی اس بات سے متفق تھے۔
"کاش! وہ دن آنے سے پہلے کوئی جن' بھوت یا بد روح مجھ پر بھی عاشق ہو جائے اور میں کچھ وقت کے لیے اس دنیا سے غائب ہو جاؤں۔" ایرک نے منہ بنا کر کہا تھا۔
فی بی ہنسی۔ "اب اگر تمہارے دوست کے کزن کی بیوی کو کوئی جن اٹھا کر لے گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا اتفاق ہو سکتا ہے۔"

اس بات پر کچھ لوگ ہنسے باقی سب نے تعجب کا اظہار کیا۔

”یہ کیا بات کر رہی ہو فی بی؟“ منفرا نے پوچھا۔

”ارے میں تو بھول ہی گئی۔“ فی بی نے منفرا کو دیکھ کر شرارت سے کہا تھا۔ ”یہ بات منفا کو بتانی چاہیے تھی۔ اسے معاویہ شیرازی میں دلچسپی ہے اس کی کہانی میں بھی ہوگی۔“

”بکومت۔۔۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے اس میں۔“ منفرا نے فی بی کی شرارت کو انجوائے کرتے ہوئے کہا تھا۔

”کب تک چھپاؤ گی۔“ فی بی ہنس رہی تھی۔

”دلچسپی نہیں ہے تو اچھی بات ہے۔ ویسے بھی وہ اتنا suspicious (پراسرار) انسان ہے کہ کسی لڑکی کا اس میں دلچسپی نہ لینا ہی بہتر رہے گا۔“

”ایرک! منفا کو اس کی کہانی تو سناؤ۔“ فی بی نے ٹھک سے سوفٹ ڈرنک کا کین کھولا اور ایک بڑا سا گھونٹ بھر کر کہا۔ ”منفا کو وہ اچھا لگتا ہے پھر وہ اس کا ہم وطن بھی ہے۔“ فی بی ابھی بھی شرارت سے باز نہیں آرہی تھی۔

منفرا نے اسے خاموش کروانے کے لیے ایک دھپ رسید کی تھی جوابا“ فی بی نے اپنا کین اس کی طرف بڑھا دیا۔

”رئیلی؟“ ایرک سمجھا فی بی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس نے منفرا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ”اگر ایسی بات ہے پھر تو واقعی تمہیں معاویہ کی ساری حقیقت پتا ہونی چاہیے' میں مبین سے اور پوچھوں گا اس کے بارے میں۔“

”باقی سب بعد میں پوچھتے رہنا۔ ابھی جتنا پتا ہے وہ تو بتاؤ منفا کو۔“ فی بی کا اصرار تھا۔

”منفرا ڈر جائے گی۔“ ایرک نے خدشہ ظاہر کیا۔

”یہ بہادر لڑکی ہے۔“ فی بی شرارت سے مسکرائی۔

”پلیز ایرک اب بتا دو۔۔۔ کیوں کہ جب تک تم بولو گے نہیں' فی بی اسی طرح اصرار کرتی رہے گی۔“ منفرا نے مسکرا کر کہا۔

”بھئی بات یہ ہے کہ معاویہ کی ہونے والی بیوی پر کوئی بد روح عاشق ہو گئی تھی۔“ ابھی اس نے اتنا ہی جملہ بولا تھا کہ منفرا جو سوفٹ ڈرنک کا ایک بڑا گھونٹ بھر چکی تھی اسے اتنے زور سے ہنسی آئی جسے روکنے کے چکر میں اسے بری طرح کھانسی آگئی۔ ڈرنک کے کچھ چھینٹے سامنے میز پر گرے۔

اب وہ کھانس رہی تھی اور ہنس رہی تھی بلکہ صرف وہ ہی نہیں باقی سب نے بھی ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

”کم آن یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے۔“ ایرک نے کہا۔ ”تم سب مذاق سمجھ رہے ہو اور اس بے چارے کی پوری زندگی برباد ہو گئی۔“

”یہ کس دور کا انسان ہے بھئی۔ جس کی ہونے والی بیوی پر کوئی بد روح عاشق ہو گئی تھی۔“ ایک دوست نے کہا۔

”کہیں وہ بد روح کوئی پرانا ناکام عاشق نہ ہو۔“ فی بی نے بھی محظوظ ہوتے ہوئے پوائنٹ دیا۔ ”اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بد روح وہ خود ہی ہو۔ کتنا پراسرار سا لگتا ہے۔ وہ۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ ایرک نے کہا۔ ”اس بے چارے کی کہانی بہت افسوس ناک ہے۔ اسی بد روح کی وجہ سے معاویہ کے بھائی نے خودکشی کر لی تھی اور اس بھائی کی بیوی پاگل ہو گئی تھی۔ تم لوگوں کو ایسے مذاق نہیں اڑانا چاہیے۔“

اب سب ہی ایک دم سے خاموش ہوئے۔ یہ دونوں باتیں ہی افسوس ناک تھیں۔

"مجھے افسوس ہوا۔ باقی کسی کا مجھے پتا نہیں لیکن مذاق میں ہرگز نہیں اڑا رہی' میں بس اس بدروح والی بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔" منفرا نے ٹیبل پر رکھی اپنی فائلز سمیٹتے ہوئے کہا۔

"بلکہ میں حیران ہوں اگر وہ لڑکا مسلم ہے تو ایسی باتوں پر کیسے یقین کر سکتا ہے۔"

"لیکن مسلمز کی کتاب میں نوری اور ناری مخلوق کا ذکر ہے۔" جین نے کہا۔ "مجھے یاد ہے بچپن میں جب ہم چرچ جاتے تھے تو فادر نے بتایا تھا۔"

"ہاں قرآن پاک میں نوری اور ناری دونوں قسم کی مخلوق کا ذکر ہے۔" "لیکن اس ناری مخلوق سے مراد جن ہیں بدروح نہیں۔" اس نے اطمینان سے کہا۔ "اللہ نے جیسے اچھے اور برے انسان بنائے ہیں ٹھیک ویسے ہی اچھے اور برے جن بھی بنادیے ہیں۔ لیکن چونکہ دنیا انسانوں کے لیے بنائی گئی تھی اس لیے انسانوں کو برے جنوں کے شر سے بچنے کا طریقہ بھی بتادیا ہے۔"

"میری دادی کہتی تھیں جن آتماؤں کو اپنی کوتاہی کی وجہ سے مکتی نہیں ملتی وہ پھر دنیا میں بھٹکتی رہتی ہیں اور انسانوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔" پریتی ملہوترا نے کہا۔

"ہو سکتا ہے معاویہ کی بیوی پر بھی کوئی ایسی ہی آتما عاشق ہو گئی ہو۔" ٹی بی نے پھر نیم سنجیدہ انداز میں کہا تھا۔

"ساری بات اعتقاد کی ہے۔" منفرا نے کہا۔ "میری مام کہتی ہیں۔ دنیا میں ہر وہ چیز موجود ہے جس پر آپ یقین رکھتے ہیں۔ خیر یہ ایک لمبی بحث ہے۔ اور مجھے ابھی کلاس اٹینڈ کرنی ہے۔" وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی باہر کی طرف چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

خوش نصیب رو کر گھر سے نکلی تھی' وہ بلاوجہ چلتی چلی گئی۔

ناراضی اتنی شدید تھی کہ مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ رو چکی تھی اب رونے کی خواہش نہیں تھی لیکن سینے میں سسکیاں سی ڈوب کر ابھر رہی تھیں۔

بس نہ چلتا تھا کچھ کر ڈالے۔ کچھ ایسا کہ دل کو سکون ملے۔

چھوٹی چھوٹی گلیوں سے نکلی تو سامنے بیری والے پیر کا مزار آگیا۔ خوش نصیب کو کوئی کام تو نہیں تھا پھر بھی سر پر دوپٹا رکھا۔ جوتیاں اتار کر مزار کے اندر گئی۔ صحن میں چاروں طرف پیروں فقیروں کا مجمع لگا تھا۔ کہیں تعویذ گنڈے دیے جا رہے تھے اور کہیں جادوئی پانی کا استعمال سمجھایا جا رہا تھا۔ کہیں چینی اور نمک کی پڑیاں شوہر قابو کرنے' اور ساس نندوں کے کس بل نکالنے جیسے تیر بہدف نسخوں کے طور پر بانٹی جا رہی تھیں۔ خوش نصیب سیدھی بابا جی کی قبر کے سامنے گئی۔ فاتحہ پڑھی۔ باہر آکر مرکزی دروازے کے دائیں بائیں لگے بیری کے درختوں سے مٹھی بھر میٹھے بیر توڑے اور ایک بار پھر چل پڑی۔ کہیں چلی' کہیں رکی۔ دل سے وابستہ عناد نہ نکل سکا تب تھک کر فٹ پاتھ کے کنارے بیٹھ گئی۔ جو اللہ سے شکوے شکایتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو رکنے کا نام نہ لیا۔ اسی اثناء میں کالی Vitz سامنے آکر رکی۔ پاس آکر کھنکار کر گلا صاف کیا۔ خوش نصیب متوجہ ہوئی تو خوش دلی سے بولا۔

"ہیلو۔"

"ارے آپ؟" وہ اپنی جگہ سے بے ساختہ کھڑی ہوئی۔

"آج کیا آپ راستہ بھول گئی ہیں؟" وہ ہنس کر پوچھ رہا تھا۔

خوش نصیب نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔

”آیئے میں ڈراپ کردیتا ہوں؟“
”نہیں شکریہ۔ میں چلی جاؤں گی۔“
”اچھا۔“ وہ مایوس سا ہو گیا۔ ”میں نے سوچا تھا آپ ساتھ ہوں گی تو میری گاڑی نکلوادیں گی۔ اتفاق سے میں آج پھر راستہ بھول گیا ہوں۔“ اس نے خفیف سی شرارت کے ساتھ کہا۔ خوش نصیب کو بھی ہنسی آگئی۔ ”آخر آپ کو جانا کہاں ہے‘ جو ہر دوسرے روز یہاں گاڑی پھنسا کر بیٹھ جاتے ہیں۔“
”کچھ کام ہوتا ہے یہاں۔ لیکن اللہ بھلا کرے کیف جیسے لوگوں کا۔ جو صحیح راستہ دکھا دیتے ہیں۔“
کیف کے ذکر پر خوش نصیب کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔
”لیکن خیر چلتا ہوں۔ کوئی نہ کوئی تو کیف کے جیسا نرم دل انسان مل ہی جائے گا۔“ وہ گاڑی کی طرف مڑا پھر بولا۔ ”بائی دا وے آئی ایم شامیر۔“
خوش نصیب نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسے تو مخملیں گاڑی سے غرض تھی۔ وہ خود شامیر تھا یا شاہ میر‘ کسے پرواہ تھی۔

☼ ☼ ☼

میں آلوشمتی ہوں۔
اور لوگ سمجھتے ہیں میں ان کا وہم ہوں۔
ایک غلط فہمی۔
میں ان کو چھو کر گزروں تو ہوا کی سرسراہٹ۔
بات کروں تو سانپ کی پھنکار۔

کسی چیز کو گرا کر متوجہ کرنا چاہوں تو دہشت کا منبع۔
فلک بوس کے باسی۔ مجھ سے ڈرتے ہیں‘ خوف کھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ وہ مجھے دیکھ نہیں سکتے تو وہ بھی مجھے نظر نہیں آتے۔
حالانکہ میں وہ ہوں۔ جو ان کے رازوں کی امین ہوں۔
میں نے وہ سب سنا جو کسی نے نہیں سنا۔ میں نے وہ سب دیکھا جو کبھی کسی کو دیکھنے نہیں دیا گیا اور کبھی کسی کو دکھائی ہی نہیں دیا۔
وہ میری کہانیاں نگر نگر بیان کرتے ہیں لیکن میں نے ان کے راز آج تک فاش نہیں کیے۔
کیوں نہیں کیے؟ پتا نہیں۔ شاید اس لیے کیونکہ میں آلوشمتی ہوں۔ ہمیشہ زندہ رہنے والی۔ اور زندہ رہنے کے لیے بڑے کشٹ اٹھانے پڑتے ہیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

عام اور خاص

مریم فضل عباسی

اگر اسے کہا جاتا کہ لفظ "خاص" کو کسی ایک شخص کے لیے مخصوص کردو تو وہ ایک لمحے کی بھی تاخیر کے بغیر اس لفظ کو حجاب رضوی کے نام کر دیتا۔

حجاب رضوی!

جو کہ لفظ خاص کی مکمل تفسیر تھی۔

بے تحاشا حسین، بے تحاشا ذہین اور بے حد منفرد سی جو ہمیشہ چونکا دیتی تھی۔

حجاب رضوی اس کی کزن تھی — آسیہ آنٹی اور عمر انکل جیسے شاندار کپل کی اکلوتی اولاد!

عمر انکل آرمی آفیسر تھے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ شہر شہر پڑاؤ ڈالتے گزرا تھا۔ خود وہ ایک طویل مدت دیارِ غیر میں مقیم رہا۔ سو اس کی حجاب رضوی سے بہت کم ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ مگر جب بھی وہ اس سے ملا وہ چونکا تھا۔

اسے وہ وقت آج بھی یاد تھا جب کسی شادی کے موقع پر وہ سب کزن ایک طویل عرصے کے بعد اکٹھے ہوئے تھے۔ وہ لوگ دنیا کی خوب صورت ترین جگہوں کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ جب ایک کزن نے حجاب سے پوچھا تھا کہ اس کے خیال میں دنیا کی خوب صورت ترین جگہیں کہاں ہیں؟

اور اس نے ایک لمحے کے توقف کے بغیر جواب دیا تھا۔ "پاکستان میں۔"

اسے ہنسی آئی تھی اس کے جواب پر۔ اسے ہمیشہ ہی اتنے جذباتی اور غیر حقیقت پسند لوگوں پر ہنسی آتی تھی۔

"تم نے کبھی آرمی کالونیز سے باہر نکل کر بقیہ پاکستان بھی دیکھا ہے؟" اس کا لہجہ صاف مذاق اڑاتا ہوا تھا۔

"ہاں میں نے پاکستان کا شمال دیکھا ہے۔" اس کا انداز سنجیدہ اور اطمینان بھرا تھا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ ان سب لوگوں کو پاکستان کے شمالی علاقوں کی

تصویریں دکھا رہی تھی اپنے موبائل پر۔
"یہ فیری میڈو ہے۔"
"یہ راکاپوشی کا بیس کیمپ ہے۔"

"یہ نانگا پربت کا بیس کیمپ ہے۔"
"یہ اس کو لے!"
"یہ شمشال۔" اور پتا نہیں کیا کچھ!
اور پھر حجاب رضوی نے اسے مستنصر حسین تارڑ کی کتابیں گفٹ کی تھیں "کے ٹو کہانی" اور "یاک سرائے" ان کتابوں کو پڑھ کر' ان علاقوں کی نیٹ پر تصویریں دیکھ کر اور پھر ان کو وہاں جا کر دیکھ کر وہ چونکا تھا۔

اسے وہ موقع بھی یاد تھا جب وہ نانو کے گھر رہائش پذیر تھا۔ وہ سخت گرمیوں کے دن تھے اور دوپہر کا وقت تھا۔ جب لوڈ شیڈنگ اپنے عروج پر تھی اور جنریٹر جواب دے گیا تھا۔ وہ بہت برے موڈ کے ساتھ گھر سے باہر نکلا تھا کہ کسی مکینک کو ڈھونڈ کے لائے۔ چونکہ وہ شہر میں نیا تھا اور اس بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا۔ سوا ایک گھنٹے کی خواری کے بعد وہ ناکام و نامراد لوٹا مگر گھر آکر اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ گھر میں آسیہ آنٹی اور حجاب موجود تھیں۔ جنریٹر چل رہا تھا۔
حجاب کے ہاتھ میں ٹول باکس تھا۔ اور نانو حجاب سے واش روم کے نلکے کا مسئلہ بیان کر رہی تھیں جو ٹھیک سے کام نہیں کر رہا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ان کے واش روم کے نلکے کا مسئلہ بھی حل کر چکی تھی۔

وہ ایک بار پھر چونکا تھا۔
ایک طرف شاندار تعلیمی کارکردگی' دوسری طرف علم و ادب سے لگاؤ اور تیسری طرف ایسے مردانہ کام؟

☆ ☆ ☆

اور پھر چند دنوں بعد کا ذکر ہے جب نانو نے اسے بتایا تھا کہ حجاب اور آسیہ آنٹی عمر انکل کے لیے کوئی سرپرائز پارٹی ارینج کر رہی ہیں' وہ جا کر ان کی مدد کروادے' ویسے بھی وہ فارغ ہی تھا۔ اس نے نانو کی بات مان لی تھی۔ وہ ان کے گھر چلا آیا تھا۔
وہ صبح کے دس گیارہ بجے کا وقت تھا جب وہ وہاں پہنچا۔ آسیہ آنٹی صفائی کروا رہی تھیں اور حجاب کچن میں تھی۔ تھوڑی دیر آسیہ آنٹی سے گپ شپ لگا کر وہ کچن میں چلا آیا۔ سامنے حجاب رضوی انڈوں اور قیمے کے ساتھ نبرد آزما تھی۔
"یہ کیا بنا رہی ہو؟"
"نرگسی کوفتے۔"
"کیا یہ بہت مشکل نہیں ہوتے؟"
"پریکٹس کے بغیر بہت سارے کام بہت مشکل ہوتے ہیں۔"
وائٹ ٹراؤزر' وائٹ دوپٹے اور بلیک شرٹ میں وہ بہت گھریلو اور سادہ سے حلیے میں آج ایک الگ ہی حجاب رضوی لگ رہی تھی۔ تیزی سے چلتے ہوئے اس کے ہاتھ اور چہرے پر بکھرا اطمینان۔ وہ اس کی مہارت پر حیران ہوا تھا۔
پھر جب کوکنگ کے بعد سجاوٹ کا مرحلہ آیا تو ایک بار پھر حجاب نے اسے حیران کیا تھا۔
"ہر فن مولا ہونا" والا محاورہ شاید اسی کے لیے بنا تھا۔ پارٹی شام کو تھی اور شام تک تمام انتظامات مکمل تھے۔ اسے اپنا آنا فضول ہی لگا کیوں کہ اس نے برائے نام کام کیا تھا۔
پارٹی عمر انکل کی پروموشن کی خوشی میں تھی اور اس میں عمر انکل کے کچھ دوست اور قریبی عزیز و رشتہ دار مدعو تھے۔ اور وہ حجاب سے کہے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔
"تم بہت عجیب سی ہو!"
"کیا مطلب؟"
"تم لڑکی ہو کہ جن؟"
"میں چڑیل ہوں۔" اس نے بات ہنسی میں اڑا دی۔
"میں سیریس ہوں۔"
"میری فرینڈز مجھے سیریسلی چڑیل بولتی ہیں۔"
"اچھا یہ بتاؤ تمہاری شخصیت سازی میں بنیادی

کردار کس کا ہے؟"
"زاویہ کا" وہ اب سنجیدہ تھی۔
"یہ زاویہ کون ہے؟"
"یہ اشفاق احمد کی کتاب ہے۔"
"اشفاق احمد رائٹر ہیں غالباً"؟ احمقانہ سوال۔
"وہ ایک ادیب ہیں.... وہ ایک مفکر ہیں.... اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ بابا ہیں۔"
"بابا؟"
"ہاں بابا۔ یہ اشفاق احمد کو پڑھ کر ہی جانا جا سکتا ہے کہ بابا کیا ہوتا ہے۔"
پھر زاویہ اس نے پڑھی مگر بہت بعد میں۔ اسے آسیہ آنٹی کے توسط سے پتا چلا اشفاق احمد کا فلسفہ۔
"غریبوں کو پیسے بے شک مت دو مگر انہیں عزت دو۔"
"احترام ڈگری کا نہیں ہنر کا کرو۔ ہر ہنر مند جس کے پاس ڈگری نہیں وہ اتنا ہی قابل احترام ہے جتنا کہ ڈگری والا۔"
اور آسیہ آنٹی نے بتایا تھا کہ حجاب اسی فلسفے پر عمل پیرا رہی ہے۔ ان ہی ہنر مندوں کے احترام اور ان کی محبت نے اس کی شخصیت کو ایک انفرادیت بخشی تھی۔
جن لوگوں کا دل سے احترام کیا جائے اور جن کی قابلیت کا دل اور دماغ دونوں سے اعتراف کیا جائے.... ان کی قابلیت اور صلاحیت کسی نہ کسی حد تک آپ میں ضرور منتقل ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆
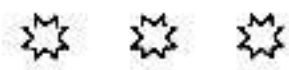
آج وہ ایک طویل عرصے کے بعد پاکستان آیا تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسے یوکے میں ہی جاب مل گئی تھی۔ وہ تقریباً "اسٹیبلش" ہو چکا تھا۔ اب اسے اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ.... یعنی شادی کا فیصلہ کرنا تھا اور اسی سلسلے میں وہ ممی کے ساتھ پاکستان آیا تھا۔
جو لوگ، جو چیزیں خاص لگیں انہیں مخصوص کرنے کی خواہش بھی بڑی فطری ہوتی ہے۔

شاید یہ ہی وجہ تھی کہ اس کے دل و دماغ میں بار بار حجاب رضوی کی شبیہہ ابھر رہی تھی مگر اس نے ابھی اس بات کا ذکر ممی سے نہیں کیا تھا۔ حجاب رضوی کے بارے میں اسے علم تھا کہ وہ اب ایک مشہور و معروف ماہر نفسیات ہے۔
لیکن کیا اب بھی وہ اتنی ہی منفرد اور خاص ہے؟ یہ اسے علم نہیں تھا اور یہ ہی معلوم کرنے کے لیے وہ اسلام آباد اس سے ملنے جانا چاہ رہا تھا۔
آسیہ آنٹی، ممی کی کزن تھیں، اس کا ددھیال کراچی میں رہائش پذیر تھا جب کہ آسیہ آنٹی، عمر انکل کی ریٹائرمنٹ کے بعد اسلام آباد میں رہائش پذیر ہو گئی تھیں۔ نانو کی وفات کے بعد تو اب ان سے ممی کے کوئی گہرے روابط بھی نہ تھے لیکن اس کے باوجود جب اس نے ان سے ملنے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو سب کو بے حد تعجب ہوا۔
عامر ماموں اپنی فیملی کے ساتھ کسی تقریب میں شرکت کے لیے کراچی ہی آئے ہوئے تھے وہ ان کے ساتھ ہی اسلام آباد روانہ ہوا۔ آسیہ آنٹی کے گھر جانے سے پہلے اس نے اپنی ماموں زاد کزن شنزا سے سرسری سا حجاب کے بارے میں پوچھا تھا۔
"اف! پاگل ہے وہ لڑکی تو.... تم نے اس کی شادی کی پکچرز دیکھیں؟"
"کیا مطلب؟ اس کی شادی ہو گئی؟" اسے اپنی کیفیات خود سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔
"کب؟.... کیسے؟.... میرا مطلب ہے کس کے ساتھ؟"
"یہ تو نہ ہی پوچھو کہ کس کے ساتھ.... اتنے بہترین پرپوزلز اس کے پاس موجود تھے.... مگر شادی کہاں ہوئی اس کی، شاید اسی کو قسمت کہتے ہیں۔"
شنزا نے آخر میں جھرجھری سے لی۔
"کیا مطلب؟ کیسا ہے اس کا شوہر؟" عجیب سی بے چینی تھی۔

”بے حد عام سا۔“ شنزا نے منہ بنا کر جواب دیا تھا۔
”عام سا؟“
”ہاں۔ مجھے خود حیرت ہوتی ہے۔ اس کی چوائس ہمیشہ ہی بہت عمدہ ہوتی تھی.... اس کا ڈریس.... جیولری.... ہر چیز بہت خاص.... بہت یونیک ہوتی تھی۔ مگر اتنا بڑا فیصلہ کرتے ہوئے اس کی عقل نجانے کہاں گھاس چرنے چلی گئی تھی.... اور انکل اور آنٹی نے بھی نجانے کیا سوچ کر اس کا فیصلہ مان لیا۔“ اس کے انداز میں حیرانی تھی۔
”کیا مطلب.... کیا کرتا ہے اس کا شوہر؟“ بعض اوقات اپنی ہی کیفیات انسان کو حیران کر دیتی ہیں۔
”اسکول ٹیچر ہے.... ایج ڈیفرنس بھی کافی ہے.... اور شکل و صورت بھی بس عام سی ہے۔“ شنزا کے لہجے میں تمسخر چھپا ہوا تھا۔
”تم نے وہ ناول پڑھا ’مسٹر چپس والا‘ جو ہمارے F.S.C کے سلیبس میں ہے.... مجھے لگتا ہے حجاب اس کی ہیروئن کیتھرین سے متاثر ہو گئی تھی.... اور بالآخر اپنے لیے مسٹر چپس جیسا نادر و نایاب پیس ڈھونڈ ہی لیا اس نے۔“
اور وہ جانتا تھا.... وہ مسٹر چپس سے نہیں وہ زاویہ سے متاثر ہے۔
وہ ایک بار صرف ایک بار اس خوش قسمت ترین شخص سے ملنا چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے ہی دن وہ آسیہ آنٹی کے گھر میں تھا۔ وہ بہت گرم جوشی سے ملی تھیں اور مسلسل حجاب کا ہی ذکر کر رہی تھیں.... اور اس ذکر پر ان کے چہرے پر اطمینان ہی اطمینان تھا۔
اور پھر اسی دوران حجاب بھی آ گئی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ بہت بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ وائٹ اور اسکائی بلو رنگ کے خوب صورت سے لان کے سوٹ میں سر پر اسکارف اور سلیقے سے لیا دوپٹہ! ایک ہلکی سی مسکراہٹ جو اس کے لبوں تک محدود نہ تھی بلکہ سارے چہرے پر بکھری ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں کی چمک پہلے سے کئی گنا بڑھ چکی تھی۔ وہ بہت جلدی میں لگ رہی تھی۔ وہ آسیہ آنٹی کو اپنے گھر منعقد ہونے والی ایک چھوٹی سی تقریب میں مدعو کرنے آئی تھی۔ اسے بھی حجاب نے پرزور دعوت دے ڈالی اور اس نے آنے کا وعدہ بھی کر لیا۔ وہ اس ”عام“ سے شخص کو دیکھنا چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

اور آج وہ آسیہ آنٹی اور عمر انکل کے ساتھ اس کے گھر جا رہا تھا۔ عام سے علاقے میں چھوٹا سا گھر! اس کی حیرت فطری تھی۔
آسیہ آنٹی اور عمر انکل کی جائیداد کی وہ تنہا وارث تھی اور خود بھی وہ ٹھیک ٹھاک کماتی تھی۔ پھر بھی یہاں رہ رہی تھی وہ؟ خیر گاڑی گھر کے قریب ایک خالی پلاٹ میں پارک کر کے وہ لوگ اب اس کے گیٹ پر تھے۔ جس کے ساتھ چھوٹی سی کیاری میں بے حد خوش رنگ سے پھول تھے۔
ان کا استقبال حجاب نے اپنے شوہر کے ساتھ کیا تھا۔ وائٹ شلوار قمیص میں ملبوس وہ شخص کسی غیر معمولی شخصیت کا مالک ہرگز نہ تھا۔ مگر پھر بھی وائٹ اور پنک کلر کے خوب صورت لباس میں ملبوس اس غیر معمولی حسن کی مالک لڑکی کے ساتھ کھڑا ان دونوں کا کپل ایک دم مکمل لگ رہا تھا‘ ان دونوں میں یکساں چیز ان کے چہروں پہ بکھری مسکراہٹ تھی۔
”السلام علیکم! خوش آمدید“ مسکراتے ہوئے وہ بہت خوب صورت لہجے میں ان کا استقبال کر رہا تھا۔ وہ آنٹی اور عمر انکل سے بہت محبت اور احترام کے ساتھ ملا تھا اور پھر حجاب نے اس کا تعارف کروایا تھا۔
”احمد! یہ میرے کزن ہیں اعزاز بخت!.... اور اعزاز یہ میرے شوہر ہیں‘ احمد کمال۔“ اس کے لہجے میں اپنے شوہر کے لیے بے حد احترام تھا۔
”بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“ یہ فقرہ بہت عام اور روایتی سا تھا مگر ادا بہت خاص انداز میں کیا گیا تھا۔

کچھ دیر کے بعد وہ لوگ ایک چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں تھے۔ جہاں اور بھی کافی لوگ موجود تھے اور پھر مزید چند لوگ بھی آئے اور اس محفل کا آغاز ہوا جو ایک مایہ ناز ادیب کی برسی کے موقع پر منعقد کی گئی تھی۔

وہاں موجود سب لوگ حجاب اور احمد کمال کے حلقہ احباب میں سے تھے اور ادب سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ اس تقریب کا مقصد ادیب کو خراج تحسین پیش کرنا۔ اس کی یادیں تازہ کرنا تھا۔

تقریب کا آغاز احمد کمال نے کیا۔ اس کے بعد باقی لوگوں نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ مگر سب ہی اس بات کو جانتے اور مانتے تھے احمد کمال جیسا انداز اور کسی کا بھی نہ تھا۔ وہ جب بول رہا تھا سب دم سادھے سن رہے تھے۔

خود اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا احمد کمال کی مسکراہٹ زیادہ پرکشش ہے یا پھر اس کی آواز کی نرمی!

آخر میں ریفرشمنٹ تھا اور اس کے بعد مہمان رخصت ہونے لگے۔ پوری تقریب کے دوران جو چیز سب سے نمایاں تھی وہ ان دونوں میاں بیوی کی کمال کی ذہنی ہم آہنگی تھی۔ سارا انتظام ان دونوں نے مل کر کیا تھا۔

اس نے جب اٹھنا چاہا تو احمد کمال نے ان لوگوں کو زبردستی روک لیا۔

"پہلی بار آپ ہمارے ہاں آئے ہیں۔۔۔ ہمارا گھر تو دیکھ کر جائیں!" حجاب نے بھی اصرار کیا تھا۔ اس کا انداز گفتگو اعزاز بخت نے بطور خاص نوٹ کیا جس میں احمد کمال کے انداز کی نمایاں جھلک موجود تھی۔

عجیب بات تھی۔ ظاہری طور پر ہر لحاظ سے اپنے شوہر سے برتر ہونے کے باوجود وہ اس کے ساتھ کہیں سے بھی برتر نہیں لگ رہی تھی بلکہ اس کے انداز میں احمد کمال کے لیے بے حد محبت' بے تحاشا احترام تھا اور یہ ہی چیزیں احمد کمال کے انداز میں اس کے لیے تھیں۔

"خلوص" "محبت" اور "احترام" کا امتزاج کس قدر خوب صورت ہوتا ہے! اس بات کا اندازہ ان دونوں کا رشتہ دیکھ کر ہوتا تھا۔

اور پھر اس نے وہ چھوٹا سا گھر دیکھا تھا۔

بے حد صاف شفاف۔۔۔ ہر شے' فرش سمیت شیشے کی طرح چمک رہی تھی۔ گھر کی مناسبت سے فرنیچر زیادہ تر چھوٹا۔۔۔۔۔ اور بڑا نہ ہوا بنی سا تھا۔ خاص طور پر بہت خوب صورت سے کورز والے موڑھے اور رنگین پیڑھیاں۔

سجاوٹ کے لیے پھولوں کے علاوہ وہاں کوئی دوسرا ڈیکوریشن پیس نہ تھا۔ رنگوں کا چناؤ سارے گھر میں لائٹ کلرز میں تھا جیسے وائٹ' لائٹ پنک' اسکائی بلو اور اس میں شوخ رنگوں کے پھول بے حد بھلے لگ رہے تھے اور سب سے خوب صورت اسے پلاسٹک کی بوتلوں سے بنی وہ جھالر لگی تھی جو لاؤنج اور ڈائننگ روم کی تقسیم کر رہی تھی۔

اس گھر کا گوشہ گوشہ اس بات کا گواہ تھا کہ اسے بے حد محبت سے سجایا گیا ہے۔

"اتنا چھوٹا سا گھر اتنا خوب صورت ہو سکتا ہے؟" وہ ششدر تھا۔

وہ لوگ واپس جانا چاہ رہے تھے احمد کمال انہیں روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بہت محبت' بہت خلوص' بہت احترام کے ساتھ۔

"اتنا عام شخص' اتنا خاص ہو سکتا ہے؟" وہ حیران تھا۔

"عام؟" اسے خود پہ حیرت ہوئی "اور خاص؟" کس قدر گہرا مفہوم ہوتا ان دو لفظوں کا۔

اور ہم کتنی آسانی سے انسانوں کی درجہ بندی کرتے ہیں۔

کون جانے بظاہر عام نظر آنے والا شخص کتنا خاص ہے؟

اور بظاہر خاص نظر آنے والا شخص کتنا عام ہے؟

ظاہری شخصیت!

ظاہری چکا چوند!

ہونٹوں تک تو مسکراہٹ لاسکتی ہے مگر آنکھوں تک مسکراہٹ کیسے آتی ہے۔۔۔ یہ ہم جانتے ہیں۔۔۔ مگر مانتے نہیں۔۔۔ اور یہ نہ ماننا خاص کو عام اور عام کو خاص بنا دیتا ہے۔

سعدیہ اصغر

بعض محبت

"زندگی اب تو فقط گھٹتے بڑھتے سایوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہے۔"

میری نظریں کسی محتاط چور کی طرح کالی چادر اوڑھے، بڑھتے ہوئے سایوں پر تھیں۔ میں اس وقت لان میں بیٹھا ہوں۔ تنہا، خاموش اور بالکل گم صم.....

دادی اماں کہتی ہیں "میں آج کل بہت خاموش ہو گیا ہوں۔" اب میں انہیں کیا بتاتا۔ مجھ سے واقعی آج کل نہیں بولا جاتا۔ شاید میرے جبڑوں میں بہت زیادہ درد رہنے لگا ہے کہ مجھے منہ کھولنا ہی بہت مشکل لگتا ہے۔ انسان کو دو چیزیں ہی خاموش کرا سکتی ہیں۔ ایک موت اور دوسرا خوف لیکن مجھے محبت نے خاموش کر دیا ہے۔ ناکام محبت بھی قوت گویائی چھن جانے کا نام ہے۔ اب ڈر ہے یا خوف، جنون ہے کہ دیوانگی، جو بھی ہے اس جسم کی چار دیواری کے اندر ہے۔ نہر بھی میری ہی طرح دکھتی ہے، اوپر سے پرسکون لیکن تہ آب کتنے بھنور ہیں، یہ کوئی نہیں جانتا۔

میری نظریں مالی بابا کے چہرے پر ہیں اور ذہن میں کچھ روز پہلے والا مکالمہ گردش کر رہا ہے۔ اس دن مالی بابا پودوں میں سے جڑی بوٹیاں کاٹ کاٹ کر پھینک رہے تھے۔ میں نے دیکھا تو ان سے کہہ بیٹھا۔

"بابا آپ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ انہیں ادھر دیوار کے ساتھ لگا دیں۔ یہ دیکھنے میں کتنی پیاری لگ رہی ہیں۔" وہ دیکھنے میں واقعی خوشنما تھیں اور ان میں لگے چھوٹے چھوٹے جامنی رنگ کے پھول مجھے اچھے لگے تھے۔ بابا کا جواب مجھے آج بھی یاد ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ.....

"یہ جس طرف کا رخ کیے اگتی ہیں، اسی طرف چڑھائی کر دیتی ہیں۔ رخ موڑنے کی کوشش کی جائے تو یہ ختم ہو جاتی ہیں۔ دوسری صورت میں یہ پودوں کو ختم کر دیتی ہیں۔"

اس بات پر تب غور نہیں کیا تھا، اب کر رہا ہوں۔ محبت بھی ان جڑی بوٹیوں جیسی ہوتی ہے نا۔ جدھر کا رخ کر لے، اسی طرف بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

میں کچھ زیادہ ہی حساس نہیں ہو گیا، پہلے جن باتوں پر توجہ نہیں دی تھی اب پہروں انہیں سوچتا ہوں۔ محبتوں کا انجام یونہی حساسیت بخش دیتا ہے کیا؟ اب تو آنکھیں بھی کسی بھرے ہوئے برتن کی طرح ہر وقت چھلکنے کو بے تاب رہتی ہیں۔

آنکھوں میں ساون کی جھڑی۔
دل میں ہے اک قیامت برپا ہر گھڑی۔
اس کو کہتے ہیں۔
محبت رخ موڑے کھڑی۔"

مجھے تو خیر محبت الوداع کہہ گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آیا اس کی بے وفائی پہ رووں، تڑپوں یا اس کی سمجھ داری پر عش عش کراٹھوں۔ کیا کہہ رہی تھی بھلا ناہید سلمان، (آنکھوں کو خلا میں گھمایا اور کسی نادیدہ نقطے پر جما دیا۔)

"ہاں! محبت کو قید نہیں کرتے۔" کیسے قید نہیں کرتے؟ میرے بس میں ہوتا تو میں محبت کو مٹھی میں قید کر لیتا اور کبھی نہ کھولتا۔ مجھے نہیں پتا تھا یہ مٹھی سے بھی پھسل جاتی ہے۔ قید سے نکلی چڑیا کی طرح پھر سے اڑ جاتی ہے اور پھر ہاتھ نہیں آتی۔"

مزید کیا کہا تھا اس نے؟
"میں تم سے محبت کرتی ہوں لیکن شادی نہیں
کرسکتی۔ محبت کا آخر شادی ہوتی بھی نہیں ہے۔"
سچ کہا تھا۔ "محبت کی آخر نہیں ہوتی' یہ تو آخری دم

تک قائم رہتی ہے۔ میرے چہرے کے تاثرات دیکھ
کے مجھے بہلانے کو کہا گیا تھا شاید!
"تمہاری محبت میرے دل میں رہے گی" کیا یہ کافی
نہیں۔ تم کیوں اسے دل سے نکال کے گھر میں لاتا

چاہتے ہو۔ تمہیں اس دل کو اپنا اسیر کر کے آزاد فضاؤں میں چھوڑنا ہے اور اتنا حوصلہ تمہیں پیدا کرنا ہے۔"

حوصلہ تو میں تب پیدا کرتا جب میں اس بات کو قبول کرتا۔ میں تو سرے سے انکاری تھا۔ میں نے خوب احتجاج کیا تھا۔ کون سی دھمکی تھی جو میں نے اسے نہیں دی تھی۔ میں نے کہا تھا۔

"میں تمہارے شوہر کو سب کچھ بتادوں گا۔"

میری ہربات کا جواب دیتی وہ اس بات پر چپ سادھ گئی تھی۔ محبت نے اپنا چہرہ تھوڑا سا موڑا تھا۔

"بتادینا۔" وہ چلی گئی اور مجھے یوں لگا جیسے محبت رخ موڑ گئی۔ پہلے میری طرف چہرہ تھا تو اب وہ کمر کر کے کھڑی تھی۔

محبت نے کسی کنکھجورے کی طرح اپنے پنجے میں گاڑ رکھے ہیں۔ یہ آکٹوپس مجھے بے بس ولاچار کر کے آہستہ آہستہ نگل رہا ہے۔ میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن وہ محبت ہی کیا جو سالم چھوڑ دے۔ پہلے دل گیا تھا اب روح کی باری ہے۔ اختیار والوں کے سامنے بھی کسی کی چلتی ہے؟ اور محبت سے زیادہ بااختیار جذبہ تو کوئی ہے ہی نہیں۔

☼ ☼ ☼

"پہلی محبت پہلے کیے جانے والے نشے کی طرح ہمیشہ پوری جزیات سے یاد رہتی ہے۔ میرا تو یہی خیال ہے۔" ان دنوں میں نے نیا نیا یونی میں ایڈمیشن لیا تھا۔ ناہید سلمان کی شہرت ہر نئے آنے والے کی طرح مجھ تک بھی پہنچی تھی۔ وہ بہت اچھی بامسٹ تھی اور اس سے زیادہ وہ خود اچھی تھی یہ مجھے دیکھ کے اندازہ ہوا تھا۔

ہر ایک سے بے تکلف اور دوستانہ مزاج۔ وہ مجھ سے ایک سال سینئر تھی۔ پہلی نظر میں وہ مجھے اچھی لگی تھی۔ دوسری نظر میں مجھے اس سے محبت ہوئی پھر عشق، جنون دیوانگی اور اب درد ہے اور درد لا دوا ہے۔ (گہرا سانس لیتے ہوئے سر کو پیچھے کرسی سے ٹکاتے اس نے آنکھیں موندی تھیں۔ ایک منظر تخیل کے پردے سے جھانک رہا تھا)۔ اس دن ناہید سلمان لان میں بیٹھی۔ تھی ہر وقت ساتھ رہنے والا ہجوم بھی ساتھ نہیں تھا۔ امیر لڑکوں میں خصوصاً" جب وہ اچھی شکل و صورت والے ہوں، جتنی بے باکی، جرات اور بہادری ہوتی اس سے کچھ زیادہ ہی مجھ میں تھی۔ میں نے اس کے قریب اور نزدیک بیٹھ کے اپنا ہاتھ اس کے آگے کر دیا۔

"کیا میری شادی اس سے ہوجائے گی جسے میں پسند کرتا ہوں؟" وہ شاید اسٹوڈنٹ کو فیل پاس اور ان کے کیریئر کے بارے میں بتاتی رہتی تھی۔ میری بات سن کر چونکی۔ مسکراہٹ اور شرارت بیک وقت چہرے اور آنکھوں میں براجمان ہوگئی۔ میری اندر یک دم کچھ بدلا تھا۔

"آپ کسے پسند کرتے ہیں؟" وہ ہاتھ پر نظریں دوڑا رہی تھی۔ اپنے ایک سال سینئر ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سوال بھی پوچھ ڈالا۔

"کسے کرنا چاہیے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ انداز معنی خیز تھا۔

"جو اچھی لگے۔" ادھر سے دوستانہ جواب موصول ہوا تھا اور ادھر میرا حوصلہ بڑھا تھا۔

"لیکن وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔" ٹھہرا پھر مکرر بولا۔

"آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔" وہ ٹھٹکی۔ ہاتھ سے نظریں ہٹا کر میرے چہرے کی طرف دیکھا جس کا رنگ تھوڑا سا فق تھا۔

"بتائیں نا! میری شادی آپ سے ہوجائے گی؟" پہلے اگر وہ نہیں بھی سمجھی تھی تو اتنے واضح اظہار کے بعد اس کے نا سمجھنے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ آگ برساتی نظر مجھ پر ڈالی۔

"ویسے کافی بے ہودہ مذاق ہے یہ!"

"مذاق نہیں ہے یہ۔ میری محبت کو مذاق مت کہیں آپ۔" میں اس سے زیادہ بھڑکا تھا۔

"شٹ اپ! دفع ہوجاؤ ادھر سے ورنہ میں!" اگر وہ

گردکوئی چیز دیکھی جو مجھے مار سکے۔ وہ سمجھی ہوگی اس کے اتنے جارحانہ انداز پر میں بھاگ جاؤں گا۔ لیکن میں جم کر کھڑا رہا۔ پہلے اگر مصنوعی غصہ تھا تو وہ اصلی والے غصے میں تبدیل ہوگیا تھا۔ ناہید سلمان نے نیچے پڑی کتابوں میں سے ایک موٹی کتاب اٹھا کے مجھے ماری تھی۔ میں نے کتاب کیچ کی۔

"جارہا ہوں۔ لیکن یہ تو بتادیں ہماری اگلی ملاقات کہاں ہوگی۔" اب میں اسے زچ کررہا تھا۔

"جہنم میں!" غصے سے بھرا جواب موصول ہوا۔

میں ہنس دیا۔

"آپ کو پکا یقین ہے آپ جہنم میں جائیں گی۔"

جواب تو کیا دینا تھا۔ مجھے اتنی خشمگیں نظروں سے دیکھا کہ دل ہوا میں پڑے سوکھے پتوں کی طرح تیزی سے اوپر نیچے ہونے لگا۔ وہ چلی گئی وہاں سے 'لیکن اپنی خوشبو میری روح تک میں اتار گئی۔

☼ ☼ ☼

اس کے ہر رستے پر میں پہلے سے موجود ہوتا تھا۔ ناہید سلمان کو میری محبت کے آگے گھٹنے ٹیکنے ہی پڑے تھے۔ وہ ہار گئی تھی اور میں اور میری محبت جیت گئی تھی۔ اب جیت کے ہارا ہوں نا! اس لیے دکھ بھی زیادہ ہوتا ہے۔

"محبت جتنی پرانی ہوتی جاتی ہے اتنی نئی کیسے ہوتی جاتی ہے! مجھے سمجھ میں نہیں آتی اس کی۔ کبھی اپنا سب کچھ واردو تو بھی ہاتھ نہیں آتی۔ کبھی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے ہوئے کی جھولی میں آگرتی ہے۔ محبت انمول ہے' یہ انمول لوگوں کے ہاتھ آتی ہے۔ میں انمول نہیں تھا اسی لیے تو ہاتھ چھڑا کے بھاگ گئی۔ میں کیا تھا؟ کیا ہوں؟ مجھے نہیں معلوم۔ محب تھا یا محبوب شاید بتا نہ چلا سکوں۔

اب وہ مجھے چھوڑ گئی ہے۔ روایات تھیں اقدار تھیں اور وہ منحرف تھی تو صرف مجھ سے۔ انحراف کا یارانہ تھا۔ سب سے آسان مجھے چھوڑنا ہی لگا ہوگا۔ یا پھر اس چھوڑنے کی وجہ میں تھا میرا نامکمل وجود۔ جو پچھلے پانچ ماہ سے ایک حادثے کی دین ہے۔

(افسردہ و غمگین نظریں وہیل چیئر پر آجمیں)

محبت میں سب کچھ مکمل ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ جدائی بھی۔ یہ نامکمل اور ادھوری جدائی مجھے اندر ہی اندر مارتی جارہی ہے۔ یہ محبت کسی زمانے میں ضرور جادوگر رہی ہوگی۔ اس جادوگری کو دوسروں پر مکمل کنٹرول حاصل ہونے کی وجہ سے محبت کا نام دیا گیا ہوگا۔"

سوچیں تھیں۔ لامحدود سوچیں اور آنکھیں جلنے پر مامور۔

تھکی ہوئی بے چین آنکھیں۔
کسی ایک ہی نقطے کو پہروں گھورتی آنکھیں۔
ہر لمحہ کچھ ڈھونڈتی آنکھیں۔
ایسی ہوتی ہیں محبت کرنے والوں کی آنکھیں۔

☼ ☼ ☼

"رضا بیٹے! آج بھی آفس نہیں جانا کیا؟" ماما بولتی ہوئی میرے بیڈ کے نزدیک آکھڑی ہوئیں۔

"جانا ہے۔" میں نے سیدھے ہوتے ان کی طرف دیکھا۔ میری آنکھوں میں نجانے کیا تھا۔ وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھیں۔

"بیٹا! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" ان کی انگلیاں میرے بالوں میں چلنے لگیں۔ دماغی تناؤ کم ہونے لگا تھا۔ مجھے لگا جیسے میری سکڑی سمٹی شریانیں واپس اصلی حالت میں آنے لگی ہیں۔

"جی ماما! آپ چلیں میں فریش ہو کے آتا ہوں۔"

یہ مائیں بھی کیا چیز ہوتی ہیں بھلا۔ چاہیں تو پوروں سے تھکن چن لیں۔ تھوڑے سے میٹھے بول سے روح تک شانت کردیں۔ چاہیں بھی تو اپنی اولاد کے حق میں برا نہ چاہ سکیں۔ ڈائننگ ٹیبل پر دادو کی نظریں بھی مجھ پر آرکی تھیں۔

"تم اسے بھول نہیں سکتے؟" اس طرح کا سوال بلاشبہ مجھ سے دادو ہی پوچھ سکتی ہیں۔

"بھول تو گیا ہوں خود کو۔ شاید خود کو بھول جانے سے ہی وہ مجھ کو بھول جائے۔" میرے لہجے میں اتنی

بے بسی بھی کہ سننے والا بے بس ہو جائے۔
"ناں! میرے بچے ناں! ایسے نہیں بولتے۔" دادو نے چشم تر لیے اپنی چیئر گھسیٹ کے میرے قریب کی اور میرا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔
"دنیا میں چند لوگ ہی ہوتے ہیں جو اندر باہر سے ایک سے ہوتے ہیں۔ (مولی کی طرح) اس کے دل میں شروع ہی سے کھوٹ تھی ورنہ اس شہزادے کو کون چھوڑ سکتا ہے؟"
میں خاموش رہا۔ شاید مجھے اس کی بے وفائی پر یقین آتا جارہا ہے۔ یہ محبت درد کے بعد بے وقوفی پر ہی کیوں ختم ہوتی ہے؟
ناہید سلمان کہتی تھی کہ "مردوں کی کوئی بھی محبت آخری نہیں ہوتی" وہ تو یہ بھی کہتی تھی محبت عروج سے زوال تک لے آتی ہے۔ جو محبت زوال سے عروج تک لے جائے وہ محبت نہیں مطلب پرستی ہے۔ عشق جیسے جیسے بڑھتا ہے دنیاوی حیثیت ویسے ویسے گھٹتی چلی جاتی ہے۔
کیا میرا بھی زوال شروع ہو گیا ہے؟ اب کوئی فراز نہیں آئے گا' سب نشیب ہوں گے؟ اس سے پہلے کہ درد دل کو کھا جائے۔ محبت' کسی ولی اللہ کی بددعا کی طرح مجھے برباد کردے۔ مجھے کچھ کرنا ہوگا۔ میں بھی اب شادی کرلوں گا اور اس کو بھول جاؤں گا۔ بس! بہت سر چڑھالیا اس محبت کو!"
میں نے دل میں تہیہ کیا' ساتھ ہی اپنی آنکھیں پونچھیں۔ اس طرح کے موقعوں پر اس فطری دریا میں روانی بہت آجاتی ہے۔ بند باندھنے کے چکر میں آنکھوں کی سرخی سب راز افشا کردیتی ہے۔ نمی تو شاید اب ہر وقت آنکھوں کو گھیرے رکھتی ہے اور یہ نمی مجھے اندر سے کھوکھلا کررہی ہے' جسم کے غار میں سے دل غائب ہوتا جارہا ہے۔

☆ ☆ ☆

امی اور دادو کی دعائیں لیتا میں آفس آگیا ہوں۔ چونکہ کچھ بھی کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا تو میں نے اپنے ڈرائیور کو بازار چلنے کا کہا۔ میں اس جمود کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ جمود بھی وہ' جو موت جیسا ہے۔ بازار کی گہما گہمی و رونق اور دکانداروں کی مختلف آوازیں سن کر میرے اندر کے بچے نے خوشگوار سانس لیا۔ یہ خاصی رش والی جگہ ہے اور میں اپنی کار ہی میں بیٹھا ہوں۔ اس وقت میرے سامنے ایک کار آکر رکی ہے اور اس میں سے نکلنے والی ہستی کو دیکھ کر میری سانسیں رک گئی ہیں۔
محبت جب بھی چاہے آپ کی سانسیں روک سکتی ہے۔ رگوں میں خون جما سکتی ہے' سیلاب لانا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ میرے لیے اس کے چہرے سے نظر ہٹانا دنیا کا دوسرا مشکل کام ہو گیا۔ پہلا خود کو اس کے نزدیک جانے سے روکنا تھا۔ اس کی آنکھوں نے مجھے الجھایا۔ وہ بھی بہت اداس تھیں۔ وہ آنکھیں میری آنکھیں تھیں۔ وہی تڑپ' وہی وحشت سموئے جلتی بجھتی آنکھیں۔
وہ کار میں سے کسی کو نکلنے کے لیے کہہ رہی تھی' نہیں! بلکہ وہ کسی کو نکال رہی تھی۔ ایک قبول صورت مرد جو اب وہیل چیئر پر بیٹھا ہوا نظر آرہا ہے۔ وہ شاید نہیں یقیناً" اس کا شوہر ہے۔ میں ساکت ہوں۔ یہاں بیٹھے مجھے اس کی وفا پر یقین آگیا ہے۔ مجھے عورت کی روایات سے وفا پر یقین آگیا ہے۔ مجھے پچھتاوا ہوا۔
کاش میں آج بازار نہ آتا۔ بے وفائی کے الزام کے ساتھ زندگی آسان تو گزرتی۔ آہستہ آہستہ تڑپ بھی سکون میں بدل جاتی۔ مگر اب یہ تڑپ میری جان لے کے ہی چھوڑے گی۔ محبت ہنسی سے شروع ہو کر ہچکی پر ہی کیوں ختم ہوتی ہے؟ میں اب آگے نہیں بڑھ سکتا۔ کبھی نہیں۔
میرے جیسے لوگ ایک نقطے کو اتنے قریب سے دیکھتے ہیں کہ ہر طرف وہی پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ میرے اندر کا بچہ آج ابدی نیند سو گیا ہے اور اس کی جگہ ایک چڑچڑے بوڑھے نے لے لی ہے۔ میری زندگی یک رنگی سے من رنگی اور من رنگی سے بے

رنگی ہو گئی ہے۔

"کیا اب میری زندگی ہمیشہ جمود ۔ کا شکار رہے گی؟"

"کیا میں آدھا مرا ہوا ہی رہوں گا؟"

"کیا محبت کے سحر سے نجات کی کوئی دوا ہے؟"

اگر ہے تو مجھے فوری چاہیے ۔ ورنہ یہ مریض محبت۔

✡ ✡ ✡

سمجھوتہ ہے تو اشک ندامت سے رقم ہو۔
اعلان بغاوت ہے تو پھر خوں سے لکھا جائے

"میں ہوں ناہید شہزاد! عورت کو محبت نہیں کرنی چاہیے۔ کبھی نہیں۔ لیکن اسے سمجھوتا ہر حال میں کرنا آنا چاہیے۔ عورت کی زندگی محبت کے بغیر تو گزر جاتی ہے لیکن سمجھوتوں کے بغیر کبھی نہیں گزرتی۔

محبت تو دل میں رہتی ہے۔ ہمیشہ رہتی ہے لیکن یہ مجھے آج پتا چلا ہے کہ یہ کسی چوہیا کی طرح آہستہ آہستہ دل کو کترتی رہتی ہے۔

پورے چار ماہ بعد آج میں نے اسے بازار میں دیکھا ہے' لیکن میں اسے نظر بھر کے دیکھ نہیں سکی۔ میری آنکھوں کے آگے سمجھوتوں کی دیوار تنی تھی۔ اس دیوار میں سوراخ کی میں متحمل نہیں' کیونکہ یہ دیوار شیشے کی ہے۔

مجھے معلوم ہے' اسے پتا بھی نہیں ہو گا کہ میں نے اسے دیکھا ہے۔ شاپنگ مال میں اپنے شوہر کی وہیل چیئر کو لے جاتے ہوئے میری نظر اس پہ پڑی تھی۔ کوئی مجسمہ ایستادہ تھا۔ شاید وہ مجھے دیکھ چکا تھا لیکن اس وقت اس کی نظریں کسی غیر مرئی نقطے پہ تھیں۔ میں نے اسی وقت اپنی نظریں پھیر لیں۔ بھلا نظریں پھیر لینے سے بھی دل پھرتے ہیں۔ وہ فیس تھا' زمانہ جدید کا فیس' بلیک جینز' وائٹ شرٹ' بال سلیقے سے جمے ہوئے' پتلے ہونٹ بھلا مردوں کے بھی پتلے ہونٹ اچھے لگتے ہیں" میں اسے اکثر یہ کہہ کر چڑایا کرتی تھی۔ (آنکھوں میں ایک دم کسی نے مرچیں ڈال دی تھیں۔) آنکھیں اس کی بھی بہت بھری تھیں۔ (ناہید شہزاد کی آنکھوں سے "پانی" نکل نکل کے چہرہ بھگو رہا تھا۔)

وہ کیسی آنکھیں تھیں جن میں نہ خیال تھا' نہ خواب۔ اذیت تھی' درد تھا۔ اور ۔ وہ "وہ" اذیت آنکھوں کے رستے باہر نکال رہا تھا۔ اچھا تھا' شاید اسے اسی طرح سکون آجائے۔

وہ مجھے ملا ہی کیوں تھا ۔ محبت پچھتاووں کو جنم دیتی بالکل بھی اچھی نہیں لگتی لیکن یہ مجھے پچھتاوے دان کر گئی ہے۔ کیا وہ بھی پچھتا رہا ہو گا۔ (ناہید شہزاد نے سوچا' آنسو ایک لمحے کے لیے رکے تھے' پھر ہچکی بندھ گئی۔)

سنو۔
کیا تم نے وہ شخص دیکھا ہے۔
جو پچھلی باتوں کو یاد کر کے رو رہا ہے۔
دنوں میں گھلتے گھلتے تھوڑا ہو رہا ہے۔
اسے کہو۔!
پچھتاووں کو دل میں جگہ نہیں دیتے۔
جینا تو ہے لیکن خود کو یوں سزا نہیں دیتے۔
محبت ہار دیں تو حوصلہ ہار نہیں دیتے۔
اسے یہ مت بتانا تم
محبت تو بذات خود اک پچھتاوا ہے
اس آگ کی قسمت میں فقط دوسروں کو جلانا ہے
یہ شعلہ ہمیشہ بھڑکتا ہے' تن من جلاتا ہے
اسے یہ مت بتانا تم۔
اسے یہ مت بتانا تم۔

دل کو کوئی مٹھی میں لے کر بھینچتا تھا' محبت کرنے والوں میں خون کی جگہ درد بہتا ہے اور یہ درد ہولے ہولے ہی سہی پر جان ضرور لے لیتا ہے۔ میٹھی موت' محبت کے کاٹے کی موت میٹھی تو ہوئی نا۔

"کیسے۔؟"

"آپ خود سوچیں اور بتائیں۔"

✡

راشدہ رفعت

مکمل ناول

وہ یونی ورسٹی میں ایک تھکا دینے والا دن گزار کر گھر لوٹی تو گھر میں ایک ہنگامہ بپا تھا۔ نوشی آپی اور صاعقہ آپی کے بچے ایک دوسرے سے ہاتھاپائی میں مشغول تھے اور ان کی مائیں اس سارے ہنگامے سے بے نیاز ایک دوسرے سے خوش گپیاں کر رہی تھیں۔ اس نے پہلے گتھم گتھا بچوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا، پھر نوشی اور صاعقہ آپی سے دعا سلام کی۔

"وعلیکم السلام.... آج تمہیں آنے میں کچھ دیر نہیں ہو گئی۔" نوشی آپی نے اسے گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔

"وقت تو وہی ہے، بس دن چھوٹے ہو گئے ہیں نا، اس لیے لگتا ہے بہت دیر ہو گئی۔" عبیرہ نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔

"سردیوں میں تو دن واقعی سکڑ کر بالکل چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ کام نپٹنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ دو گھڑی کمر سیدھی کرنے کی فرصت نہیں ملتی اور میرے ساس، سسر انہیں ساری فرمائشیں اسی موسم میں سوجھتی ہیں۔ کبھی کجریلا کھانے کو جی مچل جائے گا تو کبھی چنے کی دال کے حلوے کی فرمائش کر دیں گے۔ بندہ اپنے کام چھوڑ چھاڑ کر بس ان کی فرمائشیں پوری کرنے میں لگا رہے۔" صاعقہ آپی نے دکھڑا رو دیا۔

"چلو صاعقہ! یہ تو غنیمت ہے کہ تمہارے ساس سسر کی فرمائشیں پوری کرنے میں ثاقب کی جیب پر کوئی وزن نہیں پڑتا۔ ٹھیک ٹھاک پنشن ہے تمہارے سسر کی۔ ہمارے ہاں تو امجد ہی سارا خرچ اٹھاتے ہیں۔ اس موسم میں ہر دوسرے ہفتے امجد کے ابا جی

پائے کھانے کی فرمائش کردیتے ہیں۔ حالانکہ ڈاکٹر نے بڑے میاں کو ایسی چیزوں کا سختی سے پرہیز بتا رکھا ہے مگر نہ جی زبان کے چٹخاروں کے آگے ڈاکٹر کی نصیحت کیا معنی رکھتی ہے۔" نوشی آپی کے پاس بھی سسرالی شکووں کی طویل فہرست ہوتی تھی۔

"بھابھی کہاں ہیں، نظر نہیں آرہیں؟" عبیرہ نے اپنی دانست میں گفتگو کا موضوع بدلنا چاہا تھا۔

"ہونا کہاں ہے، جیسے تیسے کھانا پکایا، اس کے بعد سے اپنے دونوں بچوں کو لے کر کمرے میں بند ہے۔ پندرہ بیس روز میں چکر لگتا ہے ہمارا، پھر بھی بھابھی بیگم کے مزاج نہیں ملتے۔" نوشی آپی خفگی بھرے انداز میں مخاطب ہوئی تھیں۔

"ایسی بات نہیں ہے آپی۔ کاموں سے فارغ ہوکر بھابھی دوپہر کو ذرا دیر ریسٹ کرتی ہیں، یہ ان کی پرانی عادت ہے۔" اس نے نگہت بھابھی کی طرف سے بہنوں کا دل صاف کرنا چاہا۔

"یہ کب بھابھی کی برائی کرے گی نوشی آپی! مجبوری ہے بے چاری کی۔ ان کے ساتھ رہنا ہے اس نے۔" صاعقہ آپی نے پتا نہیں اس پر طنز کیا تھا یا ترس کھایا تھا۔

"مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ کھانا کھالوں، پھر بیٹھوں گی آپ کے پاس۔" عبیرہ کی بھوک اب بالکل ناقابل برداشت ہوچکی تھی، سو رسانیت سے کہتے ہوئے بہنوں کے پاس سے اٹھ گئی۔

کچن میں گئی تو سنک میں ان دھلے برتنوں کا ڈھیر جمع تھا۔ ناشتے کے علاوہ سارا دن کے برتن دھونا اسی کی ذمہ داری تھی۔ ویسے تو روزانہ دوپہر کو اتنے برتن اکٹھے نہیں ہوتے تھے۔ کھانا پکانے کے دوران بھابھی ہاتھ کے ہاتھ برتن کھنگال لیتی تھیں لیکن جب کام زیادہ ہوتا تو برتن سنک میں اکٹھے ہوتے رہتے، آج بھی ایسا ہی دن تھا۔

اگر بھوک سے اتنا برا حال نہ ہو رہا ہوتا تو شاید وہ پہلے برتن دھونے ہی کھڑی ہوجاتی، کچن میں پھیلی ابتری اس کی طبیعت پر ہمیشہ گراں گزرتی تھی۔ وہ صاف ستھرے کچن میں بیٹھ کر ہی سکون سے کھانا کھا سکتی تھی لیکن آج بھوک کا احساس نفاست کے احساس پر حاوی ہوگیا تھا۔

ہاٹ پاٹ میں روٹی موجود تھی۔ پتیلی کا ڈھکن ہٹایا تو سالن ندارد، لیکن وہ مایوس نہ ہوئی۔ یقیناً" بھابھی نے اس کے لیے سالن علیحدہ نکال کر رکھا ہوگا۔ اس امید کے تحت اس نے فریج میں جھانکا تھا۔ شکر ہے امید، مایوسی میں نہ بدلی تھی۔ سالن بھی موجود تھا اور ایک باؤل میں اس کے لیے کسٹرڈ بھی علیحدہ نکال کر رکھا ہوا تھا۔ عبیرہ اتنا سا احساس کیے جانے پر خوش ہوجانے والوں میں سے تھی اور اس لحاظ سے اپنی دونوں بہنوں سے خاصی مختلف تھی۔

اس کی بہنیں ہر رشتہ مکمل چاہتی تھیں۔ اگرچہ وہ خود سے وابستہ رشتوں کو مثالی انداز میں نباہنے کی صلاحیت نہ رکھتی تھیں۔ پھر بھی ان کی خواہش ہوتی تھی کہ انہیں ہر رشتہ مکمل روپ میں ملے۔ اوون میں سالن گرم کرکے عبیرہ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا۔ کافی مزے کی چکن ہانڈی تھی۔ کھانا کھاکر بے ساختہ اللہ کا شکر ادا کیا، پھر کچن سمیٹ کر برتن دھونے کھڑی ہوگئی۔ اتنے میں کاشی نے کچن میں جھانکا تھا۔

"عبیرہ خالہ! مما کہہ رہی ہیں اگر آپ نے کھانا کھالیا تو چائے بنالیں۔ نگہت مامی نے تو کھانے کے بعد مما کو چائے تک نہیں بناکر دی۔"

"بری بات کاشی! بڑوں کے متعلق ایسے بات نہیں کرتے۔" اس نے نو سالہ بھانجے کو فوراً" ٹوکا تھا۔

"میں تھوڑی کہہ رہا ہوں۔ مما نے ہی کہا تھا۔" کاشی مزے سے بولا۔

عبیرہ چپ رہی۔ اسے سمجھانا محال تھا۔ برتن دھونا چھوڑ کر اس نے پہلے بہنوں اور ان کے بچوں کے لیے چائے بنائی۔ بچے بھی اب کھیل کود کر اور لڑ جھگڑ کر تھک چکے تھے۔ سو اب آرام سے لاؤنج میں بیٹھ کر کارٹون دیکھنے میں مگن تھے" بچوں کے یہ کارٹون

چینلز بھی اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہیں۔" اس نے سوچا' پھراس سوچ پر خود ہی مسکرادی۔

"اب تم کہاں چلیں' دو گھڑی ہمارے پاس بھی بیٹھ جاؤ۔" چائے کی ٹرے انہیں تھماکر وہ واپس کچن کی طرف پلٹنے لگی تو صاعقہ آپی نے اسے پکارا۔

"برتن دھولوں آپی' پھر آکر بیٹھتی ہوں۔" اس نے رسانیت سے جواب دیا۔

"نگہت بھابھی اٹھیں گی تو خود دھولیں گی برتن۔ تم تھکی ہاری آئی ہو' اب برتن دھونے کھڑی ہو جاؤ گی۔" نوشی آپی کو چھوٹی بہن پر ترس آیا۔

عبیرہ کے پاس ایک نئی بحث چھیڑنے کی فرصت نہ تھی' وہ ان کی بات سنی ان سنی کرتی چلی آئی۔ برتن دھو کراس نے فریج سے کسٹرڈ کا پیالہ نکالا۔ پھر دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھ کراوپر چلی گئی۔

اوپر تایا جان کا پورشن تھا۔ دادی بھی ان کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ وہ میٹھے کی شوقین تھیں لیکن تائی جان میٹھا بنانے کا تردد کم ہی کرتی تھیں' اسی لیے عبیرہ اکثر اپنے حصے کی سویٹ ڈش چپکے سے دادی کو کھلا آتی تھی۔ شکر ہے تائی جان سے سامنا نہ ہوا' وہ شاید اپنے کمرے میں تھیں۔ دادی جان چائے کی پیالی ہاتھ میں لیے کچن سے نکل رہی تھیں۔ عبیرہ کو دیکھ کران کی آنکھیں خوشی سے چمکی تھیں۔

"کتنے دن بعد تو نے صورت دکھائی ہے عبیرہ!" پیار بھرے لہجے میں فوراً" شکوہ بھی کرڈالا۔

"صرف تین دن بعد دادی! آپ روز بروز بھلکڑ ہوتی جارہی ہیں۔" وہ مسکرا کر مخاطب ہوئی۔

"ہماری عمر کو پہنچو گی جب پتا چلے گا کہ تین دن بھی کتنے طویل لگتے ہیں۔" دادی نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"اچھا... اب ساری باتیں چھوڑیں۔ جلدی سے اپنے کمرے میں چلیں اور کسٹرڈ انجوائے کریں۔ آپ کا پسندیدہ جیلی والا کسٹرڈ ہے۔" اس نے انہیں بچوں کی طرح للچایا۔ دادی ہنس پڑیں۔

جس وقت وہ دادی کے ساتھ ان کے کمرے میں داخل ہوئی تو اندر کا منظر اس کی توقع کے خلاف تھا۔ دادی کے بیڈ پر ان کا لاڈلا ہادی براجمان تھا۔ اس کے سامنے پکوڑوں کی پلیٹ تھی۔

"ایک کپ چائے بنانے میں آپ نے اتنی دیر لگادی دادی' پکوڑے ٹھنڈے۔" ہادی کی بات اس کے لبوں میں رہ گئی تھی' کیونکہ اس نے دادی کے عقب میں ان کی لاڈلی کا چہرہ دیکھ لیا تھا۔

"بوڑھی دادی سے خدمتیں کرواتے ہو۔ شرم تو نہیں آتی۔" عبیرہ نے ہادی کو لتاڑا تھا۔

"میری اتنی ینگ سی دادی کو بوڑھا کہتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے۔" ہادی نے کب کسی سے ہار ماننا سیکھی تھی' سو جوابی وار کیا۔ عبیرہ سے کوئی فوری جواب نہ بن پڑا۔

"دیکھا! کردیا نا لاجواب..." ہادی کو ہنسی آگئی۔ عبیرہ بھی مسکرادی۔

"ویسے دادی سے چائے میں نے اپنے لیے نہیں بنوائی تھی۔ میں تو بازار سے گرم گرم پکوڑے لایا تھا لیکن میری سہیلی کو چائے کے بنا پکوڑے کھانا کا لطف ہی نہیں آتا۔" وہ اب دادی کو چھیڑ رہا تھا۔

"چلو عبیرہ ابھی تک کھڑی کیوں ہو۔ شروع ہو جاؤ۔ بڑے مزے کے پکوڑے ہیں۔" ان دونوں کو گفتگو میں الجھتا چھوڑ کر دادی نے پکوڑوں سے انصاف کرنا شروع کردیا تھا۔ اب عبیرہ کو بھی شامل ہونے کی دعوت دی۔

"ابھی کھانا کھا کر آئی ہوں دادی! بالکل گنجائش نہیں۔ میں تو صرف آپ کو یہ کسٹرڈ دینے آئی تھی۔ نیچے چھوٹی' بڑی آپی آئی ہوئی ہیں۔ ذرا سی دیر میں کسی نہ کسی کام کے لیے میری ڈھنڈیا مچ جائے گی۔ میں بس چلتی ہوں۔"

"اتنی ننھی سی پیالی میں تم دادی کو کسٹرڈ دینے آئی ہو۔ کیا اس گھر میں تمہارا اور کوئی رشتہ دار نہیں بستا۔" ہادی اسے بولنے پر اکسا رہا تھا لیکن اسے نیچے

جانے کی جلدی تھی‘ سو ہادی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

"چھوٹی‘ بڑی کو کہنا‘ جانے سے پہلے مجھے بھی شکل دکھا جائیں‘ نیچے آتی ہیں اور وہیں سے ہو کر چلی جاتی ہیں۔ اوپر آکر بوڑھی دادی کو سلام تک کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتیں۔" دادی نے اس کی بہنوں کا شکوہ کیا۔

"کہہ دوں گی دادی!" وہ مختصر جواب دے کر واپسی کے لیے مڑ گئی۔

"یہ آپ کی پوتی آج کچھ زیادہ اداس اور زیادہ تھکی ہوئی نہیں لگ رہی تھی دادی ڈیئر!" اس کے جانے کے بعد ہادی نے دادی کو مخاطب کیا۔

"تھکی ہوئی تو ہوتی ہے بے چاری۔ اس میں کوئی شک ہے بھلا۔ آدھا دن یونی ورسٹی میں گزرتا ہے۔ پھر گھر آکر گھر کے کام کاج‘ بھتیجا‘ بھتیجی کو پڑھانے کی ذمہ داری بھی اس کے سر اور اپنی پڑھائی کون سی آسان ہے۔ آدھی آدھی رات تک بیٹھ کر پڑھتی ہے۔ گھر میں کون ہے جو خیال رکھے‘ اور پھر جب ذرا سی فرصت ملتی ہے تو میرے پاس آجاتی ہے۔ میرے سارے دُھلے ہوئے جوڑے استری کر کے رکھے گی۔ سر میں تیل لگا کر چوٹی کرے گی۔ میری الماری کو سیٹ کرے گی اور بہتیرے چھوٹے بڑے کام اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تیری ماں کے چہرے کے بگڑے زاویے بھی برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ جانے اللہ کی بندی کو کیا پرخاش ہے میری بچی سے۔" دادی دکھ بھرے لہجے میں بولیں۔

"تو آپ کی بچی کا اپر پورشن بھی تو خالی ہے نا دادی! جو خدمتیں اسے میری ماں کی کرنی چاہئیں وہ ساری خدمتیں آپ کی کر جاتی ہے۔ آپ ہی سمجھائیں نا اسے۔ امی کا دل جیتنے کی کوشش کیا کرے۔ وہ تو امی کی شکل دیکھ کر ایسے بھاگ جاتی ہے جیسے کسی بھوت کو دیکھ لیا ہو۔"

"پھر میں کچھ کہوں گی تو تو بُرا مان جائے گا‘ بس چھوڑ اس ذکر کو۔" دادی نے آخری پکوڑا منہ میں رکھتے ہوئے اب کسٹرڈ کا پیالہ اٹھالیا تھا۔

"ظاہر ہے دادی! کون بیٹا یہ برداشت کرے گا کہ کوئی یہ کہے کہ اس کی ماں کسی بھوت سے کم ہے بھلا۔ دس از ناٹ فیئر دادی۔ وہ جیسی بھی ہیں میری ماں ہیں‘ آپ کو ایسی بات سوچنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔" ہادی رسانیت بھرے لہجے میں بولا۔ دادی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

"کم بخت کیسے میری سوچوں تک بھی رسائی حاصل کر جاتا ہے۔ بالکل اپنے دادا پر گیا ہے۔" وہ فقط یہ ہی کہہ پائی تھیں۔ ہادی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ دادی بھی ہنس دی تھیں۔

☼ ☼ ☼

رات کا کھانا کھا کر نوشی آپی اور صاعقہ آپی رخصت ہوئی تھیں۔ امجد بھائی اور ثاقب بھائی انہیں لینے آئے تھے‘ سو بھابھی کو پُرتکلف ڈنر کا اہتمام کرنا پڑا تھا۔ مہینے کی آخری تاریخیں تھیں۔ عبیرہ کو بخوبی علم تھا کہ ان تاریخوں میں بھابھی کس طرح کھینچ تان کر کے گھر کا خرچا چلاتی تھیں۔ سرمد بھائی سرکاری ملازم تھے۔ تنخواہ معقول تھی لیکن مہنگائی کے اس دور میں گھر کے اخراجات پورے کرنے کے لیے وہ تنخواہ اب ناکافی لگنے لگی تھی۔

ان کے دونوں بچے شہر کے اچھے سکول میں پڑھتے تھے۔ ہزاروں روپے تو اسکول فیس کی مد میں ہی بھرنے پڑتے۔ عبیرہ کی پڑھائی کا خرچا بھی کم نہ تھا۔ اسکالر شپ کے باوجود نوٹس‘ کتابیں‘ ٹرانسپورٹ غرض چھوٹے بڑے بہت سے خرچے تھے۔ وہ سرمد بھائی اور بھابھی کی احسان مند تھی کہ وہ اس کی پڑھائی کے شوق کے آڑے نہ آئے اور جیسے تیسے کر کے اسے تعلیم دلوا رہے تھے۔

اب تو خیر اس کا آخری سال تھا اور عبیرہ کا پختہ ارادہ تھا کہ وہ پیپرز کے فوراً بعد جاب کے لیے اپلائی کر دے گی۔ پڑھائی کے اخراجات کے علاوہ عبیرہ اپنی

ذات پر بہت کم خرچ کرتی تھی۔ حالانکہ سرمد بھائی دل اور ہاتھ کے کھلے شخص تھے۔ خصوصا" بہنوں کی کوئی فرمائش کبھی نہ ٹالتے۔ سرمد بھائی کی وجہ سے ہی نگہت بھابھی کو بیاہی نندوں کی آمد پر انہیں فل پروٹوکول دینا پڑتا۔ پندرہ، بیس دن بعد دونوں بہنیں اکٹھی ہو کر میکے کا رخ کرتیں اور نگہت بھابھی کا سارا بجٹ پروگرام اپ سیٹ ہو جاتا۔

عبیرہ کو نگہت بھابھی پر ترس آتا تھا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ سرمد بھائی کو ان سے شادی کے لیے اتنے پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔ گھر بھر کی مخالفت کے باوجود وہ اپنی پسند سے دستبردار نہ ہوئے۔ ابا اس شادی پر قطعا" راضی نہ تھے۔ وہ بھتیجی کو بہو بنانا چاہتے تھے۔ اس وقت تایا کی فیملی اور ان لوگوں کے مثالی تعلقات تھے۔ آج بھی وہ سنہرا وقت یاد کر کے عبیرہ کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔

تائی جان کا کوئی کام امی کے مشورے کے بغیر مکمل نہ ہوتا تھا اور امی کو ہر قدم پر تائی جان کی رہنمائی درکار ہوتی۔ ابا بھی اپنے بڑے بھائی کا بے پناہ احترام کرتے۔ دادی کبھی اوپر تایا جان کے پورشن میں چلی جاتیں تو کبھی نیچے چھوٹے بیٹے، بہو کے پاس آجاتیں، سدرہ آپی تایا جان کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ ان کے بعد عاطف بھائی تھے اور سب سے چھوٹا ہادی تھا۔

سدرہ آپی کی صاعقہ اور نوشین آپی سے گہری دوستی تھی۔ عبیرہ کو ہمیشہ سے ہی یہ بات معلوم تھی کہ سدرہ آپی کو اس کی بھابھی بننا ہے۔ سدرہ آپی بہت پیاری نہ سہی لیکن عبیرہ کو بہت پیاری لگتی تھیں۔ کیونکہ وہ اس سے بہت پیار جو کرتی تھیں۔ وہ اور ہادی گھر کے چھوٹے بچے ہونے کی وجہ سے گھر بھر کے لاڈلے تھے۔ پھر سرمد بھائی کے ایک فیصلے نے گھر بھر کی خوشیوں کو داؤ پر لگا دیا۔ انہوں نے اپنے دوست کی بہن کو جیون ساتھی بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس فیصلے کے بعد گھر میں کیا کچھ ہنگامے نہ بپا ہوئے۔ ابا غضب ناک ہو کر سرمد بھائی پر چلاتے رہتے۔ امی لاڈلے بیٹے کی منت سماجت کر کے اس کا فیصلہ بدلوانے کی کوشش کرتی رہتیں۔ انہیں احساس دلواتیں کہ اگر انہوں نے سدرہ سے شادی نہ کی تو اس فیصلے کا اثر نوشی اور عاطف کے رشتے پر بھی پڑے گا اور تب عبیرہ کو پتا چلا تھا کہ نوشی آپی بھی عاطف بھائی سے منسوب ہیں۔

"میں وٹے سٹے کی شادیوں کا ویسے بھی مخالف ہوں امی! آپ نگہت کے گھر میرا رشتہ لے جائیں۔ میں خود نوشی کی شادی کسی بہت اچھی جگہ پر کروادوں گا۔" سرمد بھائی کو نوشی اور عاطف کا رشتہ باقی رہے یا نہ رہے سے بھی کوئی سروکار نہ تھا۔

امی نے آخر اکلوتے اور لاڈلے بیٹے کی ضد کے آگے گھٹنے ٹیک دیے۔ ابا کو منانے کے لیے سرمد بھائی کو بہت سے ڈرامے کرنے پڑے تھے۔ کبھی وہ بجلی کی ننگی تاروں کو چھو رہے ہوتے۔ کبھی زہر پھانکتے پھانکتے

رہ جاتے اور پورے تین دن کے لیے وہ گھر بھی چھوڑ کر چلے گئے تھے اور ان تین دنوں میں امی نے اتنے غش کھائے کہ ابا کو بھی بیٹے کی ضد ماننے ہی بنی۔

تایا، تائی بھی سرمد بھائی کے عشق اور ضد سے واقف تو ہو چکے تھے لیکن انہیں خوش فہمی تھی کہ ابا بیٹے کے سر سے عشق کا بھوت اتار کر دم لیں گے لیکن جب ابا نے ہار مانی تو تایا، تائی ششدر رہ گئے تھے۔ ابا نے تایا سے بہتیری معافی مانگی۔ بظاہر تایا نے معاف کر کے ابا کو گلے سے بھی لگا لیا لیکن ہوا کچھ یوں کہ تائی جان سرمد بھائی کی شادی سے بھی پہلے اپنی بھانجی کو بہو بنا کر گھر لے آئیں۔

ابا کو خوش فہمی تھی کہ بھائی، بھاوج وسعت قلبی کا ثبوت دیں گے اور عاطف اور نوشین کا رشتہ برقرار رہنے دیں گے مگر تائی نے تو اتنی اچانک عاطف بھائی کی شادی رچائی کہ سب ہکا بکا رہ گئے۔ نوشی آپی بری طرح بیمار پڑ گئیں اور ابا تو بیمار بھی نہ پڑے تھے۔ ایک دن ایسا سوئے کہ پھر اٹھ ہی نہ پائے۔

تایا کو بھائی کی موت کا بہت صدمہ ہوا، وہ اپنی بیوی کو بھی اس سب کا قصوروار گردانتے، اگر وہ وسعت قلبی کا ثبوت دیتیں تو ہو سکتا ہے معاملات اس حد تک نہ بگڑتے۔ تایا سارا دن تائی جان پر چلاتے رہتے اور نیچے والوں کے لیے تائی جان کی نفرت اور بے زاری میں اضافہ ہوتا رہتا۔

دادی جو چھوٹے بیٹے کی اچانک موت سے بہت غم زدہ تھیں، اب بپھرے ہوئے بڑے بیٹے کو ٹھنڈا کرنے کی اپنی سی کوشش کرتی رہتیں۔ تایا نیچے جا کر تینوں بھتیجیوں کو سینے سے چمٹا کر پیار کرتے۔ بیوہ بھاوج کو تسلی دیتے اور اوپر تائی غصے سے ٹہلتی رہتیں۔

عبیرہ جو ابھی کم عمر تھی اور صورت حال کی نزاکت سے واقف نہ تھی۔ ہادی کے ساتھ کھیلنے اوپر جاتی تو تائی جان اسے ڈانٹ کر نیچے بھگا دیتیں۔ پھر تایا جان کی کوششوں سے ہی نوشی آپی کا رشتہ طے پا گیا۔ امجد بھائی ان کے دوست کے بیٹے تھے۔ تائی جان کا صدمہ فطری تھا۔ اپنی بیٹی چھوڑ کر انہوں نے بھتیجی کا رشتہ طے کروایا تھا، یہ بات ان کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

نوشی آپی اور سرمد بھائی کی شادیاں اکٹھے انجام پائی تھیں۔ تائی جان اب نیچے قدم تک رکھنے کی روادار نہ تھیں۔ نہ انہوں نے خود ان شادیوں میں شرکت کی، نہ اپنے بچوں کو آنے دیا۔ تایا جان بھی سرمد بھائی کی بارات میں تو نہ گئے کہ بھتیجے سے ان کی ناراضی برقرار تھی۔ البتہ نوشی آپی کو انہوں نے خود رخصت کیا اور پھر جب اپنی دانست میں وہ چھوٹے بھائی کی روح کے سامنے سرخرو ہو گئے تو خود بھی چھوٹے بھائی کے پاس جانے میں دیر نہ لگائی۔ وہ عین اسی طرح دنیا سے رخصت ہوئے جیسے ابا گئے تھے۔ رات سوئے اور صبح نہ اٹھ پائے۔

تایا امید کی کرن تھے۔ وہ زندہ رہتے تو شاید دونوں گھرانوں کی دوریاں مٹا دیتے، وہ گزر گئے تو تعلقات میں بہتری کی امید بھی اپنی موت آپ مر گئی۔ عاطف بھائی نے بیرونی زینہ کھلوا کر آمدورفت کا راستہ بھی الگ کر لیا۔ عبیرہ وغیرہ کے صحن سے جو زینہ اوپر چڑھ رہا تھا، وہ اب بھی موجود تھا لیکن عبیرہ اور ہادی کے سوا اس راستے کو استعمال کرنے والا اور کوئی نہ تھا۔

عبیرہ اوپر دادی کے پاس جاتی تھی جو تایا جان کے انتقال کے بعد بالکل گم صم ہو گئی تھیں اور اوپر ہی رہتی تھیں۔ عبیرہ دادی کی لاڈلی تھی۔ وہ بچپن سے ہی دادی کے بہت قریب تھی۔ سوتی بھی ان ہی کے ساتھ تھی۔ چاہے دادی اوپر ہوں یا نیچے اسے اس بات سے کوئی فرق نہ پڑتا۔ اسے دادی کے بستر میں ان سے چمٹ کر ہی سونا ہوتا تھا لیکن اب وقت بدل چکا تھا۔ اسے تائی جان کے چہرے کے بگڑے زاویے سمجھ میں آنے لگے تھے۔ وہ اوپر جانے سے ہچکچانے لگی۔

ہادی جو ہمیشہ سے ہی اس کا گہرا دوست تھا۔ اب بھی اسے بے تکلفی سے آوازیں دیتا نیچے آ جاتا اور کبھی اسے کھیلنے کے لیے اوپر بلاتا۔ اسے کیرم اور لڈو عبیرہ کے ساتھ کھیلنے میں ہی لطف آتا تھا لیکن جانے کیوں اب عبیرہ اس سے کترانے لگی تھی۔

اور پھر تائی جان کی دعائیں رنگ لائیں۔ بہت اچھے گھرانے میں سدرہ آپی کا رشتہ بھی طے پا گیا۔ وہ پیا دیس سدھار گئیں لیکن تائی جان کو زندگی میں اب بھی اطمینان اور سکون نصیب نہ ہوا۔ جس بھانجی کو ایمرجنسی میں بہو بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ عجلت میں کیے گئے اس فیصلے کے ثمرات اب ظاہر ہو رہے تھے۔ شمائلہ بھابھی انتہائی پھوہڑ، بد سلیقہ اور زبان دراز قسم کی بہو ثابت ہو رہی تھیں۔ ایک عرصے تک تائی جان نے برداشت سے کام لیا لیکن پھر ان کی برداشت جواب دے گئی۔

انہوں نے بھابھی کو تمیز اور سلیقہ سکھانے کا بیڑہ اٹھالیا۔ وہ اب بات بے بات بھانجی کو ٹوکنے لگی تھیں۔ اب شمائلہ بھابھی کی برداشت کا امتحان تھا اور انہیں اس امتحان میں کامیابی حاصل کرنے سے کوئی غرض نہ تھی۔ شوہر ان کی مٹھی میں تھا۔ سسرال سے الگ ہونے کا مطالبہ منوانے میں انہیں زیادہ دقت پیش نہ آئی۔ وہ قریب ہی کرائے کا گھر لے کر رہنے لگے تھے۔

عاطف بھائی صبح شام ماں اور چھوٹے بھائی کی خبر گیری کرنے حاضر ہوتے۔ گھر چلانے کو معقول خرچا بھی دیتے اور آخر تائی جان کو احساس ہو گیا کہ بیٹے سے راضی ہونے کے لیے یہ دو انتہائی معقول وجوہات ہیں' سو انہوں نے گلے، شکوے کرنا بھی ترک کر دیے اور دس پندرہ دن بعد جب بیٹے کے ساتھ بہو ان سے ملنے آتی تو وہ بہو کو بہو سمجھنے کی غلطی نہ کرتیں، بلکہ بھانجی سمجھ کر اس سے نہایت محبت اور شفقت سے پیش آتیں۔ ان کے گھر کی حد تک راوی نے چین ہی چین لکھنا شروع کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

نیچے والوں کی زندگی بھی مخصوص ڈگر پر رواں دواں تھی۔ نوشی آپی کی شادی کے کچھ عرصے بعد ہی صاعقہ آپی کی شادی بھی ہو گئی تھی۔ سرمد بھائی کے بچوں کی آمد کے بعد گھر میں خاصی رونق ہو گئی تھی۔

ریان اور کشف دونوں بہت پیارے بچے تھے۔ **عبیرہ** بھتیجا، بھتیجی پر جان چھڑکتی۔ بھانجے، بھانجیاں بھی اسے کم پیارے نہ تھے لیکن نوشی آپی اور صاعقہ آپی کے میکے آنے کی خبر سن کر ہی **عبیرہ** پریشان ہو جاتی' ہر بار بہنوں کی آمد کے بعد امی کی طبیعت بگڑ جاتی۔ دونوں بہنوں کے پاس سسرالی گلے شکوؤں کی ایک طویل فہرست ہوتی جو وہ ماں سے کہے بنا نہ رہ پاتیں۔

ابو کے انتقال کے بعد امی ویسے ہی بہت زیادہ ٹینشن اور ڈپریشن کی مستقل مریضہ بن گئی تھیں۔ کوئی معمولی سی بات بھی انہیں پہروں پریشان رکھتی تھی۔ ڈاکٹرز کہتے تھے کہ وہ اختلاج قلب کی مریضہ بن چکی ہیں۔ انہیں ٹینشن دینے سے ہر ممکن گریز کیا جائے۔ لیکن یہ بات **عبیرہ** کی دونوں بہنوں کو سمجھ میں ہی نہ آتی تھی۔ حالانکہ دونوں کے سسرال بہت ظالم قسم کے سسرالیوں جیسے نہ تھے۔ وہ ہی چھوٹی چھوٹی باتیں جو ہر گھر کا معمول ہوتی ہیں اور شاید نوشی اور صاعقہ خود بھی ان باتوں کی خاصی حد تک عادی ہو چکی تھیں لیکن جیسے ہی ماں کی ہمدرد آغوش میسر آتی' انہیں بھولے بسرے سارے دکھڑے یاد آجاتے۔ خود اپنا جی ہلکا پھلکا کر کے وہ واپس سسرال سدھار جاتیں اور یہاں امی کی راتوں کی نیندیں اڑ جاتیں۔

عبیرہ ماں کو مقدور بھر تسلی دلاسے دیتی۔ سرمد بھائی بھی امی کی دلجوئی کی خاطر شادی شدہ بہنوں کی فرمائشیں پوری کرنے کے لیے بے دریغ پیسہ لٹاتے۔

''آپ کس بات کی ٹینشن لیتی ہیں امی! ابو نہیں ہیں تو کیا ہوا؟ میں تو سلامت ہوں۔ عاطف کی طرح نہیں ہوں جس نے شادی کے بعد گھر والوں سے آنکھیں پھیر لیں۔ مجھے اپنی ذمہ داریوں کا بخوبی احساس ہے۔ کہہ دیجئے صاعقہ سے' فکر کیوں کرتی ہے۔ ان شاء اللہ بیٹے کی پیدائش پر میں اسے سونے کے جھمکے ہی بنوا کر دوں گا۔''

امی جو اتنے دنوں سے یہ سوچ کر پریشان ہو رہی تھیں کہ صاعقہ کی ساس نندوں نے بچے کی پیدائش

سے پہلے ہی کہنا شروع کردیا تھا کہ چھوچھک میں سونے کے جھمکے ہونے چاہئیں تو ان کا بندوبست کیسے ہوگا۔ اب سرمد بھائی کے منہ سے یقین دہانی سن کر مطمئن ہوگئیں۔

کبھی کبھار عبیرہ کو لگتا کہ اس کی بہنیں سسرال والوں کا نام لے کر اپنی فرمائشیں امی کے گوش گزار کرتی ہیں۔ امی کے سامنے اس سوچ کے اظہار پر اسے زبردست ڈانٹ پڑی تھی۔

"بہت ہمت والی ہیں تیری بہنیں' جو اتنے ٹیڑھے سسرالیوں کے ساتھ نبھا کر رہی ہیں۔ اب اندازہ ہوتا ہے کہ کیوں تیرے تایا نے سدرہ کو چھوڑ کر نوشی کا رشتہ یہاں پر کروایا۔ ان اجڈ گنوار لوگوں نے میری بچی کی زندگی اجیرن کردی ہے۔" امی کی بات سن کر عبیرہ ششدر رہ گئی تھی۔ کتنے آرام سے انہوں نے مرحوم جیٹھ کی نیت پر شک کرلیا تھا۔

"نوشی آپی کا رشتہ تو چلو تایا نے طے کیا لیکن صاعقہ آپی کی شادی تو آپ نے خود طے کی تھی۔ ان کے سسرال والے کون سے بھلے ہیں۔ کیا آپ کو علم تھا کہ یہ لوگ ایسے نکلیں گے۔" اس نے عادت کے برخلاف ماں سے بحث کی۔

"علم ہوتا تو کیوں اپنی بچی کو کنویں میں دھکیلتی۔" امی نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"پھر تایا جان کو کیوں دوش دے رہی ہیں۔" عبیرہ دکھ بھرے لہجے میں بولی۔ اس بار امی خاموش رہیں۔ شاید انہیں خود احساس ہوگیا تھا کہ انہوں نے ایک غلط بات کی تھی۔

"صاعقہ آپی اور نوشی آپی کو سمجھائیں امی۔ وہ اپنے جھگڑے اپنے گھر میں ہی نپٹایا کریں اور آئے روز نت نئی فرمائشوں کے ساتھ میکے کا رخ نہ کیا کریں۔ ماشاء اللہ سرمد بھائی اب خود صاحب اولاد ہیں۔ گھر میں سو طرح کے خرچے نکلتے رہتے ہیں' پھر میری پڑھائی۔ آپ کا علاج معالجہ' اس سب پر کوئی کم خرچ تھوڑی ہوتا ہے۔ وہ تو نگہت بھابھی سلیقہ مند ہیں جو گھر کا انتظام اتنی اچھی طرح چلا رہی ہیں۔

شمائلہ بھابھی جیسی ہوتیں تو اب تک سرمد بھائی کو لے کر الگ ہوچکی ہوتیں۔ ان کی برداشت کو مزید مت آزمائیں امی! سرمد بھائی اپنی ساری تنخواہ بہنوں پر ہی لٹا دیتے ہیں۔ نگہت بھابھی کو نیا جوڑا خریدے بھی مدت بیت چکی ہے۔ کیا آپ چاہتی ہیں کہ وہ بھی اپنے گھر جا کر اپنے شوہر اور سسرال والوں کے ویسے ہی دکھڑے روئیں جیسے آپ کی بیٹیاں روتی ہیں۔" عبیرہ نے اپنی دانست میں امی کو سمجھانا چاہا مگر وہ انہیں ایک نئی پریشانی میں مبتلا کر گئی۔

"کہیں نگہت' سرمد کو لے کر الگ نہ ہوجائے۔" اب وہ دن رات اسی فکر میں مبتلا رہتیں۔ عبیرہ کو ماں کی ذہنی کیفیت دکھ میں مبتلا کردیتی۔ وہ دادی سے اپنی کیفیت بیان کرتی۔

"پلیز دادی! آپ نیچے ہمارے ساتھ رہنا شروع کردیں۔ تائی جان کی وجہ سے امی اوپر نہیں آتیں۔ نیچے میں اپنی پڑھائی میں مصروف' نگہت بھابھی کام کاج میں۔ مسلسل تنہائی نے امی کے اعصاب پر بہت برا اثر ڈالا ہے۔ آپ ہوں گی تو امی کا جی بہل جایا کرے گا۔" اس نے دادی کی منت کی۔

"تیرا کہنا ٹھیک ہے میری بچی! لیکن یہاں اوپر تیری تائی کے پاس میرے سوا کون ہے؟ ہادی صبح کا گیا شام کو گھر لوٹتا ہے۔ اب تو عاطف بھی ہفتے بعد شکل دکھاتا ہے۔ نیچے سرمد کے بچوں کی تو رونق ہے۔ اوپر تو وہ بھی نہیں۔ میں گھٹنوں سے لاچار نہ ہوتی تو نیچے تیری ماں کے پاس بھی آکر بیٹھ جاتی لیکن اب مجبور ہوں بیٹا۔" دادی ٹھنڈی سانس بھر کر کہتیں اور وہ اپنی جگہ سچی تھیں۔

اوپر کے گھر میں تو نیچے سے بھی زیادہ سناٹا تھا۔ سدرہ آپی شادی کے بعد کینیڈا شفٹ ہوچکی تھیں۔ عاطف بھائی اپنے بیوی بچوں میں مگن تھے۔ دادی نے ہی بتایا تھا کہ انہوں نے گھر کا خرچ بھی کم دینا شروع کردیا ہے۔ ہادی پڑھائی کے ساتھ پارٹ ٹائم جاب کررہا تھا اور شاید ایک دو جگہ ٹیوشنز پڑھانے بھی جاتا تھا۔ اب تو عبیرہ کو ہادی کی شکل دیکھے بھی مدت گزر جاتی۔

عبیرہ کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ تایا جان کے گھرانے سے پہلے والے تعلقات بحال ہو جائیں۔ اس کی خواہش پر بہت بار امی اس کے ساتھ اوپر گئی تھیں لیکن تائی جان ان کے پاس آکر بیٹھنا بھی گوارا نہ کرتی تھیں۔ ہاں چائے بنا کر ضرور دیتیں۔ بسکٹ، نمکو، مٹھائی، گھر میں جو بھی خاطر کا سامان ہوتا سلیقے سے ٹرے سجا کر تپائی پر رکھ دیتیں اور پھر خود پلٹ کر کمرے کا رخ نہ کرتیں۔

"دیکھ رہی ہیں ناں اماں... ہم کوئی کھانے کے بھوکے ہیں۔ جانے بھابھی کی رنجش کب ختم ہوگی۔ جو کچھ ہوا بھلا اس میں میرا کیا قصور۔" امی آبدیدہ ہو کر دادی سے سوال کرتیں۔

دادی تسلی دلاسا دینے کے سوا کیا کر سکتی تھیں۔

عبیرہ دل گرفتہ ماں کا ہاتھ تھام کر پھر نیچے لے جاتی۔ امی نیچے آکر بھی بہت دیر تک ملول اور آزردہ رہتیں۔ آخر عبیرہ نے انہیں اوپر لے کر جانا ہی چھوڑ دیا۔ کبھی ہادی فارغ ہوتا تو وہ دادی کو سہارا دے کر نیچے لے آتا۔ ہادی، تایا کے گھرانے کا وہ واحد فرد تھا جو اب بھی پہلے جیسا تھا۔ خوش مزاج، ہنسوڑ اور بلا کا حاضر جواب۔ وہ اب بھی اسی بے تکلفی سے نیچے آجاتا تھا یہ اور بات کہ اس بے چارے کو ایسی فرصت ہی کم کم نصیب ہوتی تھی لیکن وہ جب بھی آتا گھر میں رونق ہو جاتی۔ امی کے پاس بیٹھ کر ایسے چٹکلے سناتا کہ امی کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھر جاتی اور جب وہ چلا جاتا تو امی کسی سوچ میں کھو جاتیں۔

عبیرہ ماں کی سوچوں سے لاعلم نہ تھی۔ وہ جانتی تھی کہ امی ہادی کے حوالے سے کیا سوچتی تھیں۔ جیسے ہادی، امی، ابا کا بچپن سے لاڈلا تھا۔ ویسے وہ بھی بچپن میں تایا، تائی کو بہت پیاری تھی اور کتنی ہی بار تایا جان نے اشاروں کنایوں میں امی، ابا کو یہ بات جتادی تھی کہ وہ صرف نوشی کو ہی بیٹی بنا کر لے جانے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ انہیں اس چھوٹی سی پیاری گڑیا کو بھی اپنے گھر کی رونق بنانا ہے۔ ابا ہر بار خوش دلی سے اقرار میں سر ہلا دیتے اور ابا بے چارے کو تو تایا کی کسی بات سے کب انکار تھا، چاہے وہ سدرہ اور سرمد کا رشتہ ہو، نوشی اور عاطف کا یا پھر عبیرہ اور ہادی کا، بلکہ تایا تو مذاق میں کہتے تھے کہ اگر ان کا ایک اور بیٹا ہوتا تو وہ صاعقہ کو بھی اپنی بیٹی بنا لیتے اور یوں دونوں بھائی دنیا والوں کے سامنے ایک اچھوتی مثال پیش کرتے۔

اگر سرمد بھائی کو نگہت بھابھی سے دھواں دھار عشق نہ ہوا ہوتا تو شاید تایا کی یہ انوکھی خواہش پوری بھی ہو جاتی لیکن بدقسمتی سے تایا اور ابا نے اپنے بچوں کے حوالے سے جو خواب دیکھے تھے ان میں سے کوئی ایک خواب بھی تعبیر کا درجہ نہ پا سکا۔ اب امی کی خواہش تھی کہ کسی طرح عبیرہ اور ہادی کا رشتہ طے ہو جائے اور بہت معصومیت سے انہوں نے اس خواہش کا اظہار عبیرہ کے سامنے ہی کیا تھا۔

"اوپر دادی کے پاس جاتی ہو تو بیٹا تائی کے بھی دو چار کام کر دیا کرو۔ میں جانتی ہوں بھابھی دل کی بری نہیں، بس سرمد کے انکار سے ان کے دل میں جو گرہ پڑ گئی وہ کھلنے کا نام نہیں لے رہی۔ اگر تو نے خدمت کر کے تائی کا دل جیت لیا تو دونوں گھرانوں کے تعلقات بحال ہو جائیں گے۔ پھر ہو سکتا ہے بھابھی ہادی کے لیے تیرا رشتہ ہی مانگ لیں۔" ماں کی بات سن کر عبیرہ ہنسی اور ہنستی ہی چلی گئی۔

امی اس کے یوں ہنسنے پر ناراض ہو کر اٹھ گئی تھیں۔ بے تحاشا ہنسنے کی وجہ سے عبیرہ کی آنکھیں چھلک گئی تھیں۔ اس نے بے دردی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ چہرے پر اب بھی مسکراہٹ تھی لیکن اذیت بھری مسکراہٹ۔ وہ ہادی سے محبت کرتی تھی۔ کب سے؟ یہ وہ خود بھی نہ جانتی تھی لیکن یہ ضرور جانتی تھی کہ ہادی اس کا نصیب نہیں ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ محبت کے سفر میں وہ ہرگز تنہا نہیں۔ ہادی بھی اسی رہ گزر کا مسافر ہے۔ حالانکہ اس نے کبھی اظہار نہ کیا تھا لیکن اس کی جذبے لٹاتی آنکھیں حال دل سنانے کو کافی تھیں۔ اسی لیے عبیرہ ان آنکھوں کا سامنا کرنے سے گریز کرتی تھی۔

امی اب ایک نئی ٹینشن میں مبتلا ہو گئی تھیں۔

انہیں یہ وہم ہو گیا تھا کہ وہ اب زندہ نہیں رہیں گی۔ سرمد بھائی انہیں مختلف سائیکاٹرسٹ کے پاس لیے لیے پھرے۔ ان کے اس وہم کا بہت دنوں تک علاج ہوتا رہا اور علاج ختم ہونے سے قبل ہی ان کا وہم سچا ہو گیا۔ دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا۔ عبیرہ کے لیے یہ صدمہ سہنا آسان نہ تھا۔

ماں بیمار تھی۔ ذہنی مریضہ تھی۔ اس کی بچوں کی طرح کیئر کرنا پڑتی تھی لیکن اس کا وجود عبیرہ کے لیے چھتنار درخت کی مانند تھا۔ جس کی چھاؤں اسے زمانے کے سرد و گرم سے بچانے کے لیے کافی تھی اور اب یوں لگتا جیسے وہ چٹیل میدان میں کھلے آسمان کے نیچے کھڑی ہے۔ بے سائبانی کا احساس بہت اذیت ناک تھا۔ اس کی اجڑی، بکھری حالت دیکھ کر اپنے، پرائے سب ہی اشکبار ہو جاتے۔ تائی بھی اپنی خود ساختہ ناراضی کو ختم کر کے اس کے بلکتے وجود کو بانہوں میں بھر کر تسلی دلاسا دے رہی تھیں اور تب ہی غم سے چور نوشی آپی غصے میں پھنکاری تھیں۔

"بس کریں تائی جان یہ ڈھکوسلے۔ دنیا دکھاوے کو بڑی ہمدردی جتا رہی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ میری ماں کے سلام کا جواب تک دینے کی روادار نہ تھیں آپ۔ اب وہ دنیا میں نہیں ہیں تو آپ مگرمچھ کے آنسو بہا رہی ہیں۔ عبیرہ کو ساتھ لپٹا کر تسلی دے رہی ہیں۔" نوشی آپی تو جانے مزید کیا کچھ کہتیں سرمد بھائی انہیں کھینچ کر دوسرے کمرے میں لے گئے تھے۔

تائی جان کا چہرہ احساس توہین سے سرخ پڑ گیا تھا۔ وہ چپ چاپ اوپری زینہ چڑھ گئیں۔ عبیرہ کو اس وقت تو اپنا بھی ہوش نہ تھا لیکن بعد میں وہ نوشی آپی کے طرز عمل پر رنجیدہ ہو گئی تھی۔ نوشی آپی کو یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا لیکن شاید نوشی آپی اس نفرت کے ہاتھوں مجبور ہو گئی تھیں جو وہ تائی جان سے کرنے لگی تھیں۔

عاطف بھائی ان کی بچپن کی چاہت تھے اور تائی جان نے سرمد بھائی کے کیے کا بدلہ نوشی آپی کو عاطف بھائی سے جدا کر کے لیا تھا۔ اب نوشی آپی کی شادی کو برسوں بیت گئے تھے لیکن یہ کسک اور خلش اب بھی دل سے مٹنے کا نام نہ لیتی تھی۔ دنیا والوں کے سامنے تائی جان کو رسوا کر کے انہوں نے اپنا بدلہ تو لے لیا تھا لیکن عبیرہ کے بارے میں نہ سوچا، جس کو ایک کھویا ہوا رشتہ پھر سے واپس مل رہا تھا مگر نہ مل سکا۔ تائی جان پھر سے اپنے خول میں سمٹ گئی تھیں۔

دادی نیچے عبیرہ کے پاس رہنے لگیں۔ اپنے بڑھاپے، بیماری اور پے در پے ملنے والے صدموں سے چُور چُور وجود کو پس پشت ڈال کر وہ پوتی کے لیے ڈھال بن گئیں۔ انہوں نے عبیرہ کو اپنی مہربان آغوش میں سمیٹ لیا تھا۔

یہ دادی کی دعاؤں اور ان کے سمجھانے کا اثر تھا کہ عبیرہ کے دل کو آہستہ آہستہ قرار آتا گیا اور وہ دل کے درد کو دل میں چھپا کر اب سنبھلتی گئی۔ یہاں تک کہ دادی سے خدمتیں کروانے کے بجائے اب پھر سے ان کی خدمت کرنے لگی اور بھابھی کے ساتھ کاموں میں ہاتھ بٹانے لگی۔ پڑھائی کی طرف دھیان لگایا اور جب یونی ورسٹی میں ایڈمیشن ہو گیا تو اس نے بخوشی دادی کو دوبارہ اوپر تائی جان کے پاس بھیج دیا۔

اس کا آدھا دن یونی ورسٹی میں گزر تا تھا۔ دادی بے چاری نیچے کیا کرتیں، پھر اوپر تائی جان بھی اکیلی تھیں اور سب سے بڑی بات کہ دادی کی جان کو سو مرض چمٹے تھے۔ ان کی دوا دارو پر خاصا خرچا اٹھتا تھا۔ عبیرہ اب سرمد بھائی پر کوئی اور اضافی خرچا نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ کیونکہ ان کا ہاتھ پہلے ہی تنگ تھا۔

نگہت بھابھی نے ایک عرصے تک بہت محروم زندگی گزاری تھی۔ سرمد بھائی نے ان سے طوفانی محبت کے بعد شادی کی تھی۔ اگرچہ یہ یکطرفہ محبت تھی۔ وہ بے چاری تو جانتی بھی نہ تھیں کہ ان کے بھائی کا یہ دوست انہیں اتفاقیہ طور پر دو چار بار دیکھنے کے بعد ہی دیوانہ ہو گیا ہے اور گھر میں ان کی خاطر کیا کیا ہنگامے نہیں مچا رہا ہے۔ اس ساری داستان کا انہیں یقیناً شادی کے بعد ہی علم ہوا تھا لیکن سسرال میں ان کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھا گیا جیسے انہوں نے سرمد بھائی سے عشق لڑا کر شادی کی ہو۔

نوشی آپی کو ان سے خاص پرخاش تھی' کیونکہ ان کی وجہ سے نوشی آپی کا رشتہ ٹوٹا تھا۔ امی بھی ایک عرصے تک بہو سے کھنچی کھنچی رہیں۔ وہ تائی جان کو یہ باور کروانا چاہتی تھیں کہ نگہت محض ان کے بیٹے کی پسند ہے اور انہیں بہت مجبوری کے عالم میں اسے قبول کرنا پڑا ہے۔

تائی تو پھر بھی راضی نہ ہوئیں۔ بے چاری نگہت بھابھی سسرال میں ان چاہی بہو کی حیثیت سے زندگی گزارنے لگیں۔ ابا کے انتقال کے بعد سرمد بھائی بھی اندر ہی اندر پچھتاوے میں مبتلا تھے۔ تلافی کے طور پر وہ بہنوں کے لیے مزید جان چھڑکنے والے بھائی اور امی کے فرماں بردار بیٹے کا کردار ادا کرنے لگے۔ وہ اپنے آپ کو عاطف بھائی سے الگ ثابت کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے یہ ثابت کرکے بھی دکھایا لیکن یہ سب کرتے ہوئے وہ اس بیوی کے حقوق و فرائض ادا کرنا بھول گئے' جس کو اتنی مشکلوں کے بعد پایا تھا۔

ریان اور کشف کی پیدائش کے بعد سسرال میں کسی حد تک نگہت بھابھی کی پوزیشن مضبوط ہوئی تھی۔ اب امی انہیں دل سے بہو ماننے لگی تھیں۔ نوشی آپی اور صاعقہ آپی اب بھی انہیں زیادہ اہمیت نہ دیتی تھیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ نگہت بھابھی کے اعتماد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ امی کے انتقال کے بعد ان کی شخصیت میں واضح تبدیلی آئی تھی۔ اب وہ پہلے کی طرح دبو اور بزدل سی نگہت بھابھی نہ تھیں۔ گھر کا انتظام و انصرام اب ان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ خود پر بھرپور توجہ دینے لگی تھیں' خوب صورت تو پہلے ہی تھیں۔ اب مزید کچھ نکھر گئیں۔

سرمد بھائی بھی جیسے نئے سرے سے ان کی محبت میں گرفتار ہو گئے یا پھر شاید انہیں محبت کرنے کا موقع ہی اب ملا تھا۔ وہ اپنی تمام ذمہ داریاں بطریق احسن نپٹا چکے تھے۔ صرف عبیرہ کی شادی باقی تھی جو مناسب وقت پر ہو ہی جانی تھی۔ سرمد بھائی اب اپنے بیوی' بچوں کو زیادہ توجہ دینے لگے۔ نوشی آپی اور صاعقہ آپی کی آمد پر ان کی بھرپور خاطر مدارت تو کی جاتی تھی لیکن اب نگہت بھابھی پہلے کی طرح نندوں کے آگے پیچھے نہ پھرتی تھیں اور نندوں سے یہ بات برداشت نہ ہوتی تھی۔

عبیرہ کو نگہت بھابھی سے کوئی شکایت نہ تھی اور نگہت کو بھی اپنی اس بے ضرر سی نند سے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ عبیرہ بہت سمجھ دار' سلجھی ہوئی عادات اور صلح جو فطرت کی حامل لڑکی تھی۔ نگہت آج کل سنجیدگی سے اس بات پر غور کر رہی تھیں کہ وہ اپنے چھوٹے بھائی کے لیے عبیرہ کا رشتہ مانگ لیں لیکن پھر انہیں ہادی کا خیال آجاتا۔ عبیرہ کا تایا زاد جس کی عبیرہ سے خاصی دوستی تھی۔

عبیرہ کی امی کے انتقال کے بعد دادی کے ساتھ ساتھ ہادی نے بھی عبیرہ کو زندگی کی طرف لانے میں بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ دادی ان دنوں نیچے رہنے لگی تھیں اور ہادی کو کوئی دادی کے پاس آنے سے روک نہ سکتا تھا۔ وہ دادی سے ملنے آتا اور دادی کی پوتی کے پاس بیٹھ جاتا۔ خود بھی بولتا' عبیرہ کو بھی بولنے پر اکساتا۔ کبھی اسے جان بوجھ کر رلاتا کہ وہ رو کر ہی دل کا بوجھ ہلکا کرلے اور کبھی ہلکی پھلکی نوک جھونک سے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کرتا۔

نگہت' ہادی کو بغور دیکھتیں۔ یہ صرف ہمدردی کا کیس نہ تھا' اس کی آنکھوں میں عبیرہ کے لیے محبت کی تحریر صاف پڑھی جاسکتی تھی۔ نگہت جانتی تھیں کہ عبیرہ اور ہادی کا ملن ناممکن ہے لیکن پھر بھی وہ اپنے بھائی کا رشتہ پیش کرتے ہوئے ہچکچاتی تھیں۔ ان کی خواہش تھی کہ ہادی اور عبیرہ ایک ہوجائیں لیکن اگر کچھ عرصے تک ہادی کی جانب سے کوئی پیش قدمی نہ ہوئی تو نگہت نے اپنے بھائی کا رشتہ پیش کر دینا تھا۔

نگہت کے خیال میں ان کا بھائی عبیرہ کے لیے اچھا جیون ساتھی ثابت ہوتا۔ نگہت کو عبیرہ اچھی لگتی تھی اور وہ اس کے لیے ہمیشہ اچھا ہی سوچتی تھیں۔

✲ ✲ ✲

بھابھی نے گاجر کا حلوہ بنایا تھا۔ عادت کے مطابق

عبیرہ نے پہلے دادی کے لیے حلوہ پلیٹ میں ڈالا اور سیڑھیاں چڑھ گئی۔ زینہ عبور کرتے ہی پہلا ٹاکرا تائی جان اور ہادی سے ہوا۔ تائی جان صحن میں بچھے پلنگ پر بیٹھی تھیں اور ہادی کو تقریباً" دبوچ کر قدموں میں بٹھایا ہوا تھا۔ وہ اس کے سر میں تیل کی مالش کر رہی تھیں۔

ہادی اس طرح کے کاموں سے کتنا الرجک تھا۔ عبیرہ بخوبی جانتی تھی' اسی لیے ایک پل کو اس کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ اگلے ہی پل اس نے مسکراہٹ پر قابو پاکر تائی جان کو سلام کیا تھا۔

سپاٹ سے انداز میں سلام کا جواب موصول ہوا تھا۔

"تم آج پھر ایک پلیٹ میں کوئی سوغات لیے چلی آئی ہو۔ اس گھر میں دادی کے علاوہ تمہارا اور کوئی رشتہ دار نہیں بستا کیا؟" ہادی نے ڈپٹنے والے انداز میں شکوہ کیا تھا۔

"اماں کمرے میں ہیں۔" تائی جان نے اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی بتایا۔ ماں کے انداز پر ہادی بھی خاموش سا ہو گیا۔

عبیرہ دھیرے سے" جی" کہہ کر دادی کے کمرے کی طرف مڑ گئی تھی۔

"تم عبیرہ سے بلاوجہ بے تکلیف ہونے کی کوشش مت کیا کرو۔" یاہر تائی جان ہادی سے مخاطب تھیں۔

"عبیرہ میری بچپن کی دوست ہے امی۔" ہادی نے احتجاج کیا۔

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں۔ اب تمہارا بچپن بیتے بھی ایک عرصہ گزر گیا۔ ماشاء اللہ جوان ہو گئے ہو تم۔ تمہارا بچپنا بھی ختم ہو جانا چاہیے۔" وہ سنجیدگی سے بیٹے سے مخاطب تھیں۔

"ٹھیک ہے، ختم ہو گیا میرا بچپنا۔ آپ بھی مجھے یوں بچوں کی طرح دبوچ کر سر میں مالش کرنے نہ بیٹھ جایا کریں۔ مجھے سخت چڑ ہے اس کام سے۔" ہادی بگڑ کر بولا تھا۔ تائی جان کے متحرک ہاتھ ساکن ہوئے تھے۔

"بس ہو گئی نا مالش، شکریہ...." ہادی نے اٹھنے میں دیر نہ کی۔

اب اس کا رخ دادی جان کے کمرے کی طرف تھا۔

تائی جان کے ساکن وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ وہ بے تاثر نگاہوں سے اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھتی رہیں۔ پھر ایک گہری سانس لے کر انہوں نے خود کو سنبھالا تھا۔

تیل کی شیشی کا ڈھکن بند کر کے وہ خود بھی اٹھیں۔ ایک نگاہ ساس کے کمرے کی طرف ڈالی جہاں سے بیٹے کے "چہکنے" کی آوازیں آرہی تھیں۔ ماں کی نصیحت اس کے لیے یہ معنی رکھتی تھی۔ تیل کی شیشی ہاتھ میں لیے۔ تھکی ہوئی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر وہ چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف مڑ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ کشف اور ریان کو ہوم ورک کروانے میں مصروف تھی جب ہی سرمد بھائی کے دوست اور ان کی بیگم کی آمد ہوئی۔ بصیر بھائی کو وہ بچپن سے اس گھر میں آتا جاتا دیکھ رہی تھی۔ اب وہ نوکری کی وجہ سے دوسرے شہر جا بسے تھے۔ اتنے برسوں بعد انہیں دیکھا تو فطری خوشی ہوئی' وہ بچپن میں اس کے چھوٹی بہنوں کی طرح ہی لاڈ اٹھاتے تھے۔ اب بھی اس کے سلام کرنے پر انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بہت اپنائیت اور شفقت سے حال احوال دریافت کیا تھا۔

"تمہاری کشف جتنی تھی جب میں اسے سائیکل پر بٹھا کر سیر کرواتا تھا۔ ماشاء اللہ کتنی بڑی ہو گئی۔" بصیر بھائی' سرمد بھائی سے مخاطب تھے۔

وہ مسکرا دیے۔

ان کی بیگم بھی عبیرہ سے بہت تپاک سے ملیں۔ اتنے میں نگہت بھابھی آگئیں۔ نگہت بھابھی کے بھائی بھی سرمد بھائی اور بصیر بھائی کے مشترکہ دوست تھے۔ اس لیے وہ بھی بصیر بھائی کو اچھی طرح جانتی تھیں۔ ان کی بیگم سے نگہت اور عبیرہ کا اتنا تعارف نہ تھا کہ شادی کے کچھ عرصے بعد ہی بصیر بھائی دوسرے شہر شفٹ ہو گئے تھے۔

سرمد بھائی' بصیر بھائی کو لے کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے تو لاؤنج میں دونوں کی بیگمات نے محفل سجالی۔ ہنس مکھ سی رومانہ بھابھی نے بہت جلد نگہت بھابھی سے دوستی گانٹھ لی۔ عبیرہ نے مہمانوں کی خاطر مدارت کی ڈیوٹی سنبھال لی تھی۔

"تم کیا لاؤنج اور ڈرائنگ روم کے چکر ہی کاٹتی رہو گی۔ اب بس کرو' ہم نے بہت کچھ کھاپی لیا۔ کچھ دیر ہمارے پاس بھی بیٹھ جاؤ۔" سرمد بھائی کی فرمائش پر اس نے گاجر کا حلوہ گرم کرکے بصیر بھائی کو دیا تو رومانہ بھابھی کے لیے بھی لے آئی۔ کباب' کولڈ ڈرنک' فروٹ' کیک' نمکو' چپس وہ پہلے ہی سرو کر چکی تھی۔ اب گاجر کا حلوہ لے کر آئی تو رومانہ بھابھی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ ہی بٹھالیا۔

ہنستے مسکراتے اس کا غیر رسمی سا انٹرویو لیا' ساتھ ساتھ نگہت بھابھی سے گپ شپ بھی لگاتی رہیں۔ کافی دیر بیٹھ کر ان لوگوں کی واپسی ہوئی تھی اور محض دو دن بعد رومانہ بھابھی اپنی والدہ اور ایک بہن کو لے کر دوبارہ آگئیں۔ وہ اپنے بھائی کے لیے عبیرہ کا رشتہ لائی تھیں۔ ان کا بھائی بینک میں کام کرتا تھا۔ عمر میں عبیرہ سے خاصا بڑا تھا لیکن بقول نوشی آپی مردوں کی عمر کون دیکھتا ہے۔

عبیرہ کی دونوں بہنوں کو یہ رشتہ بہت پسند آیا تھا۔ سرمد بھائی کے ساتھ جاکر وہ "لڑکا" دیکھ آئی تھیں۔ وہ عبیرہ سے بارہ' چودہ برس بڑا سہی لیکن بہت کھاتے پیتے گھرانے کا ویل اسٹیبلشڈ بندہ تھا۔ شکل وصورت بھی معقول تھی' کھر البتہ بہت شان دار تھا۔ لمبے چوڑے سسرال کا بھی کوئی جھنجھٹ نہ تھا۔ سسر "مرحوم" تھا۔ عمر رسیدہ ساس نے بھی ایک نہ ایک دن مرحومین کی فہرست میں شامل ہو ہی جانا تھا' نندیں اپنے اپنے گھربار کی تھیں۔

"اتنی ڈھیروں خوبیاں کسی ایک رشتے میں اکٹھی ملنا ناممکن ہیں سرمد بھائی! میری مانیں تو وقت ضائع کیے بغیر ہاں کردیں۔" نوشی آپی بھائی کو صلاح دے رہی تھیں۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن نگہت بھی شیراز کے لیے خیال ظاہر کررہی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ عبیرہ کے لیے کس رشتے کو ہاں کروں۔" سرمد بھائی نے اپنے چھوٹے سالے کا نام لیا۔

وہ واقعی متذبذب تھے۔ شیراز دیکھا بھالا تھا۔ عبیرہ اور اس کی عمر کا فرق بھی معمولی تھا لیکن پیسے کی وہ ریل پیل نہ تھی جو بصیر کے سالے کے پاس تھی۔ سرمد کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ اپنے سالے کے حق میں فیصلہ دیں یا پھر بصیر کے سالے کے حق میں....

دونوں بہنیں تو نعمان کے حق میں رائے دے چکی تھیں اور تیسری بہن جس کی رائے سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی' نہ اس سے کسی نے پوچھنا گوارا کیا تھا۔ نہ وہ خود اس معاملے سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کررہی تھی۔ وہ تو آج کل بہت اداس اور کھوئی کھوئی رہنے لگی تھی۔ اس اداسی کو سب سے پہلے دادی نے ہی نوٹ کیا تھا۔

"کیا ہوا ہے عبیرہ! بتا تو سہی چہرے پر ایسی مردنی کیوں چھائی ہوئی ہے۔" دادی پریشان ہو کر پوچھ رہی تھیں۔

وہ پہلے تو "کچھ نہیں دادی" کہتی رہی مگر پھر ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تو دادی سے لپٹ کر زاروقطار رونا شروع کردیا۔

"مجھے شادی نہیں کرنی' نہ شیراز سے اور نہ ہی نعمان سے' آپ میرے بہن بھائیوں کو سمجھائیں کہ وہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ ابھی کسی مزید امتحان میں مت ڈالیں میں خود کو ذہنی طور....."

"کون شیراز اور کون نعمان؟" ہادی جانے کب وہاں آنکلا تھا اور اب کڑے تیوروں سے استفسار کررہا تھا۔ عبیرہ نے دادی سے الگ ہوتے ہوئے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے۔

"بتا تو سہی بچے! جو ہادی پوچھ رہا ہے۔ کون ہیں یہ نعمان اور شیراز....." دادی پریشانی کے عالم میں پوچھ رہی تھیں۔

"شیراز بھابھی کا بھائی ہے اور نعمان' سرمد بھائی کے

دوست کا سالا۔'' اس نے سوں سوں کرتے ہوئے بتایا۔

''تو تمہارے لیے ان دونوں کے پروپوزل آئے ہوئے ہیں۔'' ہادی نے ادھوری بات سے پورا نتیجہ نکالا۔ عبیرہ نے دھیرے سے گردن ہلا دی۔

''اب دیکھ لیں دادی، میں کب سے آپ کے پیچھے پڑا ہوا تھا کہ کسی طرح اس معاملے کو سلجھائیں آپ۔ اب تو میری جاب بھی ہو گئی ہے لیکن آپ ہر بار مجھے بچوں کی طرح پچکار کر ٹال دیتی ہیں اور اب اس کے پروپوزل بھی ڈسکس ہونے لگے۔ اسی طرح اچانک شادی بھی طے ہو جائے گی اور میں اور آپ یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔'' ہادی دادی پر خفا ہو رہا تھا۔ اس نے پہلی بار عبیرہ کے سامنے یوں واضح طور پر اس کے اور اپنے متعلق بات کی تھی۔ عبیرہ کچھ سٹپٹا سی گئی۔

''میں چلتی ہوں دادی! بھابھی کی طبیعت خراب ہے۔ مجھے کھانا بھی بنانا ہے۔'' وہ دھیرے سے کہہ کر چلی گئی۔

''اب بتائیں، میں کیا کروں، یہ جو آپ کی پوتی ہے نا کسی دن اپنی بات پکی ہونے کی مٹھائی لے کر آ جائے گی۔ آپ یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہیں گی۔'' ہادی کا غصہ دادی پر ہی نکل رہا تھا۔

''تو مجھ سے کیا کہہ رہا ہے۔ سارا مسئلہ تیری ماں کی رضامندی کا ہے۔ وہ راضی ہو جائے تو ابھی عبیرہ کی انگلی میں تیرے نام کی انگوٹھی پہنا دوں۔ سرمد میرا پوتا ہے۔ میں اس پر تو مرضی چلا سکتی ہوں مگر تیری ماں پر نہیں۔'' دادی بھی تڑخ کر بولی تھیں۔

''صحیح کہہ رہی ہیں آپ۔ امی کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا اور امی کبھی بھی میری شادی عبیرہ سے کرنے پر راضی نہ ہوں گی۔ مجھے عبیرہ کو بھلانا پڑے گا۔'' ہادی دھیرے سے بولا تھا اور اس بزدلی پر دادی کو اور تاؤ چڑھ گیا تھا۔

''ابھی سے ہمت ہار دی۔ مجھے تجھ سے اتنی بزدلی اور کم ہمتی کی توقع نہ تھی ہادی! تو واقعی میری عبیرہ کے قابل ہی نہیں ہے۔'' دادی نے طعنہ دیا تھا۔ ہادی نے خفگی سے انہیں دیکھا، پھر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔

☼ ☼ ☼

بہت دنوں بعد دادی نیچے آئی تھیں اور بڑی بات تو یہ تھی کہ بنا کسی کا سہارا لیے آئی تھیں۔ اتفاق سے اس وقت نوشی آپی اور صاعقہ آپی بھی بال بچوں سمیت آئی ہوئی تھیں۔ عبیرہ ان کے بچوں کی فرمائشیں پوری کرنے کی غرض سے کچن میں مصروف تھی۔ نوشی آپی اور صاعقہ آپی، سرمد بھائی سے عبیرہ کے لیے آئے رشتوں کے متعلق ہی بات کر رہی تھیں، بلکہ انہیں نعمان کے لیے قائل کر رہی تھیں لیکن سرمد بھائی کا جھکاؤ اپنے سالے کی طرف تھا۔

''آپ کے منہ میں تو بھابھی کی زبان آ گئی ہے سرمد بھائی! ظاہر ہے آپ کا ووٹ اپنے سالے کی طرف ہو گا۔ حالانکہ شیراز اور نعمان کے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔'' نوشی آپی نے بھائی کو مخاطب کیا۔

''اور عبیرہ اور نعمان کی عمروں کے فرق کو کیا کہو گی۔ وہ فرق کیا نظر انداز کیے جانے کے قابل ہے۔'' سرمد بھائی بھی آج کچھ چڑ گئے تھے۔

انہیں نوشی آپی کا طنزیہ انداز قطعاً ''نہ بھایا تھا اور اس سے پہلے نوشی آپی کچھ کہتیں، لاؤنج میں دادی لاٹھی سمیت نمودار ہوئی تھیں۔ ''ارے دادی جان آپ، آیئے، آیئے۔'' سرمد بھائی حیران ہوتے ہوئے اٹھے تھے۔

جب سے دادی کو جوڑوں کے درد کا عارضہ لاحق ہوا تھا، ان کی نقل و حرکت بہت محدود ہو گئی تھی۔ آج کتنے عرصے بعد وہ نیچے آئی تھیں۔ صاعقہ آپی انہیں سہارا دینے آگے بڑھیں۔ نوشی آپی صوفے پر بکھرے کشن سمیٹنے لگیں۔ دادی ناراضی کے اظہار کے طور پر صاعقہ آپی کا ہاتھ نظر انداز کر کے خود ہی صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

''کیسی ہیں دادی آپ۔'' نوشی آپی پوچھ رہی

تھیں۔

"اللہ کا شکر ہے، ٹھیک ہوں بالکل' آج اسی لیے تمہیں نیچے شکل دکھانے آ گئی کہ کہیں تم یہ نہ سمجھ لو کہ بوڑھی دادی مرکھپ گئی ہوگی۔ اسی لیے اس کی خیر خبر لینے اور سلام دعا کرنے سے کیا حاصل۔" دادی جب طنز کرتی تھیں تو کیا کمال کا طنز کرتی تھیں۔ نوشی آپی کھسیا کر رہ گئی تھیں۔ ان سے کوئی فوری جواب نہ بن پڑا تھا۔ ایسے میں صاعقہ آپی ان کی مدد کو آگے آئیں۔

"آپ سے ملنے کا جی تو بہت چاہتا ہے دادی! مگر سچی بات ہے کہ تائی جان کے چہرے کے بگڑے زاویے برداشت کرنا بھی تو ہمارے بس کی بات نہیں۔ آپ سے کتنی بار کہا ہے کہ نیچے شفٹ ہو جائیں لیکن آپ کو ہمیشہ سے ہی تایا کا کنبہ ہمارے سے زیادہ عزیز رہا ہے۔" صاعقہ آپی نے فوراً "جواب شکوہ" پیش کیا تھا۔

"اب میں تمہیں اپنا دل چیر کر تو دکھا نہیں سکتی صاعقہ! اپنے دونوں مرحوم بیٹوں کے بچوں سے مجھے کتنا پیار ہے' یہ تو بس میرا اللہ ہی جانتا ہے۔ دل سے ہر گھڑی تم سب کے لیے ہی دعائیں نکلتی ہیں لیکن بوڑھی دادی کے لیے کسی کے پاس وقت نہیں۔ ایک ہادی' ایک عبیرہ صرف یہ دو بچے ہیں جو دادی کو پوچھتے ہیں۔ باقی کسی کو پروا تک نہیں۔" دادی کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

"ہم سب کے سب واقعی بہت نالائق ہیں دادی۔ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں۔" سرمد بھائی دادی کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے بولے۔ پھر انہوں نے ہولے ہولے دادی کے پیر دبانے شروع کر دیے تھے۔ صاعقہ آپی بھی کچھ شرمندہ سی ہو کر دادی کے قریب بیٹھ گئیں۔ دوسری طرف نوشی آپی نے سنبھال لی تھی۔

"اچھا ہوا دادی.... آج آپ آ گئیں.... ہمیں ایک معاملے میں آپ کی رہنمائی اور مشورہ درکار ہے۔" سرمد بھائی نے دادی کو مخاطب کیا' پھر عبیرہ کے دونوں رشتے دادی کے سامنے رکھتے ہوئے ان کی رائے مانگی تھی۔

"میری رائے تمہیں کہاں پسند آئے گی بیٹا۔" دادی نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

"نہیں دادی! آپ حکم تو کریں۔ میں واقعی بہت کنفیوز ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا عبیرہ کے لیے کس رشتے کو ہاں کروں' آپ جس کا نام لیں گی وہیں عبیرہ کا رشتہ طے کر دوں گا۔" سرمد بھائی نے انہیں یقین دلایا۔

"میری خواہش تو یہ ہے بیٹا! کہ اپنے دونوں مرحوم بیٹوں کی نشانیوں کو ایک مضبوط بندھن میں باندھ دوں۔ نجیب اور مجیب کی کتنی خواہش تھی کہ وہ اپنے بچوں کے رشتے آپس میں طے کریں۔ تم نے اپنی مرضی سے بیاہ رچایا تو عاطف اور نوشی کی نسبت بھی ٹوٹ گئی۔ اب ہادی اور عبیرہ بچے ہیں۔ میں سوچتی ہوں نجیب اور مجیب کی کوئی ایک خواہش تو پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔ اس بہانے دونوں خاندان پھر سے آپس میں جڑ جائیں گے۔ میں مطمئن ہو کر مر تو سکوں۔ اگلے جہان میں اپنے بیٹوں کے سامنے شرمندہ تو نہ ہونا پڑے کہ ماں نے ہمارے بعد ہمارے بچوں کو جوڑنے کے لیے کچھ بھی نہ کیا۔" دادی بات کے اختتام پر ٹھیک ٹھاک جذباتی ہو گئی تھیں۔

عبیرہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو وہاں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دادی آنکھیں پونچھ رہی تھیں اور عبیرہ کے تینوں بہن بھائی سکتے کے عالم میں بیٹھے تھے۔ پھر سرمد بھائی نے ہی گفتگو کا سلسلہ دوبارہ جوڑا تھا۔

"آپ کی خواہش سر آنکھوں پر دادی۔ مجھے عبیرہ اور ہادی کے رشتے پر قطعاً" کوئی اعتراض نہیں۔ ہادی یقیناً" نعمان اور شیراز دونوں سے کہیں بہتر ہے۔ پڑھا لکھا' خوب صورت' برسر روزگار اور سب سے بڑھ کر ہمارا اپنا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا تائی جان اس رشتے پر راضی ہو جائیں گی۔" سرمد بھائی نے معاملے کو منطقی انداز میں سلجھانا چاہا' ان کا مقصد تھا کہ کسی طرح بھی دادی کی دل آزاری نہ ہو۔

"تمہاری تائی کو تو میں جب راضی کرنے کی

کوشش کروں جب مجھے یقین ہو کہ اگر وہ عبیرہ کا رشتہ مانگنے آئے تو تم اسے انکار نہیں کرو گے۔" دادی نے بال دوبارہ پوتے کے کورٹ کی طرف لڑھکائی۔

"آپ کی بھول ہے دادی! تائی جان قیامت تک راضی نہیں ہوں گی۔" نوشی آپی ناک چڑھا کر بولیں۔ سرمد بھائی نے انہیں آنکھوں کے اشارے سے تنبیہہ کی تھی۔ وہ چپ ہو گئیں۔

"اگر تائی جان ہادی کا رشتہ لے آئیں تو ظاہر ہے ہمیں کیا اعتراض ہو گا دادی۔" سرمد بھائی رسانیت بھرے لہجے میں بولے۔ یہ یقین دہانی سن کر دادی کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"لیکن ہم بہت زیادہ انتظار نہیں کر سکتے دادی! یہ تو آپ بھی جانتی ہیں کہ آج کے دور میں لڑکیوں کے مناسب رشتے ملنا کتنا مشکل ہو گیا ہے' اگر تائی جان راضی ہیں تو انہیں بہت جلد عبیرہ کا رشتہ مانگنا ہو گا' ورنہ ہم ان دونوں رشتوں میں سے کسی ایک کو ہاں کر دیں گے۔" نوشی آپی نے سنجیدگی سے دادی کو باور کرا دیا۔

دادی کے چہرے کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔ عبیرہ تھکے تھکے قدموں سے پھر باہر مڑ گئی۔

اس کی بہنیں کبھی بھی اس کی شادی ہادی سے نہ ہونے دیں گی۔ یہ اسے یقین تھا اور پھر تائی کے راضی ہونے کا بھی تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ دادی ایک لاحاصل جدوجہد کر رہی تھیں۔ اسے دادی پر بے پناہ ترس آیا تھا اور شاید دادی کے ساتھ اپنے آپ پر بھی۔۔۔

☼ ☼ ☼
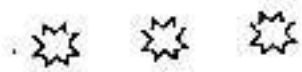
"سرمد کو منا آئی ہوں' اب اپنی ماں کو منانا تیرا کام۔۔۔ وہ رشتہ لے جائے گی تو سرمد انکار نہیں کرے گا۔" دادی اپنے لاڈلے ہادی کو رپورٹ دے رہی تھیں۔

"سرمد بھائی نے آپ کی بات ماننی ہی تھی' ظاہر ہے وہ آپ کے پوتے ہیں۔ میرے ذمے کتنا مشکل کام لگا دیا ہے۔ امی تو میرے منہ سے عبیرہ کا نام سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ جائیں گی' بلکہ سوجوتے لگائیں گی مجھے۔"

"سوجوتے کھا کر بھی جب تو اپنی بات پر ڈٹا رہے گا تو تیری ماں کو راضی ہونا ہی پڑے گا۔" دادی سنجیدگی سے رائے دے رہی تھیں۔

"یعنی عبیرہ کو پانے کے لیے پہلے مجھے سوجوتے کھانے پڑیں گے۔ یار دادی! کوئی آسان حل بتائیں نا۔" ہادی ان کی منت کر رہا تھا۔ دادی واقعی سوچ میں پڑ گئیں۔

تائی جان بھی اتنی انجان نہ تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ دادی پوتے میں آج کل کیا راز و نیاز چل رہے ہیں۔ ابھی تو دونوں میں سے کسی نے ان سے کھل کر اس موضوع پر بات نہ کی تھی اور وہ موضوع کھلنے سے پہلے ہی لپیٹ دینا چاہتی تھیں۔

اس روز دادی ظہر کی نماز پڑھ کر باہر صحن میں آئیں تو رحیمن بوا کو بہو کے پاس بیٹھا دیکھ کر ٹھٹکیں۔ رحیمن علاقے کی جانی پہچانی وچولن تھی۔ یقیناً" اس کی یہاں موجودگی بے سبب نہیں تھی۔ بہو اس کی مٹھی میں پیسے دبا رہی تھی۔ دادی لپک کر دونوں کے پاس پہنچیں۔ رحیمن نے انہیں بہت ادب سے سلام کیا تھا' جبکہ بہو ساس کی آمد پر قدرے جزبز ہوئی تھی۔

"چائے پلائی رحیمن کو۔۔۔" دادی نے بہو کو مخاطب کیا۔

"نہیں بوا جی نے چائے کا منع کر دیا تھا۔" تائی جان نے فوری جواب دیا۔

"کیسے منع کر دیا۔ جاؤ چائے بنا کر لاؤ۔ ایک کپ میرا اور ایک رحیمن کا اور ساتھ بسکٹ نمکو بھی لے آنا۔ کوئی گھر آئے مہمان کو سوکھے منہ تھوڑی واپس بھیجتا ہے۔" دادی کے کہنے پر تائی جان کے چہرے کے زاویے بگڑے تھے مگر وہ چپ چاپ کچن کی طرف چلی گئیں۔

"چائے میرے کمرے میں لے آنا۔ یہاں تو خاصی ٹھنڈ ہے۔ آؤ رحیمن کمرے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔" دادی رحیمن بوا کو ساتھ لیے کمرے میں آ گئیں۔

"کتنے پیسے دیے ہیں بہو بیگم نے ہادی کا رشتہ کروانے کے لیے۔" دادی نے رحیمن بوا کی بند مٹھی کو گھورا۔

"آج تو میرا پہلا چکر ہے جی۔ پانچ سو دیے ہیں۔ لڑکی دکھاؤں گی تو ہزار لوں گی اور رشتہ پکا ہونے پر تو منہ مانگی رقم وصول کروں گی۔" رحیمن نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ دادی نے اپنے تکیے کے نیچے سے بٹوا نکال کر ہزار کا نوٹ نکالا۔

"فی الحال یہ ہزار روپے پکڑو۔ تم نے کوئی ڈھنگ کی لڑکی بہو کو دکھانی ہی نہیں ہے۔ کہیں بھی رشتہ پکا نہ ہوا تو تمہیں منہ مانگی رقم ملے گی۔ بڑھیا اور قیمتی جوڑا بھی دوں گی اور مٹھائی کے پیسے الگ سے۔" دادی کے کہنے پر رحیمن حیرانی سے ان کی شکل تکنے لگی۔

"اتنا حیران ہونے کی ضرورت نہیں رحیمن! نہ ہی یہ بدگمانی دل میں لاؤ کہ میں اپنے پوتے کی شادی کی راہ میں رکاوٹیں ڈال رہی ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ اب میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہی ہادی کے سر پر سہرا سجانے کی ہے۔ میں اپنی پوتی عبیرہ کو ہادی کی دلہن بنانا چاہتی ہوں، خود ہادی کی بھی یہ ہی خواہش ہے لیکن اس کی ماں راضی نہیں ہو رہی۔" دادی نے مختصر الفاظ میں رحیمن بوا کو ساری کتھا سنائی تھی۔

"تو آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کی بہو کو کوئی ڈھنگ کا رشتہ دکھاؤں ہی نہ، تاکہ وہ مایوس ہو کر آپ کی پوتی کو ہی بہو بنالیں۔" رحیمن بوا بھی بہت جلد بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھیں۔ دادی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"نیکی کا کام ہے جی، مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے لیکن رشتہ نہ کروانے پر پیسے منہ مانگے لوں گی۔ پھر آپ نے پیچھے نہیں ہٹنا۔" رحیمن بوا نے دادی کے ہاتھ سے ہزار کا نوٹ پکڑتے ہوئے آگے کی بھی یقین دہانی چاہی۔

"کہہ تو دیا۔ کیا لکھ کر دوں اب؟" دادی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

رحیمن بوا نے مطمئن ہو کر نوٹ بٹوے میں رکھ لیا اور جس وقت تائی جان چائے لے کر آئیں۔ دادی اور رحیمن موسم کی شدت اور بیتے وقتوں کے پکوانوں پر گفتگو کرنے میں مصروف تھیں۔

گفتگو کا موضوع تائی جان کو مطمئن کر گیا، ورنہ انہیں تو طرح طرح کے خدشے ستا رہے تھے۔ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے وہ بھی گفتگو میں شامل ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

بھابھی نے سوجی کا حلوہ بھونا تھا۔ عبیرہ کچن میں گئی تو نگہت بھابھی نے چھوٹے سے ڈونگے میں حلوہ ڈال کر اسے ڈونگا تھمایا۔

"گرم گرم حلوہ ہے، جاؤ اوپر دادی کو دے آؤ، شوق سے کھالیں گی۔" عبیرہ نے ایک لمحے کو سوچا۔ اتوار تھا۔ ہادی کی گھر میں موجودگی یقینی تھی اور وہ اس کا سامنا کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔

"رہنے دیں بھابھی! اوپر جانے کا موڈ نہیں ہے۔" عبیرہ نے ڈونگا سلیب پر رکھ دیا۔ بھابھی نے اسے بغور دیکھا۔

"پہلے تو تم اپنے حصے کی چیز بھی دادی کو دینے اوپر بھاگتی تھیں، اب میں کہہ رہی ہوں تو انکار کر رہی ہو۔" نگہت بھابھی نے حیرت کا اظہار کیا۔

"بس تائی جان خفا ہوتی ہیں، کہتی ہیں دادی کو شوگر نہیں ہے تو کیا ہوا؟ اتنا میٹھا کھا کر ہو بھی سکتی ہے۔"

"تمہاری تائی جان کو خفا ہونے کے سوا آتا بھی کیا ہے۔" نگہت بھابھی نے تبصرہ کیا۔ عبیرہ خاموش رہی۔

"تمہیں پتا ہے نا تمہاری دادی ہادی اور تمہارے رشتے کی خواہش ظاہر کر رہی تھیں۔" بھابھی نے اسے مخاطب کیا۔ عبیرہ ایک بار پھر خاموش رہی۔

"سرمد نے انہیں کہہ تو دیا ہے کہ اگر تمہاری تائی جان رشتہ لے آئیں تو سرمد بھی ہاں کر دیں گے لیکن سرمد خود جانتے ہیں کہ ایسا ممکن ہی نہیں۔ انہوں نے صرف تمہاری دادی کو ٹالا ہے۔" بھابھی اسے وہ بات

بتا رہی تھیں جو وہ پہلے ہی جانتی تھی۔
ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔ نگہت بھابھی کو اس لمحے اپنی اس بے چاری اور خاموش سی نند پر بے پناہ ترس آیا تھا۔
"شیراز سے شادی کے بعد تم بہت خوش رہو گی عبیرہ۔ میرا بھائی بہت اچھی عادتوں کا مالک ہے۔ نہ صرف اس کی ظاہری شخصیت......"
"پلیز نگہت بھابھی میں اس موضوع پر کوئی بات کرنا چاہتی ہوں نہ سننا۔" اس نے قدرے خفگی سے ان کی بات کاٹی۔
"میرے بس میں ہوتا تو میں ہادی سے ہی تمہاری شادی کرواتی اور اگر اب بھی اس کا باقاعدہ رشتہ آجاتا ہے تو میں فوراً" سے پہلے اپنے بھائی کا رشتہ واپس لے لوں گی' لیکن اگر نوشی اور صاعقہ نے اس بڈھے نعمان کے رشتے کے لیے زور دیا تو پھر میں تمہیں بتائے دے رہی ہوں کہ شیراز اس سے لاکھ درجے بہتر ہے۔ سرمد تم سے رائے مانگیں تو اپنی بہنوں کے دباؤ میں بالکل نہ آنا۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کے بعد ڈٹ کر اپنی رائے دینا۔" نگہت بھابھی اسے خلوص دل سے سمجھا رہی تھیں۔
"آپ جانتی ہیں بھابھی کہ میرے پاس نہ فیصلے کا اختیار ہے' نہ رائے دینے کا۔ فقط ایک دعا کر سکتی ہوں تو کرتی ہوں۔ آپ بھی بس میرے حق میں دعا کیجئے گا۔ اللہ میرے نصیب میں بہتر بندے کا ساتھ لکھے اور مجھے اس نصیب پر مطمئن ہونے کی توفیق دے۔" عبیرہ دھیرے سے کہہ کر کچن سے نکل گئی تھیں۔
نگہت کچھ لمحوں تک چپ چاپ کھڑی رہیں' پھر واقعی ان کے دل سے عبیرہ کے لیے دعا نکلی تھی۔ اس کے سدا سکھی رہنے کی دعا۔

☆ ☆ ☆

تائی جان رحیمن بوا کے ساتھ کوئی لڑکی دیکھنے گئی تھیں۔ جاتے وقت از راہ مروت دادی کو بھی ساتھ چلنے کا کہا تھا۔
"میرے گھٹنوں میں کہاں اتنا دم ہے' تم خود ہی چلی جاؤ لڑکی پسند آگئی تو اس کے ہاتھ پر شگن کا روپیہ رکھنے میں بھی چل پڑوں گی۔" دادی نے رسانیت سے کہا۔
"اللہ آپ کی زبان مبارک کرے اماں۔" تائی جان ان کی بات سن کر خوش ہو گئی تھیں۔ رحیمن کے چہرے پر بڑی انجوائے کرنے والی مسکراہٹ ابھری تھی۔ دادی نے تائی جان سے نظر بچا کر اسے گھورا تو اس نے اپنے دانت اندر کیے۔ تائی جان رحیمن کے ساتھ چلی گئی تھیں۔
ہادی آفس سے لوٹا تو ماں کی غیر موجودگی کی بابت استفسار کیا۔ دادی کو بڑے دن بعد پوتے کے ساتھ تنہائی میسر آئی تھی۔ پوتے کو مسکراتے ہوئے اپنی کارکردگی کے بارے میں بتایا۔
"بڑی اسمارٹ ہیں آپ دادی۔" ہادی ان سے ازحد متاثر نظر آنے لگا۔ دادی تعریف سن کر بجائے خوش ہونے کے خفا ہو گئیں۔
"بوڑھی دادی ہی دماغ لڑاتی رہے۔ تو خود کچھ نہ کریو۔"
"میں نے سدرہ آپی کو فون کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے وہ سمجھائیں گی امی کو۔" ہادی نے دادی کو آگاہ کیا۔
"تیری ماں کی بڑی موٹی عقل ہے' اس کی سمجھ میں کسی کی بات نہیں آئے گی۔" دادی نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ ہادی ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

تائی جان آج کل مایوسی کی انتہاؤں پر تھیں۔ ہادی کے لیے ڈھنگ کی لڑکی ڈھونڈنا اتنا مشکل ہو جائے گا یہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ رحیمن انہیں چار' پانچ لڑکیاں دکھا چکی تھی لیکن کوئی بھی ان کے معیار پر پوری نہ اتر سکی۔ حالانکہ انہوں نے تو اپنا معیار بھی اتنا بلند نہ رکھا تھا۔
معقول حد تک پڑھی لکھی' مناسب شکل و صورت کی شریف اور وضع دار گھرانے کی کوئی لڑکی انہیں اپنے ہادی کے لیے قبول تھی۔ رحیمن انہیں

جتنے بھی گھروں میں لے کر گئی وہ فیملیز انہیں قطعی نہ بھائی تھیں۔ وہ سب چھچھورے سے 'شوباز' قسم کے نودولیتے لوگ تھے۔ لڑکیاں بھی انتہائی تیز طرار اور بے باک تھیں۔

"یہ آخر تم مجھے کیسی لڑکیاں دکھا رہی ہو رحیمن بوا۔ تم خود بتاؤ ایسی لڑکی میرے گھر میں بہو بن کر آنے کے لائق ہے۔" آج ان کا رحیمن کے ساتھ پانچواں ٹرپ تھا۔

برائے نام بازو والی انتہائی چست شرٹ پہنے لڑکی جب انہیں سلام کرنے آئی تو اس کے بعد انہوں نے وہاں سے اٹھنے اور افراد خانہ کو اللہ حافظ کہنے میں پانچ منٹ بھی نہ لگائے۔ گھر سے باہر نکلتے ہی انہوں نے رحیمن پر چڑھائی شروع کر دی تھی۔

"آج کل کی لڑکیاں فیشن تو کرتی ہی ہیں بی بی! آپ کو پتا نہیں کیسی لڑکی چاہیے 'میری تو سمجھ سے بالاتر ہے۔" رحیمن بھی ناراضی سے گویا ہوئی۔ آج ہی دادی نے اسے ہزار روپے اور دیے تھے اور اب رحیمن نمک حلالی کا ثبوت دے رہی تھی۔

"تمہیں ہزار بار بتا چکی ہوں بوا کہ مجھے کیسی لڑکی چاہیے۔ بھلے سے بہت خوب صورت نہ ہو۔ بہت امیر کبیر نہ ہو۔ کوئی سلجھی ہوئی دھیمے مزاج اور شائستہ اطوار والی لڑکی ہو۔ سگھڑ اور سلیقہ مند ہو اور بڑوں کا ادب کرنا جانتی ہو۔ باحیا ہو' باوقار ہو' دین دار ہو' اچھائی 'برائی کی تمیز...."

"بس بی بی.... رک جائیں.... یہ آپ کس دور کی باتیں کر رہی ہیں۔ آپ کو ایک ہی لڑکی میں یہ ساری خاصیتیں چاہئیں یا پھر آپ میرے ساتھ مذاق کر رہی ہیں۔" رحیمن نے حیرانی سے استفسار کیا۔

تائی جان خفگی کے اظہار کے طور پر خاموش ہو گئیں۔ آج ویسے بھی ان کی مایوسی اور رنجیدگی کی کوئی حد نہ تھی۔

"ویسے آپ نے جو خاصیتیں بتائی ہیں' ان خوبیوں والی ایک لڑکی ہے تو سہی میری نظر میں۔" رحیمن نے کچھ توقف کے بعد انہیں مخاطب کیا۔

"اچھا واقعی! بتاؤ تو سہی کون؟ کب لے کر جاؤ گی مجھے اس کے گھر؟" تائی جان کی رنجیدگی پل بھر میں ہی اڑنچھو ہو گئی۔

"ارے چھوڑیں بی بی۔ جس راہ جانا نہیں اس کے کوس گننے کا فائدہ۔" رحیمن نے فلسفہ بھگارا۔

"بتاؤ تو سہی۔" تائی جان کا اشتیاق دیدنی تھا۔

"نہ بھئی.... میں تو نہیں بتاتی۔ ایسا رشتہ ہے کہ میرا کمیشن بھی کٹ جائے گا۔ مجھے درمیان میں سے نکال کر آپ خود رشتہ لے کر پہنچ جاؤ گی۔" رحیمن یقیناً اشتیاق بڑھا رہی تھی۔

"کس کی بات کر رہی ہو تم...." اس بار تائی جان قدرے سنجیدہ ہوئی تھیں۔

"آپ کے دیور کی بیٹی عبیرہ اور کون بھلا۔" رحیمن مزے سے بولی۔ تائی جواب میں کچھ بول ہی نہ پائیں۔

"کتنی پیاری' من موہنی سی لڑکی ہے۔ باحیا' باوقار' دھیمے مزاج اور شائستہ اطوار والی' دین دار' سلیقہ مند اور جی کون سی خاصیتیں بتائی تھیں آپ نے۔" رحیمن ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی۔ تائی اس بار بھی خاموش رہیں۔

"وہ جو آپ لوگوں کے سامنے والے شیخ صاحب ہیں نا' ان کی بیوی کو عبیرہ بہت اچھی لگتی ہے' مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ ان کے بیٹے کے لیے بات چلاؤں میں اس مقصد کے لیے عبیرہ کی بھابھی کے پاس گئی بھی تھی لیکن اس نے بتایا کہ عبیرہ کے پہلے ہی بہت اچھے رشتے آئے ہوئے ہیں۔ ویسے بی بی! تم بھتیجی کا رشتہ کیوں نہیں مانگ لیتیں' سنا ہے تم لوگوں کے آپس کے تعلقات ابھی تک بگڑے ہوئے ہیں۔" رحیمن کرید رہی تھی۔

"ٹھیک سنا ہے۔" تائی فقط یہ ہی کہہ پائی تھیں۔

"جب ہی تو میں کہہ رہی تھی کہ جس راہ جانا نہیں' اس کے کوس گننے کا فائدہ۔" رحیمن نے دوبارہ بات دہرائی۔

تائی جان خاموش رہی تھیں اور یہ خاموشی گھر پہنچ

کر بھی نہ ٹوٹی۔
دادی اور ہادی نے ان کے چہرے کے تاثرات کا بغور جائزہ لیا مگر ان کے سپاٹ تاثرات سے ان کے دل کا حال نہ پا سکے تھے۔ رات گئے سدرہ کا ماں کے پاس فون آگیا تھا۔ اس کے پاس بھی کہنے کو یہ ہی بات تھی۔
''مان جائیں امی! ہادی کے دل کی خوشی پوری کردیں۔ بھول جائیں ماضی کو۔ عبیرہ بہت اچھی لڑکی ہے۔''
''کیسے بھول جاؤں میں ماضی کو' یہ اتنا آسان ہے کیا۔'' تائی جان کی آواز کسی دھاڑ سے کم نہ تھی۔ ماؤں کے ضبط کے بندھن بیٹیوں کے سامنے ہی ٹوٹتے ہیں۔ ایک بیٹی سامنے نہ سہی فون کے دوسری طرف تو موجود تھی نا اور تائی کو بہت عرصے بعد دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا تھا۔
''میں کیسے بھولوں سدرہ کہ جب سرمد نے رشتہ توڑا تھا تو تمہارے چچا' چچی نے بیٹے کو سمجھانے کے بجائے اس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ میں نے بھی جلد بازی میں عاطف کا بیاہ رچادیا اور آج تک اس جلد بازی کا خمیازہ بھگت رہی ہوں۔ عاطف کی صورت دیکھنے کو ترس جاتی ہوں میں' اور تیرے ابو نے بھی مرتے دم تک میرا یہ قصور معاف نہ کیا۔ تیری عمر بڑھتی جارہی تھی' انہیں بھتیجیوں کے رشتوں کی فکر تھی۔ تجھے چھوڑ کر نوشی کا رشتہ کروایا۔ میں ان دنوں کی اذیت کیسے بھول جاؤں۔ میرا محبوب شوہر جو عمر بھر مجھ سے کبھی ناراض نہ ہوا' عمر کے آخری حصے میں ایسا ناراض ہوا کہ پھر کبھی راضی ہی نہ ہوا۔ وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو مجھ سے خفا تھے۔ یہ اذیت مجھے مار ڈالتی ہے سدرہ۔'' وہ زارو قطار رو رہی تھیں۔
دوسرے کمرے میں بیٹھے ہادی اور دادی تاسف کے عالم میں ان کی باتیں سن رہے تھے۔
''شادی ہو کر سمندر پار چلی گئی' اگر سرمد رشتہ نہ توڑتا تو آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہوتی۔ تین بچوں میں سے دو مجھ سے دور چلے گئے۔ اب یہ ہادی بچا ہے تو کہہ رہی ہے کہ میں اس کی خواہش پوری کروں'

اسے تو ابھی سے ہی عبیرہ کے سامنے ماں نظر نہیں آتی' یہ بھی اس سے شادی کے بعد مجھ سے دور چلا جائے گا۔ میں تو بالکل خالی ہاتھ رہ جاؤں گی سدرہ۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بیٹی سے مخاطب تھیں۔
''یہ آپ کا وہم ہے امی۔ عبیرہ ہرگز بھی شمائلہ بھابھی جیسی ثابت نہیں ہوگی اور آپ ہادی پر بھی بھروسا رکھیں' بہت محبت کرتا ہے وہ آپ سے.... تہمیں آپ کے دل کو ٹھیس نہ پہنچے اس ڈر سے اس نے اس موضوع پر آپ سے بات تک نہیں کی اور آپ یہ سوچیں کہ ہادی اور عبیرہ کا رشتہ طے ہونے سے ٹوٹا ہوا خاندان پھر سے جڑ جائے گا۔ ابو کی زندگی میں ان کی خفگی ختم نہیں ہوئی تھی تو آپ مرنے کے بعد ان کی روح کو تو خوش اور مطمئن کرسکتی ہیں۔
امی! عبیرہ کتنی پیاری تھی ابو کو' بلکہ ابو کو کیا وہ تو بچپن سے ہی ہم سب کی لاڈلی تھی۔ مجھے پتا ہے کہ آپ اس سے ابھی بھی بہت پیار کرتی ہیں۔ ضد اور انا چھوڑیں امی.... عبیرہ سے اچھی بہو آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔'' سدرہ ماں کو قائل کرنے کے لیے دلیل پر دلیل دے رہی تھی اور اب تائی جان خاموشی سے بیٹی کو سن رہی تھیں۔
''ہم لوگوں کا تو اس بات پر ہمیشہ سے یقین رہا ہے کہ امی کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ سرمد اور میرا جوڑ اللہ نے بنایا نہ تھا اور پھر میں ایک مطمئن اور خوش گوار ازدواجی زندگی گزار رہی ہوں۔ ندیم بہت اچھے ہیں' ان کا ساتھ ملنے پر میں ہر پل اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں۔ اللہ نے ہمیں اتنے پیارے بچے دیے۔
ٹھیک ہے' میں آپ سے دور ہوں لیکن آپ خود بتائیں کہ آپ میری طرف سے کسی تشویش میں تو مبتلا نہیں ہیں نا۔ اگر میں آپ کے پاس ہوتی چاہے سرمد سے ہی شادی ہوتی اور میں آسودہ حال نہ ہوتی تو خود بتائیں آپ کے دل پر کیا گزرتی۔'' سدرہ پوچھ رہی تھی۔ تائی جان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔
یہاں کینیڈا آنے کے بعد مجھ میں بہت چینج آیا ہے امی! میرے سوچنے کا انداز ہی بدل گیا۔ پاکستان میں جن

چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑا ایشو بنا کر ہم زندگی بھر کی ناراضیاں پال لیتے ہیں۔ یہاں کے لائف اسٹائل میں اس کا کوئی تصور ہی نہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک زندگی تو محبت کرنے کے لیے بھی کم ہے' اس میں نفرت کرنے کا ٹائم کیسے نکالیں۔ آپ سن رہی ہیں نا امی۔" ماں کی مسلسل خاموشی پر سدرہ پوچھے بنا نہ رہ پائی۔

"ہاں... سن رہی ہوں اب تو ادھر ادھر کے قصے چھوڑ اور یہ بتا کہ ہادی کی شادی پر آئے گی یا نہیں۔" انہوں نے بیٹی سے پوچھا۔

ماں کے انداز سے سدرہ قطعاً" اندازہ نہ لگا سکی کہ وہ اس کی باتوں سے قائل ہوئی ہیں یا ابھی بھی ہادی کی شادی کہیں اور کرنے کی خواہش مند ہیں۔ سدرہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ماں بہت گہری تھی لیکن آج کی نشست میں اتنی بحث ہی کافی تھی۔ ہادی کا باقی مقدمہ اس نے کسی اور تاریخ پر اٹھا رکھا۔

"ہادی کی شادی پر نہیں آؤں گی تو اور کب آؤں گی امی!" سدرہ بشاشت بھرے لہجے میں مخاطب ہوئی۔

تائی جان کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ ساتھ والے کمرے میں بیٹھے ہادی اور دادی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"میں جانتی ہوں تیری ماں کو' اتنی جلدی اقرار نہیں کرے گی لیکن سدرہ کی باتوں سے قائل ہو گئی ہو گی۔ میں نے سدرہ کو سمجھا دیا تھا کہ کیا کیا باتیں کرنی ہیں ماں سے..." دادی نے پوتے کو مخاطب کیا۔

"آپ کا مطلب ہے امی میری اور عبیرہ کی شادی پر مان جائیں گی۔" ہادی نے بہت آس سے پوچھا۔

"کیوں نہیں مانے گی میرے لعل..." دادی کو پوتے پر بے ساختہ پیار آیا تھا۔

دادی کا یقین کچھ ایسا بے جا نہ تھا۔ بیٹی کی باتوں نے تائی جان کو واقعی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ رحیمن بوا کے دکھائے او نگے بونگے رشتے بھی سوچ میں تبدیلی کا سبب بنے تھے۔ صرف انا تھی جو انہیں اب بھی عبیرہ کا رشتہ مانگنے سے روک رہی تھی۔

ہو سکتا تھا کہ وہ اس انا پر بھی قابو پا لیتیں' اگر اس روز نوشی آپی اور پر دادی سے ملنے نہ پہنچ جاتیں۔

کتنے عرصے بعد وہ اوپر آئی تھیں۔ تائی جان کو رسمی سا سلام کر کے وہ برآمدے میں بچھے تخت پر دادی کے پاس بیٹھ گئیں۔ انہیں دادی کی محبت اوپر کھینچ کر نہ لائی تھی' بلکہ وہ دادی کو یہ بتانے آئی تھیں کہ سرمد بھائی عبیرہ کے لیے اپنے سالے کے رشتے پر ہاں کرنے والے ہیں۔

"میں اور صاعقہ تو نعمان کے رشتے کے حق میں ہی تھے۔ کھاتے پیتے گھرانے کا لڑکا تھا۔ گھر میں تین' تین تو گاڑیاں تھیں۔ نوکروں کی فوج تھی۔ عبیرہ کے نام زمین بھی لکھ رہے تھے۔ جیسی ترستی زندگی ہم نے گزاری' کم از کم ہماری بہن تو ویسی زندگی نہ گزارے' یہ ہی خواہش تھی ہماری خیر نگہت بھابھی کا بھائی بھی کوئی اتنا گیا گزرا نہیں ہے۔ خیر سے انجینئر ہے۔ گھر میں سب سے چھوٹا ہے۔ سر پر کوئی ذمہ داری نہیں اور ویسے بھی عبیرہ کے جوڑ کا ہے ہینڈسم اور خوب صورت۔" نوشی آپی نان اسٹاپ بولنا شروع ہو گئی تھیں۔ کچن میں آٹا گوندھتی تائی جان تک یہ آوازیں باآسانی پہنچ رہی تھیں۔

"ہمیں تو ہماری ماں نے سر سے بوجھ کی طرح اتار پھینکا تھا۔ جس کسی نے جو بھی گیا گزرا رشتہ ہمارے لیے بتایا وہیں ہماری شادی کر دی۔ جلد بازی میں کیے گئے ان فیصلوں کا ہم آج تک خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ ماشاء اللہ عبیرہ خوش قسمت ہے' اتنے اچھے اچھے رشتے آ رہے ہیں اس کے کہ انتخاب مشکل ہو گیا' یہ سامنے والے شیخ صاحب کی بیگم بھی دوبار پیام بھجوا چکی ہیں مگر انہیں تو سرمد بھائی نے انکار کر دیا۔" نوشی آپی بتا رہی تھیں اور دادی افسوس اور صدمے کے عالم میں خاموش بیٹھی تھیں۔

وہ دل ہی دل میں اپنی بے وقوفی کو کوس رہی تھیں کہ پچھلی بار انہوں نے نوشی آپی سے اوپر نہ آنے کا شکوہ کیوں کیا تھا۔ نیچے والوں کے لیے بہو کے دل میں جو نرم گوشہ پیدا ہوا تھا وہ نوشی کی باتوں نے ختم کر دیا

ہو گا۔
وہ کس طرح مرحوم تایا کے کیے گئے فیصلے کو تنقید کا نشانہ بنا گئی تھی' اس کی شادی تایا کی کوششوں کی وجہ سے ہی طے ہوئی تھی۔ نیک نیتی اور خلوص سے کیا گیا یہ فیصلہ نوشی کے حق میں اتنا بھی برا ثابت نہ ہوا تھا۔ سسرال میں ہونے والی چھوٹی اونچ نیچ کے علاوہ وہ امجد کے ساتھ ایک خوش گوار ازدواجی زندگی گزار رہی تھی مگر مرحوم تایا کے لیے اس کی زبان پر شکر گزاری کے کلمات کے بجائے تنقید کے نشتر تھے۔ اس طرح کی باتیں سن کر تائی جان کا غصے میں آنا فطری امر تھا۔ کچن میں برتنوں کی اٹھا پٹخ کر کے انہوں نے اپنے غصے کا اظہار بھی کیا تھا' پھر اپنے کمرے میں جا کر کھٹاک سے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔
"جب میں نے کہا تھا کہ سرمد' عبیرہ کے لیے ابھی کوئی فیصلہ نہ کرے تو اس نے اپنے سالے کے لیے ہاں کیوں کر دی۔" دادی نے غصہ ضبط کرتے ہوئے دبی آواز میں پوچھا۔
"ابھی ہاں کی نہیں ہے دادی! ہاں کرنے والے ہیں اور سرمد بھائی نے مجھے اوپر اسی لیے بھیجا ہے کہ میں آخری بار آپ سے پوچھ لوں کہ کیا تائی جان ہادی کا رشتہ مانگنے میں دلچسپی رکھتی ہیں یا پھر وہ شیراز کو ہاں کر دیں۔" نوشی آپی نے اطمینان سے دادی کو مخاطب کیا۔
دادی بس پوتی کو دیکھ کر ہی رہ گئیں' اس طرح کی باتوں کے بعد بھی وہ پوچھ رہی تھی کہ تائی ہادی کا رشتہ مانگنے میں دلچسپی رکھتی ہے۔ شاید نوشی آپی کی کوشش ہی یہ تھی کہ اگر دادی کی کوششوں سے تائی کی عبیرہ میں دلچسپی پیدا ابھی ہوئی ہو تو وہ بھی ختم ہو جائے۔ ہادی کے متوقع رشتے کا خوف ہی تھا کہ نوشی اور صاعقہ نگہت بھابھی کے بھائی کے رشتے پر بھی راضی ہو گئی تھیں۔
"پھر بتائیں نا دادی میں سرمد بھائی کو کیا جواب دوں؟" نوشی آپی پوچھ رہی تھیں۔
"تم بہن بھائی اپنی مرضی کے مالک ہو۔ جو مرضی میں آئے کر لو۔" دادی ان سے سخت خفا تھیں مگر انہیں اس خفگی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ "مشن" مکمل کر کے وہ شاداں و فرحاں نیچے لوٹ گئیں۔
شام کو عاطف اور شمائلہ چلے آئے تھے۔
"کمال ہے امی! آپ ہادی کے لیے لڑکیاں ڈھونڈ رہی ہیں اور ہمیں علم تک نہیں۔" عاطف بھائی نے چھوٹتے ہی ماں سے شکوہ کیا۔
"ہادی کی شادی کی عمر ہو گئی ہے' ظاہر ہے اب میں نے اس کے لیے لڑکی ڈھونڈنی ہی ہے۔" انہوں نے رسانیت سے بیٹے کو مخاطب کیا۔
"پچھلے ہفتے آپ رحیمن کے ساتھ ہمارے پڑوس میں لڑکی دیکھ گئیں خالہ اور ہمارے گھر آئیں تک نہیں۔" اس بار شکوہ کرنے والی ہستی ان کی بہو کی تھی۔
"ہاں.... بس وہ بہت دیر ہو گئی تھی۔" وہ فقط یہ ہی کہہ پائیں۔
"شمائلہ کو آس پڑوس سے پتا چلا امی۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتیں کہ اسے کتنا گہرا دکھ پہنچا۔ شمائلہ آپ کی اکلوتی بہو ہے' آپ اسے اس قابل بھی نہیں سمجھتیں کہ اسے اپنے ساتھ ہی لے جاتیں۔" عاطف کی طرف سے ایک اور شکوہ کیا۔
تائی جان نے خاموش رہنے پر اکتفا کیا۔
"اور پھر جب لڑکی گھر میں موجود ہے تو ادھر ادھر دیکھنے کا کوئی فائدہ ہے بھلا۔" عاطف بھائی مزید بولے تھے اور ان کی بات سن کر دادی اور ہادی ہکا بکا رہ گئے تھے۔
خصوصاً" ہادی کا حیرت سے برا حال تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ عاطف بھائی بھی اس معاملے میں اس کے ہم نوا ہوں گے' کیونکہ وہ تو مرحوم چچا کی فیملی سے ماں سے بھی زیادہ چڑتے تھے۔ پھر کیا سدرہ آپی نے بھائی کی برین واشنگ کی تھی' ہادی فقط یہ ہی سوچ پایا تھا۔
"گھر کی لڑکی سے تمہاری کیا مراد ہے۔" تائی جان نے ناراضی سے بڑے بیٹے کو مخاطب کیا۔

"آپ کی بھانجی اور شمائلہ کی چھوٹی بہن ناعمہ' خالہ جان تو اللہ کے پاس چلی گئیں' ظاہر ہے اب آپ نے ہی شمائلہ اور ناعمہ کی ماں بن کر سوچنا ہے اور پھر ہادی کو ناعمہ سے اچھی لڑکی اور کون ملے گی۔" عاطف بھائی پوچھ رہے تھے۔

نانی جان کے چہرے پر بڑی بے بس سی مسکراہٹ پھیلی تھی' اب بھلا ہو کے سامنے وہ بیٹے کو اس بات کا کیا جواب دیتیں۔ سچ یہی تھا کہ انہیں عاطف کی ناراضی سے ڈر لگتا تھا لیکن صرف عاطف کی خوشنودی کے لیے وہ ہادی کی زندگی کی خوشیاں داؤ پر نہ لگا سکتی تھیں۔ ناعمہ بے شک ان کی بھانجی تھی لیکن وہ تیزی طراری میں شمائلہ سے بھی بڑھ کر تھی۔ شمائلہ کو بہو بنانے کے فیصلے کا پچھتاوا ابھی تک ختم نہ ہوا تھا اور وہ اسی نوعیت کی ایک اور غلطی دہرا کر پچھتاووں کی فہرست میں مزید اضافہ نہ چاہتی تھی۔

"اوہو عاطف' ابھی شادی دادی کا ذکر چھوڑیں' ویسے بھی ناعمہ ابھی پڑھ رہی ہے' بلکہ آج تو میں ہادی سے یہ پوچھنے آئی تھی کہ کیا وہ ناعمہ کو اکنامکس پڑھا دیا کرے گا۔ اس کے پیپرز سر پر ہیں اور کوئی ڈھنگ کا ٹیوٹر مل کر نہیں دے رہا۔" شمائلہ نے ایک اور ہی ذکر چھیڑا۔ ہادی بھابھی کی بات سن کر گھبرا سا گیا تھا۔

"ہاں تو پڑھا دے گا' اس میں بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ پانچ بجے تک یہ آفس سے گھر واپس آجاتا ہے۔ تم چھ بجے تک ناعمہ کو بھیج دینا ایک گھنٹہ پڑھانے سے ہادی گھس تھوڑی جائے گا۔" اچھا ہے' بچی کا بھلا ہو جائے۔" دادی کی بات اتنی اچانک اور غیر متوقع تھی کہ ہادی تو ہکا بکا رہا سو رہا شمائلہ بھی حیران رہ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے' کل سے ناعمہ پڑھنے آجائے گی۔" بہت جلد اپنی حیرت پر قابو پا کر شمائلہ خوشدلی سے بولی تھی۔

"آپ کو کیا ضرورت تھی دادی یہ سب کہنے کی' آپ جانتی ہیں نا شمائلہ بھابھی کا مقصد۔" رات کو ہادی دادی سے الجھ رہا تھا۔

"ہاں میں جانتی ہوں شمائلہ کا مقصد۔ وہ چاہ رہی ہے کہ اگر تیری ماں تیری اور ناعمہ کی شادی پر راضی نہیں بھی ہوتی تو تیرے اور ناعمہ کے بیچ وہ پیدا ہو جائے کیا کہتے ہیں اسے۔" دادی نے ذہن پر زور دیا۔

"انڈراسٹینڈنگ۔" ہادی کڑوا سا منہ بنا کر بولا۔

"ہاں شمائلہ سمجھ رہی ہے کہ تو بھی عاطف کی طرح کاٹھ کا الو ثابت ہوگا اور ناعمہ تجھے آسانی سے اپنی مٹھی میں کرلے گی۔"

"اگر ناعمہ مجھے اپنی مٹھی میں کرلے گی تو مجھ سے بڑا الو کا پٹھا اس دنیا میں واقعی کوئی نہ ہوگا۔" ہادی تو آج واقعی انگارے ہی چبا رہا تھا۔ دادی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"صرف ایک گھنٹے کی تو بات ہوگی میرے چندا۔ روزانہ تجھے ایک گھنٹہ ناعمہ کو پڑھانا ہوگا۔ اسے کمپنی دینی ہوگی اور اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دینا ہوگا۔" دادی اسے پچکارتے ہوئے بولیں۔

"مطلب..." ہادی اب کچھ کچھ ان کی بات سمجھ رہا تھا۔

"مطلب یہ کہ جب تیری ماں کو ناعمہ جیسی تیز طرار اور چالاکو ماسی لڑکی سے پالا پڑے گا تب اسے میری بھولی بھالی اور معصوم سی عبیرہ کی قدر آئے گی۔" دادی کی پلاننگ پر ہادی ستائشی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

"یار دادی! آپ تو واقعی بہت سازشی ہوتی جارہی ہیں۔ کیا دماغ لڑایا ہے آپ نے۔ سچ سچ بتائیں' کہیں آپ کیبل پر انڈین ڈرامے تو نہیں دیکھنے لگیں۔" ہادی پوچھ رہا تھا۔

"دفع دور! میں کیوں دیکھوں گی انڈین ڈرامے اور میں کوئی ان کی طرح تخریبی سازشیں تھوڑی کررہی ہوں' یہ تو تعمیری سازش ہے۔"

"مگر اس سازش کے نتیجے میں میرا عبیرہ کے ساتھ گھر بس جاتا ہے' پھر تو واقعی یہ تعمیری سازش ہوئی۔ عظیم تعمیری سازش۔" ہادی نے اتفاق کیا تھا۔

✲ ✲ ✲

اگلی ہی شام سے دادی کے پلان پر عمل شروع

ہو گیا۔ ہادی آفس سے گھر لوٹا تو کتابیں سنبھالے ناعمہ اس کی منتظر تھی۔ جدید تراش خراش کا سوٹ' لائٹ سا میک اپ' کیوٹیکس سے سجے ہاتھ' کلائی میں نازک نگینوں سے سجا بریسلٹ وہ واقعی خاصی تیاری کے ساتھ "پیپر" کی تیاری کرنے آئی تھی۔

ہادی نے آغاز میں اکنامکس جیسا خشک مضمون پڑھانے کے لیے خشک سا انداز اختیار کیا تھا۔ آخر وہ باصلاحیت دادی کا باصلاحیت پوتا تھا۔ اوور ایکٹنگ کے بجائے فطری اداکاری کرکے صورت حال میں حقیقت کا روپ بھرنا چاہتا تھا۔ شروع میں تائی جان بیٹے کی لاپروائی اور بے نیازی دیکھ کر مطمئن سی تھیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بیٹے کی بے نیازی رخصت ہونے لگی اور تائی کے دل کا اطمینان۔

اب شام کو گھر میں ناعمہ کی نقرئی ہنسی اور ہادی کے اونچے قہقہے گونجتے اور تائی جان جلے پیر کی بلی کی طرح گھر کے چکر کاٹتی رہتیں۔ اس روز عبیرہ بہت دن بعد اوپر دادی کے پاس آئی تھی۔ ہادی ناعمہ کو پڑھانے میں مصروف تھا۔ ان کی کرسیوں کے قریب تخت پر ساگ کا گٹھڑ لیے تائی جان موجود تھیں۔ وہ اور کچھ نہ کرسکتی تھیں تو بیٹے کی چوکیداری تو کرسکتی تھیں نا' سو وہ ہی ڈیوٹی سنبھال رکھی تھی۔ عبیرہ نے تائی کو دھیرے سے سلام کیا تھا۔

"کیا ہوا تمہارا چہرہ اتنا ستا ہوا کیوں ہے' طبیعت تو ٹھیک ہے؟" حیرت انگیز طور پر تائی جان نے سلام کا جواب دے کر اگلی بات بھی کرلی تھی۔

"کئی دنوں سے فلو ہے' کبھی بخار بھی ہو جاتا ہے۔" عبیرہ نے دھیمے لہجے میں بتایا۔

ہادی نے بے چین ہو کر اسے دیکھا' وہ واقعی کتنی کمزور' مضمحل اور بیمار لگ رہی تھی۔ باوجود خواہش کے وہ اسے مخاطب نہ کرپایا۔

"تو کسی ڈھنگ کے ڈاکٹر کو چیک کروائیے! یہ بخار کا اترنا' چڑھنا تو ٹھیک علامت نہیں ہے۔" تائی جان نے بیٹے کے دل کی بات کہہ دی تھی۔

"جی تائی جان' لی ہے دوا۔ دادی کہاں ہیں۔ سو تو نہیں رہیں۔" عبیرہ نے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہی لیٹی ہیں' آج کتنی دیر تک کھڑے ہو کر اپنے کپڑوں کی الماری سیٹ کی ہے۔ تھک گئی ہیں' پہلے تم آکر ان کے کام نمٹادیتی تھیں' اب تو تم بھی اوپر کا راستہ بھول گئیں۔ میرے اندر اتنی ہمت کہاں کہ گھر کے کاموں کے ساتھ اس طرح کے کام بھی دیکھوں۔ پھر اماں صرف میری ذمہ داری تو ہیں نہیں۔ تمہاری بھی دادی ہیں۔ ان کے کام کرنا تمہارا فرض ہے۔" ان کا لہجہ بے شک کچھ خفگی بھرا سا تھا لیکن انہوں نے کتنے عرصے بعد اس سے اتنی طویل بات کی تھی۔

عبیرہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ ہادی کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

"ناعمہ! تمہارا دھیان کہاں ہے یار! یہ گراف صحیح سے ڈرا کرو اور پھر مجھے چائے بھی بنا کر پلاؤ۔ امی تو گھنٹہ بھر سے پہلے سبزی بنا کر اٹھیں گی نہیں۔" ہادی نے ناعمہ کو مخاطب کیا۔

"یہ کہاں بنائے گی' میں بنالیتی ہوں چائے۔" تائی جان سبزی کی پرات پیچھے کرتے ہوئے اٹھیں۔

"نہیں نہیں امی! آپ بیٹھی رہیں۔ آج ان محترمہ کے ہاتھ کا ذائقہ بھی تو چیک کریں' پھر استاد کی سیوا کرنا شاگرد کا فرض بھی تو بنتا ہے۔" ہادی شوخی سے بولا۔

"کیوں نہیں استاد محترم۔۔۔ میں ابھی بنا کر لائی چائے۔" ناعمہ کھلکھلاتے ہوئے اٹھی تھی۔ ہادی کے ساتھ اس کا بے تکلفی بھرا انداز دیکھ کر عبیرہ کے اندر سناٹا سا اتر آیا تھا۔

"بیٹھ جاؤ تم۔۔۔ خوامخواہ تمہاری پڑھائی کا حرج ہو گا' پھر تمہیں چینی پتی کے ڈبوں کا بھی کہاں پتا ہو گا۔ جاؤ عبیرہ! چائے تم بنالو۔ فریج میں سے دودھ کا جگ نکال لینا اور چائے میں میٹھا ذرا کم ڈالنا' وہیں چینی پتی کے ڈبوں کے آس پاس بسکٹ کا پیکٹ بھی رکھا ہو گا۔ اماں کو چائے کے ساتھ بسکٹ بھی دے دینا۔ اس ٹائم اماں کو بھوک سی لگتی ہے۔" تائی جان عبیرہ سے مخاطب تھیں اور اسے اپنی سماعت پر یقین نہ آرہا تھا' وہ اسی

حیران پریشان چہرے کے ساتھ کچن کی طرف مڑ گئی۔
ناعمہ برا سا منہ بنا کر واپس اپنی جگہ بیٹھ گئی اور ہادی' اس کا تو دل چاہ رہا تھا کہ وہ کسی شوخ سے گانے کی دھن سیٹی پر بجانے لگے مگر دل کی خواہش دل میں ہی دبا کر وہ پھر سے ناعمہ کی جانب متوجہ ہوا' جو ابھی تک ایک انتہائی آسان سے سوال پر اٹکی ہوئی تھی۔
"کس کند ذہن لڑکی سے پالا پڑ گیا۔" ہادی کو فت پر قابو پاتے ہوئے پھر سے اسے سوال سمجھانے لگا۔
ذرا دیر بعد عبیرہ چائے بنا کر لے آئی تھی۔ چائے کی ٹرے تائی جان کے پاس تخت پر رکھ کر اس نے دادی کے لیے ایک کپ اور بسکٹ کی پلیٹ اٹھائی اور خاموشی سے دادی کے کمرے میں چلی گئی۔
"کتنی بورنگ لڑکی ہے یہ۔ بالکل چپ چاپ' اس پر تو کسی اسٹیچو کا گمان ہوتا ہے۔" ناعمہ نے بے تکلفی سے اپنا کپ اٹھا کر عبیرہ کی ذات پر تبصرہ صادر کیا۔
ہادی کا جی تو چاہا کہ ہاتھ میں پکڑی وزنی کتاب ناعمہ کے سر پر دے مارے لیکن اس کے لبوں سے جو فقرہ برآمد ہوا وہ دلی کیفیت کے یکسر الٹ تھا۔
"ٹھیک کہتی ہو تم' یہ ہمیشہ سے ہی ایسی ہے۔" چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے ہادی نے ناعمہ کی بات کی تائید کی۔ تائی جان بس بیٹے کو دیکھ کر ہی رہ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"اس روز نوشی کیا کہہ رہی تھی اماں! عبیرہ کی بات پکی ہو گئی ہے کیا۔" یہ اگلے روز کی بات تھی جب تائی جان نے ساس سے سرسری سے انداز میں پوچھا۔
"بات پکی تو نہیں ہوئی' ہاں دو چار رشتے آئے ہوئے ہیں' دیکھو سرمد کس کو ہاں کرتا ہے' ویسے تم کیوں پوچھ رہی ہو۔" دادی نے بہو کو بغور دیکھا۔
"بس ایسے ہی' اچھا یہ بتائیں بازار سے کچھ منگوانا تو نہیں۔ میں مارکیٹ تک جا رہی ہوں۔" تائی جان نے یک دم موضوع بدلا تھا۔
دادی جی ہی جی میں مسکرا کر رہ گئیں۔ انہیں پتا تھا' ابھی کچھ دن اور لگیں گے' جب تائی کھل کر عبیرہ کے لیے اپنی پسندیدگی ظاہر کریں گی۔ اب انہیں پہلی فرصت میں سرمد سے بات کرنا تھی۔ اس سے کہنا تھا کہ وہ صرف چند دن انتظار کر لے اس کی تائی عبیرہ کا باضابطہ رشتہ مانگ لیں گی۔ دادی ہادی کی منتظر تھیں۔ وہ آتا تو وہ اس کا سہارا لے کر پچھلی منزل جاتیں۔ ہادی اس روز آفس سے بہت دیر سے لوٹا۔ ناعمہ بھی اس کا انتظار کر کے چلی گئی تھی۔
"میں یہ ڈراما کر کر کے اکتا گیا ہوں دادی۔ بس آپ خود امی سے کھل کر بات کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم دیر کر دیں اور سرمد بھائی عبیرہ کا رشتہ پکا کر دیں۔" ہادی نے اپنا خدشہ ان سے بیان کیا۔
"تو فکر نہ کر' میں کل ہی جاؤں گی' کل آفس سے وقت سے آجانا' پھر مجھے لے کر نیچے چلنا۔ سرمد کو سمجھا دوں گی' تھوڑے دن اور انتظار کر لے گا' اب تو سمجھ تیری ماں مان ہی گئی ہے' بس زبان سے کہہ دے' پھر میں خود عبیرہ کی انگلی میں تیرے نام کی انگوٹھی پہنا دوں گی۔"
دادی نے اسے تسلی دی۔ ہادی کے لبوں پر بڑی پیاری سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ عبیرہ اور اس کی محبت کی کہانی آج کے دور کے حساب سے عجیب ترین کہانی تھی۔ دونوں کے بیچ نہ کبھی محبت کا اظہار ہوا تھا۔ نہ اقرار' پھر بھی وہ دونوں جانتے تھے کہ ان کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔ اس محبت کو کھونے کا تصور ہی ہادی کے لیے سوہان روح تھا اور شاید عبیرہ بھی آج کل اسی خدشے میں گرفتار تھی۔ وہ اس روز کتنی مضمحل اور پژمردہ لگ رہی تھی اور ہادی اسے تسلی کا ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ عبیرہ کی پریشان شکل ذہن میں آتی تو ہادی کا دل بے قرار ہو جاتا۔ اب دادی نے تسلی دی تو جیسے دل بے قرار کو قرار سا مل گیا۔
اگلے روز وہ بہت خوش خوش آفس سے گھر لوٹا تھا۔ شمائلہ بھابھی کو پہلے ہی فون کر کے کہہ دیا کہ آج وہ مصروف ہے' اس لیے وہ ناعمہ کو آنے سے منع کر دیں۔ گھر پہنچا تو عجیب سے سناٹے نے استقبال

کیا۔ دادی اور تائی چپ چاپ تخت پر بیٹھی تھیں۔ پاس ہی مٹھائی کا ڈبا رکھا تھا۔

"خیریت.... اتنی خاموشی؟" دادی کے غمگین اور ماں کے سپاٹ سے چہرے پر نظر ڈال کر وہ پوچھے بنا نہ رہ پایا۔

"خاموشی تو روز ہی ہوتی ہے۔ آج وہ چہکتی مینا نہیں آئی، شاید اس لیے تمہیں زیادہ خاموشی محسوس ہو رہی ہے۔" تائی جل کر بولی تھیں، ان کا اشارہ ناعمہ کی طرف تھا۔

"یہ مٹھائی کیسی ہے؟" ہادی نے مٹھائی کا بند ڈبا دیکھ کر اگلا سوال کیا اس کی چھٹی حس کسی انہونی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

"نوشی اور صاعقہ آئے تھے۔ عبیرہ کی بات پکی ہو گئی ہے، اسی کی مٹھائی دے کر گئے ہیں، اگلے ہفتے منگنی کی رسم ہے۔" تائی جان نے اسی سپاٹ سے انداز میں بیٹے کو مطلع کیا۔

"عبیرہ کی منگنی مگر کس سے؟" ہادی نے بے یقینی سے دادی کو دیکھا۔

"نگہت کے چھوٹے بھائی سے۔ صاعقہ کہہ رہی تھی کہ نگہت کی بڑی بہن آج کل سعودیہ سے آئی ہوئی ہے، اس لیے ان لوگوں کی خواہش ہے کہ اس کی موجودگی میں ہی منگنی کی رسم ہو جائے۔ اگلے جمعے کو منگنی ہے۔" دادی نے تھکے تھکے انداز میں آگاہ کیا۔

"میرے سر میں درد ہے۔ میں اپنے کمرے میں جا کر لیٹ رہا ہوں۔ پلیز کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے، نہ ہی کھانے کے لیے بلائے۔" وہ دادی پر ایک شکوہ کناں نگاہ ڈال کر کہتا چلا گیا۔ دادی نے تائی کی سمت دیکھا۔ انہوں نے نگاہیں چرا لی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اگلا جمعہ آن پہنچا تھا۔ ہادی نے آفس سے چھٹی کی تھی۔ وہ صبح سے کمرے میں بند تھا۔ تائی جان کتنی ہی بار اس کے کمرے کا دروازہ بجا چکی تھیں۔ وہ "سو رہا ہوں امی۔" کہہ کر اور کسی پکار کا کوئی جواب نہ دیتا۔

تائی دونوں ہاتھوں میں سر دیے بیٹھی تھیں۔ جب دادی ان کے پاس آئیں۔

"یوں پریشان ہونے کا فائدہ.... جب سنبھلے گا تو نکل آئے گا کمرے سے باہر۔" دادی نے بہو کو تسلی دی۔

"چھوٹا بچہ تو سب سے لاڈلا ہوتا ہے اماں۔ میں کیسی ماں ہوں، میں نے اپنے لاڈلے کے دل کی خوشی پوری کرنے کے لیے کچھ نہ کیا۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی اور میرا بچہ اتنا فرماں بردار ماں سے شکایت کا ایک لفظ بھی نہ کہا۔" تائی جان کے پچھتاوے اور احساس پشیمانی انہیں چین ہی نہ لینے دے رہے تھے۔ وہ ساس کے سامنے سسک پڑی تھیں۔

"ہادی نے کبھی زندگی میں مجھ سے کوئی ناجائز فرمائش نہیں کی۔ وہ میری آنکھ کے اشارے سے میرے دل کا حال پا جاتا تھا۔ عاطف کے الگ ہونے کے بعد کتنی چھوٹی عمر میں میرے بچے نے گھر کا بار اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ ٹیوشن پڑھائیں۔ پارٹ ٹائم نوکری کی مگر کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لایا۔ وہ عمر جس میں بچے عیش کرتے ہیں، میرا بچہ کولہو کے بیل کی طرح مشقت میں جتا تھا۔ نہ کبھی تھکاوٹ کا اظہار کیا، نہ قسمت پر شاکی ہوا، بلکہ وہ تو مجھے سمجھاتا تھا کہ ماں مشکل وقت سدا نہیں رہے گا۔ وہ کٹ جائے گا اور پھر مشکل وقت واقعی کٹ گیا۔

کیا اب یہ میرا فرض نہیں تھا اماں! کہ اب میں اپنے بیٹے کو زندگی کی خوشیاں لوٹاؤں اس کے دل کی خوشی پوری کروں۔ اس کی چاہت کو اس کی زندگی کا حصہ بناؤں۔ میرے بچے نے تو میری خفگی کے خوف سے مجھے اپنی چاہت سے آگاہ تک نہ کیا۔ کبھی آپ کو حال دل سنایا، کبھی بہن کو اپنا وکیل بنایا لیکن میں ماں تھی جانتی تھی کہ میرے بیٹے کے دل میں کیا ارمان دبا ہے۔ میں پھر بھی جانتے بوجھتے انجان بنی رہی۔" تائی جان بلک رہی تھیں اور دادی تاسف سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"میری انا نے مجھے انجان بنے رہنے پر مجبور کر دیا تھا

اماں! اور جب مجھے احساس ہوا کہ مجھے اتا سے پیچھا چھڑا کر اپنے بچے کی زندگی میں خوشیاں لانی ہیں‘ تب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس پیاری سی بچی کو تو میرے آنگن کی رونق بننا تھا۔ وہ اب کسی اور کے گھر میں جا کر اجالا بکھیرے گی۔“ ان کے پچھتاووں کا کوئی انت نہ تھا۔

دادی نے ایک گہرا سانس اندر کھینچا۔ بہو کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا‘ کتنی خوش آئند بات تھی لیکن یہ احساس کتنی تاخیر سے ہوا تھا‘ کیسی قابل افسوس بات تھی۔

اب بہو رو‘ رو کر آنکھیں سجا رہی تھیں۔ پوتا بھوکا پیاسا کمرے میں بند تھا۔ دادی نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی۔ شاید نیچے عبیرہ کے سسرالی پہنچ گئے ہوں گے اور ابھی نوشی یا صاعقہ میں سے کوئی انہیں بھی نیچے لے کر جانے کے لیے آجاتا۔ دادی اس سچویشن سے نبرد آزما ہونے کے لیے کوئی طریقہ سوچ رہی تھیں۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ خود بھی پوتے سے شرمندہ تھیں۔ وہ ان کے آسرے پر مطمئن ہو کر بیٹھا رہا‘ یہ سوچ کر کہ دادی کی پلاننگ کامیاب رہے گی اور عبیرہ اس کے نصیب کا حصہ بن جائے گی۔ آہ! وہ اپنے پوتے کے لیے کچھ بھی نہ کر سکیں۔ دادی صدمے کی کیفیت میں تھیں اور بے حد مضطرب بھی۔ پھر اچانک وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر جھکی تھیں۔

”بہو سنبھالنا مجھے۔“ انہوں نے تائی جان کو پکارا۔ تائی جان ایک دم چونکی تھیں۔ پھر جلدی سے دادی کو سہارا دے کر بٹھایا۔

”کیا ہوا اماں! آپ ٹھیک تو ہیں؟“ وہ متوحش ہو کر پوچھ رہی تھیں۔

”میرا دل.....“ دادی نے دل پر ہاتھ رکھ کر ایک گہرا سا سانس اندر کھینچا۔ تائی جان کے ایک دم ہاتھ پاؤں پھولے۔ وہ بھاگ کر ہادی کے کمرے کی طرف گئیں اور اس بار انہوں نے دروازہ پیٹ ہی ڈالا تھا۔

”اماں کی طبیعت خراب ہو رہی ہے ہادی!“ وہ چلائی تھیں۔ ہادی فوراً“ کمرے سے باہر نکلا تھا۔ بھاگ کر دادی کے پاس پہنچا۔

”مجھے میرے کمرے میں لے چل ہادی! میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔“ دادی بمشکل بولی تھیں۔ ہادی بھی بری طرح گھبرا گیا۔

”امی پلیز! نیچے سے سرمد بھائی کو بلائیں۔ مجھے دادی کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی۔“ ہادی نے ماں کو مخاطب کیا۔ یہ سن کر بوکھلاہٹ کے عالم میں انہوں نے فوراً“ نیچے کا رخ کیا۔ چند منٹ لگے تھے نیچے والوں کو اوپر پہنچنے میں۔

سرمد بھائی‘ نوشی اور صاعقہ ان دونوں کے شوہر صاحبان اور حواس باختہ سی عبیرہ۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ پارلر سے گھر لوٹی تھی اور یہ اس نے بھابھی کی خواہش اور بہنوں کے دباؤ پر کیا تھا۔ وہ سب منگنی بہت دھوم دھام سے کرنا چاہتے تھے۔

منگنی کی دلہن عبیرہ پر روپ بھی بے حد و بے حساب چڑھا تھا۔ نگہت بھابھی کے گھر والے اسے گھیرے بیٹھے تھے اور اس پر واری صدقے جا رہے تھے۔ جب بوکھلائی ہوئی تائی جان نیچے آئی تھیں اور سرمد بھائی کو دادی کی طبیعت کا بتا کر اوپر آنے کا کہا تھا۔ سرمد بھائی جلدی سے اوپر گئے تھے۔ نوشی آپی وغیرہ بھی اوپر کی سیڑھیاں چڑھ گئے۔ عبیرہ سے بھی ضبط نہ ہو سکا تھا۔ وہ بھی اپنا گھیردار کامدانی فراک سنبھالتی اوپر بھاگی تھی۔ سرمد بھائی اور ہادی نے مل کر دادی کو ان کے بستر پر لٹایا تھا۔

”میں جا رہی ہوں‘ میرے بچوں‘ شکر ہے جانے سے پہلے تم سب کی صورتیں تو دیکھ لیں۔“ دادی کے لبوں سے بے حد نحیف آواز نکلی تھی۔ عبیرہ بے قراری سے دادی کے ہاتھ مسلنے لگی تھی۔

”میں گاڑی نکالتا ہوں۔ کارڈیو لے چلتے ہیں۔“ سرمد بھائی ہادی سے مخاطب تھے۔

”نہیں‘ مجھے کہیں نہیں جانا۔ میں اسپتال جا کر مرنا نہیں چاہتی‘ میں چاہتی ہوں یہیں تم سب کے درمیان آخری سانس لوں۔“ دادی کی سماعت اس بڑھاپے اور تکلیف کے اس عالم میں بھی قابل رشک تھی۔ انہوں نے سرمد بھائی کی تجویز فوراً“ مسترد کر دی تھی۔

"یوں تو مت کہیں اماں! آپ کے سوا کون ہے میرا۔ اللہ آپ کو زندگی اور صحت دے۔ آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔" تائی جان رو رہی تھیں۔

"ہمت کریں تائی جان' ان شاء اللہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ ہادی تم کسی ڈاکٹر کو تو بلاؤ۔" صاعقہ آپی نے تائی جان تو ساتھ لگا کر دلاسا دیا' پھر ہادی کو مخاطب کیا۔

وہ پہلے ہی موبائل کان سے لگائے ہوئے تھا۔ صاعقہ آپی کی بات سن کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

دادی دل پر ہاتھ رکھ کر تکلیف سے کراہ رہی تھیں کمرے میں موجود تمام نفوس بے حد بے چینی اور گھبراہٹ میں مبتلا تھے۔

"تمہارے ماں' باپ ہمیں چھوڑ کر رخصت ہوئے' اب تو ہمیں صرف آپ کی دعاؤں کا آسرا تھا۔ اب آپ بھی ہمیں چھوڑ کر جا رہی ہیں دادی۔" دادی کی متوقع جدائی سے نوشی آپی کو احساس ہوا تھا کہ کتنا قیمتی اثاثہ ان سے چھننے والا ہے۔ وہ خود پر قابو نہ رکھ پائیں اور زور' زور سے رونے لگیں۔

"نوشی کیا حماقت ہے یہ۔" امجد بھائی نے دبی زبان میں نوشی آپی کو ٹوکا۔

"میرے دونوں بیٹے اپنی تشنہ خواہشوں سمیت دنیا سے رخصت ہوئے۔ وہ ہی تشنگی میرا مقدر بنی۔ ایک چھوٹی سی خواہش تم لوگوں سے پوری نہ ہوئی۔ وہاں ان کی روحیں بے چین ہوں گی۔ اب ان میں ایک اور بے چین روح کا اضافہ ہو جائے گا۔" دادی کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر فقرہ برآمد ہوا۔ سب ہی ان کی بات سن کر تڑپ گئے تھے۔

"آپ کی خواہش ضرور پوری ہوگی اماں! کس کی مجال ہے' جو آپ کی خواہش ٹالے۔" تائی جان بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھیں۔

"سرمد! بیٹا بے شک تم نجیب کے بعد اپنے گھر کے سربراہ ہو' لیکن ابھی تمہارے بزرگ اور سرپرست زندہ ہیں۔ میں تمہاری ماں کی جگہ ہوں۔ ہادی اور عاطف کی ہی نہیں' میں تم سب کی بھی ماں ہوں۔ میری بات ٹال سکتے ہو؟" تائی جان سرمد بھائی سے مخاطب تھیں۔

"آپ حکم کریں تائی جان!" برسوں بعد تائی جان کا شفیق روپ دیکھا تو سرمد بھائی کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔

"اماں کی خواہش پوری کرو بیٹا! ہادی اور عبیرہ کو مضبوط بندھن میں باندھ دو۔ تمہارے اماں' ابا' تایا سب کی روحیں مطمئن اور خوش ہو جائیں گی۔ ہم لوگوں نے اتنے برس فضول کی ہٹ دھرمی کی نذر کر دیے۔" تائی جان اعتراف کر رہی تھیں۔ ایک لمحے کو کمرے میں سناٹا پھیل گیا تھا۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر تائی جان! مجھے انکار کی کب جرأت ہے۔" سرمد بھائی کی آواز نے سناٹا توڑا تھا۔

"ارے جو کرنا ہے جلدی کرو۔ میرے پاس اتنی مہلت نہیں ہے۔" دادی پھر کراہ رہی تھیں۔

سرمد بھائی نیچے بھاگے۔ نگہت کے ایک ماموں نکاح خواں تھے اور وہ اس وقت نیچے موجود تھے۔ سرمد بھائی انہیں بلا لائے۔ عاطف بھائی بھی پہنچ گئے۔ کچھ دیر پہلے ہادی نے انہیں دادی کی حالت کا میسج کر دیا تھا۔ وہ برق رفتاری سے وہاں پہنچے تھے۔

ہادی نے محلے کے جس ڈاکٹر کو فون کر کے آنے کی درخواست کی تھی۔ وہ بھی ضروری طبی آلات کے ساتھ آن پہنچا تھا اور اب دادی کا معائنہ کرنا چاہ رہا تھا۔

"پہلے نکاح ہو لینے دو بیٹا۔ اللہ جانے میرے پاس کتنی مہلت بچی ہے۔ میں زندگی کی یہ آخری خوشی تو دیکھ لوں۔" دادی نے ڈاکٹر کو قریب نہ آنے دیا۔

مولانا ماموں نے نکاح کی کارروائی شروع کر دی تھی۔ نوشی آپی نے عبیرہ کا پنوں کی مدد سے سیٹ کیا گیا زرتار دوپٹا کھینچ کھانچ کر چہرے پر گھونگھٹ ڈال دیا تھا۔ نک سک سے تیار دلہن اور ملگجی شرٹ اور بڑھی شیو والے دولہا کا چند منٹوں میں ہی نکاح پڑھایا گیا۔ مرد حضرات دولہا سے گلے ملنے لگے۔

ڈاکٹر صاحب بھی نکاح کے بعد کی دعا سے فارغ

ہو کر پہلے ہادی سے گلے ملے تھے' پھر دادی کا چیک اپ کرنے لگے۔ بہت دیر تک دادی کا تفصیلی چیک اپ ہوا تھا۔

"فکر کی کوئی بات نہیں' دل کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ محض گیس ٹربل تھی۔ سینے کی طرف گیس کا دباؤ ہو رہا ہو گا۔ جس کی وجہ سے درد محسوس ہوا ہو گا۔" ڈاکٹر نے جملہ حاضرین کو تسلی دی تھی۔

"اگر آپ کہیں تو اسپتال جا کر تفصیلی چیک اپ کروالیں۔" سرمد بھائی نے دل کی مکمل تسلی کی غرض سے پوچھا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدانخواستہ ہارٹ پرابلم کی کوئی علامت نہیں۔ میں دوا دے رہا ہوں اماں جی صبح تک بھلی چنگی ہو جائیں گی' ویسے اماں جی آپ نے دوپہر کو کیا کھایا تھا۔"

"آلو میتھی کھائی تھی بیٹا!" دادی نے آگاہ کیا۔

"بس ایسی چیزیں ریاح' بادی میں اضافہ کرتی ہیں۔ میں نے کہا نا صرف گیس ٹربل تھی اور کوئی مسئلہ نہیں۔ بس آئندہ اماں جی کے کھانے پینے کی احتیاط کرنی ہے۔ بڑھاپے میں ثقیل غذاؤں کے بجائے زود ہضم غذائیں کھانی چاہئیں۔" ڈاکٹر صاحب پوری طرح تسلی دلاسا دے کر اور فیس لے کر رخصت ہو گئے۔ دادی بھی تکیے کے سہارے بیٹھ گئی تھیں۔

"ٹھیک کہہ رہا تھا ڈاکٹر۔ بڑھاپے میں زود ہضم غذا کھانی چاہیے۔ نوشی بیٹا وہ سامنے سنگھار میز پر سے میرے "چورن" کی ڈبیا تو اٹھا دے۔ ہاضمے والا چورن ہے۔ تھوڑا سا پھانک لوں گی۔ ابھی دو چار ڈکاریں آکر طبیعت سنبھل جائے گی۔ ڈاکٹر کی دوا کھانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔"

دادی کی طبیعت میں واقعی خاصا "افاقہ" محسوس ہونے لگا تھا۔ کمرے میں تھوڑی دیر پہلے جو جذباتی فضا قائم ہو چکی تھی اب آہستہ آہستہ اس کا اثر تحلیل ہو رہا تھا۔ سب خاموش تھے اور کسی کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کیا بات کرے۔ تائی جان کی آواز نے ہی اس سکوت کو توڑا تھا۔

"سرمد' نوشی' صاعقہ! بیٹا میں نہیں چاہتی جو بے بنیاد رنجشیں اور تلخیاں پچھلے کئی برسوں سے ہمارے درمیان حائل رہی ہیں' وہ ایک بار پھر جنم لیں۔ اگر تم لوگ مجھ سے خفا ہو تو کھل کر اپنی خفگی کا اظہار کر لو۔ مجھے بھی اگر تمہاری کوئی بات بری لگے گی تو میں برملا کہہ ڈالوں گی لیکن اب میں خاندان کے بیچ کوئی تقسیم برداشت نہیں کروں گی۔ سدرہ کہتی ہے کہ امی ایک زندگی تو محبت کے لیے بھی ناکافی ہے آپ لوگ اس میں نفرت کی فرصت کیسے نکال لیتے ہیں۔ میں تم سب سے شرمندہ ہوں۔ میں بڑی تھی لیکن میں نے بڑے ہونے کا حق ادا نہ کیا۔ ٹھیک ہے ناراض ہونا میرا حق تھا لیکن اس ناراضی کو اتنے برسوں پر محیط نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ہم لوگوں نے کتنے برس فضول کی ہٹ دھرمی اور ضد کی نذر کر دیے۔" تائی جان تھکے تھکے انداز میں بول رہی تھیں۔

"آپ بالکل صحیح کہتی ہیں تائی جان! ہم بیتے برس واپس نہیں لا سکتے' مگر یہ کوشش تو کر سکتے ہیں کہ آئندہ ماضی والی غلطیاں نہ دہرائیں۔" صاعقہ آپی نے تائی جان کی بات کی تائید کی تھی۔

رشتے ناتے آسمانوں پر بنتے ہیں اور زمین پر طے ہوتے ہیں' تو اگر زمین پر طے ہونے والے رشتے کسی وجہ سے پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ پائیں تو نئی حقیقتوں کو فراخدلی سے تسلیم کر لینا ہی عین دانش مندی ہے۔ ان نئے رشتوں کے پیچھے پرانے رشتے داؤ پر نہیں لگانے چاہئیں آنٹی جی! آج آپ لوگوں کا خاندان پھر سے ایک ہوا ہے' ہماری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے۔"

بہت بردباری اور متانت سے یہ فقرے بولنے والے امجد بھائی تھے۔

نوشی آپی نے پہلے ایک اچٹتی نگاہ عاطف بھائی پر ڈالی' پھر محبت سے اپنے شریک سفر کو دیکھا۔

عاطف کا ساتھ جب اس کے نصیب میں درج ہی نہ تھا تو کیسے ملتا۔ سینے میں گڑی برسوں پرانی پھانس جیسے ایک دم سے باہر نکل گئی۔

"پھر میں نیچے آئے مہمانوں کو رخصت کر دوں۔"

نگہت بھابھی بھی جانے کب اوپر پہنچی تھیں اور اب سنجیدگی سے استفسار کر رہی تھیں۔ ان کی بات سن کر سب ایک دم چونک سے گئے۔ اس پہلو پر تو ابھی تک کسی نے غور ہی نہ کیا تھا۔

"نگہت بیٹا! میں تمہارے گھر والوں کو ساری صورت حال بتا کر ان سے خود معافی مانگوں گی۔" تائی جان نے انہیں شرمندگی بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں تائی جان۔ انہیں دادی کی طبیعت خرابی کا علم ہو گیا تھا۔ جو صورت حال اچانک پیش آئی اس کے مطابق عبیرہ اور ہادی کا نکاح کوئی انہونی بات نہیں اور پھر وہ ہی امجد بھائی والی بات کہ رشتے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ عبیرہ کے نصیب میں ہادی کا ہی ساتھ لکھا تھا اور سچ پوچھیے تو میرے دل سے ہمیشہ عبیرہ کی خوشیوں بھری زندگی کی ہی دعا نکلتی تھی۔ یہ اتنی پیاری فطرت کی مالک ہے' اسی لیے تو اللہ نے اسے اتنا پیارا سا جیون ساتھی عطا کیا' یہ اس کا نصیب تھا جو اسے مل گیا۔" نگہت بھابھی نے عبیرہ پر محبت بھری نگاہ ڈالی تھی۔

نگہت بھابھی کی اعلا ظرفی پر تائی جان کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"سرمد بیٹا! میں آج مان گئی۔ تیرا انتخاب واقعی لاجواب ہے۔ ہمارے گھر کو ایسی ہی بہو کی ضرورت تھی۔" تائی جان نے اتنے برسوں بعد نہ صرف نگہت بھابھی کو بہو تسلیم کیا تھا' بلکہ انہیں ساتھ لپٹا کر پیار بھی کیا تھا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں نیچے جا کر مہمانوں کو کھانا وانا کھلانا چاہیے۔ وہ سب ہمارے معزز مہمان ہیں ہم یوں سمجھ لیں گے کہ وہ آج عبیرہ اور ہادی کے نکاح میں شریک ہونے آئے ہیں۔" امجد بھائی شگفتگی بھرے لہجے میں مخاطب ہوئے۔

"ہاں... ہاں... بالکل میں بھی تم لوگوں کے ساتھ ہی نیچے چلتی ہوں۔ اماں اب آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" تائی جان نے دادی کو مخاطب کیا جو سچویشن میں "مرکزی کردار" ادا کر کے اب بہت اطمینان سے خاموش تماشائی بنی بیٹھی تھیں۔

"ہاں بہو! اب میں ٹھیک ہوں' تم نیچے جا کر مہمانوں کو دیکھو۔" انہوں نے فراخدلی سے اجازت دی۔

کمرے کا مجمع لمحوں میں چھٹ گیا تھا۔ تائی جان کی معیت میں سب نے ہی نیچے کا رخ کیا۔ صرف دلہن بنی عبیرہ دادی کے پاس بیٹھی رہ گئی۔ یہ نوشی آپی کی ہدایت تھی' انہیں عبیرہ کو ابھی نیچے لے جانا مناسب معلوم نہ لگا۔

"آپ نے تو آج میری جان نکال لی تھی دادی۔" عبیرہ جو اتنی دیر سے سر جھکائے بیٹھی تھی' اب دادی سے لپٹ گئی۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہے میری پوتی۔" دادی نے مسکرا کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"آپ کی پوتی اب میری بھی کچھ لگتی ہے دادی! اجازت ہو تو آپ کی اس پیاری سی پوتی سے دو چار باتیں میں بھی کر لوں۔" ہادی جو نکاح کے بعد جانے کہاں غائب ہو گیا تھا' اب ایک دم سے نمودار ہوتے ہوئے بولا۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔" عبیرہ نے خفگی سے رخ موڑا۔

"ارے واہ! خفا تو مجھے ہونا چاہیے' کس مزے سے تم آج کسی اور کے نام کی انگوٹھی پہن رہی تھیں۔ تمہیں میرا ذرا خیال نہ آیا؟ ٹھیک ہے تمہاری میری کوئی کمٹمنٹ نہ تھی لیکن میرے دلی جذبات سے تم بے خبر تو نہیں تھیں۔" ہادی شکوہ کر رہا تھا۔

"تمہیں تو ناعمہ اچھی لگنے لگی تھی۔ مجھے تو آج دادی نے زبردستی تمہارے سر تھوپ دیا۔" وہ سوں سوں کر کے رونے لگی تھی۔

"مجھے ناعمہ اچھی لگنے لگی تھی؟ لاحول ولاقوۃ! یہ خبر تمہیں کس نے دی؟" ہادی پوچھ رہا تھا۔

"میری سہیلی' ناعمہ کے پڑوس میں رہتی ہے۔ ناعمہ نے اسے بتایا اور اس نے مجھے۔" عبیرہ نے اپنی معلومات کا ذریعہ بھی بتا دیا۔

"ناعمہ کو ٹیوشن پڑھانا دادی کی پلاننگ کا حصہ تھا۔ میری وضاحت پر تو تمہیں یقین نہیں آئے گا' خود ہی پوچھ لو دادی سے۔ تمہارے میرے ساتھ کے لیے دادی کو کتنے پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔" ہادی نے مسکرا کر دادی کو دیکھا۔

"سچ سچ بتائیں دادی آج واقعی آپ کو لگا کہ آپ کے دل کے ساتھ کچھ گڑبڑ ہونے جارہی ہے یا یہ بھی پلاننگ کا حصہ تھا۔" ہادی شرارتی انداز میں استفسار کررہا تھا۔

"چل ہٹ! شک کررہا ہے مجھ پر۔" دادی نے اسے ایک دھپ رسید کی۔

"بے عزتی تو نہ کریں یار دادی! وہ بھی نئی نویلی دلہن کے سامنے۔" ہادی نے شانہ سہلایا۔ دادی ہنس پڑی تھیں۔ عبیرہ بھی مسکرادی۔

"دادی! اب ذرا آپ اپنے کان بند کرلیں' تو مجھے عبیرہ کو یہ بتانا ہے کہ یہ یوں مسکراتے ہوئے سیدھا میرے دل میں اتر رہی ہے۔" ہادی اب شرارت کے موڈ میں تھا۔ عبیرہ نے اسے گھورنا چاہا مگر اس کی محبت لٹاتی نگاہوں کا سامنا کرنا اسے آسان نہ لگا تھا' اس نے سٹپٹا کر نگاہیں جھکالیں۔

"یار دادی! پلیز ایک بار اور کان بند کرلیں' مجھے عبیرہ کو یہ بتانا ہے کہ یوں شرماتے ہوئے یہ میرے دل میں اور اندر تک اترتی جارہی ہے۔" ہادی مزید شوخ ہوا تھا۔

"پلیز دادی! آپ صرف ایک بار اپنی آنکھیں بند کرلیں' کیوں کہ میں اپنا سینڈل اٹھا کر ہادی کی طرف پھینکنے لگی ہوں اور آپ اسے چوٹ لگتے نہیں دیکھ پائیں گی۔" عبیرہ نے حساب برابر کردیا تھا۔ دادی دونوں پر محبت بھری نگاہ ڈال کر مسکرادیں۔ البتہ ہادی کا قہقہہ زوردار تھا۔

"تمہارے نکاح کے پُرمسرت موقع پر کسی نے ہماری ایک تصویر کھینچنے کی زحمت تک گوارا نہ کی' اگر آپ دونوں معزز خواتین اجازت دیں تو میں آپ دونوں کے ساتھ ایک سیلفی لے لوں۔" اب ہادی مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"آجا میرے لعل! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" دادی نے اسے اپنے پہلو میں جگہ دی۔ دادی کی دوسری جانب سمٹی سمٹائی عبیرہ بیٹھی تھی۔ دادی نے اپنے لاڈلے اور لاڈلی کو بانہوں میں سمیٹ کر مزید قریب کیا تھا اور ہادی نے ایک یادگار سیلفی لے لی۔

بعد میں ہادی نے یہ تصویر بڑی کروا کر اپنے بیڈ روم میں لگالی تھی۔ دادی اپنی طبعی عمر پوری کرکے رخصت ہوگئی تھیں مگر عبیرہ اور ہادی ہمیشہ خود کو ان کی دعاؤں کے حصار میں ہی پاتے۔

اور جب ہادی اپنے بچوں کو مزے لے لے کر اپنی اور عبیرہ کی انوکھی شادی کی داستان سناتا تو وہ داستان بھی دادی کے ذکر کے بغیر نامکمل رہتی۔ سچ یہی تھا کہ عبیرہ اور ہادی' دادی کی وجہ سے ایک ہوئے تھے لیکن دونوں ہی آج تک یہ بات نہ جان پائے تھے کہ اس روز واقعی دادی کا دل بے قابو ہوا تھا یا پھر جان سے پیارے پوتے' پوتی کو ایک کرنے کے لیے یہ بھی دادی کی پلاننگ کا حصہ تھا۔

ہاجرہ ریحان

کمزور۔۔۔ لاغر۔۔۔ بے جان سا جسم۔۔۔ ایسے مریض تو کئی بار میری نظر سے گزر چکے تھے، میں جو ہر نوعیت کی فلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتی تھی اکثر ہی جان لیوا بیماریوں میں مبتلا آخری سانسیں لیتے ہوئے مریضوں کو دیکھ چکی تھی۔ ان سے باتیں کرنا اور انہیں ان کی زندگی کے بچے کھچے دنوں میں خوش رکھنا بھی تو ایک فلاحی کام تھا جو میرا پسندیدہ تھا۔ خاص طور سے کینسر جیسے لاعلاج مرض میں مبتلا بچوں کی دل جوئی۔

اور اسی سلسلے میں آج میں اس فلاحی اسپتال آئی ہوئی تھی اور جاتے ہوئے ایمرجنسی کے داخلی دروازے پر اسٹریچر پر پڑے بے ہنگم پتلی سی چادر اوڑھے اس نازک جسم نے میرے باہر کی طرف جاتے قدم روک لیے تھے۔ چادر میں لپٹے اس وجود سے ایک پتلا گوشت سے مبرا ہاتھ بستر سے باہر لٹک رہا تھا۔ کسی نرس یا وارڈ بوائے کو توفیق نہ ہو سکی تھی کہ تکلیف میں مبتلا جسم کو مزید ہوتی ہوئی اس تکلیف سے نجات دلا دیتا کیونکہ چادر کے ہلکے ہلکے اوپر نیچے ہونے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ جسم میں ابھی بھی سانسیں بچی ہوئی ہیں۔

میں نے احتیاط سے۔۔۔ نرمی سے اس ہاتھ کو ہتھیلی سے پکڑا کہ اسے بستر کے اوپر چادر کے اندر کر دوں۔

اور پھر میں وہیں جم کر رہ گئی۔ ہتھیلی کے بالکل بیچ میں وہ کالا سا بڑا سا سیاہ نشان۔۔۔ برتھ مارک۔۔۔ یہ برتھ مارک تو اپنی نوعیت کا انوکھا نشان ہے۔ میں نے زندگی میں صرف ایک ہی کی ہتھیلی پر دیکھا تو کیا چادر کے اندر اٹک اٹک کر سانسیں لینے والا جسم۔۔۔ کیا یہ وہی ہے؟

"نہیں نہیں میرے مالک۔۔۔ پلیز نہیں۔۔۔" جس تیزی سے میں نے دل میں دعا مانگنی شروع کر دی تھی اسی تیزی سے جسم کے منہ پر سے چادر بھی اٹھا دی تھی اور پھر گم صم سی کھڑی رہ گئی تھی۔

"یہ تو۔۔۔ یہ تو۔۔۔ اسے تو اس وقت۔۔۔ اپنے گھر پر ہونا تھا۔۔۔ اپنے شوہر کے بنگلے پر۔۔۔ یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟ یہ اس حالت میں یہاں اس بستر پر کیوں پڑی ہے؟"

بخار سے تپتی پیشانی پر میں نے دو چار بار ہلکے ہلکے ہاتھ پھیرا تو اس نے ڈبڈباتی آنکھیں چند لمحوں کے لیے کھولیں۔ اس کی گرفت میرے ہاتھ میں ذرا سی دیر کے لیے مضبوط ہوئی اور پھر ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ اس خیراتی اسپتال میں لاوارث پڑی تھی اور اس سب کا ذمہ دار۔۔۔

اور ہر خاندان میں ایک ایسا کردار ہوتا ہے۔۔۔ وہ جو ہو کر بھی نہیں ہوتا۔۔۔ یا جس کی موجودگی ہم محسوس کرنے کی بھی زحمت۔۔۔ فرصت نہیں پاتے۔ اس کے ذمے ہے کہ وہ گھر کے ہر فرد کا خیال رکھے۔ اس کے ذمے ہے کہ مہمان۔۔۔ چاہے وہ گھر سے بیاہی ہوئی بڑی یا چھوٹی بہن ہو یا بھابھی یا ان ہی میں سے کسی کے بچے۔۔۔ وہ سب کے آگے بچھ جائے۔۔۔ سب کے چائے پانی۔۔۔ ناشتا کھانے کا انتظام کرے اور۔۔۔ اور۔۔۔ یہ وہ کردار ہے ہر خاندان کا جس پر جب بھی جس کا بھی دل چاہے، اپنی تیز زبان کو اور تیز کر کے حملہ آور ہو۔ اس کردار کو جھڑک دینا اس کو کھری کھری سنا دینا۔ اس کردار کو نااہل۔۔۔ نالائق اور دھرتی کا بوجھ بتانا، خاندان کے بچے بچے کا حق ہے۔ یہ کردار سوال نہیں کر سکتا۔۔۔ کرے گا بھی تو منہ کی کھائے گا۔ یہ فرمائش کرنے کا اور خود کو نمایاں کرنے کا بھی کوئی حق نہیں رکھتا۔ یہ کردار رات میں کہاں چھپ کر سو رہتا ہے۔ دن بھر اپنے آپ سے کون سی جنگ میں مصروف رہتا ہے۔ یہ کردار اپنی زندگی کے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ ہم نہ تو ایسے کرداروں کو اتنی اہمیت ہی دیتے ہیں نہ ہی ہمارے پاس فرصت ہوتی ہے۔۔۔ اور وہ۔۔۔ وہ نہ جانے کب اس کردار میں ڈھل گئی، کسی کو کانوں کان خبر نہ

ہو سکی۔ یہاں تک کہ مجھے بھی نہ ہو سکی.... میں جو خود
کو اس کے اتنا قریب سمجھتی تھی' اس کو اتنا سنبھال
رکھتی تھی' یہ ایک رات میں تو نہیں ہوا۔ آہستہ
آہستہ... دبے قدموں کچھ یوں کہ مجھ جیسی باخبر کو بھی
خبر نہ ہو سکی۔

اور پھر اندازہ ہوا تو اس وقت جب وہ رخصت ہو کر
پیا دیس چلی گئی اور پھر جیسے اس نے تمام بدلے بس
ایک نہ ملنے میں اٹھا رکھے تھے۔ وہ پیا دیس سے میکے
ہمیشہ اس وقت آتی جب ہم سب چھٹیوں پر یا کسی
شادی بیاہ کے سلسلے میں گھر سے باہر ہوتے اور پھر میری
شادی کے بعد تو اس سے ملاقات ایک خواب بن کر رہ
گئی۔

"وہ کس سے چھپ رہی ہے؟" عارج اکثر جھنجلا
کر مجھ سے پوچھ بیٹھتا۔

"ہم م م...!" میں اپنے گمبھیر لہجے میں جواب
دیتی۔ "وہ چھپ نہیں رہی ہے عارج... میں اسے
جانتی ہوں' وہ خود کو مضبوط دکھاتے دکھاتے تھک گئی
ہے۔ میرے یا تمہارے سامنے آکر خود کو بے بس کرنا
نہیں چاہتی... رونا نہیں چاہتی۔"

"نہیں آپا... وہ حد سے زیادہ خود غرض ہو گئی ہے۔
اترا گئی ہے۔ اسے اتنا بڑا آدمی جو مل گیا ہے... بڑا
بنگلہ... نوکر چاکر... باغ... سب کچھ تو ہے اس کے
پاس... اب ہمیں ملنے کے قابل ہی نہیں سمجھتی۔"

میری... عارج اور عطیہ کی مثلث دوستی... لوگ
مثالیں دیتے کہ جس طرح کسی بھی سکے کے دو رخ
ہوتے ہیں ایک دوسرے سے جڑے جڑے یہاں
سکے کے تین رخ ہیں۔ چلو عارج تو میرا چھوٹا بھائی ہی
ہے مگر عطیہ... اپنے مخصوص انداز میں دبے قدموں
ہم میں شامل ہو گئی۔ سکے کا تیسرا رخ بن گئی۔ میں...
عارج اور عطیہ...

ہماری دوستی کی پہلی وجہ شاید ہمارے بن ماں باپ کا
ہونا تھا۔ اس کے والد میرے سگے چچا تھے۔ یہ بہت
زمانے پہلے کی بات ہے جب عطیہ شاید تین سال کی
تھی چچا جان چچی جان (عطیہ کے والدین) اور ممی بابا
یعنی میرے اور عارج کے والدین روڈ حادثے میں جاں
بحق ہو گئے۔ میں پندرہ سال کی تھی اور عارج آٹھ
سال کا... مجھے اپنا اور عارج کا دکھ کم تھا' مگر عطیہ پر زیادہ
افسوس تھا کہ چچا جان کی لاپروا زندگی اور اچانک موت
کے بعد عطیہ کو وراثت میں صرف خاندان کا نام ملا تھا۔

بڑے ابا نے خاندان کے تینوں لاوارث بچوں کو اپنی
حفاظت میں لے لیا' مگر ان کے خاندان کا رویہ ہم
دونوں بھائی بہنوں سے ہمیشہ امتیازانہ ہی رہا کیوں کہ
ہمارے والدین نے ہمارے لیے اتنا کچھ چھوڑ دیا تھا کہ
نا صرف ہمارے لیے پورا تھا بلکہ بڑے ابا بہت آسانی
سے اپنے چار بچوں کو بھی اسی سرمایہ کے بل بوتے پر
ملک سے باہر پڑھنے بھیج چکے تھے جہاں وہ خود پر...
اپنے بچوں پر... ہمارے والدین کے چھوڑے ہوئے
پیسوں سے خرچا کرتے تھے۔ مجھے اور عارج کو بھی
ٹھاٹ سے رکھتے تھے' مگر عطیہ... اس بے چاری کو...
ایک کونے میں دھکیل دیا گیا تھا۔

خاندان میں آنا جانا' ملنا ملانا' رشتہ داری نبھانا... یہ

سب بڑے ابا ہمیشہ میرے ساتھ کیا کرتے اور یوں میں خود بخود ایک ایسے روپ میں نکھر گئی جو پورے خاندان پر فوقیت رکھتا ہے۔ کہیں بھی شادی۔۔۔ منگنی۔۔۔ بچے کی پیدائش۔۔۔ کوئی باہر جارہا ہے۔۔۔ کسی کو نوکری مل گئی ہے۔۔۔ کوئی کسی کو پسند کرکے شادی کا خواہاں ہے۔۔۔ مجھے ہر ایک بات کی سب سے پہلے خبر ملتی تھی۔

عارج کے انٹر کے بعد لندن جاکر تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے میں مجھے کوئی تگ و دو نہ کرنی پڑی۔ بڑے ابا نے محبت اور شفقت کے سائے میں اسے انگلستان روانہ کردیا۔ میں یہ بھی جان چکی تھی کہ بڑی امی عارج کو داماد کی صورت کب سے قبول کرچکی ہیں، مگر عطیہ کی طرف۔۔۔ عارج کا جھکاؤ۔ یہ میری نظروں سے چھپا ہوا تو نہیں تھا۔

عطیہ کو میں حتی الامکان اپنے سے لگا کر رکھتی تھی، مگر وہ خود بخود ایک شرمیلی اور جھکی نظروں والی لڑکی بن گئی۔ جب تک چھوٹی رہی، میری گود میں لٹک کر میرے ساتھ ساتھ ہر جگہ چلی جاتی، مگر بڑے ہوتے ہوئے اس نے خود کو سمیٹ لیا۔ اس نے بڑے ابا کی نظروں میں آنے کے لیے کیا کیا نہیں کیا۔ گھر کی ذمہ داری اٹھالی۔ باورچی خانے کا کام سنبھال لیا۔ یہاں تک کہ بڑی امی کی بیماری میں رات بھر جاگنے اور ان کا خیال رکھنے کی ذمہ داری بھی اس کی بن گئی، مگر جتنا میں اسے خود سے قریب کرنے کی کوشش کرتی، وہ خود کو سمیٹ لیتی۔ عارج کے ساتھ بھی اس کا رویہ سرد ہوگیا تھا۔ میں جانتی تھی کہ وہ سب بڑے ابا کی خوشنودی کے

ہوگیا تھا کہ وہ اس سے چھپنے لگی ہے۔ ہم دونوں بھائی بہن میں بہت سی باتیں بغیر کہے ہی طے ہوجاتی تھیں۔ میں عارج کی نیت جان گئی تھی اور کیونکہ میں نے عطیہ کو بچپن میں گودوں میں کھلایا تھا میں اسے بھی اچھی طرح جانتی تھی۔ ضدی وہ بھی کچھ کم نہیں۔ میں نے بخود عارج کی یک طرفہ محبت کو پروان چڑھتے دیکھ رہی تھی اور نہیں جانتی تھی کہ عطیہ کیا چاہتی ہے اس کے ایک اشارے کی دیر تھی۔ میں کھٹ سے دونوں کی منگنی کروادیتی۔ مگر اسے بڑے ابا اور بڑی امی کی دشمنی منظور نہیں تھی۔

میری شادی کے بعد۔ میرے سسرال میں مصروف ہوجانے کے بعد۔ ہم دونوں کی دن بھر چلتے پھرتے ایک دوسرے پر جو دوستانہ نظر پڑتی تھی وہ بھی نہ رہی۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی جب مجھے بڑے ابا نے خوش خبری سنانے کے لیے فون کیا کہ عطیہ کا ایک بہت اعلا گھرانے سے رشتہ آیا ہے اور انہوں نے ہامی بھرلی ہے۔ میں یہ تو نہ کہہ سکی کہ بڑے ابا نے مجھ سے کیوں نہ صلاح کی۔ مگر میرے دل میں کھٹکا سا ہوا۔ بڑے ابا کوشش میں تھے کہ جلد از جلد عطیہ کو رخصت کردیا جائے۔ آخر کو ان کی اپنی بیٹی بھی تو عارج کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ عطیہ کے سامنے یہ سب کرنا۔ ہونا۔ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ میں نے بڑے ابا سے گزارش کی کہ مجھے اور میرے شوہر کو لڑکے سے ملنے کی اجازت دیں۔ یا اسے کہیں کہ مجھ سے مل کر جائے۔ جب میں نے لڑکے کو۔ جس کے لیے لڑکے کا

لیے کررہی ہے۔ آخر کو بڑی امی کی پسند ہو اور خاندان بھر میں ڈھنڈورا نہ پٹے۔ کیسے ہوسکتا تھا۔ معمولی سی تعلیم حاصل کرکے اس نے خود پر خرچے کے تمام دروازے بند کروالیے تھے۔ شوق بھی کوئی نہیں تھا۔ سادگی سے رہتی۔ میں نے کئی بار کوشش کی کہ گرمیوں کی چھٹی میں وہ بھی خاندان کے دوسرے بچوں کے ساتھ گھومنے نکل جائے۔ یا پھر سردیوں میں عارج کے آنے پر جو ہلچل ہوتی اس میں ہی شامل رہے۔ مگر اس نے کچھ اس طرح ہار مان لی تھی کہ عارج کو بھی محسوس

لفظ بالکل بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ دیکھا تو دنگ رہ گئی۔ کیا بڑے ابا نے عطیہ کو تصویر نہیں دکھائی؟ عطیہ پاگل تو نہیں ہوگئی ہے۔ اپنی عمر سے دوگنے کیا تگنے شخص سے شادی۔ اور جب میں نے صاحب بہادر کے قصے خود ان کی منہ زبانی سنے تو خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ میرے شوہر بھی حد سے زیادہ ناراض ہوگئے۔

"یہ کیا تماشا کررہے ہیں تمہارے خاندان والے۔ یہ شخص صرف اس لیے شادی کررہا ہے کہ اسے شہر میں اپنے بنگلے پر مہمانوں کو بلانے اور رکھنے کے لیے

گھر چلانے والی عورت چاہیے۔ اس کے اپنے بال بچے ہیں۔ گاؤں میں بیوی بھی ہے۔ یہ تو سراسر زیادتی ہے۔"

شوہر صاحب کا لیکچر ۔۔۔ جاری رہا میں بھی پریشان تھی۔ بات مجھ تک اس وقت پہنچائی گئی تھی جب بقول بڑے ابا شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ میں عطیہ سے دوسرے ہی دن ملنے پہنچ گئی۔

"یہ کیا دیوانہ پن ہے؟" میں نے لہجے میں سختی لاتے ہوئے کہا۔ دن بھر اس سے بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے رات ہو چکی تھی۔ اس نے دھیمے سے مسکرانے پر اکتفا کر لیا۔

"آپ کو دیر ہو چکی ہے آپا۔ بڑے ابا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اب کیا آپ میں ہمت ہے کہ جا کر ان سے استفسار کر سکیں۔؟" میں ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی۔

"تو اسی لیے تو تم سے پوچھ رہی ہوں کہ کیا مجھے پہلے نہیں بتا سکتی تھیں۔ مجھے ایک فون ہی کر دیتیں۔ میں آ کر یہ سب تماشا شروع ہونے سے پہلے ہی بات ختم کرا دیتی۔ پھر عارج۔ اس کو کیا جواب دوں گی۔؟"

میں عارج کا سوچ کر روہانسی ہو گئی۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔ شاید چھلکنے کے ڈر سے۔

"آپ فکر نہ کریں۔ ان کو۔ میں جواب دے چکی ہوں۔"

وہ روٹھی ہوئی بچی۔ کسی سے کبھی نہیں روٹھی۔ بس اپنے آپ سے روٹھ گئی تھی۔ اسے اپنے سے دشمنی تھی اور میں۔ بے بس ہو کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ ایک دل تو ہوا کہ ہاتھ پکڑ کر دو چار کپڑوں کے ساتھ ابھی اسی وقت اپنے گھر لے جاؤں۔ مگر بڑے ابا۔ مجھے ان سے جو محبت اور انسیت تھی، میں ان کو بھی دکھ نہیں دے سکتی۔ کس منہ سے ان سے کہوں کہ بڑے ابا یہ زیادتی ہے۔ سراسر ظلم ہے۔ انہوں نے ہم تینوں کو پالا۔ عزت سے گھر میں رکھا۔ کیا یہ صلہ دوں اب ان کو بڑھاپے میں۔ اور بس یہی سب سے بڑی کمزوری میری سب سے بڑی غلطی بن گئی اور سزا۔

سزا تو ہر صورت اس خاموش کردار کو ہی ملنی تھی۔

اس کی شادی کو ابھی دن ہی کتنے ہوئے تھے۔ دو سال اور کچھ مہینے۔ وہ ان دو سالوں میں شاید دو بار ہی بڑے ابا کے ہاں آئی تھی۔ میں نے اسے اپنے گھر بلانے کی بہت کوشش کی مگر اس سے تو بات کرنے کے لیے بھی بڑے ابا کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ سو ہر بار انکار ہی ملتا۔ میں عارج کی وجہ سے بھی کچھ دنوں کے لیے خاموش ہو جانا چاہتی تھی۔ وہ۔ ایک بار خود کو سنبھال لے۔ آگے بڑھ جائے تو میں عطیہ کو گھر بے دھڑک بلا لیا کروں گی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ حالات اس قدر خراب تھے۔ بڑے ابا نے آج تک مجھے عطیہ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں خبر نہیں ہونے دی تھی نہ ہی مجھ میں اتنی ہمت ہی تھی۔

اور آج یہاں۔ عطیہ کو اس خراب حالت میں اکیلے اسپتال میں پڑے دیکھ کر مجھے سب اندازہ ہو گیا تھا۔ ابھی شاید پرسوں ہی بڑے ابا نے بتایا تھا کہ ان کی عطیہ سے بات ہوئی ہے اور وہ بہت خوش تھی۔

"اف۔ اتنا جھوٹ۔ اتنا دھوکا۔"

مجھے عطیہ پر جھکے ہوئے دیکھ کر ایک نرس اور ایک انجان آدمی جو شکل سے ملازم لگ رہا تھا قریب آ چکے تھے۔ نرس مجھے جانتی تھی۔

"میڈم جی۔ آپ فکر نہ کریں۔ ابھی ایمرجنسی میں جگہ نہیں ہے، جیسے ہی جگہ بنے گی ہم مریضہ کو اندر لے جائیں گے۔"

نرس نے مجھے دکھانے کو بے ہنگم چادر کو ٹھیک کرنا شروع کر دیا۔ میں نے ملازم کی طرف دیکھا تو نرس پھر سے بولی۔

"یہ مریضہ کا بھائی ہے میڈم جی۔"

میں تھوڑی دیر کے لیے ششدر رہ گئی۔ پھر میں نے تحکمانہ انداز میں ملازم کو باہر کھڑی بہت سی ایمبولینس میں سے ایک کو دروازے کے پاس لانے کا کہا۔

"کیوں جی؟" دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اس لیے کہ میں اسے کسی اچھے اسپتال لے کر

جا رہی ہوں۔"
پھر میں نے ملازم کو گھورتے ہوئے بتایا کہ میرا اور عطیہ کا کیا رشتہ ہے لہٰذا مجھ سے یہ ناٹک نہ کیا جائے۔ نرس نے غائب ہو جانے میں عافیت سمجھی اور ملازم ڈر مارے کے بے چوں چراں میری ہدایات پر عمل کرنے لگا۔ باہر نکلی تو شاہ بابا۔ (میرے شوہر کے پرانے ڈرائیور) بھی لپک کر آ گئے۔
میں نے ملازم کو واپس کر دیا اور شاہ بابا کو گاڑی لے کر ایمبولینس کے پیچھے آنے کا کہہ کر عطیہ کے ساتھ ہی ایمبولینس میں سوار ہو گئی۔ پورے راستے میں اسے ہلکے ہلکے آواز دیتی رہی وہ بھی گھبرا کر اٹھنے کا کرتی بھی سر جھٹک کر رہ جاتی۔ پرائیویٹ اسپتال میں جو میرے دیور کا تھا مجھے عطیہ کو داخل کروانے میں کوئی دقت نہ ہوئی بلکہ صحیح معنوں میں ایمرجنسی میں عطیہ کو ٹریٹمنٹ مل گئی۔ چار یا پانچ گھنٹوں کی تگ و دو کے بعد اس کی حالت اس قابل ہو گئی تھی کہ اسے اسپتال کے کمرے میں شفٹ کر دیا گیا تو میری جان میں جان آئی اور میں نے کمرے میں جاتے کے ساتھ ہی پہلے شکرانے کے نفل پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی صحت و تندرستی کی دعائیں بھی کیں۔
پندرہ بیس دن تک اسپتال میں رہنے کے بعد عطیہ کو فارغ کر دیا گیا مگر مجھے تمام ہی ڈاکٹرز نے سختی سے ہدایات کر دی تھیں کہ اسے ابھی بہت زیادہ سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹرز کے مطابق۔ عطیہ کو نمونیا کے ساتھ ساتھ شدید قسم کے ذہنی دباؤ کا بھی سامنا تھا جس کا صرف سکون اور مستقل احتیاط ہی واحد حل تھا۔
اتنے دنوں تک میں نے عطیہ کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا تھا اور شاید ملازم نے ڈر کے مارے اپنے مالک یعنی عطیہ کے شوہر کو بھی کوئی خبر نہیں کی تھی یا اگر کی بھی تھی تو اسے پروا نہیں تھی۔ اب عطیہ ویسے بھی اس کے کس کام کی تھی۔
عطیہ... اپنے ڈسچارج ہونے پر بہت پریشان تھی اور دن بھر وحشت آمیز نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی رہی تھی۔ میں نے اسے اطمینان دلایا کہ وہ میرے ساتھ میرے گھر جا رہی ہے تو اور پریشان ہو گئی مگر اب اس کی کوئی بھی بات میں سننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ بار بار روہانسی ہو کر مجھے بڑے ابا کے ناراض ہونے سے ڈراتی۔ کبھی میرے شوہر کے بارے میں پوچھتی کہ وہ کیا کہیں گے۔ میرے سسرال میں لوگ باتیں بنائیں گے۔ مگر میں اس کی ہر بات کا جواب پہلے سے سوچ چکی تھی۔ اور جواب ایک ہی تھا۔
"بس اب تم میرے پاس رہو گی چاہے کچھ بھی ہو۔"
میں دکھی تھی تو اس بات پر کہ آج سے پہلے میں نے اس طرح فیصلہ اپنے ہاتھ میں کیوں نہ لیا۔ کیا میں بھی یہی چاہتی تھی۔ اس سے تو بہتر تھا کہ ہم سب مل کر عطیہ کو بچپن میں ہی زہر دے دیتے یا پھر۔ پتا نہیں۔ میں خود سے الجھتے الجھتے تھک جاتی۔ اور یہ بھی سوچ سوچ کر پریشان تھی کہ میں عطیہ کو لے کر تو جا رہی ہوں مگر اس کا مستقبل کیا ہو گا۔
عارج نے اپنی پڑھائی مکمل کر کے اپنا الگ فلیٹ لے لیا تھا' وہ میری شادی کے بعد شاذونادر ہی بڑے ابا کے پاس گیا ہو گا۔ بڑے ابا اور بڑی امی کئی بار مجھے عارج کی شادی کے لیے کہہ چکے تھے اور میں ٹال چکی تھی۔
عطیہ کے آنے کے بعد سے عارج کا میرے گھر پر آنے کا روٹین وہی تھا یعنی چھٹی کا دن وہ میرے گھر ضرور آتا تھا مگر ایک بار بھی اس نے عطیہ سے ملنے کی خواہش نہیں کی تھی اور نہ ہی عطیہ کی طرف سے ایسی کوئی بات ہوئی تھی۔ اتنا تو میں جانتی تھی کہ وہ عام لڑکیوں کی طرح بہانے سے عارج کے سامنے آنے کی کوشش کبھی بھی نہیں کرے گی نہ ہی فون پر بات کرے گی۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ جب بھی میری باتوں میں ذکر آتا کہ عارج کب اور کس وقت تک آئے گا وہ کچن میں جا کر شامی کباب بنا دیتی تھی۔
اس کے ہاتھ کے شامی کباب عارج کو بہت پسند تھے۔ وہ مزے سے ٹرے میں رکھے سارے شامی کباب چٹ کر جاتا۔ اور ٹفن میں گھر لے جانے کے لیے پیک کیے گئے شامی کباب بڑے سکون سے گاڑی

میں رکھوادیا کرتا۔ مگر ایک لفظ بھی شکریہ یا تعریف کا نہ نکلتا۔ میں اگر توجّہ کے لیے کچھ کہتی تھی تو بات بدل دیتا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ اپنی محبت کی انا میں ایک دوسرے سے نجانے کب کب کے بدلے لے رہے تھے۔ مگر پھر اس دن سارے بدلے۔ ساری انا۔ ہوا میں تحلیل ہوگئی۔ جس دن بڑے ابا اچانک میرے گھر آگئے۔

وہ چھٹی کا ہی دن تھا مگر اتفاق سے میرے شوہر کسی میٹنگ کے سلسلے میں شہر سے باہر تھے اور میں عارج سے کہہ چکی تھی کہ دو تین دن میرے ہی گھر پر رہ جائے جس پر ہم سوچ رہے تھے کہ بڑے ابا کے آنے کی اطلاع ملی۔ میں نے عزّت و احترام سے بڑے ابا کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور خاطر مدارات کرنے دوڑنے لگی۔

بڑے ابا نے عطیہ سے ملنے کا کہا۔ عارج سامنے بیٹھا تھا اور میں نہیں چاہ رہی تھی کہ عارج کے سامنے بڑے ابا عطیہ سے کوئی بھی باز پرس کریں۔ اور عطیہ کی طبیعت ابھی سنبھلی ہی تھی کہ یہ افتاد۔ مگر بڑے ابا بضد ہوگئے۔ آخر کار میں عطیہ کو لے آئی۔ عطیہ سہمی ہوئی بچی کی طرح آکر صوفے کے کونے پر سمٹ کر بیٹھ گئی۔ بڑے ابا اس کے بالکل سامنے والے صوفے پر براجمان تھے جبکہ عارج اور میں ایک طرف رکھے صوفے پر تھے۔

"ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔ سامان سمیٹو اور چلو۔" بڑے ابا نے نخوت سے عطیہ کی طرف تھوڑی دیر دیکھنے کے بعد تحکمانہ انداز میں کہا۔

"یہ کہیں نہیں جائے گی۔" اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی عارج بھی تحکمانہ انداز میں بول چکا تھا۔ میں گھبرا گئی۔ جس بات سے اب تک میں بچ رہی تھی اور جس سے بچانے کے لیے عطیہ نے اتنی قربانیاں دی تھیں آخر کار ہونے جا رہی تھی۔

عطیہ کی حالت غیر ہونے لگی۔ اس کے ہاتھ کپکپانے لگے اور ایک لرزہ سا پورے جسم پر طاری ہوگیا۔ وہ اپنی جگہ تو بیٹھی رہی مگر جیسے ایک طرف لڑھک گئی۔ میں نے جلدی سے کھڑے ہو کر عطیہ کو

بانہوں میں بھر لیا۔ اور اس کا سر اپنے کندھے سے لگا کر دلاسا دینے لگی۔ بڑے ابا بھی اپنی جگہ جز بز ہو رہے تھے' ان کے پاس کہنے کو شاید کچھ رہا نہیں تھا یا وہ بھی موقع کی نزاکت کو اب سمجھے تھے۔

"ارے۔ مگر۔ اس کا شوہر ہے۔ ایسے کیسے تم کسی کی بیوی کو۔ جس بے جا میں رکھو گے تو منہ کی کھاؤ گے۔" بڑے ابا جلال میں آکر اونچی آواز میں چنگھاڑے۔

"اس کے شوہر کی ایسی کی تیسی۔ میں دیکھتا ہوں وہ کمینہ کیا کرتا ہے۔ یہ اپنے شوہر سے خلع لے گی۔ بس۔ اب واپسی کی کوئی صورت نہیں۔ آپ اس کو بتا دیں۔ ویسے ایک دو دن میں اسے کورٹ کی طرف سے سمن مل ہی جائے گا۔"

عارج کچھ اس اعتماد سے بول رہا تھا کہ ایک لمحے کے لیے تو میں بھی حیران رہ گئی۔ یہ سب باتیں کب ہوئیں۔ کس کے مابین ہوئیں۔ یا یوں ہے کہ یہ ابھی ابھی عارج نے سوچا۔؟

کچھ خبر نہیں تھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں پُرسکون سی ہوگئی تھی۔ پہلی بار مجھے عطیہ کا مستقبل محفوظ نظر آرہا تھا۔ وہ فیصلہ جو ہم دونوں بھائی بہن کو بہت پہلے کرلینا چاہیے تھا دیر سے ہی سہی اب کر چکے تھے۔

عارج نے میری طرف نظر کی اور میری اجازت نظروں ہی نظروں میں پا کر وہ کھڑا ہوگیا۔

"چلیں بڑے ابا! میں آپ کو آپ کی گاڑی تک چھوڑ آؤں۔" عارج نے بڑے ادب سے بڑے ابا سے کہا۔

بڑے ابا حیران رہ گئے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی بات کے اس طرح ختم ہوجانے کی امید نہیں تھی۔ انہوں نے گھبرا کر اور۔۔۔ کچھ مدد طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔

میں نے عطیہ کو ایک بار پھر خود سے لپٹاتے ہوئے سکون سے جواب دیا۔

"بہت خوشی ہوئی کہ آپ تشریف لائے بڑے ابا۔ بڑی امی کو میرا سلام کہیے گا۔ خدا حافظ۔"

ایمل رضا

چن پردیسیاں

"لو جی فلائٹ تو پھر چھ گھنٹے لیٹ ہو گئی ہے۔"

فیروزہ تائی نے ڈرائنگ روم میں آکر بم پھوڑا' جو اپنے آپ ہی پھٹ کر پھس ہو گیا۔ ڈرائنگ روم میں کوئی نہیں تھا اور خالی ڈرائنگ روم میں ان کی اپنی آواز ہی گونج کر رہ گئی تھی۔ مایوس ہو کر پیچھے پلٹیں تو خوش قسمتی سے وہاں **حفصہ** چاچی کھڑی تھیں۔

"کیا ہوا؟" جیٹھانی کے چہرے پر ہوائیاں اڑتے دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔

"فلائٹ چھ گھنٹے لیٹ ہے۔" اب کے لہجے میں کوشش کے باوجود بھی بم والی تاثیر نہ پیدا ہو سکی۔

"ہائے اللہ پھر لیٹ" **حفصہ** چاچی چیخ مارنے والے انداز میں بولیں۔ وہ تیار شیار ہوئی امریکہ پلٹ بھتیجیوں کا استقبال کرنے کو بالکل تیار کھڑی تھیں۔ یہ چیخ دوبارہ میک اپ کرنے کی کوفت کے زیر اثر نکلی تھی۔

"ہائے کیا ہوا میری بچی!" بڑی اماں بھی اپنا ڈولتا وجود لیے دروازے میں نمودار ہوئیں۔

"کیوں اتنا چلا رہی ہے بہو! لاؤڈ اسپیکر نگل لیا کیا۔"

بڑی اماں صرف کہنے کو پرانے زمانے کی تھیں ورنہ نئے دور کی ہر چیز (موبائل سمیت) کو انہوں نے ایسا اپنایا تھا کہ خود نوجوان نسل ان کے آگے شرمندہ ہو جاتی تھی۔

"اماں! ماریہ' فاریہ کی فلائٹ پھر لیٹ ہے۔ پورے

چھ گھنٹے۔۔۔ ابھی ابھی عثمان کا فون آیا ہے۔۔۔ کہہ رہا ہے کہ دوپہر کے کھانے کے بجائے اب رات کے کھانے کی تیاری کریں اور دعا کریں کہ یہ جہاز اتر جائے یا فضا میں ہی کہیں غرق ہو جائے۔ میں تو کل رات سے ایئر پورٹ پر بیٹھا سوکھ گیا ہوں۔" فیروزہ تائی نے بڑی روانی سے تفصیل سنائی۔

"اے۔۔۔ لو۔۔۔ پھر لیٹ۔۔۔ وہ بھی پورے چھ گھنٹے۔"

"اسی بات پر تو میں چلا رہی تھی امی۔" حفصہ چاچی نے اپنی خفگی مٹانے کی کوشش کی۔

"خیر' تیری تو کچھ عادت بھی ہے بہو۔۔۔ لیکن یہ فلائٹ کیوں بار بار لیٹ ہو رہی ہے۔ ویسے جہاز اڑتے پھرتے ہر وقت ہی آسمان پہ نظر آتے رہتے ہیں اور آج ہماری بچیوں نے آنا ہے تو۔۔۔ ہائے میرا بیٹا کل رات سے بیٹھا ہے ایئر پورٹ۔۔۔ اور اس کا دوست بھی تو ساتھ ہے جس کی کار ہے۔"

"کیا کہا جاسکتا ہے اماں!"

"پہلے صبح کا ناشتا تیار کرنے کا سوچا تھا۔ پھر دوپہر کا لنچ بنانے کا فیصلہ کیا۔۔۔ اب رات کے ڈنر کی تیاری کرو۔" بڑی اماں آرام کرسی پہ بیٹھ کر جھولنے لگیں۔۔۔ تب ہی ڈرائنگ روم میں ریحانہ داخل ہوئی۔

"اور ریحانہ میری بچی تو شام کو پھر نہائی۔۔۔ تجھے ایک موقع اور مل گیا۔"

"کیوں قیدیوں کی طرح پوچھ پڑتال شروع کر دی تم نے بے چاری بچی سے۔" حفصہ چاچی ہمیشہ اس کی حمایت لیتی تھیں۔

"ریحانہ! تو جا میرے کمرے میں۔۔۔ جا کر بال اسٹریٹ کر لے۔۔۔ اور فلائٹ لاہور اتر جائے۔ (اللہ کرے اتر جائے) تو پیارا سا میک اپ بھی کر۔۔۔ امریکہ سے آ رہی ہیں' وہ امریکہ سے۔۔۔ بہت پیاری لگے تو بھی ان کے سامنے۔۔۔ ہماری بچی کوئی کم تھوڑی نہ ہے کسی سے۔"

حفصہ چاچی کی طرف سے یوں کھلی چھٹی ملی تو وہ نظر بچا کر اپنی ماں کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے نکل گئی۔

"کوئی میرا بنارسی دوپٹا بھی استری کر دے' کب سے کہہ رہی ہوں۔"

"ہاں اماں! اچھا یاد کروایا تم نے۔۔۔ میں ابھی استری کر کے لائی۔" حفصہ چاچی بھی کمرے سے چلی گئیں۔

"اور تو فیروزہ۔۔۔ کوئی دھنیا' پودینہ' سبز مرچ کٹوانی ہے تو لائیں ادھر بیٹھے بیٹھے ہی کاٹ دوں۔"

"جی اماں۔۔۔ میں دھو کر لائی بس۔"

"نا۔۔۔ نا۔۔۔ بہو۔۔۔ دھو کر نہ لانا۔۔۔ مٹی کے ساتھ ساتھ جان بھی نکل جاتی ہے دھنیے میں سے۔۔۔ میں کاٹ دوں گی' تو بعد میں دھو لینا۔"

"نہیں اماں۔۔۔ سبزیاں کاٹنے سے پہلے دھونی چاہئیں۔۔۔ ورنہ ساری غذائیت بھی بہہ جاتی ہے دھونے کے ساتھ۔" فیروزہ تائی نے پروفیشنل شیف

ناولٹ

کی طرح کہا اور ثابت کردیا کہ وہ کوکنگ شوز کی کوئی قسط مس نہیں کرتی ہیں۔ بلکہ نشر مکرر بھی دیکھتی ہیں۔

"اے کیا ساری غذائیت آج ہی کھلائے گی..... مت دیکھا کر اتنے کوکنگ شوز..... جا لہسن ادرک لا دے پھر..... اور ٹی وی لگا جا..... میں دیکھوں آج کیا ناچ گانا چل رہا ہے مارننگ شوز میں۔"

ہنستے ہوئے فیروزہ تائی نے ٹی وی آن کردیا اور ریموٹ اماں کو پکڑا کر خود کچن میں چلی گئیں۔

آج گھر میں منیر چچا کی دونوں بیٹیاں ماریہ اور فاریہ آرہی تھیں۔ امریکہ سے..... جن کے رشتے تائی فیروزہ کے صاحبزادوں 'عثمان اور فرحان سے ہوجانے کی پکی امید تھی۔ یہ امید دو ماہ پہلے منیر چچا نے ہی اس خاندان کو دی تھی۔ منیر چچا خود تو پچیس سال پہلے اس گھر سے رات کے اندھیرے میں غائب ہوئے تو واپس آنا بھول گئے۔ لیکن اب اپنی دونوں بیٹیوں کو بڑے ٹھاٹھ سے بھیج رہے تھے۔ بقول ان کے امریکہ میں تو ایک سے ایک اچھا اور پڑھا لکھا لڑکا ہے۔ (اگرچہ کچھ لچے اور لفنگے بھی شامل ہیں ان میں) لیکن وہ چاہتے ہیں کہ ان کی بیٹیاں ان کے خاندان میں بیاہی جائیں۔ ان کے اپنے خون میں شادی ہو ان کی بیٹیوں کی۔ (پچیس سال بعد نجانے کیوں اور کیسے انہیں اپنا خون اور اپنا خاندان یاد آگیا تھا۔)

ویسے تو اتنی سی بات ہی ہر کسی کو خوشی سے دیوانہ بنا دینے کے لیے کافی تھی۔ لیکن بڑی اماں زندگی میں بس ایک ہی بار دیوانی ہوئی تھیں۔ جب انہوں نے..... قبول ہے..... کہا تھا۔ اس دن کے بعد وہ فرض تو کیا نفلی عبادتوں میں بھی اپنی ویسی ذہنی دیوانگی سے بچاؤ کے لیے اللہ سے دل و جان سے دعا اور پناہ مانگا کرتی تھیں۔ بڑی اماں نے منیر چچا سے ماریہ اور فاریہ کی تصویریں منگوائی تھیں اور تاکید کی تھی کہ تصویریں سر سے لے کر پیر تک کی ہوں۔ (لولی لنگڑی کا شبہ جو دور کرنا تھا ان کو) تصویریں آئیں تو تائی فیروزہ کو دکھائی گئیں۔ تائی فیروزہ کو تو لولی لنگڑی ہونے پر بھی اعتراض نہ تھا۔ کہاں سالم امریکن نیشنلٹی کی لڑکیاں۔

لڑکوں عثمان 'فرحان سے پوچھا گیا۔ وہ بھی گریبانوں میں منہ ڈال کر لڑکیوں کی طرح شرمانے لگے۔

منیر چچا کو ہاں کردی گئی۔

اس لیے اب دونوں لڑکیاں اپنے ہونے والے "میاؤں" کی جانچ پڑتال کرنے گوجرانوالہ آرہی تھیں۔ منیر چچا نے بڑی اماں کو یہ بھی کہہ رکھا تھا کہ وہ گوجرانوالہ کی ہی کسی اسکیم میں کوئی اچھی سی' امریکن لوگوں کی شایان شان کوٹھی بھی دیکھ کر رکھیں۔ شادی کے وقت وہ اپنی دونوں بچیوں کو وہ ہی تحفہ دیں گے۔ (اگر ان کو ہونے والے میاں پسند آگئے تو۔) اور دونوں بچیاں داماودں سمیت اسی گھر میں رہیں گی۔ (خام خیالی) الگ گھر کی بات پر تائی فیروزہ کو ہلکا سا اعتراض ہوا تھا۔ شوہر کے مرنے کے بعد وہ کسی صورت اپنے سسرال کے کسی فرد سے بھی دور نہ جانا چاہتی تھیں۔ لیکن عثمان 'فرحان نے ماں کو ممتا کے ایسے ایسے واسطے دیے کہ ڈالڈا والوں نے اپنے کسی کمرشل میں بھی کیا دیے ہوں گے۔ آخر کار فیروزہ تائی اس بات پر بھی اپنے سارے زنگ آلود ہتھیار پھینک کر راضی ہو ہی گئیں۔

اب بڑا بیٹا عثمان کل رات سے 'ماریہ 'فاریہ کو ریسیو کرنے کی غرض سے لاہور گیا ہوا تھا اور چھوٹا فرحان مہینے بھر سے گوجرانوالہ کی مختلف سوسائٹیوں کی خاک چھانتا پھر رہا تھا۔ لیکن تقریباً" تقریباً" ہر سوسائٹی ہی گھر سے کافی زیادہ فاصلے پر تھی۔ جیسے ایک شہر سے دوسرے شہر کا فاصلہ ہو اور جو قریب تھیں وہاں فرحان کو کچھ پسند نہیں آرہا تھا۔ (ماحول امریکن نہیں تھا نا بھئی) دراصل وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ایسا کون سا بنگلہ (گھر کا لفظ تو وہ بھول ہی چکا تھا) پسند کرے کہ ہونے والے سسر کے زیادہ سے زیادہ پیسے خرچ ہوں اور زندگی بھر کے ٹھاٹھ اپنے نام رجسٹرڈ ہو جائیں۔

سپنوں پر کون پہرہ بٹھا سکتا ہے بھلا..... اور کم بخت

سپنے دن کے ہوں یا رات کے ان کا کون سا بل آتا ہے۔ سو عثمان بھی آج کل ان ہی مفت کے خوابوں میں گھرا ہوا تھا اور مزے میں تھا۔

چھوٹی موئی ریحانہ ان دونوں بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ کھاتی تو بہت تھی، پر اللہ جانے اس کی صحت کیوں نہیں بن رہی تھی۔ اس نے اپنی اٹھارہ سالہ زندگی کی صرف اس واحد خوش خبری کو سچے دل سے قبول کیا تھا کہ اس کی ہونے والی بھابھیوں کا تعلق امریکہ سے ہے۔ آج کل وہ انگریزی گانے یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور یہ کوشش وہ اتنی تن دہی سے کر رہی تھی کہ کیا میٹرک کے امتحانات کی تیاری کی ہوگی۔ اس نے تو اپنے کالج کی ہر لڑکی سے کہہ دیا تھا کہ آئندہ گرمیوں کی چھٹیاں ہمیشہ وہ بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ امریکہ جا کر گزارا کرے گی۔ یہ بات چوکیدار اور کینٹین کی مائی کو بھی پتا تھی۔ اور یہ کہ وہ جو اپنے گھر میں اے سی نہیں لگوا رہے تو اس کی بھی یہ ہی وجہ ہے کہ آئندہ آنے والی ہر گرمیوں میں ان کا گھر تو بند رہا کرے گا۔

رشک، حسد، جلن، ریحانہ کے بار بار تسلیم کروانے یا جان چھڑانے کی غرض سے سب سہیلیوں اور سہیلیوں کی سہیلیوں نے اس کی عجیب و غریب پہیلیوں کا بالآخر یقین کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہائے گرینڈ ما۔"

کمرے میں ملی جلی دو مخصوص آوازیں ابھریں تو لہسن چھیلتی بڑی اماں نے چونک کر سر اٹھایا۔ سامنے جٹ اور بٹ کھڑے تھے۔ حفصہ چاچی کے دو سپوت (سپوت جگت باز) ویسے تو ہمیشہ السلام علیکم دادی امی، کہا کرتے تھے۔ لیکن آج کل ان پر بھی پردیسی رنگ چڑھنے لگے تھے۔

"بیٹا! امریکہ سے تو وہ آ رہی ہیں۔۔۔ پھر تمہاری پینٹ کیوں پھٹی ہوئی ہے۔"

"اٹ از فیشن گرینڈ ما۔" دونوں اترائے۔ تب ہی دوسرے دروازے سے حفصہ چاچی بھی برآمد ہوئیں۔

"فیشن کے علم بردارو۔۔۔ کم بخت مارو! بدلو جا کر کپڑے۔۔۔ ابھی کے ابھی۔۔۔ بڑے آئے فیشن کرنے والے۔۔۔ کیا سوچیں گی وہ لڑکیاں۔۔۔ یہ تربیتیں ہیں ہماری۔" حفصہ چاچی نے دونوں کے لباسوں کی طرف اشارہ کیا۔ ورنہ اپنی تربیت کو وہ خود ہی برا کیسے کہہ سکتی تھیں۔

"ہمیں کوئی پروا نہیں مام ان کی۔۔۔ اور نہ ان کی سوچ کی۔۔۔ بائے دا وے" آپ کو بھی نہیں ہونی چاہیے۔۔۔ کیونکہ بہوئیں تو وہ فیروزہ تائی کی بننے جا رہی ہیں نا۔"

نادان بچوں نے نادانی میں ماں کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ یہ دیمک تو انہیں اندر ہی اندر اسی دن سے چاٹ رہی تھی جس دن منیر نے ماریہ، فاریہ کا رشتہ جیٹھانی فیروزہ کے گھر کرنے کی بات کی تھی۔ کاش جو ان کے دونوں بیٹے ذرا ہی بڑے ہوتے تو وہ دیکھتیں کہ کس مائی کے لال میں اتنی ہمت ہے کہ جو ماریہ، فاریہ نام کی لاٹری اپنے نام کروا سکتا ہے۔ لیکن۔۔۔ ہائے ری قسمت۔۔۔ ایک تو شادی کے پانچ سال تک وہ بے اولاد ہی رہیں اور جو ماں بنیں تو اکٹھی اور صرف دو بچوں کی۔ جی ہاں۔۔۔ ان جڑواں بچوں پر "دو بچے خوش حال گھرانہ۔" کے تحت بس نہ کی گئی تھی۔ بلکہ اس کے پیچھے کچھ قدرت کی پیش بندیوں کا ہاتھ تھا۔ ورنہ منصوبہ بندی کا گزر دور دور نہ تھا۔

"دو منٹ کے اندر اندر کپڑے بدل آؤ۔ ورنہ جان سے مار دوں گی میں تم دونوں کو۔"

"ہائے بہو کس بات کا غصہ ہے تجھے۔ (ایک تو یہ سیدھی سادی اماں اندر خانے سب جانتی تھیں) ایسے چلا رہی ہے جیسے۔۔۔"

"اماں آپ شہہ دیتی ہیں انہیں۔"

"تو یہ لے کر جا کچن میں۔۔۔ دیکھ، فیروزہ کو کسی کام کی

ضرورت نہ ہو۔" چھلے ہوئے لہسن ادرک کی پلیٹ اماں نے حفصہ کو پکڑا دی اور حفصہ دل کڑا کر کے منہ بسور کر' اندر ہی اندر ماتم کرکے کچن میں چلی گئیں۔

"کیوں تنگ کرتے ہو اپنی ماں کو اتنا... پتا ہے جنت ماں کے پیروں تلے ہی ہوتی ہے۔" پیار سے سمجھایا گیا۔

"اور یہ جنت پیر دبانے سے نہیں ملتی گرینڈ ما۔"

"پھر...؟"

"ماؤں کو کام وام کہتے رہو... ٹک کر بیٹھنے نہ دو... پیر گرم رکھوان کے... پھر ملے گی یہ جنت... ہاہاہا۔"

"ہٹ مردود..." بڑی اماں نے پھٹکار دی۔ کھی کھی کرتے دونوں کھل کر ہنسنے لگے۔ بڑی اماں ایسی پھٹکاریں تو دن میں ان گنت دے ڈالتی تھیں۔ جن کا اثر سوائے ریحانہ کے اور کسی نے نہ لیا تھا۔ کچھ ویسے بھی جٹ اور بٹ کا مزاج بڑا شاہانہ' امیرانہ' بلکہ بادشاہانہ تھا۔

جٹ اٹھارہ سال کا تھا اور بٹ ایک منٹ کم اٹھارہ سال کا... مطلب... دونوں جڑواں تھے... کپڑے بھی ایک جیسے پہنتے... ہنستے بھی اکٹھا اور روتے... روتے تو نہیں تھے۔ اگرچہ بڑے بڑوں کو رلا ضرور دیتے تھے۔

چھوٹے نے بڑے کا نام جٹ رکھ دیا تھا اور بڑے نے چھوٹے کا بٹ... دونوں کے اصل نام تو اشتہاری مجرموں کی طرح نجانے کہاں روپوش ہو چکے تھے۔ اس لیے خاندان کا ہر چھوٹا بڑا ان کو جٹ بٹ ہی کہہ کر بلاتا تھا اور ان کی چرب زبانی سے ڈرتا تھا۔ چھوٹی موٹی بے باکی تو نظرانداز ہوتی ہی تھی۔ بڑی گستاخی کو بھی اہمیت نہ دی جاتی۔ الٹا دونوں کی جھوٹی تعریفوں کے پل باندھ دیے جاتے... کہ بس یہ شانت رہیں۔

گھر' خاندان میں خوشی' غمی' سوگ جو مرضی موقع ہوتا ان پر سدا بہار کا موسم چھایا رہتا۔

دونوں میں اختلاف رائے عموماً" کم کم ہی ہوتا تھا۔ بس جٹ کو بٹ کے گانا گانے سے بہت چڑ تھی اور بٹ کی بھی یہ عادت تھی کہ ہر گانا یا کم از کم گانے کے اختتامی بول وہ جٹ کے کان کے قریب منہ لا کر ادا کرتا تھا۔ جٹ بے چارہ ایک منٹ چھوٹے بھائی کے منہ پر طمانچہ تو لگا نہیں سکتا تھا۔ اس لیے بس دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ سے اپنے بہرہ ہو جانے کی دعا کر لیا کرتا تھا۔

جٹ کی یہ دعائیں بٹ کو مزید شہ دیتی تھیں۔

"السلام علیکم بڑی اماں۔" فرحان نے کمرے میں داخل ہو کر بڑے ادب سے سلام کیا۔ آج کل اس کے لب و لہجے بلکہ انگ انگ سے ایسے ظاہر ہوتا تھا جیسے اس کی تربیت میں ایک نہیں ستر استانیوں کا ہاتھ ہے۔

"وعلیکم السلام۔" فرحان پر فخریہ نظر ڈال کر بڑی ماں نے جٹ اور بٹ کو طنزیہ گھورا۔ جو آج ان کو ہائے کہہ رہے تھے۔

"آ گئے آپ فرحان بھائی۔"

"جی..."

"مسر کو لوٹنے کا... میرا مطلب مل گیا کوئی گھر۔"

دونوں بھائیوں نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی کو روکا۔

کوئی اور موقع ہوتا تو فرحان بھی بدلے پورے کرتا' لیکن آج بس دیکھ کر رہ گیا۔ ستر استانیوں کی لاج آڑے آ گئی بس... کچھ ذہن میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا کہ تھوڑے دنوں میں ویسے بھی یہ رشتے دار تو بس دور... دور اور دور کے ہونے والے ہیں۔ پھر منہ لگنے کا فائدہ؟ اور منہ لگے بھی کس بات پر... اس لیے نخوت سے دیکھ کر سر جھٹک دیا۔

"تم دونوں دفعان ہو جاؤ یہاں سے۔" مرچ کاٹتی' بڑی اماں نے ہاتھ میں پکڑی چھری کا کرتب دکھایا۔ ورنہ تمہاری ماں' ہمت نہ کر سکی تو آج میں ضرور کچھ کر گزروں گی۔" بڑی اماں نے للکار کر کہا تو دونوں نے کھسکنے میں ہی عافیت جانی۔

"ملا کوئی... گھر بیٹا۔" کوٹھی کہتے کہتے وہ اٹکیں۔

"کہاں... اماں... بڑی دور تھی وہ سوسائٹی بھی... تھک گیا میں تو..." فرحان واقعی تھکا ہوا تھا۔

"ہیں... بیٹا... کیبل پر تو اشتہار آ رہا ہے کہ ضلع کچہری سے صرف دس منٹ کی مسافت پر ہے۔"

"بادام زندہ باد... یادداشت اچھی جا رہی تھی بڑی اماں کی۔"

"پورا پونا گھنٹہ لگ گیا ضلع کچہری سے آگے۔"

"تو پھر ان سے پوچھنا تھا کہ یہ دس منٹ کی مسافت ہیلی کاپٹر کی لکھی ہے یا جیٹ طیارے کی۔" بڑی اماں کمال کی سادہ تھیں۔

فرحان نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھکن کے مارے اس کا بات کرنے کا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ فیروزہ نے پانی کا گلاس تھمایا تو اس کی جان میں جان آئی۔

"امی! کھانا لادیں بہت بھوک لگی ہے۔"

"ہاں... ٹھہرو... ریحانہ۔"

فیروزہ نے آواز لگائی اور ست ریحانہ چراغ کے جن کی طرح حاضر ہوگئی۔ غور سے دیکھا تو ایک رولر کندھے پر سائیڈ کی لٹ میں اٹکا ہوا تھا۔

"جی امی..."

"کھانا لادو بھائی کو... تھک گئی ہوں میں تو آج..."

"نہ امی! اللہ کے واسطے اسے مت کہیے گا۔" فرحان نے ہاتھ جوڑے۔ "پورا کوکنگ شو کرنے بیٹھ جاتی ہے کچن میں۔"

"ہیں... ریحانہ؟" فیروزہ نے بیٹی کو گھورا۔

"لو... اس چیز کی کمی رہ گئی تھی بس۔" دادی مرچ کاٹنا بھول گئیں۔

"کہاں... امی... بھائی تو بس ایسے ہی..." ریحانہ بے چاری نظروں ہی نظروں میں چھپنے کے لیے کوئی کونا تلاش کرنے لگی۔

"مکمل جزئیات کے ساتھ کرتی ہے امی یہ شو... اپنی بیٹی کو کم مت سمجھیے۔"

فرحان کچھ زیادہ ہی تازہ دم ہو گیا تھا پانی پی کر۔

"ناظرین... تھوڑے سے کوکنگ آئل میں پیاز فرائی کیجیے پھر ادرک لہسن ڈالیے۔" وہ نقل اتارنے لگا تو ریحانہ کی آنکھوں میں بے تحاشا نمی عود آئی۔ یہ دیکھ کر فرحان کا پتھر دل چٹان ہو گیا۔

"لو... آپ ادرک لہسن پر حیران ہو رہی ہیں... یہ تو باقاعدہ بریک بھی لیتی ہے۔ کل میں گیا تو پتا ہے کیا کہہ رہی تھی۔" فرحان نے ایک نظر ریحانہ کو دیکھا اور مزید چڑانے لگا۔

"کہنے لگی... ناظرین چاولوں کو لگا دیا ہے دم... ملتے ہیں ایک چھوٹی سی بریک کے بعد... دیکھتے رہیے کھانا پکانا ود ریحانہ۔"

"اللہ بھائی..." اتنا بڑا راز فاش ہونے پر ریحانہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا' رو کر مزید اپنی کمزوری ظاہر نہ کرنا چاہتی تھی۔

"ہیں... ریحانہ! کیا کہہ رہا ہے بھائی۔" فیروزہ کا تو اس نفسیاتی لڑکی نے سالوں سے چین قرار چھین رکھا تھا۔ اب اس بات سے تو گویا سائبان بھی ٹوٹ گیا۔

"لو جی... خیر سے پورے آوے کا آوا ہی سائیکاٹرسٹ کے پاس جانے کے لائق ہو گیا ہے۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں اسے ہی گھر پر بلالو۔" حفصہ چاچی طنز کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھیں۔ جسے فیروزہ ہمیشہ نظرانداز کرتی تھیں۔ حفصہ بھی کون سا دل کی بری تھی... بس ذرا نوک جھوک میں طاق تھی اور یہ ہلکی پھلکی نوک جھوک تو زندگیوں میں ہوتی ہی رہتی ہے۔ کوئی ٹھوس وجہ تھوڑی ہوتی ہے کہ انسان منہ پھلا کر دتوں' مہینوں ایک دوجے کو نہ بلائے۔ فیروزہ جانتی تھیں بڑی اچھی طرح کہ وقت بے وقت یا کسی مشکل گھڑی میں یہ نوک جھوک کرنے والی حفصہ ہی پیش پیش ہوتی ہیں۔

"اور ریحانہ' تجھے یہ ہی نام ملا تھا۔ کھانا پکانا ود ریحانہ... ارے کوئی نیا سا نام رکھتی... چائنیز کو کیز ود ریحانہ... ریحانہ ڈسکور تھائی لینڈ وغیرہ۔"

"اب رکھ لے گی حفصہ چاچی... وہ کون سا رجسٹرڈ نام تھا۔"

"تم سب مل کر اور پریشان نہ کرو مجھے۔" فیروزہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"اے... بہو کیوں پریشان ہوتی ہے... اپنے اپنے بچپن میں تو ہر کوئی کچھ نہ کچھ بنا ہی رہتا ہے... کوئی پائلٹ... کوئی استانی' کوئی مکینک اور کوئی۔" ہنستے ہوئے بڑی اماں نے ریحانہ کی طرف اشارہ کیا۔

"کوکنگ ایکسپرٹ۔" ریحانہ بھاگ کر سیڑھیاں چڑھ

گئی۔
"تو کیا آپ بھی پھوہنی رہتی تھیں اماں؟"
"لے اور نہیں تو کیا... میں نے تو اپنا سارا بچپن گزارا ہی بیوٹیشن بن کر ہے۔"
"بیوٹیشن..." سب چلائے۔
"اتنے میک اپ کیے... اتنے میک اپ کیے کہ اگر وہ لڑکیاں حقیقت میں موجود ہوتیں تو آج میں کسی بڑی جاگیر کی ملکہ ہوتی۔" اماں نے اپنے ماضی کے بخیے ادھیڑے تو کمرہ سب کے قہقہوں سے بھر گیا۔

☼ ☼ ☼

"اچھا... شکر ہے خدا کا... کہ یہ فلائٹ آگئی... دو، تین گھنٹے لگ جائیں گے تم لوگوں کو گوجرانوالہ آتے آتے... چلو ٹھیک ہے... خیال رکھنا اپنا... اور سنو... اپنے آپ میں رہنا... زیادہ صدقے واری نہ جانا ان پہ... ابھی میں زندہ ہوں ان رسموں کے لیے... سمجھ گئے... اچھا خدا حافظ۔"
فیروزہ تائی فون بند کر کے بڑی اماں کے پاس چلی آئیں۔
"آگئیں اماں! ماریہ، فاریہ لاہور... اب دو، تین گھنٹے میں پہنچ جائیں گی یہاں بھی۔"
"چلو اللہ خیر کرے..." اور ذرا یہ چینل تو بدل... کوئی اور ڈرامہ لگا۔" پتا نہیں کیسا ڈرامہ ہے یہ کالا کال سا... نہ کامیڈی نہ سیریس۔
"تم دیکھو اماں... میں کچن میں جا کر تیاری کروں بس اب۔"
"دودھ کو ابال آجائے تو چاول ڈال دینا۔"
"نہیں اماں... ابھی تو دودھ کڑھے گا۔"
"اے کیا دودھ کا کھویا بنا کر کے چھوڑے گی آج... آگے ہی دوسرے کھانوں میں کھیر کو دیر ہوگئی۔ اب کیا گرم گرم رکھے گی ان کے آگے... ایک تو ویسے ہی یہ امریکہ کے لوگ مرچ ورچ کم کھاتے ہیں... دوسرے کھانے پتا نہیں پسند آئیں کہ نہ آئیں... خیر ضائع نہیں ہوں گے۔ اللہ سلامت رکھے اپنے لونڈوں کو... لیکن کیا پتا وہ بسنتیاں دسترخوان پر سب سے پہلے کھیر پر ہی ٹوٹ پڑیں۔"
"کہاں اماں... بنگالن ہے ان کی ماں بھی... کھائیں گی مرچ۔"
"بنگالن ہے تب ہی تو کہہ رہی ہوں... نجانے کون کون سے ابلے، کچے بھات کھلا کر جوان کیا ہو بچیوں کو۔"
"اچھا اماں! ڈال دیتی ہوں چاول۔" بڑی اماں سے جیت سکا تھا کوئی جو فیروزہ تائی جیتتیں... حفصہ اس لیے نمبر لے جاتی تھیں کہ ان کے ساتھ ان کے دونوں مسخرے بھی شریک ہوجاتے تھے۔ ویسے چاہے لڑتے رہتے ماں سے... لیکن گھر کے بہت سیانے تھے۔ کسی اور طرف سے کنکر آجاتا تو سب چٹان کی طرح مضبوط ہوجاتے۔
"حفصہ..."
"جی امی..." ہاتھوں پر لگی مہندی کا رنگ دکھاتے وہ فیروزہ کے پیچھے کچن میں جارہی تھیں۔
"میرا بنارسی دوپٹا استری کر کے لادے مجھے... جو نہیں ہمت بوڑھی ساس کی خدمت کرنے کی تو رات ہی بتا دیتی... اپنے گدّے کے نیچے رکھ کر سو جاتی بھی... تھوڑے غس بل تو نکل ہی جانے تھے اس کے۔"
"نہیں اماں! کردیتی ہوں میں ابھی... اچھا یاد کروادیا تم نے۔"
"یہ یاد تو میں صبح سے پانچویں بار کروا رہی ہوں۔"
حفصہ چاچی نے پتا نہیں سنا کہ نہیں... تیزی سے وہ کچن میں غائب ہوگئیں۔ تو بڑی اماں نے بھی ریموٹ پکڑ کر آواز قدرے تیز کرلی۔ آج ان کا جھومنے کا دل چاہ رہا تھا۔ منیر نہ سہی ان کی بیٹیوں میں ہی وہ اس کی شکل کھوج لیں گی۔ لیکن ٹی وی کی آواز قدرے اونچی ہونے کے باوجود ایک اور آواز کے مقابلے میں بڑی شکست خوردہ سی لگی۔ بٹ کی آواز کے آگے... جو بڑی اونچی آواز میں گانا گاتا ہوا سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ سیڑھیاں تو خیر سے جٹ بھی اتر رہا تھا لیکن وہ اس

وقت صُم بُکم بنا ہوا تھا۔

نشہ ہی نشہ ہے' نہ پوچھو کہ کیا ہے
شعلہ شبنم کو دیکھے بھی کوئی
ربا عشق نہ ہووے' ربا عشق نہ ہووے

دونوں صوفے میں دھنس گئے اور بٹ نے حسب عادت آخری فقرے جٹ کے کان کے قریب پردے پھاڑ دینے والی آواز میں ادا کیے۔

ربا عشق نہ ہووے

جٹ نے بھی دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھالیے۔

ربا چپ نہ ہووے' ربا چپ نہ ہووے

دعا اتنی معصومیت سے مانگی جارہی تھی کہ تھوڑی دیر کے لیے تو بٹ کا منہ ہی بن گیا۔ بد لحاظ بھائی کو نظر انداز کرکے وہ براہ راست بڑی اماں سے مخاطب ہوا۔

"گرینڈ ما... میں نے ماریہ اور فاریہ آپی کے لیے ایک انگلش گانا تیار کیا ہے' سناؤں؟"

"رہنے دے بیٹا... تو انگلش گانا نہیں گا سکتا۔"

"کیوں گرینڈ ما؟"

"انگریز اپنے گانے میں ایک آدھ بڑھک ضرور ایسی مارتے ہیں جسے ہم کاپی نہیں کرسکتے۔ یہ بڑھک دراصل ایک للکار ہوتی ہے کہ ہم جیسا گا کر تو دکھاؤ۔"

دادی کی اس تجزیہ نگاری پر جٹ کا دل تو چاہا دادی کا دماغ ہی چوم لے جہاں سے یہ پرفیکٹ سوچ نکلی تھی۔

"دادی اس کا کوئی کام ڈھنگ کا ہے ہی نہیں۔"

جٹ کے کانوں میں ابھی تک شائیں شائیں ہورہی تھیں۔ دل کی پوری بھڑاس نکالی گئی۔

"میں تو کہتی ہوں پورا گھرانہ ہی اٹھ کر راجو کا تھیٹر میں چلا جائے' خوب چل نکلے گا۔ تھیٹر بھی اور ہم سب بھی۔" حفصہ چاچی بھی نمودار ہوئیں۔

آنکھیں مسلیں' غور سے اپنے بچوں کو دیکھا اور ایک نور سا ان کے چہرے پر آکر ٹھہر گیا۔

"ہائے' کتنے پیارے لگ رہے ہو اب۔ دیکھا نا یہ ہوتے ہیں اچھے کپڑے جو روپ بدل دیں... یہ کیا کہ ایک طرف سے پینٹ پھٹی ہے' دوسری طرف سے ادھڑی ہے' ایسے جیسے لنڈے کے ہوں۔"

"ماں کو اپنے بچے ہی پیارے نہ لگیں تو دنیا کا سارا نظام اگلے دن ہی درہم برہم ہوجائے۔ بچوں کے کرتوتوں پر تو مائیں ہی پردہ ڈالے رکھتی ہیں۔" بڑی اماں کی بیٹری آج فل تھی۔

"یہ لو اماں! بادام کاٹ دو۔" فیروزہ تائی نے بادام کی پلیٹ بڑی اماں کے آگے رکھی۔

"سارا کھانا تیار ہے؟"

"جی ہاں... تقریباً" کوفتے' پالک گوشت' قورمہ تیار ہے' شامی کباب ان کے آنے پر تل لوں گی اور چاول بھی تب ہی مسالے میں ڈال دوں گی' باقی ٹرائفل میں نے فریج میں رکھ دیا ہے اور یہ کھیر بن جائے تو وہ بھی پرات میں پانی اور برف ڈال کر جلدی ٹھنڈی کرلوں گی۔"

فیروزہ تائی نے ساری تفصیل بتائی جسے بڑی اماں کے بجائے حفصہ چاچی زیادہ غور سے سن رہی تھیں۔

"اللہ کرے ماریہ' فاریہ کو عثمان' فرحان پسند آجائیں۔ ورنہ سب سے زیادہ محنتیں تمہاری ضائع جائیں گی فیروزہ بھابھی۔"

حفصہ چاچی نے حسب عادت لقمہ دیا اور میک اپ کو فائنل ٹچ دینے کمرے میں چلی گئیں۔

☆ ☆ ☆

گیٹ کے پار گاڑی کا ہارن سنائی دیا اور اگلے ہی لمحے کسی نے گیٹ کھول دیا۔ یہ پھرتی ریحانہ نے دکھائی تھی۔ جس کے ہر کام میں سستی اور کام چوری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور جس کے جسم میں جان بس آنکھیں کھلی رکھنے تک کی ہی تھی۔ پتا نہیں وہ اپنے کالج کی کتابیں کیسے اٹھالیتی تھی۔ فیروزہ تائی کھانے کے دوران تو اسے اکثر ہی کہا کرتی تھیں۔

"ریحانہ! جلدی کھانا کھالیا کر... مت غصہ دلایا کر مجھے... تیرے حلق کی موری ڈنڈے سے بڑی کرنی پڑے گی کسی دن مجھے۔"

حالانکہ قصور حلق کی موری کا نہیں' بلکہ اس ست

چھوری کا تھا۔ لیکن امریکہ والی متوقع بھابھیوں کا تو سن کر ہی جیسے کسی نے اس کے اندر سپر مین کے ریڈ سیل لگا دیے تھے۔

گاڑی بھی بڑی تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ عثمان کا دوست بھی بڑی جلدی میں تھا شاید۔ کل رات سے عثمان کے ساتھ ساتھ خود بھی جتنا کھپ چکا تھا۔ پتا نہیں آج کے بعد دونوں کی دوستی قائم رہنی بھی تھی کہ نہیں۔

اگلی سیٹ سے تو کچھ جانا پہچانا اڑے بالوں والا بھائی نکلا اور پچھلی سیٹ سے دو نفیس اور باوقار مورتیاں۔۔۔ ابھی نکلی ہی تھیں کہ دوست نے گاڑی ریورس کی اور یہ جا وہ جا۔

ریحانہ کو دیکھ کر مایوسی سی ہوئی۔ بنا میک اپ کے چہرے، بنا سلمی ستارے، لیس، نگوں کے کپڑے، وہ تو خود آج تیاری میں مس برائیڈل پاکستان کو بھی پیچھے چھوڑ گئی تھی۔ گہرے رنگ کا سوٹ، بالوں میں کرل، کہنیوں تک مہندی، پاؤں کی چھوٹی انگلی پر بھی نیل پالش کے دو، دو کوٹ۔۔۔ چہرے اور آنکھوں پر اتنا ہیوی میک اپ کہ لگتا تھا بےچاری جب سے پیدا ہوئی ہے تب سے سو ہی نہیں سکی اور کہاں امریکن سادہ سی بھابھیاں۔

"لگتا ہے پڑھنے لکھنے میں ہی رہیں بس۔۔۔ میک اپ کرنے کا سلیقہ آیا ہی نہیں۔" ریحانہ نے دل میں سوچ کر خود کو تسلی دی۔

اندر سے سفید شلوار قمیص پہنے پیارے سے جٹ اور بٹ بھی نکلے اور ان کے پیچھے گھر میں ہوا کا ایک جھکڑ سا آگیا۔ بتایا کسی نے کسی کو کچھ نہیں تھا۔ لیکن گھر کی تینوں خواتین کی چھٹی حس بہت کمال کی تھی۔

کہاں گاڑی کا ہارن تک سنائی نہ دیا اور کہاں ماریہ، فاریہ کے میٹھی آواز کا السلام علیکم تاڑ گئیں کہ گھر کی ہونے والی بہوویں آگئی ہیں۔

"حفصہ۔۔۔ میرا بنارسی دوپٹا لے آ اب۔" بڑی اماں چلائیں۔

"ہاں امی۔۔۔ اچھا یاد کروایا۔"

"دور فٹے منہ۔۔۔ صبح سے تو کہہ رہی ہوں میں کہ میرا بنارسی دوپٹا استری کر کے لا دے۔ اب لے آ کہ بنارس سے جا کر ہی لائے گی۔"

"گزارہ کرو بس پھر چادر سے ہی اب۔۔۔ یہ ماضی کی تصویریں ان کو بعد میں دکھا دیجئے گا۔۔۔ آگئی ہیں وہ باہر۔" حفصہ کہہ کر باہر نکل گئیں۔

"آ رہی ہوں میں بھی پھر۔" بڑی اماں چادر لے کر ہی اٹھنے لگیں۔

"اس عمر میں کیا خود کو ہلکان کر رہی ہیں۔۔۔ باہر سے ہی نہیں بیاہ دوں گی میں لڑکیوں کو۔۔۔ اندر آ رہی ہیں وہ بھی۔۔۔ حفصہ لینے گئی ہے ان کو باہر۔۔۔"

کہہ کر وہ باہر کو لپکیں۔۔۔ جہاں چاچی دہلیز نہ پھلانگنے کی مکمل ڈھال بنی ہوئی تھیں۔ دل میں ایک آرزو تو تھی کہ کیا ہی اچھا ہو کہ دونوں لڑکیاں یہی کھڑے کھڑے کوئی نقص نکال کر دہلیز پھلانگے بغیر ہی واپس چلی جائیں۔۔۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔۔۔ لیکن۔۔۔ چلو۔

دروازے کی سائیڈوں پر خالی کٹوریاں رکھ کر تیل بہایا گیا۔ گویا غیر شرعی رسم کو شرعی کر لیا گیا۔ پھر خوب گھٹ گھٹ کر سب باری باری ان کے گلے لگیں۔ جسامت کو بھی اسی طرح تول لیا گیا۔

"سفر اچھا گزر گیا بہو۔۔۔ میرا مطلب بیٹی۔" خیالوں میں رہنے کا نتیجہ۔

"جی آنٹی۔" بڑی والی اور بڑے عثمان والی ماریہ نے جواب دیا۔ جس پر جینز اور کوٹ بہت ہی بھلا لگ رہا تھا۔ فیروزہ تائی کو ایک ہی نظر میں اپنی بیٹی ریحانہ تو صفر نظر آنے لگی۔ جو سب کو باری باری جوس دیتی بالکل نوکرانی لگ رہی تھی۔ بنی ٹھنی دلہن نوکرانی۔

"عثمان نے بالکل بور نہیں ہونے دیا۔ راوی بھی دکھایا اور راوی کی برانچیں بھی۔"

"برانچیں۔۔۔ راوی کی؟"

"کھ کھ۔۔۔" عثمان نے جلدی سے گلا صاف کیا۔

"ریحانہ! سادہ پانی لاؤ ذرا۔" موضوع کو بدلنے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ ریحانہ نے بھائی کو سادہ پانی کا گلاس لا کر دیا۔ پھر۔۔۔ سب تو بھول گئے، لیکن

فرحان بھائی کے قریب ہوگیا۔
"کیا قصہ ہوا؟"
"ہونا کیا ہے۔ بڑے مزے سے میں انہیں دریائے راوی دکھا رہا تھا اور یہ بھی دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ تھوڑا آگے گئے تو گندے پانیوں کے دریا سے بھی بڑے جوہڑ آنے لگے۔ پوچھنے لگیں کہ یہ کیا ہے۔ مجھے اور کچھ جواب سمجھ میں نہ آیا تو کہہ دیا' راوی کی برانچیں ہیں اور بہہ کر ان سب کا پانی ہی راوی میں جاتا ہے۔"
"یار! بہت برا...." فرحان کچھ کہتے کہتے رکا۔
"کمینہ ہے تو۔" فرحان نے عثمان کی کمر پر دھپ ماری۔
"یہ ہی بات ہم کہہ دیں تو برے۔" دونوں چونکے۔ جٹ بٹ بھی کمرے کے پیچھے کان لگائے بیٹھے تھے۔ عثمان نے دانت پیسے تو فرحان نے پیار سے اس کا ہاتھ دبایا اور کان میں بتایا کہ یہ رشتے تو اب ویسے ہی دور... دور کے ہونے والے ہیں' پھر لڑنے کا فائدہ.... عثمان بھائی کی بات پر قدرے مطمئن ہوگیا۔
ادھر ماریہ بے چاری باتوں کے جواب دیتے دیتے پورے امریکہ والوں کا حال بیان کر چکی تھی۔
"تصویریں تو بہت اچھی تھیں تمہاری.... میرا مطلب بہت پیاری لگ رہی ہو تم دونوں۔" حفصہ چاچی پر اپنے دونوں بیٹوں کا اثر ہوگیا تھا۔ ویسے تو بیٹے ماؤں کا اثر لیتے ہیں لیکن یہاں معاملہ الٹ جا رہا تھا۔
ماریہ نے تو اس مذاق کو زیادہ محسوس نہ کیا اور فاریہ نے اپنے ناگواری کے تاثرات چھپانے کی کوئی کوشش نہ کی۔ ویسے بھی وہ ذرا کم گو تھی یا اس نے خود کو بنا لیا تھا۔ اپنے ہی طور پر وہ تاثرات کی زبان بھی سیکھ چکی تھی اور بہت سی باتوں کے جواب وہ زیادہ تر اسی زبان سے دیتی تھی۔
نرم نرم صوفے پر بھی اس وقت ایسے بیٹھی تھی جیسے گردن سمیت بازو' ٹانگوں اور کمر میں بھی سریے ٹھکے ہوں۔ حفصہ چاچی بغور دونوں کا پورا پورا مشاہدہ کر چکی تھیں اور اس نتیجے پر پہنچی تھیں کہ عثمان تو نکل جائے گا۔ اس امتحان میں بغیر محنت کیے۔ لیکن فرحان کے پاس ہونے کے چانسز بڑے مشکل ہیں۔ پاس ہو بھی گیا تو طلاق پکی یا موت۔
"اے بہو! کھانا لگاؤ بھئی جلدی سے۔" بڑی اماں نے کہا۔
"جی اماں! ابھی لگاتی ہوں.... آؤ ریحانہ! تم کچن میں میرے ساتھ۔"
"تم بیٹھو ریحانہ! میں جاتی ہوں۔" ریحانہ کے اٹھنے سے پہلے ہی حفصہ چاچی اٹھ گئیں۔
"یہ ہی باتیں تو تمہاری اچھی ہیں حفصہ۔" کچن میں جاتے اپنے پیچھے حفصہ کو آتے دیکھ کر فیروزہ تائی نے سوچا تھا۔ (لیکن افسوس کہ صرف یہ ہی باتیں اچھی ہیں۔)
کھانا تو سب تیار تھا' اس لیے تھوڑی دیر بعد ہی دسترخوان سج گیا۔ جٹ بٹ نے حسب عادت مہمانوں کے ڈالنے سے بھی پہلے اپنی اپنی پلیٹوں میں چاول اور سالنوں کے قراقرم بنالیے۔ جب کہ عثمان' فرحان اور ریحانہ نے اپنی صاف شفاف پلیٹوں کے کونوں میں نقطوں کی صورت میں کھانا ڈالا۔ بھئی رعب جو جمانا تھا ماریہ' فاریہ پر۔
"تم تینوں کیا ڈائٹنگ پر ہو؟"
تینوں بوکھلا گئے۔ دو ماہ چلے گا یہ ڈھونگ اب کیا۔ عثمان کو تو کل رات سے بھوک نے ویسے ہی باؤلا کیا ہوا تھا۔
"اے بٹی نہیں.... بس تمہارے سامنے شرما رہے ہیں۔ ورنہ یہ اپنی ریحانہ تو ہڈیاں تک نہیں چھوڑتی.... اور یہ عثمان...." حفصہ چاچی شروع ہوگئیں۔ تینوں براہ راست بھی انہیں گھور نہ سکتے تھے۔ ریحانہ کھانا چھوڑ کر اٹھ کر جانے کا ارادہ کرنے لگی۔
"ہڈیوں کی میخ تو مجھے خود بہت اچھی لگتی ہیں آنٹی۔" (واہ رے نہلے پہ دہلا) ریحانہ کو ذرا آسرا ہوا۔
"پکاتے ہو وہاں؟" حفصہ چاچی نے اتنی معصومیت سے پوچھا۔ جیسے ماریہ' فاریہ' منیر چچا سمیت وہاں فٹ پاتھ کی زندگی ہی تو گزار رہی تھیں۔

"میرا مطلب وہاں ملتے ہیں' یہ بونگ پائے وغیرہ۔"

"جی آنٹی۔۔۔ بہت زیادہ۔۔۔ ہر چیز ملتی ہیں وہاں۔۔۔ بھات بنانے کا بھی پورا سامان۔"

"اللہ خیر۔۔۔" بڑی اماں بڑبڑائیں۔ "تمہیں تو ان کھانوں کی ہی عادت ہوگی نا۔" دل میں بے قراری سی بھر گئی ان کے۔

"جی۔۔۔ دونوں کی۔۔۔ ابو یہ سب پسند کرتے ہیں اور امی پیور بنگالی۔۔۔ ہم دونوں میں خوش۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔ (قدرے اطمینان ہوا) آرام سے کھانا کھاؤ بیٹی۔ بے تکلف ہو کر۔"

"کیوں۔۔۔ کل نہیں ملے گا۔" فاریہ منہ نیچے کر کے ہنسنے لگی۔ ماریہ نے اسے ایک دھمو کا دیا۔

"نہیں۔۔۔؟"

"آنٹی! فاریہ کی باتوں پر مت جائیے گا' یہ ایسے ہی مذاق کرتی رہتی ہے۔"

"پھر تو خوب گزرے گی۔" جٹ بٹ نے ایک دوجے کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔۔۔ عثمان' فرحان تیورا کر رہ گئے اور سوچ کر۔

دور۔۔۔ دور۔۔۔ رشتے دار۔۔۔ بس تھوڑی دیر اور برداشت۔۔۔

"جی آنٹی۔۔۔ مسالا کافی کم ہے۔۔۔ لگتا ہے آپ لوگ بہت کم نمک مرچ کھاتے ہیں۔ ورنہ سنا ہے پاکستان کے لوگ تو بہت اسپائسی کھانا کھاتے ہیں۔"

"نہیں بیٹی۔۔۔ پھیکا کھانا تو ہم نے تم دونوں کی وجہ سے بنایا ہے۔ ورنہ ہم تو۔۔۔"

"یہ زحمت دوبارہ مت کیجیے گا آنٹی۔" آئرن لیڈی منہ نیچے کر کے ہنسنے لگی۔

"بیٹا فرحان تو' تو گیا کام سے۔" اور حفصہ چاچی دل میں سوچنے لگیں۔

☼ ☼ ☼
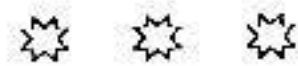
کھانے اور بات چیت سے فارغ ہونے کے بعد ماریہ' فاریہ کو ان کے تصوراتی مزاج کے مطابق تیار کردہ نئے کمروں میں بھیج دیا گیا۔ ان کمروں پر ہی تو دو لاکھ روپیہ خاص طور پر لگایا گیا تھا۔ منیر چاچا بھی تو لاکھوں کی کوٹھی لے کر عثمان' فرحان پر انویسٹ کرنے لگے تھے۔ انویسٹ کیا بلکہ رسک ہی لینے لگے تھے۔ اب ظاہری بات ہے ماریہ' فاریہ کو یہ قیام مطمئن کرے گا۔ تب ہی تو منیر چاچا اپنی محنت سے کمایا لاکھوں روپیہ داؤ پر لگا بیٹھے۔ اس لیے اس سارے خرچ کو اور آنے والے تمام اخراجات کے خیال کو فیروزہ تائی تھوڑی خوشی اور زیادہ غم سے برداشت کر رہی تھیں۔

"بڑی اچھی تربیت کی ہے منیر کی بیوی نے اپنی بیٹیوں کی۔" بڑی اماں کی آنکھوں سے تو آج نیند کوسوں دور تھی۔

"ہاں۔۔۔ مجھے تو خود یقین نہیں آرہا اماں۔۔۔ بس کپڑے یہ لوگ لڑکوں والے پہنتی ہیں۔ ورنہ بات کرنے کا طریقہ اور اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ تو ہو بہو پاکستانی لڑکیوں جیسا ہے۔"

"حالانکہ فون پر جب مجھے منیر نے بتایا تھا کہ وہ وہاں کسی بنگالن سے شادی کر رہا ہے تو میں نے تو صاف صاف انکار کر دیا تھا کہ روز' روز کھائے گا مچھلی' جھینگے۔۔۔ منیر کے بارے میں بھی ساری زندگی یہ ہی فکر رہی کہ بے چارہ روز وہاں ابلا بھات کھاتا ہوگا۔۔۔ اب بچیوں کے بارے میں بھی یہ ہی خدشہ تھا کہ یہاں آکر "آمارہ تمارہ۔" بولے گی' لیکن بڑی صاف اردو ہے بھئی۔۔۔ جیسے کسی نوابی قالین کی بنت۔۔۔ جیسے دھڑا دھڑ پھول کھل رہے ہوں۔۔۔ یا جیسے۔۔۔"

"اماں۔۔۔ اماں۔۔۔ بس اماں۔۔۔ یہ شاعری پڑھنی کب سے شروع کر دی آپ نے؟"

"شاعری پڑھنے اور کرنے کا شوق تو مجھے بچپن سے ہی تھا۔ لیکن اللہ جنت نصیب کرے تمہارے سسر کو۔۔۔ ان کو دیکھ کر تو دل ہی مردہ ہو جاتا تھا۔ شاعری کی بات تو پوچھو ہی مت۔"

"ہائے اماں۔۔۔ کتنے اچھے تو تھے وہ۔"

فیروزہ تائی نے کہا۔ لیکن بڑی اماں اپنی ہی سوچوں کا ٹکٹ کٹوا چکی تھیں۔

"ایک بات بتاؤں فیروزہ! عورت کو بھی ہمیشہ ارتقا سے ہی محبت رہی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے بچوں میں جیتی ہے۔ اتنا دکھ مجھے اپنے بیوہ ہونے کا نہیں ہوا تھا' جتنا صدمہ تیرے بیوہ ہونے کا لیا میں نے۔"

"چھوڑیں اماں... کیا پرانے قصے لے بیٹھی ہیں آپ۔" فیروزہ تائی کی آنکھیں مرحوم شوہر کی بات پر فوراً" نم ہوجایا کرتی تھیں۔ ابھی بھی انہوں نے آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو بڑی اماں نے مزید کوئی بات نہ کی۔ ورنہ مرحوم بیٹے کا ذکر جب وہ چھیڑتی تھیں تو خود تو روتی ہی تھیں' سننے والوں کو بھی رلا ڈالتی تھیں۔

"السلام علیکم اماں جان۔" کمرے میں ارشد داخل ہوئے۔

حفصہ چاچی کے شوہر... جٹ اور بٹ کے باپ... بلکہ مہاباپ۔

سلام کرنے کے بعد انہوں نے کمرے کے ماحول پر نظریں دوڑا کر تھوڑے بہت سے سب کچھ سمجھنے کی کوشش کی۔

"ارے بھئی یہاں پر تو "ہم تھے جن کے سہارے" کا ٹریلر چل رہا ہے۔"

"کہا تھا آج جلدی گھر آنے کی کوشش کریں... چھوٹے بھائی کی بیٹیوں نے آنا ہے... وہ خود تو آیا نہیں... پچیس سال ہوگئے۔" بڑی اماں نے بات بدلی لیکن ماحول نہیں۔

"جتنی محبت میں آپ سے کرتا ہوں... سچ سچ بتائیں... کہ باقی دو یہاں ہوتے تو بھی تو کیا کرپاتے... لیکن آپ ہمیشہ غیر حاضروں کو ہی یاد کرتی رہتی ہیں۔" ارشد نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں... خیر چھوڑو... ماریہ' فاریہ سے ملے تم۔"

"نہیں حفصہ بتارہی تھی کہ دونوں سو رہی ہیں۔ صبح مل لوں گا۔ ویسے کیسی ہیں۔"

"تصویریں زیادہ اچھی... میرا مطلب ہے بڑی خوب صورت بچیاں ہیں منیر کی۔" کمرے کے دروازے پر حفصہ چاچی کھڑی تھیں۔

"چلو اللہ خیر خیریت سے شادی کا وقت لائے۔" ارشد نے دعا دی۔

"ایسے ہی... ابھی تو وہ صرف دیکھنے آئی ہیں۔ پتا نہیں پسند کرتی ہیں کہ نہیں۔"

حفصہ چاچی کو اپنا خدشہ پورا ہوجانے کی پوری پوری امید تھی۔ کم از کم فاریہ کی طرف سے... اور حفصہ چاچی اپنی ہر دلی آرزو اسی طرح خدشوں' باتوں کی صورت میں ظاہر کردیا کرتی تھیں۔

"اچھا' اچھا بولا کرو منہ سے... اللہ نہ کرے ایسا ہو... کیا کمی ہے ہمارے بچوں میں۔" ارشد نے لفظ ہمارے بچوں پر زور دے کر کہا۔

"کچھ اپنے ذاتی بچوں کے بارے میں بھی سوچ لیں۔"

"ابھی سے... ابھی تو وہ صرف اٹھارہ کے ہی ہیں بس۔"

"شادی کی بات نہیں کررہی میں۔" آنکھوں میں آنسو آگئے۔ (احساس محرومی۔)

"پھر...؟"

"پھر یہ کہ کیا کریں گے بڑے ہوکر... تھیٹر ہی چلانے کے قابل ہیں بس... کچھ پڑھ لکھ جائیں... باہر کے ملک جائیں تو ہم بھی رشتے داروں کے سینوں پر مونگ دلیں پھر..."

"ایک انڈا تک تو تم سے صحیح بنتا نہیں۔"

"اور آپ کبھی میری کسی بات کو سیریس لیتے نہیں۔" حفصہ چاچی کی آواز رندھ گئی۔

"اے... ہے... بی بی! میں نے پہلے ہی کہا ہے... اپنی اپنی زندگیوں کا رونا دھونا اپنے اپنے کمروں میں کرو... میرے کمرے میں یہ نحوست نہ پھٹکارا کرو۔"

"میں تو آپ کو پہلے دن سے ہی اچھی نہیں لگتی اماں۔"

"ادھر آ میری جان۔" بڑی اماں نے پیار سے پکارا۔ "میرے سینے کے ساتھ سر لگا اور بتا' یہ دلوں کے حال جاننا تو نے کس سے سیکھا ہے۔" حفصہ اماں کے

بلانے پر کافی جھک گئی تھیں۔ بات ختم ہونے تک دوبارہ تن گئیں اور ارشد کی ہنسی نکل گئی۔

"آج تو آپ کو کچھ نہیں کہوں گی اماں! میں... لیکن یہ لو... دوپٹے پر گرہ باندھتی ہوں... بعد میں چکاؤں گی سارا حساب کتاب۔" حفصہ نے دوپٹے پر گرہ باندھ لی۔

"اماں! میں سوچ رہی تھی کہ ابھی تو وہ امریکہ سے آئی ہیں۔ لیکن ایک ڈیڑھ ہفتہ گزر جائے تو بچوں کو مری نہ بھیج دوں۔ نئے ماحول میں... نئی جگہ پر کھل کر ایک دوجے کو جان لیں گے۔ گھر میں تو بڑوں کی شرم و حیا ہی آڑے رہتی ہے ہر وقت۔" تائی فیروزہ نے کہا۔

"بڑے... شرم و حیا... وہ بھی عثمان' فرحان... واہ رے خود فریبی۔" حفصہ کو کون چپ کروا سکتا تھا بھلا۔

"خیال تو اچھا ہے آپ کا بھابھی۔" ارشد نے تائید کی۔

"لیکن بچوں کو اکیلا کیسے بھیجا جا سکتا ہے۔ کوئی بڑا بھی تو ساتھ ہونا چاہیے نا... کہیں یہ من چاہی شادی مجبوری میں ہی نہ کرنی پڑ جائے۔" بڑی اماں کی عادت تھی۔ اپنی ہی لے میں بولے چلے جاتی تھیں۔ سب سے پہلے بات ارشد کی سمجھ میں آئی۔ وہ منہ موڑ کر ہنسنے لگا۔ پھر دونوں خواتین کو... فیروزہ تو بلی کی طرح پنجے جھاڑنے لگیں اپنے۔

"ہائے اماں! یہ کیا بات کر دی آپ نے... میرے بچوں پر اس طرح کا شک کیسے کر لیا آپ نے... بڑے نیک' شریف اور پاک دامن بچے ہیں میرے... ہاں جٹ اور بٹ کی بات کرو تو میں مانوں بھی۔"

"کیوں میرے بچوں کے کون سے روز' روز پرچے آ رہے ہیں آپ کو فیروزہ بھابھی۔" فیروزہ تائی بلی بنی تھیں تو حفصہ شیرنی بن گئیں۔ لیکن پھر اس تجویز پر کہ بچوں کے ساتھ وہ بھی مری جائیں گی' وہ شانت ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

دو ہفتے گزر چکے تھے۔

ماریہ' فاریہ کے دل میں بے شک ابھی محبت کی گھنٹیاں بجنی شروع نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن جلترنگ ضرور گونجنے لگی تھی۔ امریکہ میں دونوں کی پرورش ایسے ہوئی تھی جیسے کسی مقدس کتاب کو موٹے کپڑے کے لحاف میں لپیٹ کر رکھا جاتا ہے۔ آزاد معاشرے میں رہنے کے باوجود وہ اپنی حدوں کو بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔ یہ ہی وجہ تھی کہ ماریہ نے تو عثمان کی تصویر دیکھے بغیر ہی ہاں کر دی تھی۔ وہاں امریکہ میں ہی... جب منیر نے اس سے اس کی مرضی معلوم کی تھی۔ لیکن فاریہ ہر معاملے میں اپنی ذاتی رائے رکھنا پسند کرتی تھی اور زندگی کا اتنا بڑا اہم فیصلہ وہ بغیر کچھ جانے بوجھے صرف باپ کی عاجزی کے آگے ہار کر نہیں لے سکتی تھی۔ اسی کے کہنے پر منیر چچا نے دونوں کو پاکستان بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔

یہ بات تو دونوں ہی بہت اچھی طرح جانتی تھیں کہ کسی کرسچن' لفنگے' ہپی... میوزک بینڈ کے سردار یا اوٹ پٹانگ فیشن کرنے والے کو تو ان کے والدین کسی صورت قبول نہ کریں گے اور پھر کچھ ماں کی تربیت کا اثر تھا... کچھ اسلامی تعلیم کا کرم... ان کے اپنے ذہنی... خوابی آئیڈیل بھی کچھ کچھ عثمان' فرحان جیسے ہی تھے... پڑھے لکھے سنجیدہ' بارعب' ہینڈسم۔

اور عثمان' فرحان میں آج کل یہ خوبیاں بدرجہ اتم موجود نظر آ رہی تھیں۔ لیکن فاریہ کو فیصلہ کرنے کے لیے شاید ابھی مزید وقت درکار تھا۔ یہ جو وہ اکڑی گردن کے ساتھ چپ چپ تھی تو اس کے پیچھے بھی اس کی تجزیہ نگاری اور چھان بین کے گھوڑے خراماں خراماں دوڑ رہے تھے۔ ابھی وہ کسی بھی طرح کی بے تکلفی کی متحمل نہ تھی۔ اسی باعث ماریہ کی طرف سے تو عثمان کو بڑے واضح اور مثبت اشارے مل چکے تھے۔ لیکن فرحان کا معاملہ فی الحال بڑا پیچیدہ جا رہا تھا۔

عثمان اور فرحان نے تو پہلے ہی اپنی محبت اور اہمیت کے تیر چلانے کے لیے کمان سمیت ہر ہتھیار تیز کر رکھا تھا۔ لیکن عثمان کو اپنا کام قدرے بنتا نظر آیا تھا تو اس نے باقی کے ہتھیار بھی فرحان کو سونپ دیے۔

تو بڑی اماں نے نجانے کیوں تصویریں منگوالی تھیں۔ ورنہ یہ دونوں تو تصویریں دیکھے بغیر ہی شادی کرنے کے لیے تیار تھے۔ بعد میں خدا نخواستہ کوئی آدھا ادھورا یا کمی بیشی کا شکار نکل بھی آتا تو دونوں ساری زندگی گلہ نہ کرتے۔ اور یہاں تو قسمت نے ایسا ساتھ دیا تھا کہ پوری کی پوری سالم ثابت پریاں' دودھ میں نہائی ہوئیں۔ انتہا کی سلیقہ مند۔ کتنے رعب اور ادب سے بات کرتی تھیں (بس فاریہ کا رعب ضرورت سے بھی کافی زیادہ تھا)۔ عثمان خان شادی کی بات پر ہی نہال تھے 'اب تو مرنے والے ہی ہو گئے۔ دونوں نے اپنے طور پر فیصلہ بلکہ تہیہ کر لیا تھا کہ اگر جوماں کی دعائیں اور انویسٹمنٹ رنگ نہ لائی اور اللہ نہ کرے ماریہ فاریہ نے ان کے لیے انکار کر دیا تو وہ ان کے پاؤں تک پڑ کر ان کو منالیں گے۔ اور ان کی ہر شرط بلا چوں و چرا مان جائیں گے۔

دو ہفتے سے یہ سارا خاندان گجرانوالہ کے ہر پارک کے دو دو بار چکر لگا چکا تھا۔ خوشی تھی کہ کم ہی نہیں ہو رہی تھی اور تھکن کا لفظ تو سب بھول چکے تھے۔ ایسے میں مری جانے کی بات نے سب میں مزید جوش بھر دیا۔ اور تیاریاں شروع ہو گئیں۔ یہ تیاریاں ایسی ہی تھیں مانو جیسے کسی دلہن کا جہیز تیار کیا جارہا ہو صرف رضائیاں نہیں پیک کی جارہی تھیں ورنہ گھر کی کوئی ایسی چیز نہ بچی تھی جس میں روئی اور پولیسٹر ہو اور وہ پیک ہونے سے رہ جائے۔

کیسی جگہ ہے مری؟" ماریہ نے پوچھا۔

"بہت اچھی۔ بہت زیادہ خوب صورت۔ جیسا لندن ہے نا۔" فرحان نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ فاریہ کی دونوں آنکھیں پوری کی پوری کھل گئیں۔

"میرا مطلب۔ بس لندن کی فرنچائز سمجھ لو۔"

"تمہارے ملک میں ہر چیز کی فرنچائز اور برانچ ہے کیا؟"

"آبادی جو بہت زیادہ ہے۔ چھوٹے شہروں کے لوگ برانچوں پر ہی گزارہ کر لیتے ہیں بس۔"

"سامان تو ایسے پیک ہو رہا ہے جیسے ہم سائبیریا جارہے ہیں۔ وہ بھی ہمیشہ کے لیے۔"

"تمہارے لیے تو وہ سائبیریا ہی ہے۔ گجرانوالہ میں کبھی برف باری نہیں ہوئی نہ اور نہ ہی ہم اتنی سخت سردی کے عادی ہیں۔"

☼ ☼ ☼

"عثمان۔"

"جی امی۔"

"بات سنو ذرا میری۔"

فیروزہ نے عثمان کو اپنے پیچھے کچن میں آنے کا اشارہ کیا تو امی کے پیچھے کچن میں چلا گیا۔

"بولیں۔ امی۔"

"ایک بات دھیان میں رکھنا تم۔ اور چھوٹے کو بھی سمجھا لینا۔ مری میں تم سب کو سیر کرنے یا گل چھرّے اڑانے کے لیے نہیں بھیج رہی۔ سونے کا انڈا دینے والی مرغی کو قید کرنا ہے ہر صورت۔ ورنہ قسم سے جتنا روپیہ اب تک خرچ ہوا ہے' میرا سارا زیور بیچ کر بھی پورا نہیں ہوگا۔ ویسے تو تم دونوں کسی امتحان میں سی ڈی گریڈ سے اوپر نہیں گئے لیکن اس بار اے پلس کے لیے پوری پوری جدوجہد کرنا ورنہ مجھ پر سالوں بعد دوبارہ چوڑیاں توڑنے کی نوبت آجائے گی۔ سمجھے۔"

"اوہ گاڈ ممی۔ اپنے بیٹوں پر اعتماد کرنا سیکھیے۔ اتنا کم کیسے سمجھ لیا آپ نے ہم دونوں کو۔ بھول گئیں جب آپ کی مامی سے لڑائی ہوئی تھی تو کیسے سفید سفید جھوٹ بول کر میں نے آپ کی سائیڈ لی تھی۔ اور پورے خاندان میں آپ کا شملہ اونچا کیا تھا۔"

"واہ رے واہ۔ کیا واقعہ یاد کیا ہے میرے مکار بیٹے نے۔ اور شملہ مردوں کا ہوتا ہے عورتوں کا نہیں۔"

چلیں آپ کا دوپٹہ ہی سہی۔ شال' کلپ' پن' جوڑا ہی سہی۔" عثمان چکن نگٹس کھاتے ہوئے بولا۔ جو سفر میں جانے کی غرض سے ہی بنائے جارہے تھے۔

"یہ لو پکڑو پیسے۔ کچھ پیسے میں نے حفصہ کو بھی دیے ہیں۔"

"کتنے ہیں یہ۔؟"

"پچیس ہزار۔"

"پچیس ہزار۔ صرف پچیس ہزار۔ اتنے کم پیسوں میں کیا ہوگا بھلا۔"

"یہ زمبابوے کا پچیس ہزار نہیں ہے۔ جس میں صرف انڈے ہی آئیں گے۔ پاکستان کا ہے بہت کچھ آجائے گا۔"

"امی! آپ کی نظر میں پیسے کی اتنی اہمیت ہے کہ گورنر آف اسٹیٹ بینک کی نظر میں بھی کیا ہوگی۔ لیکن باہر نکل کر دیکھیے۔ کس قدر مہنگائی ہوچکی ہے۔ وہ جب آپ ٹرائفل بنا رہی تھیں اور مجھے سو روپے دیے تھے کہ بازار سے دو کلو انگور لے آؤ۔ میری بھی مت ماری گئی تھی۔ ریڑھی والے سے دو کلو انگور لے کر سو روپیہ دیا تو وہ اردگرد کے لوگ متوجہ کر کے پتا ہے آگے سے کیا کہنے لگا۔"

"کیا۔؟"

"کہنے لگا۔ دیکھو بھائیوں! یہ لڑکا اصحاب کہف کے غار سے نکل کر آرہا ہے۔ بھائی صاحب ڈھائی سو روپے کلو ہیں انگور۔ قسم سے اتنی شرمندگی ہوئی کہ کیا بتاؤں وہ تو شکر کہ میری جیب میں اس وقت پیسے تھے ورنہ میں نے واقعی غار کھود کر اس میں سکونت اختیار کرلینی تھی۔" عثمان نے سارا قصہ سنایا تو فیروزہ ہنسنے لگیں۔

"کیا سازشیں ہو رہی ہیں ماں بیٹے میں۔؟" **حفصہ** بھی کچن میں چلی آئی "کوئی سونے کا انڈا دینے والی مرغی کی بات سنی ہے میں نے۔"

"ارے نہیں نہیں۔" فیروزہ تائی گھبرا گئیں۔ "وہ تو میں کہہ رہی تھی کہ چکن بروسٹ گولڈن گولڈن فرائی کروں گی اور عثمان کو سمجھا رہی تھی کہ وہاں جاکر **حفصہ** چاچی کا ہر حکم ماننا۔ کسی شکایت کا موقع نہ ملے مجھے۔" فیروزہ تائی نے خوشامد کی۔ اس سفید بلکہ آف وائٹ جھوٹ پر عثمان کی آنکھیں تو کھلی ہی تھیں۔ **حفصہ** چاچی بھی حیران رہ گئیں۔

"آپ کے بچے تو آپ کی بات بڑے جتنوں سے مانتے ہیں فیروزہ بھابھی۔ ماسوائے اس شادی والی بات کے 'میری بات کہاں مانیں گے بھلا۔" **حفصہ** نے چوٹ کی اور اس چوٹ کے باعث آج فیروزہ تائی کے دل میں بھی بدلہ لینے کی ایک اٹھان سی اٹھی۔

"خیر سے کل تمہارے کمرے میں بھی بہت تو تڑاخ ہو رہا تھا کیا ڈراما تھا؟"

"نہیں۔ تو۔" نہیں کو کھینچ کر ادا کیا گیا۔ "ہم دونوں میاں بیوی کے درمیان تو خیر سے کبھی لڑائی نہیں ہوئی۔ وہ تو جٹ اور بٹ بھی مری جانے کی ضد کر رہے تھے تو ان کے پاپا بولنے لگے کہ پڑھائی پر توجہ دو اب' کافی دنوں سے سیر سپاٹا ہی کر رہے ہو' یہ عمر اتنی لمبی سیر کرنے کی نہیں ہے۔" فیروزہ تائی کی اٹھان بغیر جوار بھاٹے کے ثابت ہوئی' **حفصہ** نے کوئی جھوٹ نہیں گھڑا تھا۔ بات حقیقت میں بھی یہ ہی تھی۔ مری نہ جانے کے اٹل فیصلے پر جٹ اور بٹ کا پچھلے دو دنوں سے منہ بنا ہوا تھا۔ دو دنوں سے نہ تو بٹ نے کوئی گانا گایا اور نہ ہی جٹ نے کوئی دعا ہی مانگی تھی۔ ماما کو بڑی مشکل سے راضی کیا تو پاپا اڑ گئے۔

"نہیں جانا۔ کہہ دیا میں نے بس۔ پڑھائی کرو گھر میں بیٹھ کر۔" انہوں نے دو ٹوک فیصلہ سنا دیا۔

پھولے ہوئے منہ بھی کوئی بات نہ بنا سکے اور وقتی بھوک ہڑتال کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکل سکا تو جٹ نے ہزار بار کا چلایا ہوا آزمودہ نسخہ دوبارہ آزمایا۔ یہ تیر ہر دفعہ کی طرح اس بار بھی عین نشانے پر پڑا۔

"ٹھیک ہے بھئی' ٹھیک ہے۔ نہیں جاتے۔ پڑھائی کرتے ہیں گھر میں بیٹھ کر۔ مزے تو عثمان بھائی اور فرحان بھائی کے ہیں ان کے ابو جو نہیں ان کے سر پر۔" ایک ہی فقرے میں باپ کا حکم نہ مان کر مری جانے سے انکار کردیا گیا اور ساتھ ہی۔

یہ فقرہ ایسا تھا کہ ارشد کو بھی بچپن کی پڑھی ہوئی "موت کا منظر" یاد آجاتی تھی۔ جس کو پڑھ کر وہ دنوں بخار میں تڑپتے رہے تھے۔ پتا نہیں ان کی اس کمزوری کا ان کے بیٹوں کو کیسے پتا چل گیا تھا۔

"جاؤ جاؤ مردود۔ چلے جاؤ تم بھی۔ مگر یہ نہ سمجھنا کہ ان جملوں کی وجہ سے جانے کی اجازت دے رہا ہوں۔" وہ تو رات کو سوچنے لگا کہ **حفصہ** جا رہی ہے تو بچے ایسے

ہی گھر میں بور ہوں گے۔“
جٹ اور بٹ نے معنی خیز نظروں سے ایک دوجے کو دیکھا۔ اور بیگ تیار کرنے کے لیے اپنے کمرے کو بھاگے۔
اور یوں شام کو یہ آٹھ جانوں پر مشتمل قافلہ ٹرک جتنا سامان لے کر مری کے لیے روانہ ہوا۔

☆ ☆ ☆

پہاڑوں کا سفر جو لمحوں سے بے گانہ کر دیتا ہے اور وہاں کا قیام جو وقت گزرنے کا پتا نہیں دیتا۔ اسی باعث یہ سفر بھی طول پکڑ گیا تھا۔ اونچے اونچے قد آدم درختوں کا سحر جو اپنے اندر قید کر لینے کا ہنر جانتے ہیں۔ ہاں۔ استادوں کے استاد۔ پھر بل کھاتی سڑکیں۔ جیسے ساری سڑکوں کے سرے گول ہی تو ہیں۔ اور ان کے کنارے کنارے بنے برف کے چھوٹے بڑے پہاڑ۔ ٹھنڈی یخ بستہ ہڈیوں میں گھس جانے والی ہوائیں۔ کمروں کا نرم گرم خواب ناک ماحول۔ کھڑکی سے نظر آتی ڈھلوانوں پر بنے گھروں میں لگی روشنیوں کے مناظر۔ ایسے جیسے جگنوؤں کے قافلوں نے بھی وہیں ٹھہراؤ کیا ہو۔ کون سی چیز ایسی تھی جو سن ہوتے جسموں کے اندر دلوں کو گرما نہ رہی تھی۔
ریحانہ نے اس مسئلے کا ایک حل نکال لیا تھا۔ تصویریں۔ مری منی لندن جو ہے۔ وہ تو ویسے ہی ہواؤں میں تھی۔
”ایک تصویر یہاں بھی اتارو جٹ بھائی۔“ وہ پھر ایک ٹیلے پر چڑھی ہوئی تھی۔ جٹ نے کیمرہ اس کی طرف کر کے ایک تصویر اتار دی۔
”بس کر دے ریحانہ بیٹی۔ بس کر دے۔ تو نے تو ایک ایک اینٹ ایک ایک پتھر پر چڑھ کر تصویر اتروائی ہے۔ ان برف کے گالوں کو تو بخش دے۔ کل کلاں کو مری خدانخواستہ زلزلے یا کسی اور وجہ سے تباہ ہو گیا تو تیری تصویروں کی بدولت ہی سارا نقشہ جوں کا توں دوبارہ بن جائے گا مری کا۔ ایک انچ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہو گا۔“
حفصہ چاچی جب سے یہاں آئی تھیں اکلوتی بڑی ہونے کے ناتے واقعی خود کو بڑی بی بنا چکی تھیں۔ بچے جز بز ہو رہے تھے۔ لیکن وقتی طور پر ہی سہی سب ان کو اپنا کیپٹن مانے ہوئے تھے۔
”کیا ہے چاچی۔ کوئی پیسے تھوڑی نہ لگتے ہیں اپنا ہی تو کیمرا ہے۔“ ریحانہ ہر دفعہ کے ٹوکنے پر عاجز آچکی تھی۔
”بچی بھی تو ہماری اپنی ہے پر اتنی شوخیاں نہ مار کہ دوسروں کو ہنسی کے پھندے لگ جائیں۔“
”اور جٹ بٹ جو مسخرے بنے گھوم رہے ہیں وہ۔“
”ہم دونوں کو کچھ نہ کہنا۔ ورنہ ساری تصویریں ڈیلیٹ کرنے میں ایک سیکنڈ ہی لگے گا۔“ بٹ نے دھمکی دی۔
”نہیں۔ نہیں پیارے بھائی! میں تو کہہ رہی تھی کہ۔“
”رہنے دو مکارن۔ آگے سے خیال رکھنا۔“
”چلو بھئی ہوٹل چلو اب۔ کمرے میں جا کر کمر سیدھی کروں۔ یہ ۔۔۔ اونچی سڑکیں تو بڑی جلدی تھکا دیتی ہیں۔ ورنہ ابھی عمر ہی کیا ہے میری۔“
”آپ لوگ جائیں پھر کمروں میں۔ ہم ذرا آؤٹنگ کریں گے۔“ عثمان نے چاچی سے کہا۔ فرحان نے بھی ایسے دیکھا جیسے وہ بھی یہ ہی کہنا چاہ رہا تھا۔ اور ماریہ فاریہ تو تھیں ہی آزاد پنچھی۔ حفصہ نے لاکھ کوششیں کر لی تھیں لیکن ان دونوں پر اپنا رعب اور بڑا پن جمانے میں ناکام رہی تھیں۔
”دال گلی نہیں ابھی۔ میرا مطلب دل نہیں بھرا تمہارا ابھی۔ کل پھر سیر کر لینا۔“ بات کو عثمان اور فرحان دونوں سمجھ گئے تھے لیکن اس پہ جو امریکنوں کے آگے اپنے باادب ہونے کی دھاک بٹھانی تھی تو بس اسی باعث نظر انداز کر گئے۔
”آپ جائیں چاچی۔“ دانت بھرپور پیسے گئے۔
”جی آنٹی! آپ تھک گئی ہوں گی۔ ہم تھوڑی دیر اور گھومیں گے ابھی۔“ ماریہ نے کہا۔ وہ اب اکیلے

گھومنا چاہ رہی تھی۔ یہ شودا سا عثمان مری آکر اسے بڑا پیارا لگنے لگا تھا۔

"چلو بھئی بٹ، جٹ اور ریحانہ۔ چلو میرے ساتھ۔"

"نہ میں کیوں، میں اپنے بھائیوں کے ساتھ جاؤں گی" ریحانہ تنکی (جان آگئی تھی بڑی اس میں بھی آج کل)

"تو ہم کیوں۔ ہم اپنے کزنز کے ساتھ گھومیں گے۔" جٹ بٹ بھی بولے۔

"بدھوو!" حفصہ چاچی نے اپنا سر پیٹ لیا۔" کچھ سمجھتے نہیں۔ موقع محل نہیں دیکھتے۔ ابھی تمہارے بھائی مطمئن۔ میرا مطلب سیر کرنے دو ان کو اکیلے میں۔ چلو بس میرے ساتھ۔"

جٹ کا تو چاچی نے گریبان پکڑ لیا اور بٹ، ریحانہ۔ ماریہ فاریہ کے سامنے چاچی کی اسی حرکت پر ہی ایسے شرمندہ ہوئے کہ مزید کچھ ہوجانے کے خوف سے حفصہ کے ساتھ ہولیے۔ باقی چاروں آگے بڑھنے لگے تو حفصہ نے آواز دی۔

"جی چاچی۔" عثمان قریب آیا۔

"جلدی آجانا واپس۔ اور۔" منہ کان کے قریب لے جایا گیا۔ "حد میں رہنا۔ اچھے بچوں کی طرح۔" حالانکہ دلی آرزو تو تھی کہ یہ حد ٹوٹے اور وہ پھر بعد کا تماشا دیکھیں۔

"ہمیں اپنی حدیں پتا ہیں چاچی۔" لفظ چاچی جیسے چبانے کے انداز سے ادا ہوا۔

"وہ تو دیکھ ہی رہی ہوں میں ہفتے بھر سے۔" منہ بنا کر بڑبڑاتا ہوا عثمان آگے بڑھ گیا۔

"کیا کہہ رہی تھیں چاچی۔" فرحان نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ بڑے دنوں سے ان میں مرحوم دادا ابو کی روح آگئی ہے بس۔ جن کے ساتھ بڑی اماں نے بھی بڑی مشکل سے نباہ کیا تھا۔"

"عثمان! وہ دیکھو۔ کتنا اچھا اونٹ بنا ہے برف کا۔ آؤ نا اس کے پاس چل کر تصویریں بناتے ہیں۔"

"ہاں ہاں۔ چلو۔"

"نیویارک میں تو سنا ہے کہ ہر سال برف باری ہوتی ہے۔ تم کوئی اونٹ نہ بنا سکیں وہاں پر۔ سنا ہے وہاں کے لوگ محنتی بھی کافی ہوتے ہیں۔" فرحان جلا بھنا بیٹھا تھا جب سے مری آئے تھے۔ ماریہ ہی ہنس بول رہی تھی۔ ہر نئی ایکٹویٹی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔ اس کا "بت" تو آنکھوں میں انگارے اور منہ میں بم لیے بیٹھا تھا۔

"ہوتی ہے وہاں پر ہر سال برف باری۔ پر وہاں عثمان تو نہیں نا ہوتے۔" ماریہ نے نظریں نیچی کر کے کہا۔ اور اس وقت وہ۔ ناریل کے جھنڈ۔ میں پیدا ہونے والی دیسی لڑکی لگی۔ عثمان کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کس طرح صرف اس بات پر فدا ہو ہوجائے۔

ایک مکا بھائی کی کمر پر رسید کیا۔ فرحان نے چونک کر دیکھا تو عثمان نے بند مٹھی میں جگمگاتا انگوٹھا دکھایا۔ مطلب۔ "میرا کام تو بن گیا۔ اور۔ تو اپنی فکر کر۔"

فرحان کو فکریں ہی تو کھائے جا رہی تھیں۔ مری کی آب وہوا اسے راس ہی نہ آئی۔ پہلے دن کا ہوا زلزلہ ابھی تک جان سے چمٹا ہوا تھا۔ اور اس خرابے میں آنے والے بھیانک وقت کے آنسو بھی چھپ جاتے تھے۔ مہینے بھر سے درجنوں مختلف اسکیموں کے چکر لگاتے فرحان کو دیکھے گئے، ہر بنگلے کوٹھی میں صرف اور صرف عثمان بستا ہوا نظر آرہا تھا اور وہ خود۔؟؟

اس وسوسے پر بڑا سارا سوالیہ نشان اس کی آنکھوں کے آگے بریک ڈانس کرنے لگتا۔

"آئیں نا عثمان۔"

"ہاں۔ چلو۔ تصویر کیا، تم کہو گی تو میں تمہیں اونٹ پر بٹھا بھی دوں گا۔"

"ہائے اللہ۔ اس برف کے اونٹ پر۔"

"اور نہیں تو کیا۔" عثمان سخی بنا ہوا تھا۔

"وہ تو گر جائے گا۔؟"

"گر جائے گا تو ہم انہیں دوبارہ بنا کر دے دیں گے۔"

"ساری رات لگ جائے گی بنانے میں۔" ماریہ نے اندیشہ ظاہر کیا۔ وہ الگ بات کہ یہ اندیشہ ظاہر

کرتے وہ ہمیشہ کی طرح بہت پیاری لگی۔

"ساری رات کیا۔ میں تو ساری زندگی بھی بیٹھ سکتا ہوں یہاں۔ تمہارے ساتھ۔" پتنگ کو کیمیکل ڈور لگ چکی تھی۔ اب کٹنے کا اندیشہ صفر تھا۔ اب کے ایک مکا فرحان نے عثمان کو مارا۔

"کیا ہے؟" عثمان اچھلا۔ نجانے کس منظر میں کھو گیا تھا وہ تو۔

"شرم کر شرم۔ چھوٹے بھائی کے آگے کیا مثال قائم کر رہا ہے اپنی۔"

"میں تو پی گیا ہوں شرم کو گھول کر۔ یا یوں سمجھ لے کہ برف کی طرح میری شرم بھی جم گئی ہے یہاں آکر۔" عثمان نے ہلکی آواز سے کہا تھا۔ لیکن فاریہ نے سن لیا تو گردن کو جھٹکے دے دے کر ہنسنے لگی۔ فرحان حیرت سے فاریہ کو دیکھنے لگا۔

"یہ ہنستی بھی ہے۔؟" اس نے ماریہ سے پوچھا یا پتا نہیں بتایا۔

☼ ☼ ☼

"امی نے کتنی بار ابو سے کہا کہ چلیں سارا کاروبار سمیٹ کر بنگلہ دیش چلتے ہیں لیکن ابو نہیں مانے۔ اور جب ابو نے یہ بات کی کہ چلو پاکستان جا کر زندگی شروع کرتے ہیں تو امی راضی نہ ہوئیں۔ (دونوں ہی ہٹ دھرم تھے) اسی ضد میں دونوں نے پچیس سال امریکا میں ہی گزار دیے۔ اور اب کہیں بھی نئے سرے سے سیٹل ہونے کی ان میں ہمت نہیں رہی۔" ماریہ بولتے بولتے تھک گئی تھی جیسے۔ سالوں کا سفر جو باتوں میں آگیا تھا۔

"ہمارے والدین نے ہمیں کتنی محنت سے پڑھایا' لکھایا اور اس مقام تک پہنچایا ہے۔ یہ بات ہمارے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا۔ بعض چیزیں دور سے بڑی پرفیکٹ نظر آتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں ویسی ہوتی نہیں۔ ابو نے جیسے اپنی زندگی کو کامیاب بنایا ہے' وہ کہانی ہم اپنی امی سے بارہا سن چکی ہیں۔ صفر سے ہندسوں تک کا سفر بہت جدوجہد بھرا تھا ان کا۔" ماریہ

پھر رکی۔ اور بکھرے ہوئے خیالات کا تانا بانا بننے لگی۔

"ماریہ! کیوں اتنا سسپنس کری ایٹ کر رہی ہو یار۔ گھوم پھر کر ایک ہی بات بار بار کر رہی ہو' جو کہنا ہے' کھل کر کہہ لو۔" عثمان عاجز تھا اور فرحان کا دل مٹھی میں آیا ہوا تھا۔ دونوں کی یہ حالت کل رات سے تھی۔ جب ماریہ نے واپسی کے سفر پر دونوں سے کہا تھا کہ وہ کل ان دونوں سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتی ہیں۔

"کیا بات کرنا چاہتی ہوں گی۔" آدھی رات کو بار بار اٹھ کر اور فرحان کو بھی نیند سے جگا کر عثمان نے پوچھا تھا۔

"مجھے کیا پتا یار! کل پتا چل جائے گا۔" فرحان تو آگے ہی روگ لیے بیٹھا تھا۔ اب کوئی ایسی ویسی بات نکل بھی آتی تو زیادہ سے زیادہ کیا ہو جاتا تھا۔ اس نے جوگ لے لینا تھا۔

اس لیے آج بچہ پارٹی کو بمعہ مرحوم دادا ابو کی روح سمیت کھانے کے بعد کمرے میں بھیج دیا گیا تھا۔ اور خود یہ چاروں ریسٹورنٹ میں خفیہ میٹنگ کرنے کے لیے اکٹھے ہو گئے تھے۔

ایک تو پزا ایسا تھا جو نگلا نہیں جا رہا تھا اور دوسرا ماریہ کی ضروری بات کا لیکچر تھا جو اٹھے بادل کی طرح تھمنے میں نہیں آرہا تھا۔

"پہلے تو ہم نے صاف صاف انکار کر دیا کہ ہم دونوں پاکستان میں شادی ہرگز نہیں کریں گے۔ لیکن پھر امی نے سمجھایا اور۔ فاریہ کے مشورے پر ابو نے ہم دونوں کو پاکستان بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اور یہاں آکر ہمیں اندازہ ہوا کہ۔" ماریہ رکی اور عثمان کا دل چاہا سامنے پڑا ہوا پانی کا گلاس اس کے منہ پر پھینک کر اسے ہوش میں لائے۔

"یہ ہی کہ ہم دونوں کتنے پیارے ہیں۔" فرحان کی خوش فہمی۔

"یہ کہ امی ابو کامیاب اسٹور چلانے کے باوجود بھی اب کیوں افسردہ رہتے ہیں۔"

"کیوں۔؟"

"کیونکہ وہ دونوں ہی اپنوں کو مس کرتے ہیں۔ اپنی

اپنی جگہ پر۔ اور اب وہ اپنی جڑیں اس نئی زمین پر بھی پھیلا چکے ہیں۔"

"یہ شجرکاری بھی آج ہی ضروری تھی۔" عثمان نے دل میں سوچا اور پانی کا گلاس غٹاغٹ پی گیا۔ مبادا۔

"ابو صرف چاہتے نہیں بلکہ ان کی خواہش ہے کہ ان کے داماد ان کے رشتے داروں میں سے ہوں' ان کے بھائیوں کے بیٹے ان کے اپنے خون۔"

"ہاں تو اس میں کون سی برائی ہے یار۔" (صد شکر کہ جٹ اور بٹ ابھی چھوٹے تھے) فرحان نے سر سے تھوڑا بوجھ سرکتا محسوس کیا۔

"برائی تو کوئی نہیں۔ پر ایک مشکل ہے فرحان۔" فاریہ نے کہا تھا۔

"کیا۔؟ بولو۔ میرا بھائی بڑا ماہر ہے۔ اس کے پاس ہر مشکل کا حل ہے۔ ورنہ ایک آدھ مہنگے برگر کے بدلے جٹ اور بٹ کی خدمات بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔"

"مشکل یہ ہے کہ ہم کسی صورت پاکستان میں رہنا نہیں چاہتے ہیں۔" فاریہ نے جیسے ان دونوں کے سر پر پورا ہوٹل سامان سمیت گرادیا۔

"کیا۔؟" دونوں ایک ساتھ چلائے۔ ساری تفریح آؤ بھگت۔ سیر سپاٹے' ادائیں' خوشامدیں دھری کی دھری رہ گئیں۔

"کیا تم دونوں کو پاکستان پسند نہیں آیا؟"

"بات یہ نہیں ہے فرحان۔"

"باپ کی خواہش۔ ماں کا سمجھانا۔ تم دونوں کے دل کو ایک بھی بات نہ لگی۔"

"نہیں فرحان۔ دراصل۔"

"ہمارے گھر والوں کا پیار۔ کھانے۔ تفریح۔ تمہیں کچھ بھی اچھا نہ لگا۔"

"اوہ گاڈ! فرحان۔ چپ ہو جاؤ۔" ماریہ چلائی۔

"بات یہ نہیں ہے۔ تم دونوں بہت اچھے ہو۔ فیروزہ آنٹی بھی۔ بڑی اماں سب گھر والے بھی لیکن۔ دراصل ہم اپنے والدین کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتیں۔ اور وہ کسی صورت یہاں آئیں گے نہیں۔ اب تم نے جو سوچنا ہے وہ سوچ لو۔ ورنہ ہم وقت آنے پر واپس گھر چلے جائیں گے۔"

"لیکن ایسے کیسے۔؟۔ میرا مطلب۔" ہچکی گلے میں ہی اٹک گئی۔

"بس عثمان! یہ ہی بات تھی۔ ابو کا کوئی بیٹا نہیں' اوپر سے تو وہ کہتے رہتے ہیں کہ تم دونوں پاکستان شفٹ ہو جاؤ گی تو اسٹور کرائے پر دے دوں گا۔ مزے سے کٹے گی۔ لیکن ہمیں پتا ہے کہ اندر سے وہ دونوں کس قدر شکست خوردہ ہو چکے ہیں۔ ہم انہیں کسی صورت تنہا نہیں کرسکتیں۔"

"اور اگر ہم بھی ساتھ چلیں تو۔؟"

"ابو نے فیروزہ آنٹی سے اس موضوع پر بھی بات کرلی ہے۔ وہ کسی صورت اس گھر' بڑی اماں' **حفصہ** چاچی' اس شہر کو چھوڑ کر جانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ فیروزہ آنٹی نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر وہ میرے بیٹوں کو گھر داماد بنانے کی سوچ رہے ہیں تو اپنی بیٹیوں کو واپس بلالیں۔ ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں۔ آنٹی کبھی نہیں مانیں گی۔"

عثمان' فرحان دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر منہ لٹکا کر بیٹھ گئے۔ ماریہ نے سوالیہ نگاہوں سے دونوں کو ٹٹولا تھا۔

"امی تو واقعی کبھی نہیں مانیں گی۔ مگر پھر بھی ایک طریقہ ہے میرے پاس۔" بڑی دیر بعد فرحان نے کہا تھا۔

"کیا۔؟" تینوں نے حیرت سے فرحان کو دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بس بھئی۔ اب واپس چلو۔" اگلے دن ناشتے پر **حفصہ** چاچی نے اعلان کردیا۔

"کیوں ممی اتنی جلدی۔" جٹ اور بٹ ایک ساتھ بولے۔

"جلدی کے بچے" آج دسواں دن ہو گیا ہے۔ اور ویسے بھی جو کام کرنے آئے تھے وہ تو ہو گیا۔ میرا مطلب سیر وغیرہ ہو گئی۔" سالوں سے یہ ان کی عادت بن

گئی تھی یا کمزوری کہ روانی میں بات کرتے کرتے ان کے اپنے ہی خیالات اور قیاس ان کی زبان پر آجاتے تھے۔ ان کی نظریں تو ویسے ہی اتنے دن سے چاروں پر گڑی ہوئی تھیں اور کل شام کو تو شک کی گنجائش ہی نہ باقی نہ رہی تھی۔

کچی سڑک پر پھسلتی ماریہ کو ہاتھ بڑھا کر جو عثمان نے سنبھالا تو پھر ہاتھ چھڑانا ہی بھول گیا۔ رات گئے تک دونوں کے ہاتھ **حفصہ چاچی** کی کڑی نظروں کی آنچ تلے بھی جدا نہ ہوئے۔

ادھر فاریہ نے بھی گرم کافی ختم کرنے کے بعد فرحان کے کندھے پر جو سر رکھا تو پھر جیسے وہاں ہی چپک کر رہ گئی۔

اور اب ناشتے کی ٹیبل پر بھی **حفصہ چاچی** کن اکھیوں سے عثمان' فرحان کو دیکھ رہی تھیں۔ جن کے چہرے بڑی عجیب روشنیوں سے دمک رہے تھے۔ محبت کی روشنیوں سے۔ ایک **خنجر سا حفصہ چاچی** کے سینے میں اتر گیا۔ کاش جو جٹ اور بٹ ذرا بڑے ہوتے تو آج ان کے ساتھ ساتھ وہ بھی اسی طرح چہک رہی ہوتیں۔

"فیروزہ تو بے وقوف ہے۔" انہوں نے دل میں سوچا۔ "منیر نے امریکا میں سیٹل ہونے کی آفر مجھے کردی ہوتی تو ایک منٹ کی دیر نہ کرتی۔ جٹ اور بٹ سے بھی پہلے وہاں پہنچ جاتی۔

"کیوں ماریہ! تمہارا کیا ارادہ ہے۔" عثمان نے پوچھا۔

"جیسے آنٹی کہیں۔"

"اور یہ آئرن لیڈی۔ میرا مطلب فاریہ تم۔" فرحان نے چاچی کو گھورا۔

"جیسے ماریہ کہے۔"

"تو بس پھر ٹھیک ہے۔ خریداری وغیرہ تو کرہی لی ہے۔ دوپہر کو پنڈی کے لیے نکلتے ہیں اور شام ساڑھے چھ والی ٹرین سے گھر چلتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے چاچی۔ میں امی کو فون کردیتا ہوں پھر۔" سب خاموشی سے ہوی ناشتہ کرنے لگے۔

☆ ☆ ☆

گجرانوالہ میں بڑی اماں اور فیروزہ تائی بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ فیروزہ تائی بڑی اماں سے اپنے خدشوں کا اظہار کررہی تھیں۔

"اماں! ماریہ کی طرف سے تو مجھے پکی امید ہے کہ اسے عثمان پسند آگیا ہوگا۔ لیکن فاریہ کو دیکھ کر ایسے لگتا ہے جیسے اس کے انگ انگ میں انکار لکھا ہو۔"

"ایسے ہی فکریں نہ کیا کر۔ تو جانتی نہیں فرحان کو بھی۔ انتہا کا ڈھیٹ ہے۔ چیونگم کی طرح کسی شے سے چپک جائے تو اتارنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اب تو پھر اس کی زندگی کا سوال ہے۔"

"پھر بھی۔ بات نہ بنی تو۔" فیروزہ تائی کی کسی طور تسلی نہیں ہو پارہی تھی۔

"تو کھیر کھار کر زبردستی روک لیں گے۔"

"زبردستی؟" فیروزہ تائی نے چیخ ماری۔

"ائے ہئے... زبردستی مطلب' پیار سے... منا کر راضی کرلیں گے... اونچ نیچ سمجھا کر۔"

"امریکن لڑکی کہاں سمجھے گی اماں اونچ نیچ۔"

"تو گھبرا مت... تیرا پیسہ ضائع نہیں ہوگا... منیر کو فون کروں گی میں۔"

تب ہی فون کی بیل بجی۔ فیروزہ تائی فون سننے چلی گئیں اور اماں "قبرستان کی سی خاموشی" کا ایک نیا ڈرامہ دیکھنے لگ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد فیروزہ تائی آئیں تو روئی کی طرح پھولی ہوئی تھیں۔

"اماں! رات کو وہ لوگ آرہے ہیں واپس... اور عثمان مبارک باد دے رہا ہے... کہہ رہا تھا کہ اماں دونوں کے ٹانکے فٹ ہوگئے۔"

"چلو خیر مبارک... پر یہ عثمان نے اتنی گندی زبان سے کہا تجھ سے... یا تو خود بھی کسی سے کم نہیں؟"

"سارا دن تو انڈین' پنجابی فلمیں دیکھتے رہتے ہیں... اوپر سے رہی سہی کسر جٹ اور بٹ نے نکال دی ہے... تھیٹر دیکھ دیکھ کر اور گھر میں لگا لگا کر۔ سب کی ہی زبانیں آری کی طرح تیز اور سپرنگ کی طرح

لچک دار ہوگئی ہیں۔"

"تونے اور حفصہ نے تو قسم کھا رکھی ہے کہ مر جائیں گے لیکن اپنے بچوں پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔۔۔ خیر جا' اب رات کے کھانے کی تیاری کر۔۔۔ سب سفر کے تھکے ہوں گے۔ آتے ہی کھانا مانگیں گے۔ ہمارے تو لیٹے لیٹے ہی چڑتے رہتے ہیں۔۔۔ اب تو پھر چڑھائیاں اتر کر آرہے ہیں۔" اماں نے حسب معمول حقیقت پسندی سے کام لیا۔

"اماں آپ بھی نہ۔۔۔ عینک کے پیچھے سے ہی سب کی خبر رکھتی ہیں۔" فیروزہ تائی ہنستی ہوئی کچن میں چلی گئیں۔

☼ ☼ ☼

دونوں کا نکاح بہت دھوم دھام سے کیا گیا تھا۔ ایک طرح کی بنا رخصتی والی شادی ہی تھی یہ۔۔۔ منیر چچا نے کافی خطیر رقم بھیجی تھی۔ جس سے فیروزہ تائی نے اپنے دل کے بھی اگلے پچھلے سارے ارمان نکال لیے تھے۔

ہر ہر پل کی تصویر اتارنے کا کام ریحانہ کے سپرد تھا۔ جو خیر سے اس نے بڑی ایمان داری سے نبھایا بھی۔ منیر چچا کو وہ ہی تصویریں فیس بک پر فورا" اپ لوڈ کی گئیں۔ اسکائپ کے ذریعے وہ اور ان کی بنگالی بیوی مواصلاتی طور پر تو ویسے ہی محفل میں موجود تھے۔

فنکشن کے دو ہفتے کے بعد ماریہ اور فاریہ واپس امریکا چلی گئیں۔ رخصتی چھ ماہ بعد طے ہونا پائی تھی۔

ماریہ' فاریہ کے جانے کے بعد یا تو عثمان' فرحان نے ان کا غم لے لیا تھا یا پھر کوئی اور بات تھی۔ دونوں کی سرگرمیاں کافی مشکوک ہوتی جارہی تھیں۔ کانا پھوسی تو خیر سے ہر وقت ہی کرتے رہتے تھے' اب اشاروں میں بھی پوری پوری گفتگو کرنے لگے۔ سارا سارا دن باہر رہ کر نجانے کہاں کہاں کی خاک چھانتے پھرتے۔ گھر واپس آتے تو بال تک مٹی سے اٹے ہوتے۔۔۔ فیروزہ تائی نے جب بھی پوچھا' آگے سے ایک ہی جواب ملا کہ 'منیر چچا نے جلد سے جلد کوٹھی خریدنے کا کہا ہے' بس وہ ہی دیکھنے جاتے ہیں۔"

منیر کے بھی فون پر فون آنے لگے۔ ماں' بھائی' بھابھی' سمدھی سے تو وہ بس حال احوال ہی دریافت کرتا۔ لمبی لمبی باتیں تو عثمان' فرحان سے ہی ہوتی تھیں۔

پورے گھر میں صرف حفصہ کو کچھ کچھ اندازہ ہوگیا تھا کہ کوئی کھچڑی ضرور پکنے لگی ہے اندر خانے۔۔۔ لیکن یہ کھچڑی کس دال کی ہے اس بات کا انہیں گمان تک نہ تھا۔

امریکا سے کچھ پارسل وغیرہ بھی آئے۔ جن کے اندر سے بھی نجانے کیا کیا بم نکلے۔ گھر والوں کو تو عثمان' فرحان گولیاں ٹافیاں ہی نکال نکال کر دکھاتے رہے بس۔۔۔ پھر ایک دن یہ سلسلہ جیسے شروع ہوا تھا ویسے ہی اچانک اپنے آپ ختم بھی ہوگیا اور بڑی اماں سمیت کسی کو خبر نہ ہوسکی کہ کھچڑی پکی کہ دال۔۔۔؟

☼ ☼ ☼

خط کا متن کچھ یوں تھا۔

"امی۔۔۔!

آپ کے دونوں نیک سیرت اور فرماں بردار بیٹے ایک نافرمانی کرنے جارہے ہیں۔ اس نافرمانی کو پہلی غلطی سمجھ کر معاف کردیجیے گا۔ ماریہ فاریہ دونوں نے شادی کی ایک ہی شرط رکھی تھی کہ وہ شادی کے بعد پاکستان میں ہرگز نہیں رہیں گی۔ منیر چچا نے اور ہم دونوں نے بھی اس بات پر آپ کو منانے کی کوشش کی' لیکن آپ نہیں مانیں۔

ہم دونوں نے بہت سوچا اور پھر ایک دن اپنے پاسپورٹ بنوالیے۔ منیر چچا سے ساری بات ہوچکی ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ امریکا میں تم دونوں کی شادی کی سادہ سی تقریب کروا دوں گا۔ آپ فکر مت کیجیے گا۔ ہم دونوں آپ کو ایک ایک منٹ کی تصویر ارسال کریں گے۔ ظاہری بات ہے بیٹوں کی شادیوں کا بڑا مان ہوتا ہے ماؤں کو (نکاح بھی تو پوری شادی ہی تھا)۔

زندگی میں ملے ایسے سنہری موقع کو ہم کسی صورت کھونا نہیں چاہتے تھے لیکن وعدہ کرتے ہیں کہ منیر چچا

نہیں بنیں گے۔ بلکہ سال کے سال پاکستان آتے رہیں گے۔ اور اگر آپ مان گئیں تو آپ کو بھی امریکا بلالیں گے۔ یہ سب کچھ اتنا ہی آسان ہے جتنا یہ خط لکھنا۔ منیر چچا نے اسٹور ہمارے نام لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ سوچ سکتی ہیں کہ جاتے ساتھ ہی ہمارے قدم وہاں کس قدر مضبوط ہو جائیں گے۔ ہو سکے تو معاف کر دیجیے گا اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

آپ کے دونوں نالائق بیٹے

عثمان' فرحان

خط لکھنے کے بعد فرحان نے اسے دوبارہ پڑھا تھا۔ اور پھر عثمان کو پڑھنے کے لیے دیا تھا۔

"یار! کہیں امی زیادہ ناراض ہی نہ ہو جائیں۔" عثمان کو یہی فکر کھائے جارہی تھی۔

"اوہ یار... کتنی دفعہ تو ہو چکی ہے اس موضوع پر بات... نہیں ناراض ہوں گی امی... ماؤں کی خوشی تو اسی میں ہوتی ہے کہ ان کی اولاد خوش رہے بس... اور وہ خواتین کے ناولوں میں اکثر پڑھا نہیں کہ مائیں کب بیٹوں سے بدظن ہوتی ہیں' وغیرہ وغیرہ۔"

"اوئے..." عثمان کچھ کہتے کہتے رُکا "تو کب سے پڑھنے لگا خواتین کے ناول...؟"

"وہ... وہ..." فرحان کسی کنواری دوشیزہ کی طرح جھینپ جھینپ گیا۔

"وہ تمہیں وہ ریحانہ پڑھتی ہے نا... تو دو ایک دفعہ میں نے بھی پڑھے تو مجھے بڑے اچھے لگے بس تب ہی..."

"بتاؤں ریحانہ کو کہ وہ کوکنگ شو کرتی ہے تو اس کا بھائی کیا کیا کرتا ہے؟؟"

"چھوڑ یار! یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔"

"ہاں... ہم امی کی بات کر رہے تھے۔" عثمان کی سنجیدگی کی انتہا پر تھی آج... جس چیز کا پلان وہ مہینوں سے بنا رہے تھے اب وہ دن آ گیا تھا تو دل حلق میں آنے لگا تھا اور پورا وجود دھڑکن بن گیا تھا۔

"کچھ نہیں ہو گا یار... اور ہم کون سا کہیں بھاگ کر جارہے ہیں... منیر چچا ہمارے اپنے ہی تو ہیں... اتنا عرصہ وہ اس خاندان سے دور رہے ہیں اب کچھ حق تو ان کا بھی بنتا ہے نہ... اور امی کو کون سا ہم پرایوں کے بیچ چھوڑ کر جارہے ہیں... بڑی اماں سگی ماں سے بھی بڑھ کر ہیں امی کی... اور حفصہ چاچی جیسی نیک سیرت' نیک طبیعت عورت تو میں نے اپنی پوری زندگی میں کوئی نہیں دیکھی۔"

"قسم سے بہت بڑا... کمینہ ہے تو..."

"اور لکھ تو دیا ہے کہ جب امی مان گئیں تو ان کو اپنے پاس بلالیں گے۔"

"چل 'اب اس خط کو رکھ دے یہاں فوم کے نیچے..."

"واہ رے موٹی عقل... جاتے جاتے بھی ماں کو تھکا کر جائے گا... پورا کمرہ چھان لیں پھر یہ خط ملے ان کو فوم کے نیچے سے... سرہانے کے نیچے رکھ دیتا ہوں..."

"ہاں ہاں وہیں رکھ دو... اور چلو اب نکلو... بڑی خاموشی سے نکلنا ہے گھر سے۔" عثمان باہر جا کر گھر کا جائزہ لینے لگا کہ کوئی جاگ تو نہیں رہا اور فرحان خط رکھنے کے بعد بیڈ کے نیچے سے تیار شدہ بیگ نکالنے لگا۔

کمینے کے چہرے پر افسردگی نام کو نہیں جھلک رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات بارہ بجے کے قریب دونوں بھائی بلیوں کی طرح دبے قدموں اس گھر سے نکلے... تین بجے لاہور ایئرپورٹ پہنچے اور پانچ بجے امریکا کے لیے ٹیک آف کر گئے۔

صبح سات بجے کے قریب اس گھر میں ایک بھونچال آیا تھا۔

کوئی آتش فشاں پہاڑ جب کسی بستی کے عین درمیان سے پھوٹ پڑے تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ وہاں کیسی ہاہا کار۔ مچتی ہو گی۔ بس ویسی ہی ہاہا کار آج صرف اس ایک اکیلے گھر سے اٹھ رہی تھی۔

"بھاگ گئے... بھاگ گئے۔"

"ہائے... کون بھاگ گئے...؟" حالانکہ بڑی اماں کی چھٹی حس نے پہلے ہی کچھ انہونی ہونے کی گواہی دے دی تھی۔

"ہم سب کے منہ پر کالک مل کر... اس گھر میں نقب لگا کر... ہمارے سروں میں خاک ڈال کر... دونوں بھاگ گئے اماں... گھر کے سارے شیشے توڑ کر... جندرے کھول کر..."

"بند کر یہ کتاب گھر... پہلے بتا کون بھاگ گئے۔"

"عثمان اور فرحان اماں...!" بڑی اماں پٹ سے آرام کرسی پر بیٹھیں۔ جلدی جلدی تھوڑے جھولے لیے۔

"راتوں رات نکل لیے دبے قدموں... ہائے ربا... بوڑھی ماں کا بھی خیال نہ کیا۔" فیروزہ تائی بے ہوش ہوجانے کے قریب تھیں۔ لیکن نجانے کیوں ہو نہیں رہی تھیں۔

آہستہ آہستہ گھر کے سارے افراد لاؤنج میں جمع ہونے لگے۔ حفصہ چاچی تو جاگ ہی رہی تھیں۔ شور سن کر ارشد بھی نیچے اترا اور ریحانہ تو ویسے ہی کالج جانے سے پہلے چہرے پر ماسک لگانے کی عادی تھی۔

"لاؤ دکھاؤ مجھے یہ خط..." ارشد نے خط پکڑا۔ پڑھا، پڑھ کر سنایا اور توڑ مروڑ کر فرش پر پھینک دیا۔

"ہائے... منیر کو فون کریں ارشد بھائی۔"

"ہاں میں کر رہا ہوں۔"

"ہائے اب میں لوگوں کی باتوں کا سامنا کیسے کروں گی۔" فیروزہ تائی کا منہ حفصہ کی طرف تھا جنہوں نے انہیں بڑھ کر گلے سے لگالیا۔

"صبر کریں فیروزہ بھابی... جانے والوں کے ساتھ جایا تھوڑی نہ جاسکتا ہے... میرا مطلب فلائٹ سے جانے والوں کے ساتھ..."

منیر کا نمبر تو بند تھا۔ گھر کا نمبر بھی بند ملا... ماریہ فاریہ کے نمبروں پر بھی میسج چھوڑنے کی ریکارڈنگ لگی ہوئی تھی اور عثمان، فرحان تو گئے ہی منصوبہ بندی کر کے تھے۔

"کسی کا فون نہیں آتا... سب کے نمبر بند ہیں..."

سب شریک تھے اس گھناؤنی سازش میں۔" ارشد چلایا۔

"ہائے بڑا گھنا نکلا منیر بھی... کیسے بھابھی جی... بھابھی جی کہہ کر بات کیا کرتا تھا۔" فیروزہ تائی نے دہائی دی۔

"منیر تو شروع سے ہی ایسا دغاباز رہا ہے..." بڑی اماں پرانے قصے لے بیٹھیں۔

"یہ امریکا بھی تو میری لاکھ کی کمیٹی چرا کر ہی گیا تھا۔"

"اماں! تم نے بچپن سے ہی آستین کے سانپ پال رکھے ہیں۔"

"سانپ کہاں اپنا کوانڈا کہیں بھابھی۔"

"ہائے میرے دونوں بچے... مجھے تو اسی دن ہی شک ہوگیا تھا جب دونوں چپکے چپکے نجانے کون کون سے فارم بھرنے لگے تھے اور میرے شناختی کارڈ کی کاپیاں مانگنے لگے تھے۔"

"آپ نے اس وقت کیوں نہ اطلاع دی ہمیں بھابھی!" ارشد نے پوچھا۔

"میں سمجھی کوئی کار وغیرہ خرید رہے ہیں اور ماں کے نام لگا کر سرپرائز دیں گے ماں کو۔"

"سرپرائز ہی تو دیا تھا۔" حفصہ چاچی نے بمشکل مسکراہٹ دبائی۔

"ہائے مجھے سنبھالو... میں کہیں بے ہوش ہی نہ ہو جاؤں۔"

"ریحانہ! جا جا کر پانی لا..."

گم صم کھڑی ریحانہ کی تو حالت ایسی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں... اسے بھائیوں کے اس طرح سروں پہ خاک ڈال کر بھاگ جانے کا بالکل دکھ نہیں تھا... لیکن یہ غم ضرور کھائے جا رہا تھا کہ اب وہ کہاں گرمیوں کی چھٹیوں میں امریکا جائے گی۔ الٹا بھائی اور بھابھیاں ہی گرمی، سردی کی چھٹیاں گزارنے یہاں آجایا کریں گے۔

"ریحانہ..." بڑی اماں نے گھورا... حفصہ نے چٹکی کاٹی۔

"جی دادی۔" وہ چونک کر بھی حیران نہ ہوئی۔

"پانی لے آماں کے لیے... دیکھ نہیں رہی کتنا ہلکان ہو رہی ہے میری بچی۔"

"شکل سے کیسی شریف، سادہ اور نیک سیرت لگتی تھیں اور دیکھو لے اڑیں ہمارے بیٹوں کو... بڑی مکارن نکلیں۔"

"بنگالن نے تربیت ہی ایسی کی ہوگی بھابھی کہ ماؤں کے لال گھیر گھار کر چھینو ان سے۔"

"خود بنگالن نے بھی تو یہ ہی کیا... منیر کو پاکستان آئے پچیس سال ہو گئے۔" بڑی اماں کو آج ماضی رہ رہ کر یاد آ رہا تھا۔

"تصویروں میں بھی کم چالاک نہ لگتی تھیں۔ آپ ہی نہ سمجھ سکیں بھابھی!"

"میں تو سدا کی ہی معصوم رہی... تم ہی کچھ نظر رکھتیں نا بچوں پہ..."

"ریحانہ لے آ پانی... بٹی! چھوڑ دے آج کو کنگ شو کی سروس... ماں آر پار ہو جائے تو چاہے ریپیٹ پروگرام بھی براہ راست کر لیا کرنا۔" بڑی اماں چلائیں۔

"ہائے میرے دونوں جیتے جاگتے سپوت۔"

"بھابھی! اتنا غم نہ کرو... دونوں نے آپ کو منانے کی کوشش کی تو تھی۔ منیر نے الگ جان ماری... لیکن آپ ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ بعض اوقات ہم اپنی انا اور ضد کے باعث بچوں کی خوشیوں کا قتل کر دیتے ہیں... اور واقعی کیسے رہتیں ماریہ فاریہ یہاں پہ... کس قدر تو لاقانونیت ہے یہاں... اوپر سے لوڈشیڈنگ، بے ایمانی، دو نمبری..."

"ہائے... ہم نہیں رہ رہے یہاں حفصہ..."

فیروزہ تائی نے اونچی آواز میں جواز پیش کیا۔ بڑی اماں کو پانی یاد آ گیا۔

"ریحانہ پانی لینے گئی ہے یا سندھ طاس کا معاہدہ کرنے گئی ہے۔"

"یہ لیں امی پانی..." ریحانہ نے ماں کو پانی پکڑایا۔ بڑی اماں نے چادر کے پلو پر گرہ باندھی۔ "بعد میں

پوچھوں گی تجھے نفسیاتی مریضہ۔"

"اور دونوں نے لکھا تو ہے کہ جیسے ہی آپ مان گئیں وہ آپ دونوں کو بھی بلالیں گے۔ کسی غیر کے پاس تھوڑی نہ گئے ہیں۔ منیر چچا بھی ہے ان کا۔۔۔ اور اس نے اسٹور بھی تو اپنے دامادوں کے نام کرنے کا وعدہ۔" آخری بات کرتے کرتے حفصہ چاچی نجانے کس دیس کے خیالوں میں کھو گئیں۔۔۔ امریکا۔۔۔ اسٹور۔۔۔ اچھا لائف اسٹائل۔۔۔ گرم گھی میں کڑکڑاتے زیرے کی طرح وہ بھی فوراً" جل بھن گئیں۔

فیروزہ تائی نے پانی پیا تو خود کو کچھ نارمل محسوس کیا۔۔۔ کچھ حفصہ کی باتیں اور کچھ حقیقت پسندی کی ان کی اپنی نظر۔۔۔ غبارے میں سے جیسے ساری گیس نکل گئی تھی اور اب وہ پھس پھسی گیند کی طرح صوفے پر بیٹھی تھیں۔

"پر حفصہ! اس طرح جانے کا کیا مطلب۔۔۔ مجھے بتایا تو ہوتا۔" فیروزہ تائی چاہتی تھیں کہ ابھی ان کو مزید سمجھایا جائے اور مزید شانت کیا جائے۔

"الگ گھر لینے پر تو آپ نے کتنی مشکل سے اجازت دی تھی عثمان فرحان کو۔۔۔ اب امریکا جانے کی بات پر تو آپ نے دونوں کو گھر سے ہی باہر نکال دینا تھا۔"

"اور وہ دونوں خود ہی باہر نکل گئے۔" بڑی اماں نے دبے تالی والے لہجے میں کہا۔

"لیکن بھابی! اتنا بڑا قدم۔۔۔ ماں کو خاطر میں ہی نہ لائے۔۔۔" تسلی نہیں ہو رہی تھی بھئی۔۔۔ دراصل اپنے ذہن کو وہ حفصہ کی باتوں کے ذریعے سمجھا رہی تھیں۔

"ہاں۔ یہ ان کی غلطی ہے۔۔۔ آئیں تو سو جوتے لگانا۔۔۔ پر خدا کے لیے اپنے دل میں میل مت رکھنا۔۔۔ نادانی کی ہے بچوں نے کوئی گناہ نہیں۔۔۔ اپنی اپنی زندگی جینے کا ان کو پورا نہ سہی تھوڑا سا تو حق ہے۔" حفصہ چاچی اتنی اچھی پتا نہیں کب سے ہو گئی تھیں۔

"مائیں بیٹوں سے کب بدظن ہوتی ہیں چاچی۔"

ریحانہ نے بھی شرکت کی۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ خواتین کے ناولوں کا اثر۔۔۔

کمرے میں ٹہلتا ارشد بھی دھپ سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ مختلف نمبر ملانے اس نے کب سے بند کر دیے تھے۔ اب کوئی نمبر مل بھی جاتا تو وہ آگے سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ حفصہ چاچی کی باتوں کے سب ہی قائل ہو گئے تھے۔ کمرے میں خاموشی سی چھا گئی جیسے بیٹھے بیٹھے ہی سب نے عثمان فرحان کو معاف کر دیا ہو۔

"جاؤ ناشتے کا انتظام کرو۔۔۔ بھوک لگی ہے بھئی۔" حفصہ نے دو تین کشن فیروزہ تائی کے اطراف رکھ دیے۔ مبادا کہیں لڑھک ہی نہ جائیں۔ نیچے فرش پر بھئی۔۔۔

بڑی اماں نے بھی اپنا مونگ پھلیوں کا شاپر نکال لیا اور ریحانہ چہرے کے کناروں پر لگا ماسک اتارنے کے لیے غسل خانے میں چلی گئی۔

اس خاموشی کے سحر کو جٹ بٹ کے گانے کی آواز نے توڑا تھا۔ دونوں سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ اس گھر میں آئے صبح کے بھونچال سے بے خبر۔۔۔ بٹ حسب عادت بڑی اونچی آواز میں گانا گا رہا تھا۔ کسی نے ان کو ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

"اتنا بتا دوں تجھ کو، چاہت میں اپنی مجھ کو۔۔۔"
ہونے لگا اعتبار۔۔۔

دونوں صوفے میں دھنس گئے تو بٹ نے آخری فقرہ جٹ کے کان کے قریب پردے پھاڑ دینے والی آواز میں ادا کیا۔

"اتنا تو مجھ کو بتا دے"

جٹ نے بھی دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھا لیے۔

"اللہ تو اس کو ملا لے"

دعا اتنی معصومیت سے مانگی جا رہی تھی کہ بٹ کا تو منہ بن گیا اور بڑی اماں، فیروزہ تائی اور ارشد سب بے اختیار ہو کر ہنس پڑے۔

فرزانہ کھرل

تضاد

دوپہر کی دھوپ برآمدے تک آرہی تھی ملازمہ نے اس کے کہنے پر وہیں کھانا لگادیا تھا، وسیع و عریض صحن کے کشادہ لان میں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے بچوں کو دیکھ کر اس نے سستی سے انگڑائی لیتے ہوئے دونوں بچوں کو آواز دی۔

"حمزہ... حمنیٰ آجاؤ۔"

بچوں کے آنے سے قبل تین چار کوے اردگرد اڑنے لگے۔ ملازمہ نے پتلی سی چھڑی چارپائی کے ساتھ ٹکادی۔

"یہ بڑے ڈھیٹ ہیں آواز دینے سے نہیں اڑنے والے ہش ہش کانے کوے۔" ملازمہ نے تو چھڑی لہرا کر ایک مرتبہ انہیں اڑا دیا تھا مگر اب یہ دلچسپ مشغلہ وقتاً فوقتاً بچے انجام دے رہے تھے۔

کچھ دیر بعد ایک آوارہ سا کتا زبان لٹکائے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔

"اس سے تو اچھا تھا کھانا اندر ہی کھالیتے۔" اس کی ساس نے باہر آکر بچوں کی بھاگم دوڑ کو ناگوار نظروں سے دیکھا۔

"بس دھوپ میں بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔" وہ کھسیانی سی ہو کر بولی۔

اس کے لیے یہ سب نیا نہیں تھا مگر بچے جب، جب گاؤں آتے تو ان سب کو انجوائے کرتے تھے۔

"آپ لوگ کھانا ٹھیک طرح سے نہیں کھا رہے۔" اس نے حمنیٰ کو ٹوکا۔

"مما! جب آپ سو رہی تھیں۔ تو ہم قریبی باغ سے امرود کھا کر آئے تھے۔"

تبسم نے باقی کھانا اور برتن ملازمہ سے کہہ کر اٹھوا لیے تھے مگر ایک ڈیڑھ روٹی ہاتھ میں پکڑلی... اب وہ ان کے چھوٹے، چھوٹے ٹکڑے کرکے کوؤں کو ڈالتی جارہی تھی، جیسے ہی ٹکڑا ہوا میں اچھلتا تو وہ اس کے گرنے سے قبل اچک لیتے، دونوں بچے حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اور کوؤں کے اچھے کیچ پہ تالیاں بجانے لگتے، آخر میں اس نے آدھی روٹی کتے کے آگے ڈال دی۔

"مما! آپ نے ان کو کھانا کیوں کھلایا ہے۔" چھ سالہ حمزہ نے اس کے رخسار پہ ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا، تبسم نے جھٹ اسے اپنی گود میں بٹھا لیا اور نرمی سے اسے بتانے لگی۔

"وہ اس لیے کہ اللہ پاک نے ان کا کھانا ہمارے رزق میں رکھا ہوتا ہے، یہ خود کما سکتے ہیں نہ پکا سکتے ہیں۔"

"تو مما! پرندوں کو کون کھانا دیتا ہے۔" حمنیٰ بھی اس کے دوسری جانب آبیٹھی تھی۔

"اوں..." وہ سوچ کر کچھ دیر بعد بولی۔

"آپ نے شہروں میں کبھی پرندے دیکھے ہیں۔"

"نہیں تو..." وہ دونوں ایک ساتھ بولے۔

"تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ان کو دانہ دنکا نہیں ملتا اس لیے یہ دیہاتوں میں رہنا پسند کرتے ہیں، یہاں کچی پکی فصلیں ان کی خوراک ہوتی ہے اور باغوں کے پھل بکثرت کھاتے ہیں۔" کتا بھرے پیٹ کے ساتھ دم ہلاتا جارہا تھا۔ "یہاں گاؤں میں گھروں کے کھلے دروازوں سے کتے اور بلیاں تقریباً" ہر گھر سے اپنے حصے کا کھانا وصول کرتے ہیں۔"

"تو کیا سب انہیں کھانا دیتے ہیں۔" بچوں کے لہجے

میں حیرانی کے ساتھ دلچسپی کا عنصر نمایاں تھا۔
"ہاں میری جان؟" "کیونکہ جانوروں کا اور پرندوں کا کھانا، ہمارے لیے صدقہ خیرات کا موجب بنتا ہے۔"
ابھی جملہ پورا ابھی نہیں ہوا تھا کہ حمزہ بھاگتا ہوا کچن میں گیا اور ایک منٹ بعد ہڈیوں والی پلیٹ اس کے ہاتھ میں تھی۔ انار کے پودے کے نیچے بلی منہ بسورتی کچھ دیر بعد میاؤں میاؤں کا راگ الاپتی تھی اب وہ حمزہ کی جانب تشکرانہ نظروں سے دیکھتی ہڈیوں کا مزہ اڑا رہی تھی۔
"اللہ کو میرا کام پسند آیا ہوگا۔" رخ پھیر کر ماں سے تائید چاہی۔
تبسم نے مسکرا سر ہلایا۔ "کیوں نہیں اللہ تمہیں اس کام کا ڈھیروں ثواب دے گا۔" وہ اٹھتے ہوئے اس کا منہ چوم کر بولی۔
"اب میں کچھ دیر کے لیے تمہارے چچا کے گھر جا رہی ہوں، تم دونوں نے نہ کچے انار توڑنے ہیں نہ دادی کی لان میں لگی سبزیاں خراب کرنی ہیں۔"
"جی مما۔" دونوں بچوں نے تابعداری سے جواب دیا تو وہ مطمئن سی ارد گرد کے لوگوں سے ملنے کے لیے نکل گئی۔
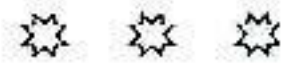
وہ لوگ ایک ہفتے کے لیے سردیوں کی چھٹیاں گزارنے گاؤں آئے ہوئے تھے۔ عفان جاب کرتا تھا اس لیے وہ ان کو چھوڑ کر واپس شہر چلا گیا۔ تبسم یہاں آکر دھوپ میں سونے کے خوب مزے لے رہی تھی۔ بڑا پرسکون ماحول تھا نہ ٹریفک کا شور نہ آس پڑوس میں چلنے والے جنریٹروں کی آوازیں، دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے اپنے لیے چائے بنائی اور لان میں رکھی کرسیوں پر سے ایک اپنے لیے اٹھا کر دیوار کے ساتھ ذرا سا اترتے سائے میں بیٹھ کر پینے لگی۔
"دوسرا تیسرا دن ہے۔ میں باہر کام والوں کے لیے روٹیاں پکوا کر رکھتی ہوں، جب نکالنے آؤں تو غائب ... ارے شنو! تجھے اللہ پوچھے پیٹ کے اندر کوئی کنواں تو نہیں کھود لیا۔" ساس کی شنو سے تفتیش پر وہ چونکی۔ ابھی کچھ دیر پہلے اندر سے ہاتھ میں روٹی لیے حمنیٰ کو باہر کی جانب بھاگتے دیکھا تھا۔ وہ بہت کچھ سمجھ گئی۔ چائے ختم کر کے وہ خالی کپ رکھنے اندر گئی تو شنو اپنی صفائیاں دیتی منہ لٹکائے کھڑی تھی۔
"اس بیچاری کو مت ڈانٹیے۔ یہ آپ کے پوتا، پوتی کا کارنامہ ہے۔ لائیے میں روٹیاں پکا دیتی ہوں۔" تبسم نے لہجے کی شرمندگی پہ قابو پاتے ہوئے آٹے کا تسلہ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

☆ ☆ ☆

پھر روزانہ اسے اپنی ساس سے اس قسم کی شکایتیں سننے کو ملتیں۔ فریج سے سارے سیب غائب تو کبھی مکھن کا خالی برتن پڑا منہ چڑا رہا ہوتا.... سالن سے بوٹیاں غائب' تو کبھی دودھ سے ملائی' کبھی سرے سے دودھ ہی غائب ہوتا' سوکھی روٹیوں کا ڈھیر جو بھینسوں کے لیے بھگو کر بطور چارہ کام آتا تھا اس ڈھیر میں اچھی خاصی کمی آچکی تھی ناشتے کے بعد وہ صحن کے پچھلے حصے میں بچوں کو ڈھونڈھتی آئی تو اسے آنکھیں مل کر منظر دیکھنا پڑا... پاپوں پہ مکھن لگا کر بلی کو ناشتہ کروایا جا رہا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے سخت لہجے میں انہیں ڈپٹا۔

"کچھ نہیں مما! بلی بیچاری کے بھی ناشتے کا ٹائم ہے۔" حمزہ پرجوش ہو کر بولا جبکہ دس سالہ حمنیٰ ماں کو دیکھ کر بھاگ لی... وہ سر تھام کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

رات کو اس کی ساس باتوں' باتوں میں اسے جتا گئی۔

"تبسم تم نے بچوں کی تربیت اس طرح کیوں کی ہے؟ ان کا اپنا گھر ہے مجھ سے مانگیں یا تم سے کہیں جس وقت دیکھو حمنیٰ بغل میں کچھ نہ کچھ چھپائے بھاگ رہی ہوتی ہے۔ حمزہ کو بھی غلط لت لگ گئی تو سوچو' بڑے ہو کر یہ عادتیں پختہ ہوں گی کہ نہیں۔" وہ اپنی طرف سے سچ کہہ رہی تھیں۔

اس پہ گھڑوں پانی پڑ گیا' بات اس کی تربیت پہ آ گئی تو اسے سچ بتانا پڑا... یہ سچ سننے کے بعد اس کی ساس کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد پڑ چکا تھا۔

"تو کیا ہفتے بھر سے ان منحوس پرندوں اور کتوں' بلیوں کے لیے فریج کا اور کچن کا صفایا ہو رہا تھا ہائے' ہائے' خود کھاتے کچھ گراتے کچھ بچاتے مگر میرا اتنا دودھ' ڈھیروں ملائی' دہی' انڈے' پھل بوٹیاں' ان آوارہ جانوروں کا چارہ بنتی رہیں۔" اب دوسرے دکھ میں گھری وہ ہاتھ مل رہی تھیں اور ان کی حالت دیکھ کر تبسم مجرموں کی طرح سر جھکائے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو گن رہی تھی' اس کے بچوں نے کافی ثواب کما لیا تھا کل ہفتہ تھا اب واپسی کے بارے میں سوچنا ہی مناسب حل تھا۔

☼ ☼ ☼

دوسرے دن وہ ساس سے ڈھیروں معذرت کرتی دیور کے ساتھ شہر آ گئی۔ اس نے اسٹور سے کچھ چیزیں خریدنے کے لیے گاڑی روکی تو تبسم نے بھی قریبی بک شاپ سے اپنے پسندیدہ ڈائجسٹ خرید لیے اور ہمیشہ کی طرح گھر آ کر اس کا غصہ سوا نیزے پر تھا۔ گھر کی حالت ہی ایسی تھی' الماری سے کپڑے باہر کی جانب ابل رہے تھے' میلے کپڑے جا بجا بکھرے' صوفوں اور کرسیوں سے گلے مل رہے تھے' کچن کا حال اس سے بھی برا تھا گندے برتنوں کا ڈھیر جمع تھا۔ "مجال ہے جو سلیقہ ان مردوں کو چھو کے گزر جائے۔"

عفان ابھی' ابھی آفس سے آیا تھا بچوں کو گھر میں پہلے سے موجود پا کر خوش ہو گیا مگر کانوں میں تبسم کا کہا آخری جملہ پڑا تو سنا ان سنا کر دیا۔

"آپ سب ہفتہ کو ہی واپس آ گئے۔ میرا خیال تھا واپسی اتوار کو ہو گی۔" اس نے غصے سے ادھر ادھر ٹہلتی بیوی سے پوچھا۔

"آپ ایک' چار رضائیاں' تین چار ٹاول اور کوئی بیس ایکس پلیٹوں کا استعمال' ہے کوئی بات؟" وہ حقیقتاً "کھول رہی تھی۔

"بیڈ روم میں تو رضائی کا ہونا یقینی تھا۔ لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے وقت' بچوں کے کمرے میں ایسے ہی شام کو کتاب لے کر بیٹھا تو رات کو اسی گرم لحاف میں سو گیا اور گیسٹ روم میں کل رات ایک دوست آیا تو میں اور وہ ڈرائی فروٹ کھاتے ہوئے اتنے سرد موسم میں تو بغیر رضائی کے گپیں نہیں لگا سکتے تھے۔" سب سوچ کر وہ خود ہی مطمئن ہو گیا۔ رہی بات ٹاولز کی تو جو ہاتھ لگا سو لگا۔ "اب میں کیا کروں یار.... گھر کی چیزیں ہی ایسی ہیں۔ ایک کی طرف ہاتھ بڑھاؤ تو تین ہاتھ آ جاتی ہیں۔"

اس کے لہجے میں چھپی شرارت سمجھ کر وہ مزید سلگ گئی۔

"ایک تو قسمت کی خرابی اکلوتی بیوی وہ بھی ہاتھ نہیں آئی..." وہ بھی اس کے ساتھ چیزیں سمیٹنے لگا۔

"ایک دو اور لے آئیں شوق سے پھر تو آپ کا بھی کباڑا ہو گا۔" وہ اس کی بات کا مطلب سمجھ کر زور سے ہنس دیا تھا۔

"اگر کل اس وقت آتیں تو دیکھتیں گھر کیسے چمک رہا ہوتا میں کھانا باہر سے لے آتا ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔

عفان اور بچوں نے ہی کھانا کھایا وہ بچوں کے اور اپنے کپڑے الماری میں سیٹ کر کے رکھنے لگی' گھر کا تمام پھیلاوا سمیٹ کر وہ بیڈ روم کے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا خالی جگ اٹھانے آئی تو مسرت بھری نظر اپنے رسالوں پہ ڈالی کیا سوچ کر خریدے تھے کہ کل اتوار ہے سکون سے رات کو لحاف میں لیٹ کر دونوں ختم کر لوں گی' دن تو گھن چکر بنے گزر جاتا ہے... مگر گھر کی بے ترتیبی نے سارے آئیڈیاز کا بیڑا غرق کر دیا تھا۔

آہ... ہا ہم سے اچھا تو یہ ڈائجسٹ ہے جن کی طرف دیکھا تو جا رہا ہے بھلے حسرت سے ہی سہی۔" عفان نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔ "ایک ہم ہیں ایک ہفتے بعد آئی ہوئی پیاری سی بیوی نے اک نگاہ غلط بھی ڈالنا پسند نہیں کی" اس کی سرد آہوں سے دسمبر بھی شرما رہا تھا۔

مگر وہ اس وقت کسی رومانس کے موڈ میں نہیں تھی۔ ابھی کچن کا پھیلاوا یونہی پڑا تھا۔ "اف! ایک تو یہ چیونٹیاں۔" اس نے روٹیاں لپیٹنے والے رومال کو چٹکی سے پکڑ کر سیدھا کیا چیونٹیاں موتیوں کی طرح جھڑ' جھڑ نیچے گرنے لگیں۔ تمام کچن صاف' ستھرا کرنے کے بعد اسے زبیدہ آپا کا ٹوٹکا یاد آیا... اس نے ہلدی میں نمک ملا کر چیونٹیوں کے بلوں کے آگے بھرا اور اس اس جگہ پر چھڑکا جو ان کی رہگزر تھی اور تھکی' ہاری بیڈ پہ ڈھے سی گئی... وہ لوگ پانچ بجے گھر آئے تھے سات گھنٹے لگے تھے اسے گھر سنوارنے اور صاف کرنے میں۔

صبح وہ اٹھی تو گیارہ بج رہے تھے' بچے اور عفان حلوہ پوری کا ناشتہ کر چکے تھے' منہ ہاتھ دھونے کے بعد اسے چائے کی طلب کچن میں لے آئی' رات کو بھی غصے میں کچھ نہیں کھایا تھا' کچن میں آتے ہی وہ ششدر رہ گئی' کالی بدلیوں کی صورت چیونٹیوں کا جمگھٹا دیواروں اور کاؤنٹر پہ گامزن تھا جیسے قطار در قطار فوجیوں کی ٹولیاں اپنے محاذوں پر ڈٹی ہوں اسے اپنے ٹوٹکے کے ضائع ہونے کا حد درجہ افسوس ہوا۔ جب قریب جا کر دیکھا تو اس کا دماغ بھک سے اڑا... ہلدی اور نمک صاف کر کے اس کی جگہ فروٹ کیک اور بسکٹوں کا چورا جا بجا تھا ابھی پلٹ کر وہ غصے سے دھاڑنے والی تھی کہ حمزہ اس کی طرف بھاگا۔

"مما آپ نے جو کیا اللہ آپ سے ناراض ہے۔" وہ منہ بگاڑ کر خفگی سے بات کر رہا تھا۔

"آپ نے چیونٹیوں کو کھانے کے لیے نمک دیا ہمیں تو کہتی ہیں نمک کھانے سے گلا خراب ہوتا ہے' اگر ان کے چھوٹے بچوں کو گلا خراب ہو جاتا تو... اتنی سردی میں وہ کہاں سے کھانا لاتیں... ان کے تو ہاتھ بھی نہیں ہیں' نہ وہ کما سکتی ہیں نہ پکا سکتی ہیں۔ اس لیے ہم نے بسکٹوں کا چورا یہاں رکھ دیا تھا۔ دیکھ لیں! اب ساری فیملی کھا رہی ہے۔" چیونٹیوں کی چھت تک جاتی لمبی سیاہ قطاریں دیکھ کر حمزہ کی آنکھیں چمک رہی تھیں مگر ماں کو دیکھتے ہی وہ منہ پھلا کر صوفے پہ بیٹھ گیا یہ اس کی انتہائی ناراضگی کا اظہار ہوا کرتا تھا۔

"نمک کی شیشی میرے ہاتھ سے پھسل گئی تھی۔" وہ اٹک اٹک کر بولی۔

"سچ مما!" وہ اٹھ کر اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ مگر حمنی کی شیطانی ٹٹولتی نظریں کچھ اور کہانی سنا رہی تھیں تبسم کی نظریں جھک گئیں' اکثر ہمارے قول و فعل کا تضاد بچوں کی نظر میں ہمیں ہلکا کر دیتا ہے کاش ہم اس کا دھیان رکھ سکیں کہ کل کو یہی بچے بڑے ہو کر ہمارے نقش قدم پر چلیں گے۔

☆

امتل عزیز شہزاد

ایک ڈھلتی عمر کی عورت سڑک پار کرتے ہوئے ایک لڑکی کو دیکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک ماڈرن عورت ہے۔ وہ اسے چلا کر رکنے کے لیے کہتی ہے لیکن وہ دونوں سڑک پار کر کے گاڑی میں بیٹھ کر چلی جاتی ہیں۔
وقار صاحب کے دو بچے ہیں۔ اجیہ اور سائر... وہ سائر کی شادی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ان کی بیوی اس دنیا میں نہیں ہے۔ ان کی سالی مہ پارہ خاص طور پر لندن سے اس شادی میں شرکت کرنے آئی ہیں' اجیہ وقار صاحب کو بتاتی ہے کہ سائر اس شادی سے ناخوش نظر آتا ہے۔ وقار صاحب یہ سن کر پریشان ہو جاتے ہیں۔
اجیہ بہت خوب صورت ہے۔ وہ دو ماہ کی تھی جب اس کی ماں چلی گئی۔ وہ اپنی خالہ مہ پارہ سے پوچھتی ہے 'اس کی ماں کیسی تھیں۔ مہ پارہ بتاتی ہیں کہ اس کی ماں بہت خوب صورت تھی بالکل کانچ سے بنی مورت۔ وقار صاحب کی بہنیں بھی انہیں احساس دلاتی ہیں کہ سائر اس شادی سے خوش نہیں ہے۔ تب وقار صاحب سائر سے براہ راست بات کرتے ہیں کہ سائر کہیں اور انٹرسٹڈ تو نہیں ہے۔ تب سائر کہتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور وہ اپنے باپ کی کوئی بھی خواہش رد نہیں کر سکتا۔

سائر کی شادی میرب سے ہو رہی ہے۔ میرب دو سال کی تھی جب ان کی ماں بھی دنیا سے چلی گئی تھیں۔ ابراہیم صاحب نے اس کے بعد شادی نہیں کی۔ ان کے پڑوسی اور دوست احمد سعید اور ان کی بیگم نے میرب کا خیال اپنے بچوں کی طرح رکھا سعید صاحب کی بیٹی ماریہ کی میرب سے گہری دوستی ہے ان کا ایک بیٹا عاشر ہے جو اجیہ کو پسند کرتا ہے شادی کی

مکمل ناول

تقریبات میں سائر کا رویہ بہت اکھڑا ہوا رہتا ہے۔ شادی کی رات بھی وہ میرب سے بہت رکھائی سے پیش آتا ہے وہ میرب سے کہتا ہے کہ وہ اس سے صرف وفاداری کی توقع رکھتا ہے اور اسے اپنی بہن اور والد کا خیال رکھنے کو کہتا ہے۔

اجیہ کی دوست شینا بہت آزاد خیال لڑکی ہے۔ اس کا بھائی آغا شایان اجیہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ اجیہ بھی اس کی طرف مائل ہے۔ جبکہ میرب کا بھائی سعد' اجیہ کو پسند کرتا ہے۔

سائر کا رویہ میرب کے ساتھ بہت عجیب ہے۔ وہ معمولی باتوں پر شدید ردعمل ظاہر کرتا ہے۔' وہ کہتا ہے کہ وہ کسی بھی لڑکے سے بات نہ کرے۔

وہ عورت جس نے سڑک پر مہ پارہ کو دیکھا تھا۔ ایک خستہ فلیٹ میں رہتی ہے۔ وہاں سے کوئی پرانا پتا نکال کر مہ پارہ کے گھر جاتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ مہ پارہ وہ گھر چھوڑ چکی ہے۔ لیکن وہاں کے مکین اسے وقار صاحب کے گھر کا پتا دے دیتے ہیں۔

تب وہ کہتی ہے وقار آج سے سالوں پہلے تم نے جو اذیت مجھے پہنچائی تھی' اس کے بدلے کا وقت آپہنچا ہے۔"

شیخ عبدالحمید کریانہ فروش ہیں۔ دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں' نازو' چندا اور مانو۔ چندا کا مزاج اور صورت سب سے الگ ہے۔ وہ بے حد حسین ہے اور پڑھائی کے بجائے دوسری رنگا رنگ سرگرمیوں میں دلچسپی رکھتی ہے۔ شیخ صاحب کی لاڈلی ہے۔ کالج میں ایک ڈرامے میں قلوپطرہ کا کردار کرتی ہے تو آصف شیرازی اسے ٹی وی پر اداکاری کی آفر کرتا ہے۔ وہ ایک ڈائریکٹر شکیل ملک کا ملازم ہے۔ اس آفر پر چندا بہت خوش ہوتی ہے لیکن وہ جانتی ہے کہ اس کے گھر والے کبھی اسے ٹی وی پر کام کرنے کی اجازت نہیں دیں گے اور شادی کرکے رخصت کردیں گے۔ وہ آصف شیرازی سے کہتی ہے کہ تم مجھ سے شادی کرلو یہ اصلی شادی نہیں صرف ایک معاہدہ ہوگا۔ میں گھر والوں کے چنگل سے نکل آؤں گی۔ آصف مان جاتا ہے۔

میرب سائر کے رویے سے بہت پریشان ہے۔ وہ عاشر سے بات کرنے کو منع کرتا ہے۔

اجیہ کا تعلق آغا سے بہت بڑھ چکا ہے۔ دونوں ملاقاتیں کررہے ہیں۔ اڈھیر عمر عورت اجیہ کو فون کرکے بتاتی ہے کہ اس کی ماں زندہ ہے۔ وہ کہتی ہے کہ وہ اجیہ کی ماں سے ملاقات بھی کرا سکتی ہے۔

چھٹی قسط

رات زہریلی ناگن کی طرح اس کے وجود پر سرسرا رہی تھی۔ وہ بے قراری سے اپنے مختصر سے فلیٹ میں یوں چکراتی پھر رہی تھی گویا پیروں تلے انگارے بچھے ہوں.... اور انگارے ہی تو تھے۔

اس کے خواب' اس کے ارادے' اس کی حکمت عملی سب جل کر راکھ ہوا ہی چاہتے تھے' یہ اس کے قدموں تلے اس کی لاحاصل تمنائیں ہی انگاروں کی صورت دہک رہی تھیں.... بجھنے سے پہلے کی دہک۔

"قسمت نے ہمیشہ ہی مجھے عین وقت پر دغا دی ہے۔ محض ہاتھ بھر کا فاصلہ صدیوں کی مسافت میں تبدیل ہوتے دیکھا ہے۔ میں سب کچھ کھو چکی ہوں۔" اس نے رک کر داغ دار اور چٹخے ہوئے آئینے میں اپنی صورت دیکھی' "اپنی جوانی اپنا حسن' اس کے قدر دان اور نصیب.... اس کی سوچ یہاں آکر ٹھہر گئی۔

"نصیب تو میرا چمک دار ہی تھا مگر اوروں نے اسے چمکنے نہ دیا۔" اس کی آنکھوں میں شرارے بھر گئے۔ "تو کیا تقدیر مجھ سے میری یہ آخری خوشی بھی چھین لے گی؟" اس کے وجود پر سرسراتی رات نے اپنا پھن اٹھالیا.... اور اس نے اپنے عزم کا اعادہ کرتے ہوئے اپنا فون...

☆ ☆ ☆

"آرہی ہو کلب؟" آصف نے فون پہ چندا سے پوچھا۔

"بالکل موڈ نہیں ہے میرا۔" اس نے نخوت سے کہا۔ اس روز کے بعد سے وہ کلب نہیں گئی تھی۔ آصف سے اسے عجیب سی چڑ ہو رہی تھی۔

"مگر ایک بہت زبردست آئیڈیا ہے میرے پاس تمہارے لیے۔" اس نے پرجوش ہو کر کہا۔

"بہتر ہے اپنے پاس رکھو..... تمہارے کام آئے گا۔"

"ناراض لگ رہی ہو جان۔" وہ بولا تو چندا بپھر ہی تو گئی۔

"بکواس بند رکھو اپنی.... نہایت بے کار اور فضول انسان ہو تم بس صرف تم شرابیں پی کر لمبی لمبی ہانک ہی سکتے ہو۔"

"یار.... بس بھی کرو اب.... تمہارے ہی فائدے اور کام کی بات ہے۔ سننی ہے تو سنو ورنہ گھر بیٹھو۔" اس کے انداز پر وہ بھی تپ گیا۔

"ہاں تو سنا دو کسی اور کو' مجھے کیا بتا رہے ہو۔" اس نے کہہ کر کھٹ سے ریسیور رکھ دیا۔

"کون تھا فون پر؟" جمیل اوپر سے آتا دکھائی دیا۔

"میری سہیلی تھی!" اس نے بے پروائی سے جھوٹ گھڑا اور سیب کی قاشیں اٹھا کر کھانے لگی۔

"ہوں... کیا نام ہے' کہاں رہتی ہے۔" اس نے بظاہر سرسری انداز میں کہہ کر ٹی وی لگا کر خبرنامہ لگا دیا۔

"وہ...." یک لخت وہ گھبرا سی گئی' اس کی گھبراہٹ جمیل نے بطور خاص نوٹ کی تھی "ستارہ نام ہے.... جہانگیر روڈ پر رہتی ہے۔"

"کبھی گھر بلاؤ.... میں بھی تو ملوں اپنی بیوی کی اتنی اچھی سہیلی سے۔ جس سے ملے بنا میری بیوی کو اک دن بھی قرار نہیں آتا۔"

"یہ آپ کو میری سہیلیوں میں یکایک دلچسپی کیسے پیدا ہو گئی؟" وہ تنک کر بولی۔

"دلچسپی لینے پر تم ہی نے مجبور کیا ہے آخر میں بھی تو دیکھوں کہ وہ موصوفہ ہیں کیسی کہ جس کے لیے تم نے اپنا گھربار' شوہر حتیٰ کہ اپنی اکلوتی اولاد تک کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔" وہ تیز ہو کر بولا۔

"کیوں؟" وہ بگڑ کر بولی۔ "کیا تمہارے گھر میں نہیں رہ رہی' تمہاری ضروریات کو پورا نہیں کرتی' تمہاری اولاد کا دھیان نہیں رکھتی؟"

"ہاں رہ رہی ہو میرے گھر میں مگر اجنبیوں کی طرح اور مجھے جسمانی نہیں تمہارا روحانی ساتھ چاہیے۔ رہا سونو کا سوال۔" وہ رکا اور ایک ملامتی نگاہ اس پر ڈالی "اس کا جتنا تم دھیان رکھ رہی ہو' واقف ہوں اس سے بھی میں۔"

"تو تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے پلیٹ گود سے پٹخی۔ "گھر کی ماسی بن جاؤں یا تمہاری غلام...."

"میں جب بھی تم سے آرام سے بات کرتا ہوں تو تم لڑنا کیوں شروع کر دیتی ہو؟"

"تم بات ہی ایسی کرتے ہو۔" وہ دوبدو بولی۔

"میں تمہارے رویے سے عاجز آچکا ہوں۔" وہ بے اختیار چیخا تو وہ قدرے سہم گئی "ہر بات میں لڑائی ہر چیز میں جھگڑا۔ آخر تم چاہتی کیا ہو؟"

"جو چاہتی تھی وہ تم بھی نہیں دے سکتے۔" وہ اب بھی دھیمی نہ پڑی تو وہ یکدم چونکا۔
"کیا چاہتی تھیں؟ طلاق؟" اس نے چبا چبا کر پوچھا "کس کی خاطر؟ کون ہے تمہاری زندگی میں بولو..... آج بتا ہی دو۔"

"طلاق!....." چندا کو افسوس ہونے لگا کیسے وقت پر

اسے یاد آیا تھا۔ آخر اب طلاق لے کر وہ جائے گی بھی کہاں' ہاں اگر آصف مضبوط پوزیشن میں ہوتا تو بات دوسری تھی۔
"تم بات کو غلط رخ پر لے کے جا رہے ہو جمیل۔" اس نے آواز دھیمی کرتے ہوئے کہا "نہ میری زندگی میں کوئی ہے اور نہ ہی میرا ایسا کوئی ارادہ ہے۔"
"کچھ عرصہ قبل تو تھا۔"
"تم مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہو' تمہاری زندگی میں کوئی آگئی ہے۔" اس کے الٹا الزام تراشی پر وہ ہکا بکا رہ گیا۔
اس نے زور زور سے رونا شروع کر دیا تھا۔ جمیل کو پشیمانی ہونے لگی۔
"اچھا اب روؤ تو مت۔" وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

"رونے دو مجھے' میرے نصیب میں یہی لکھا ہے۔" وہ مزید دھاڑیں مارنے لگی۔
"اوفوہ..... بس کرو یار! تم بھی تو برابر جھگڑا کرتی ہو۔ مجھے غصہ نہیں آئے گا تو اور کیا ہوگا۔" وہ اس کے قریب بیٹھ کر اس کے کندھوں کے گرد بازو حمائل کر کے بولا۔

"دور ہٹو....." اس نے اسے پیچھے دھکیلا۔
"یوں نہیں شاباش۔ پہلے جلدی سے خاموش ہو جاؤ' چلو باہر چلتے ہیں تھوڑی آؤٹنگ کے لیے۔" وہ اسے پچکارنے لگا۔ تب اس نے اپنے آنسو پونچھے اور بولی۔
"میں تیار ہو کر آتی ہوں۔" جمیل کھل کر ہنس دیا اور بے ساختہ اسے چوم کر بولا۔

"جاؤ میں انتظار کر رہا ہوں۔" خوب صورت بیوی کے آنسو اک اچھے بھلے اونچے لمبے مرد کو یونہی ڈھیر کر سکتے ہیں' یہ چندا نے سنا ہی نہیں آزمایا بھی کئی بار تھا۔

☼ ☼ ☼

سرمئی رنگ کا غبار چہار سو پھیلا تھا۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا وہ بہت سنبھل سنبھل کر قدم آگے بڑھا رہا تھا' پیروں میں چبھتے کانٹے اور کنکر بتاتے تھے کہ وہ ننگے پاؤں ہے..... پھر بہت دور سے جیسے کوئی کریہہ آواز سنائی دی۔
"کہاں ہو یہاں آؤ میں یہاں ہوں۔ تم مجھے ڈھونڈ رہے ہو نا؟" اس مکروہ آواز میں عجیب سا سحر تھا وہ جیسے ناچار اس طرف بڑھنے لگا۔ مگر اس نے چند قدم ہی آگے بڑھائے تھے کہ یک لخت ہی آگے راستے کے بجائے کھائی ملی اور وہ منہ کے بل اس کی گہرائی میں گرتا چلا گیا۔ نیچے اور نیچے.....
"ہاہاہا! وہ آواز اب ہذیانی قہقہہ لگا رہی تھی "آؤ..... آؤ اب آؤ یہاں۔"
کوئی بہت تیز کانوں کو چیر دینے والا شور ہوا تھا۔ اس کی آنکھ بے حد گھبراہٹ کے عالم میں کھلی' حسب سابق وہ سر تا پا پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ مگر اس کے ہاتھ پیر شل تھے اور وہ ہلنے سے قاصر تھا۔ مگر کان فعال تھے اور وہ سن رہے تھے کہ شاید اس کا فون بج رہا تھا تب ہی اس کے نیم غنودہ ذہن نے کچھ کام کیا اور اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا کسی نامعلوم نمبر سے فون آرہا تھا۔ رات کے تین ساڑھے تین کا عمل تھا۔ اسے کچھ گھبراہٹ بھی ہوئی۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ میرب بے سدھ سو رہی تھی۔
"ہیلو کون؟"
"اس قدر بے خبری کی نیند بسا اوقات بہت بڑے ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کر دیتی ہے۔" دوسری طرف کچھ گھٹی گھٹی سی آواز سنائی دی تھی۔

"سوری... آپ کون اور کیا کہہ رہی ہیں۔ میں کچھ سمجھا نہیں۔" وہ سچ کہہ رہا تھا۔

"تمہارے پاس وقت بہت کم ہے بچے... تمہاری بہن تمہاری عزت کا جنازہ تیار کر رہی ہے۔ اسے روک لو نہیں تو کچھ نہیں بچے گا۔" اس نے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

"ہیلو... ہیلو" وہ دوسری طرف ہوتی ٹوں ٹوں پر پاگلوں کی طرح چیخا۔ "مگر اس کے پاس وقت نہیں تھا، اس لیے سرعت سے اٹھا ایک لمحے کے لیے اسے زور سے چکر آیا تاہم وہ خود کو سنبھال کر آگے بڑھا اور اجیہ کے کمرے تک آیا اور دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھ کر یک لخطہ خود کو ٹٹولا۔ اس کے اندر باہر موت کا سناٹا طاری تھا۔

اس نے ناب گھما دی اور... دروازہ کھولا مگر اندر کوئی نہیں تھا۔ وہ تیزی سے اندر آیا۔ واش روم چیک کیا... خالی تھا۔ تب ہی اس کی نگاہ غیر ارادی طور پر لان میں کھلتی کھڑکی پر پڑی اسے کوئی سایہ سا گیٹ کی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ پھر گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ وہ پلٹ کر گیٹ کی طرف دیوانہ وار بھاگا۔ جب تک وہ گیٹ سے باہر آیا۔ اجیہ گلی کے کونے پر پہنچنے ہی والی تھی۔

"رکو... اجیہ!" وہ حلق کے بل چیخا۔ آگے بڑھتی اجیہ کا سانس سینے میں اٹک گیا اور اس کے بڑھتے قدم بھی۔

"اجیہ! جلدی آؤ۔ مت رکو ہماری فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔" آغا تیز آواز میں بولا۔ اتنی تیز آواز جو صرف اجیہ ہی سن سکتی تھی۔

"رکو اجیہ! آگے مت بڑھنا۔" وہ بھاگ رہا تھا۔

"آؤ اجیہ... جلدی آؤ۔" آغا گاڑی کو ریس دیتا ہوا بولا۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھتی تو پتھر کی ہو جاتی اور اگر آگے بڑھ جاتی تو سارے راستے آسان تھے... مگر نجانے کیا بات ہوئی کہ اس کے حواس مختل ہو گئے اور وہ نہ آگے بڑھی نہ پیچھے بلکہ وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ اسے گرتا دیکھ کر آغا نے "اوہ ڈیم" کہہ کر گاڑی آگے بڑھانے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ کی۔

"اجیہ!" وہ اس کے نزدیک آیا۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ اس نے گری ہوئی اجیہ کو اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھایا اور واپس گھر لے آیا۔

اسے اس کے کمرے میں لٹایا... اور ایک نفرت انگیز نگاہ اس پر ڈالی اور غصہ ضبط کرتا ہوا کمرے سے نکلا اور اپنے کمرے میں آکر میرب کو جگانے کی بے سود کوشش کی۔ پھر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ یہ اس کی زندگی کا بدترین تجربہ تھا۔

☼ ☼ ☼

جمیل اپنے کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ سہ پہر کا وقت تھا، چندا اب اکثر گھر ہی پر رہا کرتی تھی۔ آصف کے فون البتہ تواتر سے آرہے تھے۔

تب ہی تیز بیل بجی اور بجتی ہی گئی۔ گھر میں زینت کے علاوہ فی الحال کوئی اور کل وقتی نوکر موجود نہیں تھا۔ چوکیدار بھی نہیں تھا۔ دروازے پر اسے ہی جانا پڑا۔

"خدا کا شکر ہے، چہرہ تو نظر آیا۔" وہ بڑے جذب سے بولا۔

"تم... یہاں کیسے؟" چندا آصف کو دیکھ کر متحیر رہ گئی۔

"اندر آنے کو کہو نہ کہو میں تو آرہا ہوں۔" وہ دروازہ دھکیل کر اندر چلا آیا۔ چندا نے دروازہ مقفل کیا۔

"آؤ... اندر چلو۔" وہ اس کی معیت میں اندر آیا اور ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گیا۔

"مجھے یقین ہے، تمہیں اب تمہاری خوابوں کی منزل پانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔" وہ ستائشی انداز میں اس کے گھر کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"کیسے آنا ہوا؟" وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

"تم سے ملنے کو دل چاہا تو چلا آیا... تم نے تو اس روز کے بعد سے وہاں آنا ہی چھوڑ دیا۔" وہ شکایت آمیز لہجے میں بولا۔

"ہاں.... اب میں اکتا گئی ہوں اس سراب کے پیچھے بھاگتے بھاگتے۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

"مگر تمہاری منزل تو اب بالکل سامنے ہے...."

"اچھا جی' وہ کیسے؟" وہ تمسخر سے بولی۔

"دیکھو۔" وہ سیدھا ہوا "تمہارا مسئلہ تو یہ ہے ناکہ تمہاری اتنی کوششوں کے بعد بھی تمہیں کوئی ڈھنگ کی آفر نہیں آئی تو میرا خیال ہے کہ تمہیں آفر وافر کا انتظار کرنے کے بجائے خود فلم پروڈیوس کرنی چاہیے اور خود بہ طور ہیروئن اس میں آجاؤ۔" اس نے ایسی نظروں سے اسے دیکھا۔ گویا کہہ رہا ہو "کیوں! کیسی رہی۔"

"پہلے مجھے شک تھا۔" چندا بولی "مگر اب یقین ہو چکا ہے کہ تم دیوانے ہو چکے ہو۔"

"اس میں دیوانگی کی تو کوئی بات نہیں۔" وہ برا مان گیا۔

"بات ہے۔" چندا زور دے کر بولی۔ میرے پاس فلم پروڈیوس کرنے کا سرمایہ کہاں ہے جو میں فلم پروڈیوس کروں؟"

"پہلے میں نے یہی سوچا تھا مگر تمہارے پاس نہ سہی تمہارے شوہر کے پاس تو ہے۔ اس سے نکلواؤ۔"

"اتنی بڑی رقم کہاں سے اور کیوں دینے لگا وہ مجھے؟" وہ چڑ گئی۔

"یہ گھر اپنا ہے؟"

"ہاں۔"

"اسے اپنے نام کرواؤ۔"

"میرے ہی نام پر ہے۔ اب بولو۔" وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اچھل پڑا۔

"بس تو سمجھو' ہماری نیا پار لگی ہی لگی۔" اس نے سرخوشی سے چٹکی بجائی "اس کو بیچ دو.... سرمایہ آگیا۔ ہمارا مسئلہ حل۔"

"یہ سب اتنا آسان نہیں ہے آصف!" اس نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ "جمیل مجھے جان سے مار دے گا۔"

"یار! تمہیں کون سا اس کے ساتھ رہنا ہو گا پھر کیوں اسے ہوا بنا رہی ہو۔ کر لو گی تم اسے ہینڈل میں تمہیں جانتا ہوں۔" اس نے اس کا اعتراض چٹکی میں اڑا دیا۔

"ہوں.... مشکل ہے' بہت۔" اس نے پرسوچ لہجے میں کہا۔

"مگر ناممکن تو نہیں۔" وہ اسے گھیر رہا تھا۔

"ہاں' کہتے تو تم ٹھیک ہی ہو۔ نہ مجھے جمیل سے دلچسپی ہے نہ اس گھر سے' مجھے تو صرف اپنے خوابوں سے محبت ہے.... چلو دیکھتی ہوں۔ کیا ہو سکتا ہے۔" وہ بولی تو آصف جی جان سے خوش ہو گیا۔

"مگر تمہیں یوں گھر تک نہیں آنا چاہیے تھا۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ مزید بولی۔

"تم نہیں آرہی تھیں تو میں ہی آگیا مگر اب چلتا ہوں۔ کل آجانا' باقی باتیں وہیں ڈسکس کریں گے۔" وہ کہہ کر اٹھا۔

شام کا وقت تھا۔ زینت بی سونو کو ٹہلانے پارک تک لے جا رہی تھیں۔ پورچ میں ان کی مڈبھیڑ آصف سے ہو گئی۔ انہوں نے بڑے غور سے آصف کو دیکھا۔ وہ ایک سرسری نگاہ ان پر ڈال کر باہر نکلتا چلا گیا۔

"مما روز ان سے ملتی ہیں ہوٹل جا کر۔" سونو نے زینت کو رازدارانہ سرگوشی میں بتایا۔ "اور یہ انکل مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے۔" اس نے ناک چڑھا کر کہا۔ وہ نو وارد اچھا تو خیر زینت کو بھی نہیں لگا تھا۔ مگر اس کی دیدہ دلیری پر وہ حیران ضرور تھیں۔

"یہ چندا بی بی.... کر کیا رہی ہیں آخر؟" انہوں نے تفکر سے سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

ایک سیاہ ترین رات کا اختتام ہوا چاہتا تھا۔

وہ رات بھر صدماتی طیش کا شکار رہا۔ دماغ میں الگ جھکڑ سے چل رہے تھے ہاتھ پاؤں شل تھے۔ اعصاب کشیدہ۔ یہ یقیناً "اس دوائی کا اثر تھا۔ اسے خود پر حیرت تھی کہ وہ جاگ کیسے گیا.... پورا گھر نوکروں سمیت تاحال ہوش و خرد سے بیگانہ تھا۔ یہ اجیہ کیا کرنے چلی

تھی؟ آج اس کا نکاح تھا اور وہ رات گھر سے بھاگ کر ان کے منہ پر کالک ملنا چاہ رہی تھی۔
"اف میرے خدا!" اس نے ایک مرتبہ پھر اپنا سر تھام لیا۔ کچھ دیر بعد وہ کچھ سوچ کر اٹھا اور میرب کو جگانے کی سعی کرنے لگا۔
"میرب اٹھو۔" اس نے میرب کو بری طرح جھنجھوڑ دیا۔
"کیا ہوا....؟" اس نے مندی مندی بوجھل آنکھیں کھول کر بمشکل دیکھا۔
"اٹھو فوراً" .... اپنے منہ پر پانی ڈال کر آؤ۔ میں ابھی آرہا ہوں۔" وہ کہہ کر کمرے سے باہر نکلا۔ کچن میں جاکر اسٹرونگ سی کافی بنا کر لایا۔ میرب پھر سو چکی تھی۔ اس نے دوبارہ اٹھا کر اسے منہ دھونے کا کہا۔ اب کی بار وہ بمشکل تمام اٹھ بھی گئی۔ منہ بھی دھو لیا۔
"کیا ہوا سائر! آپ نے اتنی جلدی کیوں جگا دیا" اس نے گھڑی دیکھی ساڑھے پانچ بجا رہی تھی۔
"جو میں کہنے جا رہا ہوں، غور سے سنو۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔
"کہیے.... خیریت؟" اس کے لہجے کی غیر معمولی سنجیدگی پر وہ چونکی۔
"کل رات...." وہ رکا پھر ٹھہر گیا جیسے مناسب ترین الفاظ کا چناؤ کر رہا ہو۔ "کل رات اجیہ اس مردود کے ساتھ گھر سے جا رہی تھی، میں جاگ گیا تھا۔ میں باہر نکلا تو وہ بے ہوش ہو گئی۔ تم اس کے کمرے میں جاکر دیکھو کہ وہ کس حال میں ہے، زندہ ہے یا مر گئی؟"
میرب اس کی بات سن کر ششدر رہ گئی۔
"کیا؟" انتہائی حیرت کے عالم میں اس کے منہ سے نکلا۔
"ہاں.... اور اب یہ کافی پیو اور جا کر دیکھو اسے۔"
"مگر وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے۔" وہ یقین نہ کرنے والے انداز میں بولی۔
"اگر مگر کے چکر میں مت پڑو میرب!" وہ سختی سے بولا۔ "جاؤ جا کر اسے دیکھو اور ہاں.... گھر میں کسی اور کو اس بات کی کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے۔" اس نے تنبیہہ کی۔
"چوکیدار کہاں تھا اور لالی، شریف۔" اس نے نوکروں کا نام لیا۔
"ہم سب کو اس بے غیرت نے نیند کی دوائی پلا دی تھی.... سب اس کے زیر اثر سوتے رہ گئے۔"
پھر میرب مزید کچھ اور نہ بولی نہ پوچھا۔ خاموشی سے اپنی کافی ختم کی اور اٹھ کر اجیہ کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ ہاتھ پیر ڈالے پڑی تھی۔ دل کی دھڑکن بڑی مدھم تھی۔ وہ واپس پلٹی۔
"وہ تا حال بے ہوش ہے۔ مجھے تو اس کی کنڈیشن ٹھیک نہیں لگ رہی۔" وہ از حد تشویش سے بولی۔
"اچھا ہے، مر جانے دو۔" اس نے مخصوص ذہنیت کا مظاہرہ کیا۔
"کیا بات کر رہے ہیں آپ سائر.... مانا کہ اس نے بے حد خطرناک اور بھیانک جرم کا ارتکاب کیا ہے مگر اسے یوں بے حال کیسے چھوڑا جا سکتا ہے۔"
"تو پھر کیا کروں اب؟" وہ غصے سے دھاڑا۔
"پریشان مت ہوں۔" اس نے نرمی سے کہا۔ "آپ انصاری انکل (فیملی ڈاکٹر) کو فون کر دیں۔ وہ آ کر اسے دیکھ لیں گے یا پھر اسے اسپتال لے چلتے ہیں۔"
"اگر اسی اثنا میں کوئی جاگ گیا تو.... کسی کو اس کی حالت کا کیا جواز دیں گے، خصوصاً" اخلاق انکل اور حمزہ کو۔" بات واقعی پریشانی کی تھی۔
"کیا کریں سائر!" وہ بھی متفکر ہو گئی "مگر فی الحال اسے ہوش میں لانا زیادہ ضروری ہے۔"
"ایسا کرو، تم اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو.... میں انصاری انکل کو کال کر رہا ہوں۔ کسی کو اگر اس کے متعلق کچھ معلوم ہوا تو کہہ دیں گے کہ بی پی بہت لو ہو گیا تھا۔ ٹھیک؟" وہ سر ہلا کر اجیہ کے کمرے کی جانب چل دی۔ وہ ڈاکٹر کو فون ملانے لگا۔

☼ ☼ ☼

"گھر کی مالیت کا اندازہ تم لگوا ہی چکے ہو، میرے

زیورات اور مہر کی رقم ملا کر ہمارا کام بن ہی جائے گا۔ کیوں؟" وہ فون پر محو گفتگو تھی۔

"ہاں جانم.... میں یہاں کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ بہت جلد سارے معاملات نمٹ جائیں گے' بس اب تم گھر بیچنے کے بعد اپنے فضول شوہر سے علیحدگی کی سوچو۔"

"ہاں پہلے یہ گھر بیچ دوں.... اس سے قبل تو میں یہ بات اس سے ہرگز نہیں کروں گی۔" وہ بولی۔

"ہاں.... ہاں سمجھتا ہوں میں' اچھا یوں کرو کہ تم کاغذات وغیرہ تیار رکھو' جیسے ہی کوئی اچھی پارٹی لگے گی فوراً" اسے بیچ دیں گے۔"

"ہاں چلو ٹھیک ہے۔" اس نے کہا اور فون رکھ کر سوچنے لگی۔

"انسان اگر ایک بار کچھ کرنے کی ٹھان لے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔"

مگر وہ یہ سوچتے ہوئے تقدیر کو یکسر فراموش کر گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اجیہ خوف اور دہشت کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔ ڈاکٹر انصاری آئے۔ کچھ دوائیں لکھیں' انجکشن لگایا۔ وہ اب ہوش میں آچکی تھی مگر اس کے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ میرب اپنی حالت کو یکسر بھلا کر اس کی غذا' دوا اور آرام کا خیال رکھ رہی تھی۔ دن کے بارہ بجے کہیں جا کر وہ سب بیدار ہوئے تو انہیں اجیہ کی حالت کے متعلق پتا چلا۔

"کیا ہوا ہے اجیہ کو؟" وقار ازحد فکر مندی سے پوچھنے لگے۔

"سب خیر تو ہے!" مہ پارہ بھی پریشان ہوئیں۔

"سب ٹھیک ہے بابا.... رات میں اس نے ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھایا تھا' بس اسی لیے ذرا کمزوری ہو رہی ہے اسے' آپ لوگ فکر مند نہ ہوں شام تک وہ ان شاء اللہ بھلی چنگی ہو جائے گی۔" میرب نے تسلی دی' سائرا اپنے کمرے میں تھا۔ مہ پارہ اور وقار مطمئن ہو کر نہانا' دھونا وغیرہ کے لیے چل دیے۔

"مجھے مرنا ہے' مجھے زندہ نہیں رہنا۔" وہ ان کے جانے کے بعد تکیے پر سر پٹخنے لگی۔ میرب نے ناگواری سے اسے گھور کر دیکھا۔

"بہتر ہو گا کہ اب اپنے تماشے بند کر دو تم' تمہیں ذرا بھی احساس ہے' رات تم کیا کرنے چلی تھیں۔"

"جب حق سیدھے طریقے سے نہیں ملتا تو غلط طریقے ہی اپنانے پڑتے ہیں۔" آواز میں نقاہت ضرور تھی مگر طنطنہ وہی تھا۔

"خیر' میں تم سے بحث نہیں کر رہی۔" وہ بیزاری سے بولی "اب جو ہو گیا سو ہو گیا۔ تمہارے لیے یہی اچھا ہے کہ تم چپ چاپ اچھی لڑکیوں کی طرح اپنے بڑوں کے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔ اور اٹھو یہ جوس اور ٹیبلٹ لو اور اس کے بعد آرام کرو۔"

اس نے ٹیبل پر رکھا جوس کا گلاس اٹھا کر اسے تھمایا اور ٹیبلٹ کھلا کر باہر نکل آئی۔ اجیہ کا دماغ اتنا منتشر ہو رہا تھا کہ وہ چپ رہی۔ دو ایک بار اس نے آغا کو کال ملائی مگر اس کا نمبر بند جا رہا تھا۔ جھلا کر اس نے اپنا سیل دیوار پر دے مارا۔ وہ ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا۔ بالکل اس کے خوابوں کی طرح۔

☆ ☆ ☆

چندا کی طبیعت کئی روز سے گری گری سی تھی۔ اس نے دھیان نہیں دیا۔ مگر ایک روز اچانک چکرا کر گر پڑی۔ زینت کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ جمیل آفس میں تھا۔ وہ مختلف تدابیر اختیار کر کے اسے ہوش میں لائی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کو ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے۔" زینت نے کہا۔

"کیا ہوا تھا مجھے؟" وہ چکراتے سر کو تھام کر بولی۔

"آپ بے ہوش ہو گئی تھیں.... میں رفیق کو گاڑی نکالنے کا کہتی ہوں۔"

پھر کچھ دیر بعد وہ دونوں ڈاکٹر شازیہ کی کلینک میں موجود تھیں۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کیا۔ پھر ٹیسٹ بھی

اور اس کے کچھ دیر بعد اسے خوش خبری سنائی۔
"مبارک ہو مسز جمیل ۔۔۔ آپ ایکسپیکٹ کر رہی ہیں۔"
وہ یہ سن کر سن ہو گئی۔
بے اولاد زینت بی اسے بڑے رشک سے دیکھ رہی تھیں۔
پھر نجانے کیا ہوا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☼ ☼ ☼

عصر کے بعد اس کا نکاح ہوا اور رات میں گھر کے لان ہی میں تقریب ۔۔۔ ان کا کوئی بھی قریبی عزیز کراچی میں نہیں تھا۔ سو تقریب میں کم ہی لوگ شامل ہوئے۔ وقار صاحب آسودگی سے مسکرا کر مبارک بادیں وصول کر رہے تھے تو مہ پارہ بھی بے فکری سے محفل میں اڑی اڑی پھر رہی تھیں۔ البتہ سائر حسب معمول گہری سنجیدگی اوڑھے کھڑا کبھی کبھی بڑی نفرت انگیز اور کاٹ دار نگاہ اجیہ پر ڈال رہا تھا۔ میرب مہمانوں سے اچھے طریقے سے تواضع کر رہی تھی۔ ماریہ وغیرہ بھی مدعو تھے۔
"یار! بہت زبردست لگ رہی ہے اجیہ 'ماشاء اللہ'۔" ماریہ نے دلہن بنی اجیہ کو دیکھ کر ستائشی انداز میں کہا۔
"ہاں ۔۔۔ وہ تو ویسے ہی بہت پیاری سی ہے اور ظاہر ہے دلہن بن کر تو یوں بھی روپ چڑھتا ہی ہے۔" وہ تھکے تھکے لہجے میں بولی۔
"ہائے ہائے۔" اس نے کہا "پتا نہیں دلہن بن کر میں کیسی لگوں گی۔" اسے بڑی فکر تھی۔
"اچھی ہی لگو گی ۔۔۔ سعد نہیں آیا؟" اس نے یوں ہی پوچھا۔
"وہ ذرا مصروف تھا۔" اس نے ٹالا۔ اب کیا یہ بتاتی کہ وہ سمجھ گیا تھا کہ سائر کو اس کا یہاں آنا جانا پسند نہیں۔
"ویسے شکر ہے اس نے کوئی سین کری ایٹ نہیں کیا ۔۔۔ میں تو سارا وقت گھبراتی ہی رہی۔" ماریہ بولی۔

"ہوں۔" میرب نے صرف ہوں ہی پر اکتفا کیا۔ ظاہر ہے وہ اور کیا بتاتی۔ بتانے والی بات ہی نہیں تھی۔ دوسری طرف مہ پارہ 'سعدیہ بیگم سے میرب کے حسن انتظام کی تعریف کر رہی تھیں۔
"ہاں ماشاء اللہ بہت سمجھ دار اور سلیقہ شعار ہے ہماری میرب۔"
"بس آپ ہمارے لیے بھی دعا کریں کہ ہماری بہو بھی ہمارے لیے اتنی ہی اچھی ثابت ہو۔" مہ پارہ بولیں۔
"کیوں نہیں 'ان شاء اللہ'۔" انہوں نے کہا۔ انہیں تصویروں کے لیے اسٹیج پر بلایا جا رہا تھا سو وہ دونوں وہاں چل دیں۔ جہاں چپکے چپکے اجیہ کے کان میں حمزہ حکایت دل ایڈیل رہا تھا اور وہ پتھر کی بے جان مورت بنی بیٹھی تھی بالکل ٹھس ۔۔۔
"اور وہ کون تھا جس نے مجھے اس رات فون کر کے بربادی سے بچایا تھا۔" سائر کے دماغ میں بہت تیزی سے یہ بات گردش کر رہی تھی مگر وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں مگر درد کا کوئی مداوا نہ تھا۔ جمیل اس اطلاع پر بے حد خوش تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے وہ پاؤں بھی زمین پر نہ ٹکانے دے۔ وہ پانچ سال بعد دوبارہ پریگننٹ ہوئی تھی۔ مگر وہ اس کا یوں خیال کر رہا تھا گویا پہلی بار ہوئی ہو اور وہ اس کی عنایات پر جھلائی ہوئی تھی۔
"تمہیں کسی چیز کی بھی ضرورت ہو تم زینت بی سے کہنا خبردار! کسی بھی قسم کی بے احتیاطی کی ضرورت نہیں 'نہ ہی کہیں آنے جانے کی۔" وہ پیار بھری دھونس سے بولا۔
"بس کر دو 'خاموش ہو جاؤ خدا کے لیے۔" اس نے چڑ کر ہاتھ جوڑے۔ "تم تو یوں خیال رکھ رہے ہو جیسے میں کسی بیماری میں مبتلا ہو گئی ہوں۔"
جمیل کو چندا کی بات اچھی نہیں لگی تاہم آہستہ سے بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے، جو دل چاہے کرو.... مگر اپنی طبیعت کا خاص خیال کرنا اور زینت بی!" وہ ان کی جانب بڑھا۔

"جی صاحب!" وہ مستعدی سے آگے بڑھیں۔

"چندا کی غذا، دودھ، پھل، دوائی ہر چیز کا بہت اچھی طرح دھیان رکھنا ہے۔" اس نے خصوصی تاکید کی۔

"جی صاحب! آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

سونو بھی یہ اطلاع پا کر مسرور سا پھر رہا تھا۔ دو ایک بار چندا کے نزدیک بھی آنے کی کوشش کی مگر اس کی خونخوار نظروں سے ڈر کر پرے ہی رہا۔

"اچھا میں آفس جا رہا ہوں، شام میں ملتے ہیں۔" وہ اس کا گال پیار سے تھپتھپا کر بولا اور وہ اس کے جانے ہی کی منتظر تھی۔ اٹھی اور آصف کو فون ملایا۔

"آصف.... آصف۔" وہ پھپھک کر پھر رو دی۔

"کیا ہوا بھئی۔ بتاؤ تو سہی۔" وہ گھبرا کر بولا۔

"وہ.... میں پریگننٹ ہوں۔" اس نے گھٹی گھٹی آواز میں بتایا۔

"ارے یار! تو اس میں اتنی رونے دھونے والی کون سی بات ہے۔ تم آجاؤ پھر کچھ کرتے ہیں۔" وہ اس کا مدعا سمجھ گیا تھا۔

"ایسا ہو سکتا ہے؟" وہ رونا دھونا بھول گئی۔

"کیوں نہیں۔"

"پھر میں ابھی آ رہی ہوں۔ تم تیار رہو۔" وہ بولی۔

"ٹھیک ہے۔"

پر جب وہ معمولی سے حلیے میں تیار ہوئے بنا گھر سے نکلنے لگی تب بے ساختہ زینت بی پوچھ بیٹھیں۔

"بی بی! آپ کہاں جا رہی ہیں؟ صاحب نے آپ کو گھر سے نکلنے سے منع کیا ہے۔" وہ رکی اور مڑ کر برہمی سے بولی۔

"آج تو مجھے روک لیا ہے تم نے آئندہ ایسی حماقت کرنے کی کوشش بھی مت کرنا.... میں کہیں بھی جا رہی ہوں، تم مجھے روکنے والی کون ہوتی ہو؟"

"میں تو صرف صاحب کی ہدایت پر عمل کر رہی تھی۔" انہوں نے صفائی پیش کی۔

"تم اس گھر میں سونو کے لیے لائی گئی ہو، اسی کی آیا گیری کرو۔ میری اماں بننے کی کوشش مت کرو۔ سمجھیں۔" اس نے زینت کو بری طرح جھاڑ کر رکھ دیا۔ زینت بی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

اس کے جانے کے بعد ہی کونے میں کھڑا سونو آگے بڑھا۔

"زینت بی! آپ کیوں رو رہی ہیں.... مما نے آپ کو ڈانٹا۔ وہ بہت گندی ہیں۔"

"کچھ نہیں بابو۔ آپ آؤ میں آپ کو چپس بنا کر دیتی ہوں۔" انہوں نے اپنے آنسو پونچھے اور اسے گود میں اٹھا لیا۔

٭ ٭ ٭

حمزہ کافی عرصے بعد پاکستان آیا تھا۔ اسی لیے مہ پارہ کا خیال تھا کہ اسے لاہور جا کر اپنے دیگر ننھیالی رشتے داروں سے بھی ملاقات کر لینی چاہیے۔ اس نے ہامی بھر لی تاہم وہ بضد تھا کہ اجیہ بھی ساتھ ہی چلے مگر مہ پارہ جانتی تھیں کہ وقار اسے کسی صورت وہاں ملنے نہیں جانے دیں گے سو سہولت سے اسے انکار کر دیا۔ اس کی پیکنگ ہو چکی تھی۔ بس کچھ دیر میں نکلنا تھا۔ وہ موقع پا کر اجیہ سے ملنے چلا آیا۔ وہ چپ چاپ لان کی چیئر پہ اداس سی بیٹھی ہوئی تھی۔

"میں جا رہا ہوں.... مگر تمہیں بتا دوں، بہت جلد تمہیں بھی میرے ساتھ چلنا ہو گا۔" وہ اس کے نزدیک بیٹھ کر بولا۔ اس نے خالی خالی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میرے جانے پر اداس ہو رہی ہو۔" وہ مسکرایا "ڈونٹ وری، جلد ہی تمہیں ہمیشہ کے لیے لے جانے کے لیے واپس آؤں گا۔ اگر میں تمہیں فون کیا کروں تو مجھ سے بات کرو گی؟"

وہ خاموش رہی۔

"سو سیڈ...." اس نے متاسف انداز میں کہا۔ "تم اتنی خاموش کیوں ہو یار! کوئی بات کرو.... پیار محبت کی

نہ سہی کوئی جنرلی (Generally) ہی۔"
"مجھے باتیں کرنی نہیں آتیں۔" وہ بے دلی سے بولی۔
"اسٹرینج، تم شاید دنیا کی پہلی لڑکی ہو جو یہ کہہ رہی ہے کہ اسے باتیں کرنی نہیں آتیں ورنہ میں نے تو ہمیشہ لڑکیوں کو بے تحاشا اور بے تکان بولتے دیکھا ہے۔"
اس نے پھر کچھ کہے بنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔
"یار... بہت بور ہو تم۔" اس نے منہ بنایا۔ مجھے جولی اور وائبرنٹ لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔"
"مگر میں تو ایسی ہی ہوں۔"
وہ بے مزہ ہو کر اٹھ گیا پھر جاتے جاتے رکا اور اس کی طرف رُخ کر کے بولا۔
"تم جیسی بھی ہو... مگر مجھے بہت اچھی لگنے لگی ہو اور ہاں! میں لاہور سے دو تین دن میں آسٹریلیا چلا جاؤں گا اور جلد ہی تمہارے پیپرز ریڈی کرواؤں گا اور وہاں سے تمہیں فون بھی کروں گا، چاہے تم مجھ سے بات کرو یا نہ کرو۔" وہ دل جلانے والی مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجا کر بولا۔ اجیہ نے بھنا کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھ گیا تھا۔
زندگی کس رُخ پہ چلنے والی تھی۔ نہ اجیہ جانتی تھی نہ جاننا چاہتی تھی۔ آغا کا فون بند ہو چکا تھا۔ اس کی ہر اُمید دم توڑ گئی تھی۔
وہ پسپا ہو چکی تھی۔ اور بے دم بھی۔

☼ ☼ ☼
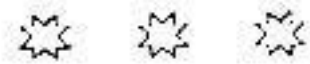
"بابا... مما بہت گندی ہیں، وہ زینت بی کو ڈانٹ رہی تھیں آج اور وہ رو رہی تھیں... زینت بی روتی ہیں تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔" جمیل آفس سے متعلقہ فائلز میں سر کھپا رہا تھا تب ہی سونو اس کے پاس آکر آہستہ سے بولا۔ جمیل نے چونک کر سر اٹھایا۔
"آپ کو کہا ہے نا، مما کو ایسا نہیں کہتے۔ وہ زینت بی کو کسی غلطی پر ہی ڈانٹ رہی ہوں گی، جاؤ آپ جا کر سوؤ۔" اس نے ڈپٹا تو وہ ضدی لہجے میں پیر پٹخ کر بولا۔
"نہیں، پہلے آپ مما سے کہیں کہ انہیں مت ڈانٹا کریں اور ان بڑی بڑی ڈراؤنی مونچھوں اور لال آنکھوں والے انکل سے بھی فرینڈشپ ختم کریں۔"
"کون سے انکل؟" اس کے کان کھڑے ہوئے۔ فائلوں سے اس کی دلچسپی یکسر ختم ہو گئی۔
"وہی جن سے امی وہاں جا کر ملتی ہیں، وہ کل گھر بھی آئے تھے۔" اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کر جمیل کو پتھر کا بت بنا دیا۔
"کہیں ان کی ناخوشی کے پیچھے کوئی اور وجہ تو نہیں۔"
"کہیں ایسا تو نہیں کہ انہیں اعتراض اور مسئلہ تمہاری ذات پر ہو۔"
"تمہیں چاہیے کہ وہ کہاں جاتی ہیں کس سے ملتی ہیں، کہاں وقت گزارتی ہیں ان کے متعلق معلومات رکھو۔"
"وہ اپنے فرینڈز کے ساتھ باتیں اور ڈانس ہی کرتی رہتی ہیں مجھے وہاں جا کر ڈر لگتا ہے بابا۔"
آوازیں تھیں کہ کان کے پردے پھاڑ کر دماغ میں گھسی چلی آ رہی تھیں۔
"کیا ہو رہا تھا... کیا ہونے والا تھا... کیا ہوتا رہا تھا۔" اس نے کبھی اس پر زیادہ غور نہیں کیا تھا مگر اب...
"یہ میری ناک کے نیچے کون سا کھیل، کھیل رہی ہے، چندا۔" اس کے دماغ میں شک کی گرہ پڑ چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح کا شام کرنا اگر زندگی گزارنا تھا تو وہ گزار رہی تھی۔ اسے گہری جامد چُپ لگ گئی تھی۔ وقار اس سے بات کرنے کی کوشش کرتے بھی تو یا تو وہ اٹھ کر چلی جاتی یا جا نہیں پاتی تو نفرت سے منہ ضرور پھیر لیتی۔ وہ اپنی جگہ چور سے بن جاتے۔ سمجھ رہے تھے کہ وہ انہیں اپنی خوشیوں کا قاتل سمجھ رہی ہو گی مگر یہ ناگزیر تھا۔ ابھی وہ نادان ہے، نا سمجھ ہے۔ کچھ عرصہ بعد جب

وہ اس کے متعلق سوچے گی تو یقیناً" انہیں دعائیں دے گی۔۔۔

"اب اجیہ کالج نہیں جائے گی' اور اس کا سیل فون بھی تم لے لو اس سے۔" سائر نے سختی سے میرب سے کہا تو وقار صاحب نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ لوگ اس وقت لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"مگر کیوں سائر؟" میرب نے اچنبھے سے پوچھا۔

"بس میں نے کہہ دیا اس لیے۔"

"مگر یہ تو جاہلانہ سوچ ہے۔" وقار ناپسندیدگی سے بولے۔

"جاہلانہ ہی سہی۔" وہ ہنوز اپنی بات پر ڈٹا ہوا تھا۔

"مگر جو میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل ہونا چاہیے۔"

"ابھی اس کا باپ زندہ ہے سائر!" وقار برہمی سے بولے۔ "اور اس کے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار بھی مجھے ہی ہے اور میں کہہ رہا ہوں کہ وہ کالج بھی جائے گی اور اس کا فون بھی اس کے پاس رہے گا۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ تم اتنے تنگ نظر کب سے ہو گئے سائر۔" انہوں نے اسے گھورا۔ میرب بے چارگی سے کبھی سائر کبھی وقار کو دیکھ رہی تھی۔

"بات تنگ نظری کی نہیں احتیاط پسندی کی ہے۔۔۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ۔۔۔"

"کس بات کی احتیاط؟" انہوں نے غصے سے اس کی بات کاٹ دی۔ "آخر سب کچھ بہ احسن و خوبی نمٹ ہی گیا نا۔"

"یہ آپ کو اس لیے لگ رہا ہے کیوں کہ آپ اس کی اصلیت سے تاحال ناواقف ہیں۔" وہ بھڑک اٹھا۔

"چھوڑیں نا! آپ لوگ کس بحث میں پڑ گئے۔" میرب جلدی سے بولی۔

"کیسی اصلیت؟ یہ کیسی بات کی تم نے؟" انہوں نے چشمے کی اوٹ سے گھورا۔ سائر جھنجلا گیا پھر جذباتیت میں کہہ گیا۔

"آپ کی صاحبزادی اپنے نکاح کی رات سب کو نیند کی دوائی پلا کر اس کمینے کے ساتھ گھر سے بھاگ رہی تھیں۔"

"سائر۔۔۔!" وقار کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر آگیا۔ انہیں سائر سے اتنی گری ہوئی بات کی توقع نہیں تھی۔ "بکواس بند کرو اپنی۔۔۔ اب اس کو بخش بھی دو۔"

"میں نے اپنی آنکھوں سے اسے بھاگتے دیکھا تھا بابا اور آپ تصور نہیں کر سکتے' اس وقت مجھ پر کیا گزری تھی۔" اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو گئیں۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے۔" ان کی آواز لرزنے لگی۔ بے یقینی سے میرب کو دیکھنے لگے۔ تو اسے اپنی احمقانہ جذباتیت پر افسوس سا ہونے لگا۔ ان کی غیر حالت دیکھ کر میرب نے ایک شکایتی نگاہ اپنے شوہر نامدار پر ڈالی۔

"چھوڑیں آپ بابا۔۔۔ بس اللہ کا شکر ہے کہ ہم لوگ کسی بھی بڑے نقصان سے بچ گئے۔"

"نقصان سے بچ گئے۔۔۔؟ بھروسہ' مان' اعتماد سب کچھ ختم اور تم کہتی ہو کہ نقصان سے بچ گئے۔" ان کی آواز بھیگ گئی۔ "میں نے ہمیشہ اس کو پیار دیا' مان دیا اس پر بھروسہ کیا۔ اس کی ضدوں کو پورا کیا اور اس نے۔۔۔ اس نے کیا کیا ہمارے ساتھ' اگر وہ کامیاب ہو جاتی تو؟" وہ کسی خوف زدہ بچے کی طرح سائر کی جانب دیکھنے لگے "میری تو عمر بھر کی ریاضت مٹی میں مل جاتی۔۔۔ میں نے صرف اسے۔۔۔ اسے بربادی سے بچانے کی خاطر کیا کیا برداشت کیا ہے۔ تم تو جانتے ہو نا۔" وہ شاید خود کلامی کر رہے تھے۔

"بابا پلیز۔۔۔ سائر بے اندازہ پشیمانی میں گھر گیا۔" میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا ہرگز نہیں تھا۔ میں تو صرف آپ کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ میں اس پر پابندیاں کیوں عائد کر رہا ہوں۔"

"کاش تم نہ بتاتے۔" وہ رو رہے تھے "تو میں خود سے یوں شرمندہ نہ بیٹھا ہوتا۔" انہوں نے اپنا سر تھام لیا۔

"بابا پلیز۔۔۔ وہ نادان ہے' جذباتی ہے ہم ہیں نا سمجھائیں گے' سنبھال لیں گے اسے۔ ہو گئی اس سے غلطی مگر یہ آپ کے نیک اعمال ہی ہیں نا کہ وہ کسی ناقابل تلافی نقصان سے بچ گئی۔۔۔ پھر آپ یہ سوچیے

کہ سب نیند کی دوا کے زیر اثر تھے' ایسے میں سائر کا بیدار ہو جانا معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ یقیناً "اللہ اس پر مہربان ہے تب ہی وہ تباہی سے بچ گئی۔" کتنی صاف ستھری سوچ تھی میرب کی۔

"ہاں بیٹی.... کہتی تو تم ٹھیک ہی ہو مگر یقین ہی نہیں آرہا کہ میری بیٹی' میری گڑیا ایسا کر سکتی ہے۔" وہ بولے گئے اور سائر ایک مرتبہ پھر اس کا دھیان اس نامعلوم نمبر سے آنے والی فون کال کی جانب چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"وقت کافی گزر گیا ہے۔ اب کچھ کیا گیا تو تمہاری جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔" اور کچھ بھی سہی' چندا کو اپنی جان سے پیارا کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر وہ یوں بلک بلک کر رو دی گویا کسی کی مرگ ہو گئی ہو۔

آصف الگ اس سے چڑا بیٹھا تھا۔

"پہلے ہی کیوں نہ برتی احتیاط۔"

"مجھے کیا پتا تھا۔"

"اتنی معصوم تو ہو نہیں تم۔"

"بکواس بند کرو اپنی اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ چیخ پڑی۔

"ہمیشہ یونہی ہوتا ہے میرے ساتھ۔" اس کے غم ہی الگ تھے۔

★ ★ ★

"کہاں لے کر جاتے ہو بیگم صاحبہ کو۔" جمیل نے اپنے آفس میں رفیق کو بلا کر پوچھا۔

"گالف کلب.... اکثر بلیو مون ہوٹل۔" اس نے ادب سے جواب دیا۔

"کبھی کسی کے گھر جاتی ہیں وہ؟" اس نے پوچھا۔

"جی ان کی سہیلی جہانگیر روڈ پر رہتی ہیں.... ستارہ نام ہے ان کا' بیگم صاحبہ اکثر انہیں لے کر پارٹیوں میں جاتی ہیں۔ وہاں بڑے بڑے لوگ آتے ہیں اور فلم اسٹار بھی۔"

جمیل حیران ہوا پھر سر ہلا کر پوچھنے لگا۔

"آج کل وہ اپنی سہیلی کے ساتھ آتی جاتی ہیں؟"

"نہیں.... آج کل تو کوئی صاحب ہوتے ہیں ان کے ساتھ' شاید ان کے کزن ہیں۔"

جمیل کو چندا کی جرات پر حیرانی ہوئی۔ کس قدر دیدہ دلیری سے وہ جمیل کے مہیا کردہ ڈرائیور اور گاڑی میں اس انجان شخص کو گھماتی پھر رہی تھی۔ کیا اسے جمیل سے خوف نہیں آتا یا پھر وہ ضرورت سے زیادہ پر اعتماد بہ الفاظ دیگر بے وقوف ہے؟

"کل کہاں گئے تھے وہ لوگ؟"

"سمن آباد کے کسی کلینک میں۔" جمیل کے ماتھے کی رگیں پھول گئیں' جبڑے بھنچ گئے۔

"یہ لو۔" وہ خود پر قابو پا کر کچھ نوٹ اسے دیتے ہوئے بولا' یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں کہ تمہیں اس بات کو نہ صرف خفیہ رکھنا ہے بلکہ مزید انفارمیشن بھی فراہم کرنی ہیں۔"

"جی سر.... " اس نے نوٹ تھام کر تابعداری سے کہا۔ "ایسا ہی ہوگا۔"

"اب تم جا سکتے ہو۔" وہ اٹھ کر باہر چل دیا۔

"اگر تم بے حیائی اور بے وفائی کی مرتکب ہو رہی ہو چندا.... تو یاد رکھنا میں تمہیں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ تم زندگی بھر یاد رکھو گی۔" اس کی آنکھوں سے دیوانگی جھلکنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"سائر!" میرب نے آہستہ سے پکارا۔ وہ کسی کو فون ملانے میں مصروف تھا۔ یہ وہی نمبر تھا جو اس رات اسے جگا گیا تھا مگر اب یہ نمبر مسلسل بند جا رہا تھا۔

"سائر.... " وہ اب کی بار زور سے بولی تو وہ چونکا۔

"ہوں' کہو کیا ہوا؟" اس نے فون بے دلی سے سائڈ ٹیبل پر ڈال دیا۔

"کل ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔ منتھلی وزٹ کے لیے۔" اس نے یاد دلایا۔

"اچھا!" سائر اپنا ماتھا سہلاتے ہوئے بولا۔

ایک کام نمٹ گیا تھا۔ دوسرا باقی تھا۔ وہ کیسے بھول سکتا ہے۔

اسے سب یاد تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت مضمحل تھی۔ کبھی گھنٹوں گم صم بیٹھی رہتی کبھی بے وجہ رونا شروع کر دیتی۔ کبھی پاگلوں کی طرح آغا کا نمبر ملاتی تو ملاتی چلی جاتی۔ اس کا دل ویران ' آنکھیں بنجر اور سوچیں مفلوج ہو چکی تھیں۔ میرب بہلانے کی کوشش کرتی تو وہ بڑے جارحانہ انداز میں اسے دیکھا کرتی۔ ابھی بھی وہ بیڈ پر چت لیٹی چھت پر گھومتے پنکھے کو مسلسل دیکھ رہی تھی تب ہی اس کا فون بجا۔ دوبارہ بجا' سہ بارہ اس نے نہایت کوفت زدہ انداز میں فون ریسیو کیا۔ گل تھی۔

"میری بچی!"

"امی!" اس کی ساری کوفت پل بھر میں ہوا ہوئی تھی "امی.... مجھے آپ کے پاس آنا ہے۔" وہ بے قراری سے رو پڑی۔

"ہو کہاں تم؟" اس نے ٹوہ لینے والے انداز میں پوچھا۔

"امی.... ان لوگوں نے میرا نکاح کر دیا حمزہ سے۔"

"کون حمزہ؟" گل دھک سے رہ گئی۔

"مہ پارہ خالہ کا بیٹا۔"

"مگر تم تو آغا کے ساتھ بھاگ رہی تھیں پھر یہ اچانک ایسے کیسے؟" اسے تو یہ نئی افتاد ہضم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"ہاں.... میں جا ہی رہی تھی کہ سائرہ بھائی اٹھ گئے.. نجانے کیوں ان پر نیند کی دوائی کا زیادہ اثر نہیں ہوا (شاید اس لیے نہیں ہوا کیونکہ وہ اکثر سلیپنگ پلز لینے کا عادی تھا اور پھر غیر معمولی اعصاب کا مالک بھی) انہوں نے مجھے پکڑ لیا امی...."

"تو تم نے نکاح کیوں کر لیا' اس کے بیٹے کے سامنے سب سچ کہہ دیتیں۔" گل نے اس کی عقل پر ماتم کیا۔

"موقع ہی نہیں ملا اور پھر آغا کا فون بھی تو مسلسل بند جا رہا ہے۔ کیا کروں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ بے بسی سے سر پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی۔

"دیکھو.... دھیرج سے کام لو' پہلے یہ رونا دھونا بالکل بند کرو۔" وہ بولی۔ "اور گھر میں بالکل نارمل بی ہیو کرو ورنہ یہ لوگ تمہارا باہر آنا جانا' فون کرنا سننا' سب بند کروا دیں گے۔" وہ شاطرانہ انداز سے آنکھیں گھما کر بولی اور یہ تو اجیہ نے سوچا ہی نہیں تھا۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ.... اس طرح تو میں آپ سے بھی نہیں مل سکوں گی۔"

"ہاں۔ بس اب تم یہاں آجاؤ مجھ سے ملنے' پھر دیکھتے ہیں کہ اب کیا کرنا ہے۔"

"ہم نے پہلے بھی کیا کر لیا امی۔" وہ پھر بلکنے لگی۔

گل چڑ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"بات سمجھنے کی کوشش کرو چندا.... فلم بنانے کا پلان موخر کیا جا سکتا ہے تمہاری حالت کی وجہ سے' سمجھو ہمیں ڈیڑھ سال مزید انتظار کرنا ہو گا۔ دراصل ڈر اس بات کا ہے کہ اگر کہیں تمہارے شوہر کو کچھ بھنک بھی پڑ گئی نا ہمارے ارادوں کی تو کہیں ہمارا سارا پلان ملیا میٹ نہ ہو جائے۔" وہ ازحد فکر مندی سے بولا۔

"تم کیوں مجھے بیزار کر رہے ہو؟" وہ سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتی ہوئی بولی' وہ شدید ڈپریشن میں آ کر سگریٹ نوشی کرنے لگی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میرا شوہر دنیا کا بے وقوف ترین مرد ہے جو میری معصومیت پر آنکھ بند کر کے یقین کرتا ہے۔ اگر اسے مجھ پر شک کرنا ہوتا تو وہ پہلے ہی نہیں کر لیتا.... میں کہاں جاتی ہوں؟ کس سے ملتی ہوں؟ کیا پہنتی ہوں؟ وہ ان سب باتوں کو ایشو نہیں بناتا ہاں...." اس نے منہ بنایا "میں کیا کھاتی ہوں' کیا پیتی ہوں' اس کی اسے ہمیشہ فکر رہتی ہے۔"

"تم بات سمجھ نہیں رہی ہو چندا!" ایک پل میں انسان کو اس کی قسمت عرش سے فرش پر پھینک دیتی ہے۔"

"تو کیا چاہتے ہو تم؟"
"یہی کہ تم جلد از جلد وہ گھر بیچ کر وہ رقم کہیں محفوظ کروا دو اور جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے میرا مطلب ہے زیورات، بچت وہ سب بھی اپنے قبضے میں لے لو۔ تم نے اسے تو چھوڑنا ہی ہے نا تو آج چھوڑ دیا کل اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہاں پھر ہم یہ بچہ پیدا ہونے کا انتظار کریں گے۔" اس کا پلان مکمل تھا۔
"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔" اس نے ایک گہرا کش لیا۔
"چلو دیکھتی ہوں۔ ایسا کرتے ہیں کل پراپرٹی ڈیلر کے پاس چلتے ہیں تاکہ جلد از جلد یہ معاملہ نمٹ سکے۔" وہ سوچتی ہوئی بولی۔
"ہاں.... یہ ٹھیک ہے۔" وہ اب مطمئن ہوا تھا۔
اگر وہ جان جاتے کوئی اور بھی ہے۔ جو ان کی گفتگو سن رہا ہے تو ہرگز بھی مطمئن نہ رہتے۔

☆ ☆ ☆

اجیہ اب اپنا سوگ بھلا کر کمرے سے باہر بھی نکلنے لگی تھی اور میریب کے ساتھ مختلف کاموں میں ہاتھ بھی بٹانے لگی تھی لیکن یہ اور بات کہ سارہ جہاں وہ موجود ہوتی وہاں سے اٹھ کر چلا جاتا مگر وہاں پرواہ کسے تھی۔ وقار البتہ اس میں آئی بہتری دیکھ کر کچھ اطمینان محسوس کر رہے تھے۔ مہ پارہ بھی وقتاً فوقتاً اسے فون کر رہی تھیں۔ وہ ان سے تو بات کر ہی لیتی تھی مگر حمزہ سے نہیں.... اس کے دل میں اب کسی اور کی گنجائش نکلنی مشکل تھی۔
حمزہ اپنی والدہ کے سامنے سراپا احتجاج بنا ہوا تھا۔ مگر انہوں نے کسی نہ کسی طرح اسے سمجھا بجھا ہی لیا تھا۔
آج اس کا فون آیا تو وہ بولیں۔
"اجیہ بیٹا! حمزہ کو خدا حافظ نہیں کہو گی۔ آج رات اس کی فلائٹ ہے وہ آسٹریلیا جا رہا ہے واپس۔" کہہ کر انہوں نے فون اسے تھما دیا۔
"واہ.... کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا مس، اوہ ہو مسز اجیہ...."

"کیسے ہیں آپ؟" وہ لٹھ مار لہجے میں بولی۔
"ایسے پوچھ رہی ہو جیسے مس سمانتھا مجھ سے ٹیبل پوچھتی تھیں۔"

"تو بہتر ہے کہ فون بند کر دو۔" وہ تیز ہو کر بولی۔
"ارے نہیں یار" وہ بے ساختہ بول اٹھا" اچھا ٹھیک ہے تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا" اب وہ سنجیدگی سے بولا "تم میری شریک زندگی ہو، مجھے بہت عزیز ہو.. اپنا بہت خیال رکھنا۔" وہ بہت نرم گرم سے جذبوں میں گھرا کہہ رہا تھا۔
"اچھا ٹھیک ہے.... خدا حافظ۔" اجیہ کا تنفس تیز ہو گیا۔ اسے بری طرح سے آغا یاد آنے لگا تھا۔
دوسری طرف وہ ہکا بکا ریسیور تھامے کھڑا تھا۔
"کیا ہوا؟" مہ پارہ نے اس کا ہونق چہرہ دیکھ کر پوچھا تو وہ قدرے غصے سے بولا۔
"مما.... یہ کچھ عجیب طرح بی ہیو نہیں کر رہی۔"
"ارے نہیں بیٹا۔" انہوں نے بات سنبھالنی چاہی۔ "یہاں لڑکیاں شادی سے پہلے ایسے ہی شرماتی ہیں۔"
"اچھا...." اس نے ریسیور رکھ کر اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ "آپ کہتی ہیں تو مان لیتا ہوں۔"
"میرا پیارا بیٹا۔" انہوں نے اس کا ماتھا چوما۔
انہیں پہلی بار اجیہ پر صحیح معنوں میں غصہ آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

رفیق اپنے بھیجے گئے آدمی کی فراہم کردہ تمام تر معلومات من و عن جمیل کو فراہم کر کے اب اس کے اگلے حکم کا منتظر تھا۔ جمیل اس کے بولنے کے دوران مسلسل اپنے ہاتھ سے پیپرویٹ گھما رہا تھا۔
"ٹھیک ہے اب تم جاؤ.... ضرورت ہوئی تو بلوا لوں گا۔" اس نے کہا تو وہ "جی صاحب" کہہ کر باہر نکلتا چلا گیا۔
"ذلیل عورت....! وہ سرتاپا دھڑا دھڑ جلنے لگا، میرے اعتماد، میری محبت کا ناجائز فائدہ اٹھاتی رہی۔

میری عزت کو ہوٹلوں میں روندتی رہی اور میں.... وہ خود پر عجیب طرح سے ہنسا "مجھ جیسا بے وقوف روئے زمین پر ہو گا بھلا!! مجھے اس کی بے پروائی کا' بے حیائی کا احساس تک نہ ہوا۔ میں یونہی بے دریغ اس پر اپنی محبت اپنی وفا اور اپنی خون پسینے سے کمائی گئی دولت لٹاتا رہا.... تم جانتی نہیں ہو چندا کیا کیا ہے تم نے.... تم نے میرے اندر کے حیوان کو جگا دیا ہے.... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس نے پوری قوت سے پیپر ویٹ اٹھا کر سامنے کی دیوار پر دے مارا' پیپر ویٹ دیوار سے ٹکرا کر صوفے کے ساتھ رکھی ٹیبل پر آ گرا۔ ایک چھناکے سے ٹیبل کا شیشہ چکنا چور ہوا تھا بالکل اس کے وجود کی طرح....

"ارے.... بھائی! کیا ہوا؟" اندر آتا ہوا ہمدانی بے طرح بوکھلا گیا۔

"تم نے بھی چندا کو کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھا تھا نا؟" وہ اس وقت دیوانہ محسوس ہو رہا تھا۔ ہمدانی گڑبڑا گیا۔

"وہ.... ہاں.... نہیں تو۔"

"تم دیکھ لینا' میں آج اسے قتل کر دوں گا۔" وہ انگلی اٹھا کر بولا۔

"رکو' ٹھہرو۔ بتا تو چلے آخر ہوا کیا ہے۔" اسے گھبراہٹ ہونے لگی کہ جمیل کے تیور بڑے ہی جارحانہ تھے۔

"میری بیوی.... جسے میں دیوانوں کی طرح چاہتا رہا' بچوں کی طرح اس کی فرمائشیں پوری کرتا رہا۔ گھر لیا تو اس کے نام پر' اسے سونے میں پیلا کر دیا اور جواباً" اس نے مجھے کیا دیا۔ اتنا بڑا دھوکا؟ نہیں ہمدانی! میں اسے اتنی آسانی سے معاف نہیں کروں گا۔"

"پاگل مت بنو یار.... ان کی حالت دیکھو' وہ تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہیں۔" وہ اسے کول ڈاؤن کرنے کے لیے بولا مگر وہ مزید بھڑک اٹھا۔

"میں کیسے مان لوں کہ وہ میری اولاد پیدا کر رہی ہے۔ میں ان دونوں کو ختم کر دوں گا۔" ہمدانی اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ کیسے نہ سمجھتا آخر خود بھی ایک مرد ہی تھا۔ "اور اگر وہ اولاد تمہاری ہی ہوئی تو.... کیا اپنی اولاد کو مار دو گے؟"

"تو پھر کیا کروں میں؟" وہ اونچا پورا مرد بلک بلک کر رو دیا۔ ہمدانی تاسف سے اسے دیکھے گیا۔

"کیوں.... کیوں؟ آخر کیوں کیا اس نے میرے ساتھ ایسا؟ میرا کیا قصور تھا؟ میں نے تو آج تک کسی لڑکی کو غلط نگاہ سے بھی نہیں دیکھا تو میری بیوی ہی کیوں بے وفا نکلی۔" ہمدانی نے جگ سے اسے پانی نکال کر دیا۔

"دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں۔" وہ ٹھنڈی مگر دکھ آمیز سانس لے کر بولا "مگر تم اس انتہا پر جا کر مت سوچو۔"

"کیسے نہ سوچوں۔" وہ تیز ہوا۔ "اس نے حیا' وفا اور محبت کی دھجیاں تو بکھیری ہی ہیں اب وہ میری کمائی دولت بھی اجاڑنا چاہتی ہے۔"

"اچھا تو یہ بات ہے۔ جو کچھ تم نے اسے دیا ہے فوراً" سے پیشتر واپس لے لو اور ابھی فی الحال ڈلیوری تک اسے گھر میں رہنے دو۔"

"میں ایک سیکنڈ کے لیے بھی مزید اس کا وجود برداشت نہیں کر سکتا اپنے گھر میں۔" اس نے قطعیت سے کہا تو ہمدانی مسکرا دیا۔ پھر پراسرار انداز سے بولا۔

"جو گیم اس نے تم سے کھیلا ہے تم بھی وہی کھیلو۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ...." وہ اسے کچھ سمجھانے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

میرب کا چیک اپ ہو چکا تھا۔ وہ اور بے بی دونوں ٹھیک تھے۔ ڈاکٹر نے چند ہدایات کے ساتھ اسے دوائیوں کا نسخہ پکڑا دیا۔ وہ اک الوہی مسکراہٹ لبوں پر سجائے ڈاکٹر کے روم سے ویٹنگ ایریا میں آئی جہاں سائر کچھ سنجیدہ سا بیٹھا ہوا تھا۔

"چلیں.... یہ دوائیاں لینی ہیں۔" اس نے پرچہ

اسے تھمایا۔ وہ ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگا۔

"سب ٹھیک ہے۔" اس نے سرسری سا پوچھا۔

"ہاں.... الحمدللہ۔" اس نے خوشی و شرم کی ملی جلی سی کیفیت کے زیر اثر بتایا۔

"تم باہر گاڑی کے پاس چلو۔ میں یہ دوائیاں لے کر آتا ہوں۔" وہ بولا تو وہ سرہلا کر آگے بڑھ گئی۔ جوں ہی وہ اپنی کار کے نزدیک پہنچی 'سیدھے ہاتھ کی جانب سے نجانے وہ کون تھا جو بے حد بے ڈھنگے طریقے سے بائیک لہراتا آیا تھا۔ بس لمحوں کا کھیل تھا۔ وہ بائیک میرب کو بڑی زور سے ٹکر مار دیتی مگر نجانے کہاں سے ان دونوں کے مابین ایک بوڑھی سی خاتون آگئیں۔ وہ خاتون میرب سے بری طرح ٹکرا گئیں۔ میرب کے حواس مختل ہو گئے۔ وہ بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے کبھی جاتی بائیک کو اور روڈ پر گری خون میں لت پت بڑی بی کو دیکھتی جو اگر اس کے اور بائیک کے بیچ میں نہ آتیں تو ان کی جگہ اسے ہونا تھا۔

آن واحد میں وہاں مجمع اکٹھا ہو گیا۔ لوگ بائیک والے کو برا بھلا کہتے ہوئے بڑی بی کو اٹھا کر اسپتال لے گئے۔ میرب جو نجانے کیسے اب تک اپنے پیروں پہ کھڑی تھی 'قریب آتے سائر کو دیکھ کر اس کی بانہوں میں جھول گئی۔

☼ ☼ ☼

"بس بیٹا! سمجھو' خدا نے بچالیا.... اپنا صدقہ دو' خیرات کرو اور سجدہ شکر بجا لاؤ کہ اس مہربان رب نے اپنا کرم کیا۔" سعدیہ بیگم' سہمی ہوئی میرب' کے بال سہلاتی ہوئی بولیں۔ وہ اس حادثے کی اطلاع پا کر ماریہ کے ساتھ اسے دیکھنے چلی آئی تھیں۔ ماریہ مسلسل اثبات میں سرہلا رہی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ.... میں نے تو جب سنا' میرا تو دل ہی خراب ہو گیا۔" وقار بولے۔

"چلو اٹھو.... اب یہ جوس پیو۔" ماریہ فریج سے جوس کا پیکٹ نکال لائی۔

"اک پل کو تو لگا جیسے سب کچھ ختم ہو گیا ہو۔"

میرب بولی۔

"بس اب زیادہ اس بات کو اپنے ذہن پر سوار مت کرو۔ شاباش' جوس پیو اور نماز باقاعدگی سے پڑھو۔ قرآنی آیات کا ورد بھی کرتی رہا کرو۔" دوسری طرف لان میں سائر کسی سے فون پر محو گفتگو تھا۔

"اندھے ہو گئے تھے۔ ایک ذرا سا کام کہا تھا تم سے وہ بھی ڈھنگ سے نہ ہوا۔"

دوسری طرف سے نجانے کیا کہا گیا۔ وہ تپ کر بولا "مرو تم۔" اور فون کاٹ دیا۔ سگریٹ سلگائی اور لمبے لمبے کش لگا کر خود کو نارمل کرنے کی سعی کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

جمیل نے چندا کو فون کر کے شام میں تیار رہنے کو کہا تھا۔ وہ بے دلی سے ہی سہی مگر اچھی طرح تیار ہو گئی تھی۔ وہ آکر خود بھی تیار ہوا پھر اسے لے کر شہر کے ایک بہت بڑے ریستوران میں چلا آیا۔

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟" وہ اس کے ہم قدم لابی میں چلتے ہوئے بولی۔

"ابھی پتا چل جائے گا فکر کیوں کرتی ہو۔" پھر وہ دونوں پہلے سے ریزروڈ ٹیبل پر آکر بیٹھ گئے۔ بڑا خواب ناک سا ماحول تھا۔ مدھم لائٹس' دھیمے سروں میں بجتا بیک گراؤنڈ میوزک.... اے سی کی ٹھنڈی ہوائیں' دلکش چہرے' سرسراتے لباس اور مسحور کن خوشبوئیں۔ چندا بہت محظوظ ہو رہی تھی۔

"آرڈر کرو...." جمیل اپنے ساتھ لائی ہوئی فائل ٹیبل پر رکھتا ہوا بولا۔ چندا مینو کارڈ اٹھا کر دیکھنے لگی۔ جمیل اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

کتنی دلکش اور حسین تھی وہ....

مگر اس کے دل میں کتنی غلاظت بھری تھی۔ عورت اگر معمولی شکل و صورت کی ہو اور باوفا ہو تو اس کے گرد ہمیشہ نور کا حصار دکھائی دیتا ہے اور خوب صورت بے وفا عورت یقیناً" اس کے گرد انگارے دہک رہے ہوتے ہیں مگر وہ بے خبر ہوتی ہے اور اس وقت تک بے خبر رہتی ہے تاوقتیکہ جھلس کر خاکستر نہ

ہو جائے۔
"جی سر۔" ویٹر آیا تو اس کی سوچوں کا ارتکاز ٹوٹا۔
"ہاں لکھو۔۔۔" چندا آرڈر لکھوانے لگی۔
"میں ابھی تک تمہاری اس مہربانی کا مطلب نہیں سمجھی۔" اس نے ویٹر کے جانے کے بعد کہا۔
"ابھی سمجھائے دیتا ہوں۔" وہ دل ہی دل میں بہت پریشان تھا۔ اب جو وہ کرنے جا رہا تھا اس کی وجہ سے مگر اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔
"یہ لو۔۔۔" اس نے اک نازک سا زرقون جڑا سونے کا بریسلیٹ خوب صورت کیس کھول کر اس کے سامنے کیا۔
"یہ کیا ہے۔۔۔؟" اس نے خوشی سے چہک کر پوچھا۔
"تم نے مجھے اتنی بڑی خوش خبری سنائی ہے تو کیا میرا کچھ فرض نہیں بنتا۔" وہ ضبط کر کے بظاہر مسکراتے ہوئے بولا۔
"اوہ اچھا۔" وہ جیسے سمجھ کر مسکرائی "تو یہ سب جناب اپنی اولاد کی خوشی میں کر رہے ہیں۔ اچھا تو خود ہی پہنا دیجیے نا۔" اس نے کلائی آگے کی۔
جمیل نے لاک کھول کر بریسلٹ اس کی سڈول کلائی میں ڈال دیا۔ چندا اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگی جس کی خوب صورتی دوچند ہو چکی تھی۔
"اور ہاں۔۔۔ یہ۔" اس نے ساتھ لائی فائل کھول کر اپنے ہاتھ میں پکڑے پکڑے کوئی صفحہ کھول کر اس کے سامنے کیا۔
"یہاں سائن کرو۔" جمیل کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔
"یہ کیا ہے؟" وہ بریسلٹ سے نگاہ ہٹا کر پوچھنے لگی۔
"کرو تو۔۔۔ بتاتا ہوں۔" اس نے اپنا لہجہ حتی المقدور نارمل رکھا۔ پین بھی اسی نے دیا۔ اس نے دستخط کر دیے۔ زیادہ دھیان نہ دیا۔
جمیل کی جان میں جان آئی۔
"نیا کام شروع کر رہا ہوں۔ انکم ٹیکس کے مسائل کی وجہ سے تمہیں پارٹنر بنایا ہے تم ففٹی پرسینٹ کی مالک ہو گی۔ اس لیے کاغذات پر تمہارے دستخط درکار تھے۔"
"ارے واہ۔" اتنی زیادہ عنایات اس سے سنبھالی نہیں جا رہی تھیں۔ "تم تو واقعی مجھ سے محبت کرتے ہو۔"
"کرتا تو رہا مگر تم ہی نے قدر نہ کی۔" وہ ذو معنی لہجے میں بولا۔
"خیر چھوڑو۔۔۔ یہ بتاؤ کہ کیا کاروبار ہے' میرا مطلب کہ کیا کاروبار ہے۔" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔
"جمیل بولا۔ چھوڑو تم تفصیلات میں جا کر کیا کرو گی۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ لو کھانا آگیا ہے۔ کھانا کھاؤ۔" اس نے ویٹر کو کھانا سرو کرتے دیکھ کر کہا۔
تو چندا نے زیادہ بحث نہ کی۔ کھانے کی جانب متوجہ ہو گئی۔
جمیل کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ سجی تھی۔
ہدہد کی آنکھوں پر تقدیر کا پردہ پڑ چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

کافی بحث و تمحیص کے بعد سائر تو قائل نہ ہوا البتہ وقار صاحب نے اجیہ کو دوبارہ کالج جانے کی اجازت دے دی۔ میرب سے اجیہ نے بار بار التجا کی تھی کہ اسے کالج جانے دیا جائے' اس کی پڑھائی کا ہرج ہو رہا ہے پھر ٹیسٹ بھی ہونے والے تھے۔ الغرض اسے اجازت مل گئی وہ پھر سے کالج جانے لگی۔
میرب کی طبیعت آج کل ٹھیک نہ رہتی تھی' وہ اکثر و بیشتر اپنے کمرے ہی میں رہتی۔ اس کے والد کا فون آتا رہتا تھا۔ عاشر کو اجیہ کے نکاح کی خبر ہوئی تو وہ ایک دم خاموش ہو گیا پھر بولا۔
"چلو۔۔۔ جہاں رہے خوش رہے۔" میرب اس کی افسردگی پر افسوس کرتی رہی۔ وقار صاحب کی مصروفیت وہی کتابیں اور ان کے چند احباب تھے۔ زندگی بہ ظاہر پرسکون تھی۔
مگر کب تک؟ یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

✲ ✲ ✲

"میں جانتی تھی... وہ ظالم بے حس انسان تیرا بھی وہی حال کرے گا جو اس نے میرا کیا۔" گل گلوگیر آواز میں بولی۔ اجیہ اس کے گلے لگ کر ڈھیر سارا رونے کے بعد اب پرسکون تھی۔

"میرا تو دل اجڑ گیا نا۔" وہ یاسیت سے بولی۔ "میں نے کر ہی کیا لیا۔"

"اور وہ لڑکا..." گل استہزائیہ انداز میں بولی۔ "تمہیں مشکل میں پھنسا کر خود کہاں بھاگ گیا؟"

"امی..." اجیہ نے تڑپ کر اسے دیکھا۔ "وہ بھاگا نہیں... وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا۔" وہ اب بھی پر یقین تھی۔

"تو پھر اس نے تم سے اب تک دوبارہ رابطہ کیوں نہیں کیا۔ مان لو اجیہ! یہ مرد نامی مخلوق صرف سکھ کی ساتھی ہوا کرتی ہے۔" وہ مدبرانہ سنجیدگی سے بولی۔

"مگر اس سب میں وہ کہاں سے قصوروار ہو گیا؟" اس نے سلگتے ہوئے کہا۔ "اسے تو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت میری زندگی سے نوچ کر پھینکا گیا ہے۔"

"تمہاری یہ بات بھی ٹھیک لگتی ہے۔" گل نے پینترا بدلا۔ "اگر وہ تم سے مخلص نہ ہوتا تو اپنے ماں باپ کو تمہارے گھر بھیجتا ہی کیوں؟"

"یہی تو۔" وہ پرجوش ہو گئی۔ "وہ بے وفا نہیں۔ اس نے جو کہا وہ کیا بھی مجھ سے دھوکا وہی تو میرے اپنے باپ اور بھائی نے کی ہے۔ مجھے آسرے میں رکھا اور بالا ہی بالا میرا رشتہ اس اسٹوپڈ سے طے کر دیا۔"

"رشتہ صرف طے ہی نہیں کیا بلکہ پکا کام کیا ہے، نکاح ہوا ہے تمہارا۔ مضبوط بندھن باندھا ہے کہ تم کچھ کر ہی نہ سکو۔" وہ بھڑکانے والے لہجے میں بولی۔

"یہ ان کی بھول ہے۔" وہ بھڑک بھی گئی۔ "میں اگر اس وقت حالات سے مجبور ہو گئی تھی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں ہار مان چکی ہوں۔"

"ہاں وہ تو یہی سمجھ رہے ہوں گے نا کہ وہ جیت گئے۔" وہ جی ہی جی میں خوش ہوئی۔

"یہ ان کی بھول ہے۔" وہ تلملا کر بولی۔

"مگر سوال تو یہ ہے نا کہ تم کرو گی بھی کیا، وہ لڑکا تو نہ تم سے رابطہ کر رہا ہے نہ تمہارا رابطہ ہو پا رہا ہے... ہاں اس کی بہن تمہاری دوست ہے نا! اسے فون کرو۔"

"کیا تھا۔" وہ اداسی سے بولی۔ "وہ بھی مجھ سے سخت ناراض تھی اور اس نے بتایا ہے کہ سائر نے (اس نے بھائی حذف کر دیا جان بوجھ کر) اس کے والدین کو مختلف لوگوں سے دھمکیاں دلوائیں، آغا کو ڈرایا، دھمکایا... وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہے، وہ ایک لڑکی کی خاطر اس کی جان جوکھم میں نہیں ڈال سکتے اسی لیے اسے بمشکل تمام واپس بھجوا دیا۔" اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"دیکھا..." گل مزید جوش و خروش سے بولی۔ "تمہیں برباد کر دیا ان لوگوں نے۔"

"جیسے انہوں نے میرا دل برباد کیا ہے میں قسم کھاتی ہوں... میں انہیں ویسے ہی تباہ کر کے دم لوں گی۔" اس نے سختی سے آنسو پونچھ کر خوفناک لہجے میں کہا اور گل خوشی سے سرشار ہو گئی کہ وہ اسی انتہا پر تو اسے دیکھنا چاہتی تھی۔

وہ اک ماہر کھلاڑی تھی... جو اپنے لیے بروقت کھول کر بساط الٹنا جانتی تھی... اور اب وہ وقت آ گیا تھا کہ اسے کھیل کا پانسہ پلٹنے کے لیے آخری چال چلنی تھی۔

"حساب تو تمہارے باپ کی طرف میرے بھی بڑے نکلتے ہیں۔" وہ چبھتے انداز میں بولی۔ اجیہ نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اب یہ میں تمہیں بتاؤں گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے، کیا تم تیار ہو؟" گل نے جانچتے لہجے میں اس سے پوچھا۔

"ہاں..." وہ پختہ لہجے میں سختی سے بولی۔

گل بھید بھری مسکراہٹ سے اسے دیکھنے لگی۔

✲ ✲ ✲

"کب لے رہی ہو پھر طلاق؟" آصف نے بے

بے چینی سے پوچھا۔ وہ اس وقت چندا کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ نوکرانی کام ختم کرکے جاچکی تھی۔ زینت بی اپنے کسی عزیز کی فوتگی میں گئی ہوئی تھیں۔ سونو اسکول سے آکر سو رہا تھا۔

"دیکھو!" چندا متانت سے بولی۔ "ابھی فی الحال ایسا ممکن نہیں ہے آصف! اس نے ابھی میرے نام پر کاروبار شروع کیا ہے.... اس گھر میں مجھے ہر طرح کا آرام ہے۔ میں ابھی ان سب کو چھوڑ نہیں سکتی۔"

"کیا کہا؟" آصف کا دماغ پھر گیا "پاگل ہو گئی ہو تم۔ اگر اس اثناء میں تمہارے شوہر کو تمہارے کرتوتوں کا پتا چل گیا تب پھر... پھر کیا حیثیت ہو گی تمہاری اس گھر اور اس کی زندگی میں، کبھی سوچا ہے اس کے متعلق۔"

"میرے کرتوت۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ "کیا ہیں میرے کرتوت؟ ہاں ذرا بولو، بتاؤ؟" اس کے الفاظ پر وہ بھنا گئی تھی۔

"دیکھو.... دیکھو۔" اسے اب اپنے الفاظ کی سنگینی کا احساس ہوا۔ "میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر ہے انسان کو احتیاط پیش نظر رکھنی چاہیے اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ تم فوراً اس سے علیحدہ ہو جاؤ۔"

"علیحدہ ہو کر کہاں جاؤں؟ تمہارے کرائے کے فلیٹ میں؟ ہوش کے ناخن لو آصف، کیوں اپنی اور میری آسائشات کے دشمن بنے ہوئے ہو۔ اگر بالفرض میں اس سے طلاق لے بھی لوں تب کیا ہو گا؟" اس نے طنزیہ پوچھا۔

"بے وقوف لڑکی!" اس نے بہ طور خاص لڑکی کا لفظ استعمال کیا "یہ گھر تمہارے نام پر ہے۔ یہاں سے جانا تمہیں نہیں اسے پڑے گا۔ تمہاری ڈلیوری میں بس اب تھوڑا ہی وقت تو رہ گیا ہے۔ اس کے بعد ہم فوراً ہی اسے بیچ کر اپنا کام شروع کر دیں گے۔"

"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو" وہ پرسوچ لہجے میں بولی۔ "لیکن میں ڈرتی ہوں اگر میرے اس مطالبے نے کوئی گڑبڑ پیدا کر دی تو؟"

"کیوں گھبرا رہی ہو جان!" آصف اس کے نزدیک ہوا "میں ہوں نا تمہارے ساتھ اور پھر تمہیں آج نہیں تو کل بھی کرنا پڑے گا تو آج کیوں نہیں۔" اس نے چندا کو بانہوں میں بھر لیا (غالباً" تحفظ کا احساس دلانے کے لیے) چندا نے مزاحمت نہیں کی۔

اسی وقت کوئی چیز تھی جو بڑی زور سے آکر آصف کے سر میں لگی۔ وہ بے ساختہ چندا کو چھوڑ کر اپنا سر سہلانے لگا۔ یہ ٹینس بال تھی جو ان دونوں کو کافی دیر سے دروازے کی اوٹ سے دیکھتے سونو نے کھینچ ماری تھی۔ ایک دم ہی وہ چندا کی نظروں میں آیا تھا۔ وہ بپھر کے اس کی جانب بڑھی۔

"ادھر آ..." وہ اتنا خائف ہوا کہ بھاگ بھی نہ سکا۔

"بدتمیز.... کمینے، کیوں ماری تو نے بال؟" اس نے سونو کے نرم نرم گال تھپڑوں سے سرخ کر دیے۔ کچھ یہ خوف بھی تھا کہ نہ جانے اس نے کیا سن اور دیکھ لیا ہو اور وہ کہیں جمیل کو نہ بتا دے۔ آج سے قبل چندا کو ایسا کوئی خوف دامن گیر نہ ہوا تھا۔

"مما! پلیز مجھے مت ماریں۔" وہ روتے ہوئے بولا۔

"جانے دو یار.... کیوں مار رہی ہو اسے۔" دل تو آصف کا بھی یہی چاہ رہا تھا مگر وہ یونہی بولا۔

"جا ادھر سے... اور خبردار جو اپنے باپ کو کچھ بتایا ہو تو۔ اگر ایک لفظ بھی منہ سے پھوٹا نہ تو تیرا گلا کاٹ دوں گی۔" وہ سیب کاٹنے والی چھری اٹھا کر اس کی جانب بڑھی۔

وہ روتے ہوئے الٹے قدموں اپنے کمرے کی جانب بھاگ گیا۔

"سارا موڈ خراب کر دیا۔ اتنی مشکل سے تو تم ہاتھ آئی تھیں۔"

وہ خباثت سے مسکراتے ہوئے اپنا سر سہلا رہا تھا۔

"ہر وقت بے تکی مت ہانکا کرو۔ نجانے اس نے کیا سنا ہو کہیں جمیل سے کچھ پھوٹ نہ دے۔"

"آج تک بتایا ہے، جو اب بتائے گا۔"

"ہم نے اس کے سامنے کبھی جمیل کے متعلق بات بھی تو نہیں کی۔"

"تم پریشان مت ہو، کچھ نہیں ہو گا۔ آخر میں تمہارے گھر بھی تو آتا ہوں۔ ابھی تک تو کوئی مسئلہ

نہیں ہوا۔" وہ بے فکری سے بولا۔
"وہ اور بات ہے۔" چندا بولی۔ "جمیل نہ تنگ نظر ہے نہ ہی بے وجہ کا شکی۔ اگر تم گھر آتے ہو تو تم میرے کزن ہو۔ بھلا اس بات پر جمیل کیا اعتراض جڑے گا۔" وہ مسکرا کر بولی۔ تو آصف آنکھ دبا کر بولا۔
"واہ جان... بہت خوب' استاد ہو تم پوری۔"
"بننا پڑتا ہے۔" وہ تفاخر سے مسکرائی۔ "سیدھے سادے طریقے سے دنیا جینے نہیں دیتی۔"
"اچھا باتیں ہی کرتی رہو گی یا کچھ خاطر تواضع بھی کرو گی۔" اس نے کہا۔
"اوفوہ! ایک تو پیٹو بہت ہو تم۔ ٹھہرو دیکھتی ہوں' کچھ پڑا ہوا تو لے آتی ہوں۔"
دوسری طرف روتے روتے سونو سو گیا تھا۔ مگر کبھی کبھی نیند میں بھی سسکی لے رہا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ پکارتا۔
"بابا... زینت بی... مما بہت گندی ہیں۔ مما بہت..."

☼ ☼ ☼

کوئی بہت دردناک انداز میں چیخا تھا۔ گھبرا کر میرب کی آنکھ کھلی۔
ہائے میں مرگئی... ارے کوئی اٹھاؤ مجھے۔" کوئی پکار رہا تھا۔ اس نے حواس باختہ ہو کر بستر چھوڑ دیا۔ آواز اس کے واش روم سے آرہی تھی۔ واش روم کا دروازہ لاکڈ نہیں تھا صرف بند تھا۔ اس نے ناب گھمایا۔
"ہائے بی بی... ٹوٹ گئی میری ہڈی... مرگئی میں۔" اس کی کام والی ماسی واش روم کے سفید چکنے ٹائلز پر چت پڑی چیخ رہی تھی۔
"ارے صغریٰ... کیسے گریں تم؟" وہ بوکھلا گئی۔
ہاتھ دو مجھے اور اٹھنے کی کوشش کرو۔" وہ آگے بڑھی۔
"نہ بی بی!" وہ دہشت سے چلائی۔ "آپ اندر نہ آئیں' ادھر پورے غسل خانے میں نجانے کیا چکنی چکنی چیز پڑی ہے۔ گر جاؤ گی آپ بھی۔"
میرب ڈر کر ٹھہر گئی۔ پھر کچھ سوچ کر مڑی اور باہر نکل کر لالی کو زور زور سے آواز دینے لگی۔
"کیا ہوا بیگم صاحبہ۔" وہ دوڑ کر آئی۔
"جاؤ جا کر میرے باتھ روم سے صغریٰ کو اٹھاؤ' وہ وہاں گر گئی ہے اور شریف کو کہو ڈرائیور سے گاڑی نکلوائے۔ اس کی حالت دیکھ کر لگتا ہے خدانخواستہ اس کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔" لالی اندر گئی۔ بڑی دقتوں سے صغریٰ کو اٹھایا۔ بیچاری کو بہت تکلیف ہو رہی تھی۔
وقار بھی آگئے۔ انہیں بتایا تو وہ خود لالی اور شریف کے ساتھ اسے ہسپتال لے گئے۔ میرب سر تھامے بیٹھی تھی۔ گھبراہٹ میں اس کی آنکھ کھلی تھی لہٰذا اب سر میں بہت درد ہو رہا تھا۔
"کیا چیز تھی فرش پہ۔ جو وہ یوں بری طرح پھسلی... اور اس سے پہلے اگر واش روم میں 'میں چلی جاتی تو...' خوف سے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی "اف میرے اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر تو نے مجھے اور میرے بچے کو بچالیا۔"
وہ سب ہی کچھ سوچ رہی تھی سوائے اس کے جو اسے واقعی سوچنا چاہیے تھا۔

☼ ☼ ☼

آج مانو کی شادی تھی۔
قاسم کی بیوی ثمینہ ایک نیک سیرت اور قدرے خوب صورت عورت تھی۔ اس نے ان بہنوں کے بعد گھر کا انتظام بڑے اچھے طریقے سے سنبھال لیا تھا۔ نازو کے دو بچے تھے اور قاسم کے تین۔ ہاشم تلاش رزق کے لیے دبئی چلا گیا تھا۔ بی جان مزید بوڑھی ہو چکی تھیں۔ وہ سب بھائی بہنیں آپس میں میل ملاقات رکھتے تھے۔ بس صرف چندا ہی تھی جو ان لوگوں سے مکمل کٹ گئی تھی۔ ابھی بھی وہ منہ بنائے اک کونے میں بیٹھی بیزار ہو رہی تھی۔ اس کے برعکس جمیل ہر ایک سے خوش خلقی سے مل رہا تھا۔ اس کے دل میں ان لوگوں کے لیے احترام تھا اور وہ جب بھی ان لوگوں سے ملتا اسے چندا کی اس قدر برعکس طبیعت پر حیرانی ہوتی تھی مگر آج حیرانی نہیں افسوس ہو رہا تھا' جو وہ چندا

کے ساتھ کرنے والا تھا ہر چند کہ چندا اسی قابل تھی مگر یہ لوگ..." اس کا دل اداسی سے بھر گیا۔

"السلام علیکم..." ثمینہ نے ایک کونے میں بیٹھی چندا کو بڑی ہونے کے باوجود جا کر خود سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دینے کے بجائے منہ پھیر لیا۔ کیسے نہ پھیرتی... قاسم کی بیوی جو تھی۔ وہ خفیف ہو گئی۔ نازو نے کڑی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"بھابھی سلام کر رہی ہیں۔" اس نے جتایا۔

"تو میں کیا کروں؟" وہ تنک کر بولی۔

"تمہیں آج تک بڑے چھوٹے کی تمیز نہیں آئی۔"

"مجھے کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔"

"بہت بدتمیز ہو تم بلکہ مزید بدتمیز ہو گئی ہو... جمیل بھائی نے تمہیں کچھ زیادہ ہی سر چڑھا رکھا ہے۔" وہ واقف حال تھی۔

"نصیب نصیب کی بات ہے۔" وہ کندھے اچکا کر اترائی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں تم لوگ ادھر کیوں رک گئی ہو دیگر مہمانوں کی بھی مزاج پرسی کرو۔" قاسم آکر بولے۔ انہوں نے اسے مکمل نظر انداز کر دیا تھا۔ مگر وہاں کسے پرواہ تھی۔

"ہونہہ۔" ان کے جانے کے بعد اس نے گردن جھٹکی۔ "بھیڑ بکری کی طرح مجھے اس بوڑھے آدمی سے بیاہ دیا۔ اگر اس وقت ان لوگوں نے میری شادی نہ کی ہوتی تو آج میں کہاں ہوتی؟" اس کے دماغ میں پھر سے کیڑا کلبلانے لگا۔ دوسری طرف ثمینہ' نازو سے کہہ رہی تھیں۔

"چندا کے مزاج ہی نہیں ملتے۔ میں نے آج تک اس جیسی بدتمیز اور بدمزاج عورت نہیں دیکھی اور پھر کتنی ناشکری ہے وہ' میں نے تو ہمیشہ اسے جمیل بھائی سے بیزار ہی دیکھا ہے اور تو اور مجھے تو لگتا ہے جیسے اسے اپنے بچے تک سے کوئی لگاؤ نہیں۔" ظاہر ہے ان کے ساتھ بدتمیزی کی گئی تھی' انہوں نے ایسا ہی رد عمل ظاہر کرنا تھا۔

"بس بھابھی۔" نازو شرمندگی سے بولیں۔ "شروع سے ابا کی لاڈلی رہی..."

"ارے پتا ہے۔ سب سمجھے۔" وہ بات کاٹ کر بولیں۔ "مگر ایسا بچپنا توبہ ہے۔ بی جان بھی ہر وقت اس کے لیے پریشان رہتی ہیں۔"

"ہاں... یہ ذرا اور طبیعت کی ہے۔" وہ اور کیا کہتی بھابھی سے۔ مگر وہ سوچ رہی تھیں کہ واقعی چندا آج تک نہیں بدلی۔ ویسی ہی خود غرض اور بے دید ہے۔ نجانے جمیل بھائی جیسا نفیس آدمی اس کی بدتمیزیاں کیسے برداشت کرتا ہو گا... بس اللہ ہی اسے سمجھ دے۔"

وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئیں کہ بارات آنے کا شور اٹھ رہا تھا اور سونو نے بغور بدتمیزی کرتی چندا کو دیکھا تھا اور اس کا رد عمل دیتی ثمینہ کو بھی۔

نجانے یہ ہر اس جگہ کیوں موجود ہوتا تھا جہاں اسے نہیں ہونا چاہیے تھا۔

✵ ✵ ✵

"کمال ہے۔" حادثے کا سن کر ماریہ تحیر سے بولی۔ "آخر کیا تھا تمہارے واش روم میں۔"

"یار پورے فرش پر صرف پھیلا ہوا تھا' واش روم کے ٹائلز بہت چکنے ہو گئے تھے۔ میں تو سو رہی تھی وہ بیچاری روزانہ کی طرح صفائی کرنے آئی تھی۔" اس نے بتایا۔

"تو کیوں پھیلا رکھا تھا وہاں جیل' اس کی ہڈی تڑوانے کے لیے۔"

"ارے تو میں نے کہاں پھیلایا یار۔" وہ برا مان گئی۔

"تو سائر بھائی نے گرا دیا ہو گا... تمہاری ایسی حالت ہے انہیں تو بہت خیال رکھنا چاہیے۔"

"رکھ تو رہے ہیں یار!" وہ اس کا دفاع کرتی ہوئی بولی۔ "روز مجھے اپنے ہاتھوں سے رات کو دودھ دیتے ہیں۔ دوائی وغیرہ کا پوچھتے ہیں۔ میرا دل گھبراتا ہے تو دل بہلاتے ہیں۔"

"دل بہلاتے ہیں۔" ماریہ شریر ہوئی۔ "وہ کیسے؟"

”تم بھی نا۔“ وہ مسکرادی۔ ”انہیں غزلیں سننے کا شوق ہے... مجھے بھی سنوادیتے ہیں۔“

”اب انہیں لمبی لمبی خاموشی کے دورے تو نہیں پڑتے؟“

”نہیں یار! اس نیوز کے بعد سے ان کے اندر بہت پوزیٹیو چینج آیا ہے۔“ وہ سوچتی ہوئی بولی۔

”ہوں' دیٹس گریٹ... بہرحال تم اپنا بہت خیال رکھنا۔“ اس نے کہہ کر فون بند کردیا۔ مگر وہ میرب سے بات کرکے کچھ بے چین سی ہوگئی۔ کچھ تھا جو اس کے ذہن میں کھٹک رہا تھا۔ مگر کیا فی الحال وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

★ ★ ★

یہ پہلی بار تھا کہ اس نے اتنے بے ہودہ اور مختصر کپڑے پہنے تھے۔ مگر تعجب کی بات تو یہ تھی کہ فوٹوگرافر کہہ رہا تھا کہ وہ بہت بیوٹی فل لگ رہی ہے۔

وہ شرماتی' جھجکتی' کنفیوز ہوتی ڈائریکٹر کے کہنے پر عمل پیرا رہی۔ بالآخر اس کا ولگر شوٹ مکمل ہو ہی گیا۔

”کمال کا پیس ہے گل... کہاں چھپا رکھا تھا۔“ ٹونی آنکھ دبا کر بولا۔

”قسم سے آنے دو یہ شوٹ مارکیٹ میں... تہلکہ مچ جائے گا تہلکہ۔“

”بس دیکھ لیں۔ خاص آپ کے شوٹ کے لیے لائی ہوں۔“ گل احسان کرنے والے انداز میں بولی۔

”قدر دانی ہم سے بہتر کوئی کرسکتا ہے۔“ وہ اب کمپیوٹر اسکرین پر تصویریں منتخب کررہا تھا۔

”یہ دیکھو...“ اس نے ساتھ شال لپیٹے بیٹھی اجیہ کو ستائشی انداز میں کچھ دکھایا۔ یہ اس کی اپنی تصویر تھی' اسے خود یقین نہ آیا۔ وہ کالے رنگ کے اسکن ٹائٹ منی اسکرٹ اور بلاؤز میں شارپ ریڈ لپ اسٹک لگائے کرسی پر ٹانگیں موڑے بیٹھی تھی۔

خود تصویر دیکھ کر اسے پسینہ آگیا۔

”واؤ... اسے کہتے ہیں بولڈ اینڈ بیوٹی فل۔“ وہ اس کی تعریفوں میں رطب اللسان تھا۔

گل کی آنکھیں چمک رہی تھیں... فتح کی چمک۔

اور اجیہ...

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ جو ہوا برا ہوا۔ مگر جو ہونے جا رہا تھا وہ بہت ہی برا تھا۔

☆ ☆ ☆

کبھی انسان کو تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر کڑوے گھونٹ بھی پینے پڑتے ہیں۔

چندا کو ڈلیوری تک گھر میں رکھنے کا فیصلہ جمیل کے لیے ایک کڑوا گھونٹ تھا۔ ہمدانی نے ٹھیک کہا تھا۔ اگر وہ اسی وقت طیش میں آکر طلاق دے کر اسے گھر سے نکال دیتا تو خود ساری زندگی اذیت میں رہتا۔ یہ سوچ سوچ کر کہ اس کے پاس جمیل کی اولاد ہے۔ گو کہ وہ اس کے متعلق مشکوک تھا۔ مگر شک ہی تھا نا اس کی پیدائش پر دور بھی کیا جاسکتا تھا۔

بس یہی سوچ اسے باندھے ہوئی تھی۔ وگرنہ تو چندا کو گھر میں استحقاق و اطمینان سے گھومتے دیکھ کر اس کے دل پر کیا گزرتی تھی۔ یہ وہی جانتا تھا۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ اس ڈائن کا گلا گھونٹ دے جو اتنے عرصے اس کی عنایات' اس کی محبت کو حق سمجھ کر وصولتی رہی اور جواباً ”دیا بھی تو کیا...“

اتنا بڑا دکھ...

وہ فیصلہ کرچکا تھا کہ اسے ایسی زک پہنچائے گا کہ وہ تاعمر یاد رکھے گی۔

شوہر سے بے وفائی کوئی معمولی جرم نہ تھا اور شوہر بھی ایسا جو اسے پلکوں پر بٹھا کر رکھتا تھا...

جمیل نے بہت کچھ سوچ رکھا تھا۔ بس وقت... وقت کا انتظار تھا۔

★ ★ ★

آج میرب کی طبیعت نسبتاً ”بہتر تھی۔ اس نے اپنے کمرے کے معمولی کام نمٹانے شروع کردیے۔ پہلے وارڈ روب ٹھیک کی۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل سے غیر ضروری سامان ہٹایا۔ اس کے بعد رائٹنگ ٹیبل کی طرف آئی۔ اس پر بکھری کتابیں قلم وغیرہ سمیٹے۔ چھوٹے موٹے کاغذات ترتیب سے فائل میں لگا کر دراز میں رکھے۔ اس کے دھیان کے پردے میں وہ

تصویر لہرائی جو اس نے اپنی شادی کے ابتدائی ایام میں دراز میں رکھی دیکھی تھی۔ وہ یک بیک افسردہ سی ہو گئی۔ سب کچھ بظاہر درست ہو چکا تھا مگر نجانے کیوں میرب کے اندر اب بھی خلا موجود تھا.... اسے زندگی میں اپنے اور سائر کے رشتے میں کہیں کچھ کمی سی لگتی تھی۔

"تو یہ طے ہے کہ میں آپ کی زندگی کی ساتھی ہوں مگر آپ کی محبت کی حق دار اب بھی نہیں شاید۔" وہ نڈھال سی ہو کر وہیں کرسی پر ڈھے گئی۔ اور اس نے یونہی اس دراز کو کھینچا جو اس کی دانست میں مقفل ہونا چاہیے تھی اور جس میں اسے تصویر ملی تھی۔

مگر یہ کیا... اس نے دراز کھینچی۔ وہ باہر نکل آئی۔ سارہ اضمحلال پل بھر میں ہوا ہو گیا۔ وہ سیدھی ہو بیٹھی... دراز میں ترتیب سے کئی ڈائریاں رکھی تھیں۔ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کیا کرے مگر کچھ تو کرنا ہی تھا۔ سو اس نے سب سے نیچے والی کالی جلد کی ڈائری اور اس کے اوپر رکھی براؤن ڈائری دونوں باہر نکال لیں اور جلدی سے دراز بند کر کے اٹھی اور وہ ڈائریاں اپنے عام استعمال کے ہینڈ بیگ میں ڈال لیں۔ اس پورے عرصے میں وہ گھبرا گھبرا کر دروازے کی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔ جوں ہی اس نے بیگ کی زپ بند کی دروازہ بجا۔ اس کا سانس اوپر کا اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔

"کک.... کون؟" حالانکہ وہ جانتی تھی' سائر اس وقت نہیں ہو سکتا۔

"بی بی۔" لالی تھی۔ "آپ نے کہا تھا کہ ساری سبزیاں کاٹ کر آپ کو بلا لوں۔"

"اچھا... اچھا۔" وہ جلدی سے اٹھی اور باہر نکلی۔ آج اس کا چائنیز بنانے کا ارادہ تھا۔ اس کے گھریلو سلیپرز ہمیشہ کمرے کے باہر ہی رکھے ہوتے تھے صرف اس کا روم اور ڈرائنگ روم کارپیٹڈ تھا باقی سارے گھر میں ٹائلز' ماربل وغیرہ لگے تھے۔

میرب نے سلیپرز پہنے' وہ دو قدم ہی چلی تھی کہ بری طرح لڑکھڑائی۔ اس کی دلدوز چیخ پورے گھر نے سنی تھی۔

☼ ☼ ☼

چندا نے ایک خوب صورت صحت مند بچی کو جنم دے دیا تھا۔

اس روز جمیل بہت رویا۔ وہ اس بچی کو گود میں لینے' پیار کرنے کی ہمت خود میں نہیں پا رہا تھا۔ اسپتال میں ان کے ملنے جلنے والے آ جا رہے تھے۔ مانو بھی اپنے شوہر کے ساتھ آئی۔ جمیل کو بطور خاص مبارکباد بھی دی۔ اور اپنے کراچی شفٹ ہونے کی اطلاع بھی۔ اسے یہ نئی گڑیا بے حد اچھی لگی تھی۔ جمیل پر جمود طاری تھا۔ ہمدانی ہی نے ڈاکٹر سے بچی کے ڈی این اے ٹیسٹ کے لیے کہا... ڈاکٹر نے کیا کہا کیا نہیں یہ ہمدانی نے اسے نہیں بتایا۔ مگر ٹیسٹ ہو گیا.....

دو روز بعد ثابت ہوا کہ پیدا ہونے والا اس کا اپنا خون تھا۔ اب جا کر جمیل پر سکون ہوا۔ اس کے سوختہ لبوں پر مسکراہٹ بھی چمکی اور اس نے نازک کومل گلابی گلابی گڑیا کو اٹھا کر پیار بھی کیا۔

"تو ثابت ہوا کہ میرا تمہیں گھر میں رکھنے کا فیصلہ درست تھا اور جو دوسرا فیصلہ میں نے تمہارے لیے کیا ہے وہ بھی صد فیصد درست ہے.... اب وہ وقت آ گیا ہے چندا بیگم.... تمہارے دیے گئے ہر زخم کا حساب ہو گا۔" وہ بیڈ پر پڑی نقاہت زدہ سی چندا کو دیکھ کر سفاکی سے سوچ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"جس وقت تمہارے گھر سے فون آیا مانو میری تو جان ہی نکل گئی۔"

سعدیہ بیگم کہہ رہی تھیں۔ "جس وقت میرب پھسلی اگر بروقت لالی اسے نہ تھام لیتی تو بہت نقصان ہو جاتا مگر نہیں ہوا وہ بال بال بچ گئی۔" وقار نے پریشانی سے سعدیہ کو فون کر دیا۔ وہ ماریہ کو لے کر دوڑی چلی آئیں۔ اس کی کمر میں بری طرح جھٹکا آیا تھا۔ سعدیہ ہی نے لے جا کر اسے ڈاکٹر کو دکھایا۔ ڈاکٹر نے کمر پر ملنے کی دوائی دی اور ساتھ ہی کمر سینکنے کی ہدایت کی۔ اور اس وقت سعدیہ اس کے کمرے میں بیٹھی

دونوں ہی کام کر رہی تھیں۔ وقار اس کا خیال کرنے پر ان کے بے حد مشکور تھے۔ اجیہ بھی اس کی خیریت پوچھ گئی۔ وہ آج کل (بہ قول اس کے) اپنے امتحانات میں مصروف تھی۔

اس پورے عرصے میں ماریہ بالکل خاموش تھی۔ وہ جو سوچ رہی تھی وہ میرب سے کہنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ ہونے والے پے در پے حادثات اتفاق نہیں تھے.... اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگر حادثہ اتفاق نہ ہو تو پھر سازش ہوتا ہے۔

مگر کس کی....؟

یہاں سوچ کا سرا الجھ رہا تھا۔

"ایسا کرو...." وہ کچھ دیر بعد سنجیدگی سے بولی "تم اپنی ڈلیوری تک ہمارے گھر چل کر رہو۔"

"نہیں ماریہ!" میرب نحیف آواز میں بولی۔ "میں بے آرام ہو جاؤں گی وہاں.... پھر تمہاری تیاریاں بھی چل رہی ہیں خوامخواہ ڈسٹرب ہو جاؤ گے میری وجہ سے تم لوگ۔"

"یہ کیا بات کی تم نے بیٹا؟" سعدیہ نے خفگی سے کہا "ہم تو ہرگز بھی ڈسٹرب نہیں ہوں گے۔ میں تو کہتی ہوں تم ابھی چلو۔"

"نہیں آنٹی...." اس نے محبت سے ان کا ہاتھ تھاما "آپ کی محبت سر آنکھوں پر مگر آپ سمجھ سکتی ہیں.... آج کل مجھے اپنے گھر کے علاوہ کہیں قرار نہیں ملتا۔"

وہ بولی تو سعدیہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو.... ایسی حالت میں سو طرح سے جی گھبراتا ہے۔ اب جی کو شوہر کے علاوہ بہلائے کون۔"

"مگر مجھے تمہارا یہاں رہنا نامناسب لگتا ہے۔"

ماریہ بے چینی سے بولی۔

میرب پریشانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم رہنے دو.... جہاں رہے اللہ کی حفاظت میں رہے۔ یوں بھی اس حالت میں عورت اپنے شوہر کے سامنے رہے تو اچھا ہے، میں تمہیں چھوڑ دیتی یہاں مگر کیا کروں شادی کی تیاریاں بھی سر پر ہیں۔" وہ ایسے لہجے میں بولیں جیسے فیصلہ نہ کر پا رہی ہوں۔

"ارے نہیں آنٹی!" میرب ان کے انداز پر نہال ہی ہو گئی "میں ٹھیک ہوں۔ آپ آرام سے جا کر شادی کی تیاریاں کریں۔ اس کی تو عادت ہے میرے متعلق اتنی حساسیت سے سوچنے کی۔" وہ محبت پاش نگاہوں سے ماریہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔

تب ہی لالی نے چائے لا کر رکھی۔

"بھئی لالی.... شاباش! تم نے بہت خیال کیا ہماری میرب کا.... یہ لو رکھ لو انعام ہے تمہارا۔" سعدیہ بیگم نے پرس کھول کر ہزار ہزار کے کئی نوٹ نکال کر اسے تھمائے۔

"وہ تو جی میرا فرض تھا۔" وہ نوٹ دیکھ کر گھبرا گئی۔ پھر میرب نے کہا "رکھ لو" تو اس نے جلدی سے رکھ بھی لیے۔

"اور ہاں.... تم نے آئندہ بھی اس کا اچھی طرح خیال کرنا ہے۔ ٹھیک۔" انہوں نے کہا۔

"کیوں نہیں جی.... اب تو میں میرب بیگم صاحبہ کو بیڈ سے پیر بھی زمین پر نہیں رکھنے دوں گی.... پتا نہیں کس حاسد کی نظر لگ گئی ہے، جب دیکھو کوئی نہ کوئی مصیبت ہی لگی ہوئی ہے ان کے ساتھ۔"

"اچھا جاؤ، بابا کو بھی چائے دو۔" وہ سر ہلا کر چلی گئی۔

"اب تم نارمل ہو بھی جاؤ یار۔" میرب نے ماریہ کی سنجیدگی پر اسے ٹوکا تو وہ جبراً مسکرا دی۔ مگر اس کا دماغ اس لمحے بھی کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

آج صبح ہی سے حبس زدہ سا موسم تھا۔ کچھ عجیب سا بے چین اور بے کل کر دینے والا موسم....

اوپر سے نومولود مسلسل روئے چلی جا رہی تھی اور چندا بے زار سی بیٹھی اس پر کوئی توجہ نہیں دے رہی تھی۔

"زینت بی.... بچی کو لے کے جائیں یہاں سے۔"

واش روم سے جمیل ابھی ابھی باہر نکلا تھا۔ اس نے چندا کو سرزنش کی نہ ٹوکا۔ بس یونہی سنجیدگی اور بیگانگی سے پہلے شیشے کے سامنے کھڑا بال جماتا رہا بعد ازاں اپنا مختصر سا سفری بیگ کھول کر اس میں دو جوڑے ڈالے اور چند ضروری سامان۔

"کہیں جا رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔ زینت بی روتی ہوئی بچی کو لے گئی تھیں۔

"ہاں....." اس نے مختصراً" کہا اور سوٹ کیس بند کیا۔

"کہاں؟"

"شہر سے باہر..... دو تین روز میں واپسی ہو گی۔" اس نے بغور اس کی جانب دیکھ کر اس کے تاثرات جانچے۔

"اچھا... اچھا۔" وہ سر ہلا کر بولی۔ "کام کے سلسلے میں جا رہے ہو گے اور وہ جو میرے نام پر تم نے اپنا کام شروع کیا ہے' اس کا پرافٹ آنا شروع ہوا وہ تو تم میرے ہی اکاؤنٹ میں جمع کروایا کرو گے نا۔" وہ حریصانہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

"وقت لگتا ہے..... پرافٹ فوراً" آنا شروع نہیں ہوتا۔" وہ اب اپنے کف لنکس بند کر رہا تھا۔

"ایک تو میری ہر چیز میں نجانے اتنا وقت کیوں لگتا ہے۔ انتظار کرنا مجھے بالکل پسند نہیں۔" وہ ناک چڑھا کر حد درجہ اکتاہٹ سے بولی۔

"تمہیں اندازہ ہی نہیں۔" وہ اس کی طرف مڑا۔ "تمہیں آج تک کسی چیز کے لیے بھی ترستا بھبر کرنا نہیں پڑا ہے چندا..... تمہاری زندگی عیش و آرام سے عبارت رہی ہے مگر تم نا آشنا رہیں' اپنے اوپر ہونے والی اس عنایت اور کرم سے۔"

"ہونہہ..... تمہیں کیا پتا میں نے زندگی میں کتنا صبر کیا ہے۔" وہ تنک گئی۔

"کتنا صبر کیا ہے۔ میں اچھی طرح واقف ہوں۔" وہ طنزیہ ذومعنی انداز میں بولا۔ "خیر چھوڑو یہ بیکار کی بحث۔ مجھے دیر ہو رہی ہے' اب میں نکلتا ہوں۔" اس نے کہا اور اپنا بیگ اٹھا کر باہر چل دیا۔ باہر نکلنے سے قبل اس نے ایک عجیب سی سرد نگاہ اس پر ڈالی تھی مگر وہ اندازہ ہی نہ کر سکی کہ اپنی ہی کسی ادھیڑ بن میں لگی تھی۔

"بہت جلد تم پر صبر کا مفہوم آشکار ہو جائے گا چندا... اب تمہیں زیادہ انتظار کی چنداں ضرورت نہیں۔"

وہ زہر خند ہو کر سوچ رہا تھا

☆☆☆

"لعنت ہے....." سائر نے فون بند کر کے دانت پیسے۔

میرب خیریت سے تھی..... وہ ایک مرتبہ پھر اپنے ارادے میں ناکام ہو چکا تھا۔

"یہ تقدیر کیسا مذاق کرنے چلی ہے میرے ساتھ..... کوئی اور سائر دنیا میں نہیں آسکتا..... بالکل نہیں آسکتا۔ جو اذیت' جو تکلیف میں نے جھیلی..... میں اس میں کسی اور کو مبتلا نہیں دیکھ سکتا..... نہیں' نہیں تمہیں ہر حال میں ختم ہونا ہے' چاہے اس کے لیے مجھے میرب کی جان ہی کیوں نہ لینی پڑے۔"

اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں..... سوچیں زہر آلود..... روح زخم زخم اور دل.....

وہاں خاموشی تھی..... اداس خاموشی۔

☆☆☆

"امی! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میرا وہ شوٹ میگزین میں نہ چھپے..... بس آپ تصویروں کے ساتھ۔ جو کرنا چاہیں کرلیں۔" وہ ناخن بری طرح سے کترتی ہوئی مضطربانہ لہجے میں گویا تھی۔

"کیا بات کر رہی ہو۔" وہ ناراض ہوئی۔ "تمہارا شوٹ اس قدر شان دار ہے کہ ان لوگوں نے۔ پہلی ترجیح کے طور پر چھاپا ہے اپنے میگزین میں۔"

"مگر امی..... وہ بہت چیپ ہے۔" اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"چیپ تو ہرگز نہیں ہے ہاں البتہ بولڈ ضرور ہے مگر تمہیں کس بات کی فکر سوار ہو گئی ہے۔ تم نے تو اپنے

باپ سے بدلہ لینا تھا نا اپنی ناتمام آرزوؤں کا' یہ جنگ ہے اجیہ' اور اس جنگ میں سب جائز ہے۔" وہ خم ٹھونکنے والے لہجے میں بولی۔

"مگر آپ کیا کرنے والی ہیں؟" اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"بہت جلد تمہیں پتا چل ہی جانا ہے اجیہ! تم اتنی فکر مند کیوں ہو رہی ہو۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"فکر تو کرنی پڑتی ہے نا.... نجانے آپ کیا کرنے والی ہیں اور اس کے بعد نجانے یہ لوگ مجھ سے کیا سلوک کریں۔" وہ تیز ہو کر بولی۔

"اب تیر کمان سے نکل چکا ہے.... جتنا سوچو گی اسی قدر تفکرات بڑھیں گے.... بہتر ہے کہ تم سکون سے آنے والے وقت کا انتظار کرو۔"

"اور کر بھی کیا سکتی ہوں۔" وہ گہری سانس بھر کر بولی۔

"اچھا فون رکھتی ہوں.... پارلر کے لیے نکلنا ہے مجھے.... حالانکہ میری طبیعت ٹھیک نہیں.... بس اب تو تم سے امید لگی ہے مجھے' ایک بار کامیابی تمہارے قدم چوم لے۔ بس میں نے تو سوچ لیا ہے میں یہ جاب فوراً" چھوڑ دوں گی۔ ارے بھئی جب تم مٹھیاں بھر بھر کما رہی ہو گی تو مجھے ان چند ٹکوں کی خاطر اپنا بڑھاپا خوار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔" اس نے تائید چاہی۔ اس عرصے میں پہلی بار اجیہ کچھ ہلکی پھلکی ہوئی۔ آخر کو وہ اپنی "محروم مظلوم" اور "زمانے بھر کی ستم رسیدہ" ماں کے کام آ رہی تھی تو اس کا کام غلط کیسے ہو گا؟

"جی امی! بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ.... میری زندگی کا فی الحال آپ کی مدد اور ساتھ دینے کے سوا دوسرا کوئی مقصد نہیں۔"

"میں جانتی ہوں تم میری بہت اچھی بیٹی ہو۔"

بیٹی تو شاید وہ اچھی ہی تھی مگر ماں....؟

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عمارہ خان

"نمرہ او نمرہ! دیکھو بہو بیگم جاگیں یا ابھی تک استراحت فرما رہی ہیں۔" اماں بی کی پاٹ دار آواز سے پورا صحن بھر گیا۔ حرا جو کمر سیدھی کرنے لیٹی تھی اس کا دل ایک لمحے کو کانپ سا گیا۔

حالانکہ چار سال ہو گئے تھے شادی کو، لیکن ابھی تک اماں بی کی آواز سن کر اسے ڈر لگتا تھا۔ چار سال میں وہ تو اماں بی کی آواز کی عادی ہوئی تھی اور نہ ہی ان کی گہری تنقیدی نظروں کی، ہر ممکن کوشش کرتی تھی اماں بی کا سامنا کم سے کم ہو لیکن برا وقت بتا کے تھوڑی آتا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ از خود کمرے سے باہر نکلتی نمرہ کی آواز نے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیے۔

"نہیں اماں بی! بھابھی صاحبہ کے کمرے کا دروازہ بھی بند ہے اور اے سی بھی کھلا ہوا ہے۔"

"ہائے ہائے! کس منحوس گھڑی میں ایک کماؤ بہو لے آئی میں بھی بجائے گھر والوں کو سکون دینے کے، مہارانی کے اپنے ہی ارمان پورے نہیں ہوتے۔ سوچا تھا اکلوتا بیٹا ہے جلدی بہو لے آؤں تاکہ کچھ سکھ ملے پر نہ جی، جانے کون نیک بیبیاں ہوتی ہیں جن کی بہوییں ان کی خدمت کرتی ہیں، ادھر تو ہم ہی دروازے چیک کرتے رہیں، بہو بیگم جاگی ہیں یا نہیں۔" اب اماں بی کو روکنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔

اور حرا جس کی طبیعت صبح سے ہی کچھ نرم گرم تھی اسی لیے اپنا کام جلدی ختم کر کے گھر آگئی تھی کہ دو گھڑی کمر سیدھی کر لے پھر شام میں ڈاکٹر کے پاس جائے لیکن اماں بی نے اسے آتے دیکھ لیا تھا اور بجائے بہو ان سے چائے پانی کا پوچھنے کے، جب اپنے کمرے میں جا لیٹی تو اچانک ان کو گھریلو بہوؤں کے گن یاد آنے لگے۔ کیسے بہوویں، ساسوں کو بٹھا کے کھلاتی ہیں۔

حرا ہمت کر کے اٹھ گئی اور عافیت اسی میں جانی کہ کمرے سے باہر نکل جائے اس سے پہلے کہ توپوں کا رخ اس کے گھر والوں اور جنت مکانی کی تربیت تک آجائے۔

حرا کے کچن کی طرف جاتے قدموں کو دیکھ کر اماں بی نے فخریہ انداز میں اپنی بیٹی کو دیکھا، جیسے کہہ رہی ہوں دیکھا کیسے کس بل نکالے اب رات گئے تک تم چھٹی کرو اور نمرہ نے بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں داد دے ڈالی۔

✻ ✻ ✻

یہ قصہ اب تقریباً" ہر دس پندرہ دن میں ہونے لگا تھا، حرا کی نوکری اس کے گلے کی ہڈی بن گئی تھی، نہ اگلے بن پا رہی تھی نہ نگلے جب کہ سسرال میں صرف ایک نند اور ساس تھیں، سوچا تھا نوکری کو جاری رکھوں گی شادی کے بعد تو جلد ہی ایک گاڑی لے لوں گی کیونکہ ریحان کے پاس ایک موٹر سائیکل تھی۔

گاڑی کے بعد کچھ بچت کر کے نوکری کو خیرباد کہہ کر فیملی بڑھانے کا ارادہ تھا۔ چونکہ ریحان کو کوئی اعتراض نہ تھا سو نوکری تو جاری تھی لیکن صرف سیلری پہ اس کا اختیار ختم ہو چکا تھا۔ اور شاید اپنی ذات پہ بھی کیونکہ ریحان روایتی مردوں کی طرح گھر کے معاملات میں دخل نہیں دیتا تھا۔

شروع شروع میں اماں بی نہ زیادہ اچھی تھیں نہ بری لیکن گزرتے وقت نے ثابت کیا شادی شدہ زندگی کانٹوں بھرا راستہ ہے جس پہ کسی ایک فریق نے صبر زیادہ کرنا ہوتا ہے اب یہ قسمت کہ وہ ساس ہو یا بہو۔ اب یہ حرا کا نصیب کہ وہ نوکری جاری رکھنے کی وجہ سے مسائل کا شکار ہوتی جا رہی تھی۔

پہلے پہل اعتراض نوکری پہ ہوا کہ ایک اکلوتی نند ہے شادی ہو کے چلی جائے گی سسرال' سسرال بھی کام کرے اور میکے میں بھی فائدہ کیا ایسی بھابھی کا۔ سو اس نے دوپہر کا سالن بھی صبح ناشتے کے ساتھ بنانا شروع کر دیا' دوپہر کی روٹی اپنے لیے اور اماں بی کے لیے بنانا بھی کھلتا تھا نمرہ کو لیکن مجبوری تھی اپنے لیے تو پکانا ہی تھا نا۔

اس اعتراض کے بعد تنقید ہوئی حرا کے کپڑوں پہ' نئی دلہن ہے ہر وقت سر جھاڑ منہ پہاڑ رہتی ہے۔ اب بھلا کوئی پوچھے آفس کون سلمیٰ ستارے کے کپڑے پہن کے جا سکتا ہے اور پھر پورے دن کی خواری کے بعد شام چھ بجے آتے ہی شام کی چائے بنانے کے ساتھ رات کے کھانے کی تیاری کون کڑھائیوں والے کپڑے پہن کر کر سکتا تھا۔

خیر ایک چپ سو سکھ پہ عمل کرتے ہوئے خیر و عافیت سے دن گزارنے پہ مجبور تھی۔ حرا کی نوکری کی نند بھی ایسی کی تھی لیکن اب یہ نوکری اس کی مجبوری بن چکی تھی۔ ریحان نے کچھ عرصے پہلے ہی اس کی پوری تنخواہ کی ایک کمیٹی ڈال دی تھی کہ اس کمیٹی کے نکلتے ہی جاب ختم اور ہماری فیملی شروع۔

کمیٹی نکلتے نکلتے ریحان کا ارادہ تھا کچھ خود بھی جمع کر لیتا اور ابا جی جس پلاٹ کو چھوڑ گئے تھے اس پہ گھر بنا کے سب ادھر شفٹ ہو جاتے۔

بہت حسین خواب بُنا تھا ریحان نے حرا کی آنکھوں میں مگر اس کی تکمیل کرتے کرتے حرا کی اب ہمت جواب دیتی جا رہی تھی کہ ساری ہمت اماں جی کے تیز جملوں کی نذر ہو جاتی۔

ویسے بھی آج کل گھر میں پریشانی ہی پریشانی تھی۔ نمرہ کا ایک بہت اچھا رشتہ آیا ہوا تھا۔ لیکن مسئلہ یہ تھا وہ لوگ صرف تین ماہ کے وقفے میں شادی کا ارادہ رکھتے تھے۔

جو کہ ظاہر ہے ممکن نہیں تھا کیوں کہ حرا کی پوری تنخواہ ریحان کی ڈالی گئی کمیٹی میں جاتی تھی اور ریحان کے پیسوں سے گھر چلتا تھا۔

اب جو شادی کی تلوار سر پہ لٹکی تھی اس کا حل کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' اماں بی سب کچھ جانتے بوجھتے صرف بیٹی کی شادی کو دیکھ رہی تھیں۔ کیوں کہ لڑکے والے نمرہ کو پسند کر گئے تھے۔

ہر آئے گئے کے سامنے اب اماں بی کماؤ بہو کی برائیاں' شادی کے بعد بیٹے کی نظریں پھرنے کے قصے اور جوان کنواری بیٹی کی شادی بھائی کے نہ کرنے کے قصے دہراتی تھیں جو حرا کو ازبر ہو چکے تھے۔ مگر اماں بی نہ تھکتی تھیں۔

پریشانی کم کرنے کا ایک حل حرا کی سمجھ میں آیا تو اس نے اپنے جہیز کے کافی اچھے کپڑے جو اسے نوکری

کی وجہ سے پہننا نصیب نہیں ہوئے تھے' نکال کے اماں بی کو دے دیے۔

نمرہ نے تو خوشی سے رکھ لیے' مگر اماں بی بولے بغیر نہ رہ سکیں۔

"آہ! یہ دن بھی دیکھنا تھا' میری بیٹی کے جہیز میں کمی کمین کی طرح اترنیں رکھی جائیں گی۔ واہ مولا! یہ دن بھی آنے تھے میری زندگی میں۔"

اور حرا شرمندگی سے سر جھکائے کمرے سے نکل گئی۔ اب اماں بی نے ریحان کے لتے لینا شروع کر دیے۔

"دودھ نہیں بخشوں گی تجھے' ایک ہی بیٹی ہے میری' تیری اکلوتی بہن ہے' اچھی طرح بیاہنا ہے مجھے اسے تیری کون سی مزید بہنیں بیٹھی ہیں جو دل تنگ پڑ رہا ہے۔"

اور ریحان چاہ کے بھی نہ جتا سکا' آپ نے ہی مشورہ دیا تھا۔ بیوی کے پیسوں سے کمیٹی ڈال دو تاکہ بیوی کے ہاتھ زیادہ کھلا پیسہ نہ رہے اور اکٹھا پیسہ ہاتھ آئے تو مکان بنالیں پلاٹ پہ' اب ایک تنخواہ میں پورا گھر چلانا مشکل تھا' طرہ یہ کہ دھوم دھام سے شادی کرنا وہ بھی پورے جہیز کے ساتھ۔

دوسری طرف اماں بی کے طعنے اسی رفتار سے جاری تھے "صحیح بولتے ہیں لوگ۔ پہلے بیٹی کو بیاہ دو پھر لڑکے کی شادی کرو' شادی کرتے ہی لڑکے تیری طرح آنکھیں ماتھے پہ رکھ لیتے ہیں۔"

اماں بی کسی صورت یہ رشتہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھیں۔ بالا ہی بالا ہاں کر چکی تھیں لیکن چاہتی تھیں ریحان کی بھی پوری رضامندی شامل ہو تاکہ اخراجات احسن طریقے سے پورے ہو سکیں۔

"لیکن اماں بی کیسے پورے ہوں گے یہ سب اخراجات؟"

ریحان نے پاس پڑی لسٹ دیکھی تو آنکھوں تلے اندھیرا سا آگیا' اماں بی کے ماتھے پہ شکنیں بتا رہی تھیں ان کو یہ بحث پسند نہیں آرہی۔

"واہ ریحان واہ! اچھا صلہ دے رہا ہے مجھے قربانی کا' تیری شادی بھی میں نے اچھی طرح کی تھی' بھول گیا کیا' اب میری بیٹی کی باری میں تجھے حساب کتاب کی پڑ گئی۔"

اور ریحان سر جھکائے کمرے سے باہر نکل گیا۔ مزید کچھ بچا ہی کیا تھا بولنے کو یا بحث کرنے کو۔

☆ ☆ ☆

اس روز روز کی کِل کِل سے جہاں ریحان چڑچڑا ہو گیا تھا۔ وہاں حرا پہ زندگی مزید مشکل ہو گئی تھی' وہ پہلے ہی بے زار تھی اپنی طبیعت کی وجہ سے' روز بروز چکر آنا' متلی سی محسوس ہونا اور کچھ کھانے کو دل نہ کرنا' ریحان یا گھر والوں سے تو کوئی امید نہ تھی کہ کوئی ڈاکٹر کے پاس لے جائے گا' سو آفس کی ایک کولیگ کے ساتھ جب اپنا چیک اپ کروایا تو سمجھ میں نہ آیا اس ننھے مہمان کے آنے کی خوشی منائے یا افسوس کرے۔

☆ ☆ ☆

"اف! تھک گیا یار' چائے پلا دو۔" ریحان نے آفس کے بعد مارکیٹ سے جہیز کے سامان کے لیے جانا معمول سا بنا لیا تھا۔ سو اسی حساب سے تھکن بھی ہونا لازمی تھی۔

اور حرا کو یہ بہترین وقت لگا' اپنی حالت بتانے کے لیے' "لپک جھپک چائے بنا کے فوراً" کمرے کی طرف چلی۔

"یہ لیں!" حرا چائے کی پیالی ریحان کو دیتے ہوئے دھیمی سی مسکان کے ساتھ بولی۔

"خیریت؟" ریحان جو گھر کے حالات کی وجہ سے شاید مسکرانا تو کیا حرا کو بھی دھیان سے دیکھنا بھول گیا تھا' اچانک مسکراتے ہوئے دیکھا تو پوچھے بغیر رہ نہ سکا۔

"وہ میں لاسٹ ویک اسپتال گئی تھی۔" بالآخر حرا نے زبان کھولی۔

"اچھا تو!" ریحان نے سکون سے آنکھیں بند کرتے ہوئے چائے کی چسکی لی۔

"وہ... وہ۔" تھی تو ایک مشرقی عورت ہی، حرا کی زبان لڑکھڑائی تو ریحان نے آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا؟ سب خیریت تو ہے نا؟"

"وہ میں امید سے ہوں۔" حرا نے شرمیلی سی مسکان سے جواب دیا۔

"کیا؟" ریحان نے ایک چیختی سی آواز سے پوچھا اور چائے کی پیالی ٹرے پہ پٹخی۔

"کیا کہا تم نے؟ دوبارہ بولو مجھے یقین نہیں آیا۔"

اور حرا، ریحان کے اتنے شدید رد عمل سے ایک دم سکتے میں آگئی۔

"حرا! تم نے جان بوجھ کے کیا ہے نا یہ؟" ریحان نے سر دونوں ہاتھوں پہ گرا لیا۔

"اف حرا! مجھے یقین نہیں آرہا تم بھی میرے ساتھ یہ کرو گی۔

اس کڑے وقت جب میں اتنی ٹینشن میں ہوں، تم بھی مجھے ٹینشن دو گی۔ مجھے تمہارا ساتھ چاہیے یار! ابھی مزید فکریں مت دو پلیز۔" اور حرا بے یقینی کی کیفیت میں ریحان کو دیکھتی رہی۔

ٹینشن؟ چار سال بعد اللہ اولاد دے رہا تھا اور وہ ٹینشن تھی۔

"حرا! خدا کے لیے ختم کرو اس قصے کو ابھی۔ ہم نے پلان کیا تھا نا جب تک گھر نہ بن جائے بچہ نہیں پیدا کریں گے۔ پھر یہ سب؟" ریحان نے ناگواری سے بات پوری کی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

پیچھے حرا زندہ لاش بنی سوچتی رہی، میں جو چار سال سے اپنا بنیادی حق چھوڑے ہوئے ہوں وہ کہاں گیا؟ چار سال سے پوری تنخواہ تم کو دے رہی ہوں، وہ کس حساب کتاب میں جائے گی؟ تمہاری ماں کی ہر بری بات، ہر طعنہ برداشت کر رہی ہوں، یہ ساتھ دینا نہیں ہے؟ ... آفس سے آکر تمہاری بہن کو اور ماں کو پہلے چائے بنا کے دیتی ہوں۔ یہ ٹینشن نہیں ہے جو میں اکیلے جھیل رہی ہوں؟ میرا ساتھ کون دے رہا ہے اس عرصے میں

ان سب سوالوں کے جواب آنکھوں سے بہتے رہے اور اگلے دن، تین دن کی چھٹی لے کے اس نے یہ ٹینشن بھی ختم کردی۔

☆ ☆ ☆

شادی کی تیاریوں میں دن ایک دوسرے کا تعاقب کیے بھاگتے رہے اور کارڈ چھپ گئے۔

ایسے ہی ایک دن جب ریحان تھکا ہارا گھر آیا تو، اماں بی لاؤنج میں ہی پریشان حال سی بیٹھی تھیں۔

"کیا ہوا اماں بی؟" ریحان پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"وہ نمرہ کے سسرال سے فون تھا۔"

"تو...؟" ریحان نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"وہ بول رہے ہیں، ہمارے زیادہ تر رشتے دار باہر ملک سے آرہے ہیں تو شادی کا انتظام ہوٹل میں ہو تو بہتر ہے۔"

اماں بی نے اٹکے بغیر اپنی پریشانی سنا ڈالی۔ یہ الگ بات ہے کہ دل ہی دل میں وہ سخت پریشان تھیں، سارا جمع جتھا لگ چکا تھا۔ اپنے سے بڑھ کے خرچ کرنے کے چکر میں۔

ریحان کاٹو تو لہو نہیں والی صورت حال میں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

"اماں بی! یہ تو سراسر بلیک میلنگ ہے نا؟"

"ہاں تو کیا کروں بتا تو؟" اماں بی نے بھی گیند ریحان کے کورٹ میں ڈال دی۔

"اماں بی! آپ کو اندازہ بھی ہے۔ ہوٹل میں بارات کے اخراجات کا؟" ریحان نے حیرت سے پوچھا۔

"اچھا تو رشتے سے منع کر دوں کیا؟ یہ بتا مجھے، یتیم بہن سے بول دے جا کے، باپ نہیں ہے تیرا اور بھائی اب اپنی بیوی کے اللے تللے پورے کر سکتا ہے تیرے نہیں۔"

"اماں بی! اماں بی! کیا ہو گیا آپ کو؟" ریحان نے بے بسی سے پوچھا۔

"لون لے چکا۔ حرا اپنا زیور تک دے چکی، کپڑے پہلے ہی دے دیے تھے، اب بچا کیا ہے میرے پاس،

ایک یہ بائیک رہ گئی ہے بولیں تو بیچ دیتا ہوں۔"
اماں بی کو بھی ترس آ گیا' آخر کو اولاد تھی اور اکلوتا بیٹا تھا' لیکن سوال بیٹی کی خوشیوں کا تھا۔
"وہ میں سوچ رہی تھی' جو کمیٹی ڈالی ہے حرا کے پیسوں کی وہ لے لو تو کام ہو جائے گا۔ آخر حرا اس گھر فرد ہے' اس کا بھی فرض ہے' اس گھر کے مسئلوں میں ہمارے ساتھ کھڑی رہے۔" بالآخر اماں بی نے بلی کو تھیلے سے باہر نکال ہی دیا اور اپنے کمرے میں دروازے سے لگی حرا کا رواں رواں کان بن کے ریحان کے جواب کا منتظر رہا۔ لیکن ادھر ایک خاموشی سی خاموشی تھی۔

٭ ٭ ٭

بالآخر مقررہ وقت پہ نمرہ دلہن بنی سب کی باتیں سن سن کے مطمئن سی مسکراتی رہی اور اماں بی ہر آئے گئے کو جہیز کا سامان دکھا دکھا کے تعریفیں بٹورتی رہیں۔
حرا کا بجھا بجھا چہرہ اور ریحان کی تھکی تھکی مسکراہٹ نظر انداز کرنا کون سا مشکل تھا۔ ذرا ضمیر کو سلانا تھا سو سلا دیا' ایک طرف اماں بی کی بیٹی تھی دوسری طرف کسی اور کی بیٹی تھی سو پلڑا اپنی بیٹی کی طرف جھک گیا۔

٭ ٭ ٭

"اللہ کا شکر ہے۔ بیٹی اپنے گھر کو ہوئی۔" اماں بی ولیمہ میں بیٹھی اپنے خاندان والوں کے سامنے عاجزی اختیار کرتے ہوئے بولیں۔
"دیکھ لو! ایک ہی بیٹا دیا اللہ نے لیکن میرے دودھ کی تاثیر کا کمال۔ ماشاء اللہ ایسا فرماں بردار نکلا۔"
"ہاں خالہ! آپ کی تو بہو بھی اچھی ہے۔"
کسی رشتے دار کو پوری شادی میں پھرکی بنی حرا نظر آ ہی گئی۔
"ہاں بھئی! ہم اچھے تو سب اچھے۔" اماں بی نے ناک سے مکھی اڑائی۔
"ہاں' خالہ! یہ تو ہے۔ ویسے نوکری کرتی ہے نا آپ کی بہو۔" پڑوس کی خالہ جن کی دیوار سے دیوار ملی ہوئی تھی۔ انجان سی بنی بولیں۔
"اے لو تو اور کیا۔ تم تو جانتی ہو ذکیہ! پڑوس میں تو ہو کیسے روز صبح جاتی ہے اور اپنی مرضی سے دن ڈھلے آتی ہے' ایک دمڑی جو کبھی لی ہو بہو بیگم سے۔ حالانکہ جب سے شادی ہوئی ہے نوکری پہ ہے' مگر نہ بھئی ہم اپنے تنگ دل نہیں جو دوسروں کے پیسوں پہ نظر رکھیں۔
دیکھ لو! بہو نے اپنی نوکری کے پیچھے ایک بچہ تک نہ پیدا کیا' یہ آ رہی ہے سامنے سے پوچھ لو جو کبھی طعنہ دیا ہو' دونوں میاں بیوی کا معاملہ ہے بھئی' ہاں بس یہ حسرت ہے۔" اماں بی نے ایک ٹھنڈی سانس لے کے بات آدھی ادھوری چھوڑی۔
"وہ کیا آپا!" اب جب کے پورے خاندان کے لوگ اماں بی کی قربانی اور ایثار سے متاثر نظر آ رہے تھے تو گردن میں خود بہ خود کلف سا لگ گیا تھا اور ریحان جو حرا کے ساتھ اسٹیج سے بھاری سی سلامی دے کے اماں بی کو بتانے آ رہا تھا' اماں بی کو اداس سا دیکھ کے پاس ہی بیٹھ گیا۔
"کیا ہوا اماں بی! کوئی کمی رہ گئی تو بتائیں۔" اور پورا خاندان عش عش کر اٹھا۔ بیٹے کی فرماں برداری پہ۔
"ارے نہیں ریحان' کلیجہ ٹھنڈا کر دیا تو نے' جیتا رہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک بڑھا دی' تو نے اللہ خوش رکھے تجھے۔"
"ارے آپا! وہ بات تو پوری کر دیں کیا حسرت رہ گئی آپ کو؟"
"اے کلثوم! بس اب حسرت ہے ریحان کی اولاد کو گود میں کھلاؤں' مرنے سے پہلے پوتے کی شکل دیکھ لوں۔"
"واہ آپا واہ! کیا بڑا دل ہے تمہارا' کہاں ملتا ہے ایسا قدر دان سسرال آج کل' اے بہو! قدر کرو اپنی ساس کی۔"
اور بہو پاس ہی بیٹھی حساب کتاب میں مصروف تھی' اب مزید کتنا عرصہ نوکری کرنی پڑے گی کہ نمرہ کی شادی کا پورا قرضہ اترے یا کمیٹی ختم ہو۔
مزید نوکری کا مطلب تھا' ابھی جنت پیروں کے نیچے آنے کا کوئی امکان نہیں' آخر کو کماؤ بہو تھی۔

٭

نمرہ احمد

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ حنین اور اسامہ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر' سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مر جاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔

جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔
فارس غازی، ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں جس میں اس کا بھی حصہ ہے، رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔
والد کے کہنے پر زمر سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی، ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیراں سے، جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا ہے، بہانے سے پاس ورڈ حاصل کر کے سعدی کو سونیا سالگرہ میں دے دیتی ہے۔
پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔
چیف سیکریٹری آفیسر خاور ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے، ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے، لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کر کے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔
نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔
بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمیج ہو جاتی ہیں۔
سعدی حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے، حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "آنس ایور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

مکمل ناول

اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس' زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فہد سے زمر کی بات طے کر دیتی ہیں۔ وارث غازی' ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس کے پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی ہاشم کو خبردار کر دیتا ہے۔ ہاشم' خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضایع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کر رہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں بہت مجبور ہو کر ہاشم' خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث' فارس کو وہ سارے شواہد میل کر دیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم' فارس پہ ڈلواتا ہے۔

زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔' زرتاشہ مر جاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً" بچ جاتی ہے مگر اس کے دونوں گردے ضایع ہو جاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔

حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے کے لیے غیر قانونی پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین وارث کیس کی ایلی بائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

زمر فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ فارس کے خلاف بیان دے گی۔ گھر میں اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں' جس کی بنا پر زمر کو دکھ ہوتا ہے۔

جواہرات' زمر سے ملنے آتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ فارس کے خلاف بیان دے۔ وہ زمر کے ساتھ ہے' اسی وقت زمر کا منگیتر اس کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی ہونے والی ساس یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ جواہرات اس کے منگیتر کو اپنی گاڑی میں بٹھا لیتی ہے اور اسے آسٹریلیا بھجوانے کی آفر کرتی ہے۔

سعدی' فارس سے ملنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاشم اس قسم کا آدمی ہے جو قتل بھی کر سکتا ہے اور وہ فارس سے مخلص نہیں ہے۔

سعدی کو پتا چلتا ہے کہ اسے اسکالر شپ نہیں ملا تھا۔ زمر نے اپنا پلاٹ بیچ کر اس کو باہر پڑھنے کے لیے رقم دی تھی۔ اسے بہت دکھ ہوتا ہے۔

زمر کو کوئی گردہ دینے والا نہیں ملتا تو سعدی اسے اپنا گردہ دے دیتا ہے۔ وہ یہ بات زمر کو نہیں بتاتا۔ زمر بدگمان ہو جاتی ہے کہ سعدی اس کو اس حال میں چھوڑ کر اپنا امتحان دینے ملک سے باہر چلا گیا۔

سعدی' علیشا کو راضی کر لیتا ہے کہ وہ یہ کہے گی کہ وہ اپنا گردہ زمر کو دے رہی ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر زمر کو پتا چل گیا کہ گردہ سعدی نے دیا ہے تو وہ کبھی سعدی سے گردہ لینے پر رضامند نہیں ہوگی۔

ہاشم حنین کو بتا دیتا ہے کہ علیشا نے اورنگ زیب کاردار تک پہنچنے کے لیے حنین کو ذریعہ بنایا ہے۔ حنین اس بات پر علیشا سے ناراض ہو جاتی ہے۔

ہاشم' علیشا کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس کی ماں کا ایکسیڈنٹ کروا چکا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔ وہ علیشا کو بھی

مروا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اور اس کی ماں بھی امریکن شہری ہیں۔
جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ زمر کا منگیتر حماد شادی کر رہا ہے۔
فارس کہتا ہے کہ وہ ایک بار زمر سے مل کر اس کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا جا رہا ہے۔ وہ ہاشم پر بھی شبہ ظاہر کرتا ہے' لیکن زمر اس سے نہیں ملتی۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کر لے جا چکا ہے۔ وہ جواہرات سے کہتا ہے کہ زمر کی شادی فارس سے کرانے میں خطرہ ہے' کہیں وہ جان نہ جائے کہ فارس بے گناہ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے۔ جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ فارس نے اس کے لیے رشتہ بھجوایا تھا' جسے انکار کر دیا گیا تھا۔ زمر کو یقین ہو جاتا ہے کہ فارس نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے۔ زمر' جواہرات کے اکسانے پر صرف فارس سے بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی پر رضامند ہو جاتی ہے۔

ڈیڑھ ماہ قبل ایک واقعہ ہوا تھا جس سے سعدی کو پتا چلا کہ ہاشم مجرم ہے۔
ہوا کچھ یوں تھا کہ نوشیرواں نے ایک ڈراما کیا تھا کہ وہ کوریا میں ہے اور اغوا ہو چکا ہے۔ تاوان نہ دیا گیا تو وہ لوگ اس کو مار دیں گے۔
ہاشم' حنین اور سعدی کو آدھی رات کو گھر بلاتا ہے اور ساری سچویشن بتا کر اس سے پوچھتا ہے' کیا اس میں علیشا کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔
وہ حنین سے کہتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پتا کرو۔ حنین کمپیوٹر سنبھال لیتی ہے۔ سعدی اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ تب ہی ہاشم آکر اپنا سیف کھولتا ہے تو سعدی کی نظر پڑتی ہے۔ اس کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔
اس میں وارث کی بیٹیوں کی تصویر ہوتی ہے۔ جو وارث ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ ہاشم کے سیف کے کوڈ آئینے میں دیکھ لیتا ہے اور کمرے سے اس کے جانے کے بعد سیف کھولتا ہے۔ اس سے ایک لفافہ ملتا ہے' جس میں اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فوراً" بعد کی تصویر ہوتی ہے' جس میں زمر خون میں لت پت نظر آتی ہے اور ایک فلیش ڈرائیو بھی ملتی ہے۔
تب اسے پتا چلتا ہے کہ ہاشم مخلص نہیں تھا۔ یہ قتل اسی نے کرایا تھا۔
حنین' نوشیرواں کی پول کھول دیتی ہے' وہ کہتی ہے کہ نوشیروا پاکستان میں ہی ہے اور اس نے پیسے اینٹھنے کے لیے اغوا کا ڈراما رچایا۔
سعدی وہ فلیش سنتا ہے تو سن رہ جاتا ہے۔ وہ فارس کی آواز کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ جس میں وہ زمر کو دھمکی دیتا ہے۔
سعدی بار بار سنتا ہے تو اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ وہ فارس کے وکیل کو فارغ کر دیتا ہے۔ جو ہاشم کا آدمی تھا۔
سعدی' زمر کے پاس ایک بار پھر جاتا ہے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی تیسرا آدمی بھی ملوث ہو سکتا ہے۔
"مثلاً "کون؟" زمر نے پوچھا۔
"مثلاً"۔۔۔۔ مثلاً "ہاشم کا ردار۔۔۔۔" سعدی نے ہمت کر کے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہو گئی۔
زمر کو ہاشم کاردار کے ملوث ہونے پر یقین نہیں آتا سعدی زمر سے کسی اچھے وکیل کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ ریحان خلجی کا نام لیتی ہے۔ سعدی فارس کا وکیل بدل دیتا ہے۔
حنین علیشا کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ جیل میں ہے کیونکہ اس نے چوری کی کوشش کی تھی۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی نے وہ آڈیو حاصل کر لی ہے۔ جس میں فارس کا جعلی فون ٹیپ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے کہ جج تو اُن کا ہے۔
ہاشم کی بیوی شہرین ایک کلب میں جوا کھیلتی ہے اس کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کیمروں میں ہے۔ اسے غائب کرانے کے لیے سعدی کی مدد لیتی ہے۔

ریحان خلجی عدالت میں زمر کولاجواب کردیتا ہے۔ یہ بات فارس کو اچھی نہیں لگتی۔
فارس جیل سے نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا ساتھی غلطی ہے۔ زمر کو اس میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زمر کا غصہ فارس کے خلاف مزید بڑھ جتا ہے۔
زمر فارس سے ملتی ہے تو فارس کہتا ہے کہ ایک بار وہ اس کے کیس کو خود دیکھے۔ فارس کہتی ہے کہ وہ زمر سے معافی نہیں مانگے گا۔
جیل سے علیشا حنین کو خط لکھتی ہے وہ حنین سے کہتی ہے تم میں اور مجھ میں ذہانت کی علاوہ ایک اور چیز مشترک ہے وہ ہے ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی فطرت۔ اس لیے کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ گناہ مت کرنا ورنہ کفارے دیتے عمر بیت جائے گی۔
حنین کو اپنا ماضی یاد آجاتا ہے جب اس نے کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اور وہ شخص صدمہ سے دنیا سے رخصت ہوگیا تھا۔ وہ کفارہ کے لیے آگے پڑھنے سے انکار کردیتی ہے۔ وہ سعدی کو یہ ساری بات بتاتی ہے تو سعدی کو شدید صدمہ ہوتا ہے۔
اورنگ زیب نوشیرواں کو عاق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جان کر جواہرات غصہ سے پاگل ہوجاتی ہے۔ وہ اورنگ زیب کو قتل کردیتی ہے اور ڈاکٹر سے مل کر اسے بلیک میل کرکے پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اپنی مرضی کی حاصل کرلیتی ہے۔
زمر' فارس کی طرف سے مشکوک ہے۔ وہ اسے تہ خانے میں بنے کمرے میں جانے سے منع کرتا ہے لیکن زمر نہیں مانتی' وہ کمرے میں جاتی ہے تو دیوار پر کچھ تصویریں لگی دیکھتی ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو فارس کے مجرم ہیں۔
جسٹس سکندر (فارس کے کیس کے جج) وارث غازی کا باس الیاس فاطمی' ڈاکٹر توقیر بخاری' ڈاکٹر ایمن بخاری (فارس کی سائیکالوجسٹ) اور دوسرے لوگ۔۔۔ فارس کہتا ہے کہ وہ ان سب سے اپنے ساتھ کی گئی ناانصافی کا انتقام لے گا۔
سعدی جب نوشیرواں سے ملنے جاتا ہے تو ڈاکٹر سارہ کو ساتھ لے جاتا ہے۔ سعدی کو امید ہے کہ ڈاکٹر سارہ نے سب کو بتادیا ہوگا۔
ہاشم نے حنین سے وہ یو ایس بی مانگی جو سعدی نے اس کے لیپ ٹاپ سے چرائی تھی۔ حنین نے دے دی تو زمر اور فارس کو بہت غصہ آتا ہے لیکن حنین بتاتی ہے کہ اس نے اصلی یو ایس بی نہیں دی تھی۔
ہارون عبید مشہور سیاست دان جواہرات کے حسن کے اسیر ہیں۔ وہ ایک اسے ہیرا تحفہ میں دیتے ہیں۔ زمر' احمر کو اپنا کوئی کام کرنے کے لیے کہتی ہے۔ احمر ہارون عبید کی الیکشن کمپین چلا رہا ہے۔ آب دار ہارون عبید کی بیٹی ہے۔ جو سعد کے ساتھ پڑھتی رہی ہے۔
فارس' زمر سے کہتا ہے کہ اس نے تین وجوہات کی بنا پر زمر سے شادی کی ہے۔
(1) زمر کے والد کے احسانات (2) شادی کرکے وہ سب کو یہ تاثر دینا چاہتا ہے' وہ سب کچھ بھول کر نئی زندگی شروع کرچکا ہے۔
تیسری وجہ وہ زمر کے اصرار کے باوجود نہیں بتاتا۔
حنین ہاشم کے بارے میں زمر کو بتادیتی ہے۔ زمر کسی تاثر کا اظہار نہیں کرتی لیکن اسے ہاشم پر بہت غصہ ہے۔ زمر اسے اپنے جرم کے بارے میں بتاتی ہے تو زمر کہتی ہے کہ ایک او سی پی ایک معمولی سی لڑکی کو دھمکی سے بلیک میل نہیں ہوسکتا۔ اس کی موت کسی اور وجہ سے ہوئی ہے۔
سعدی کی یاد میں ایک تقریب منعقد کی گئی ہے' جہاں احمر شفیع' ڈاکٹر ایمن بخاری اور ڈاکٹر توقیر بخاری بھی شریک ہیں۔ زمر اور فارس' حنین کو تقریر کرنے کا کہہ کر باہر نکل آتے ہیں۔
ڈاکٹر ایمن بخاری اور ڈاکٹر توقیر بخاری کا نیا تعمیر شدہ شاندار اسپتال جل کر راکھ ہوجاتا ہے۔ فارس اور زمر واپس تقریب میں آجاتے ہیں۔

حنین اور زمر ہاشم کی سیکرٹری حلیمہ کا نام سن کر چونک جاتی ہیں۔

ہاشم 'سعدی سے کہتا ہے کہ حنین اس کے کہنے پر اس سے ملنے ہوٹل آرہی ہے۔ سعدی پریشان ہوجاتا ہے' پھر ہاشم اس کو فون پر حنین کا پروفائل دکھاتا ہے' تب وہ جان لیتا ہے کہ حنین چھ منٹ پہلے قرآن پاک کی وہ آیت پڑھ چکی ہے جو اس نے اپنے کمپیوٹر میں لوڈ کی تھی۔ سعدی پورے یقین سے کہتا ہے کہ "حنین ہاشم سے ملنے نہیں آئے گی۔" اور واقعی ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہاشم تلملا کر رہ جاتا ہے۔

جسٹس سکندر کی ایک ویڈیو جس میں وہ اوسی پی کو قتل کررہے ہیں۔ ٹی وی چینلز پر چل جاتی ہے۔ یہ وہی ویڈیو ہے جو سعدی نے اوسی پی کے گھر سے حاصل کی تھی۔

زمر ڈاکٹر کے پاس جاتی ہے تو اس کو پتا چلتا ہے کہ اس کا واحد گردہ جو سعدی نے دیا تھا۔ ناکارہ ہوچکا ہے۔

۱۹
انیسویں قسط

حق دفاع از خویشتن

ایک قانون ایسا ہے

جو نہیں ہے کہیں لکھا ہوا

مگر نقش ہے ہمارے دلوں پر!

وہ قانون جو ہمیں نہیں ملا تربیت' رواج یا کتابوں سے

بلکہ اس کو اخذ اور جذب کیا ہے ہم نے

عین فطرت سے!

وہ قانون جو ہم تک نہیں پہنچا تھیوری سے بلکہ پہنچا ہے عمل سے۔

ہمیں نہیں دیا گیا وہ احکام کے ذریعے

بلکہ سیکھا ہے ہم نے اسے الہام کے ذریعے!

میں بات کررہا ہوں اس قانون کی

جو کہتا ہے کہ

اگر ہماری جان کو خطرہ لاحق ہو

سازشوں سے' تشدد سے' مسلح حملہ آوروں سے

یا دشمنوں سے' تو کوئی بھی طریقہ

اور ہر طریقہ جو ہم استعمال کریں اپنے دفاع کے لیے

وہ ہوتا ہے اخلاقی طور پہ درست اور جائز۔

جیل کے احاطے میں صبح کی دھند پھیلی تھی۔ بیدار قیدی ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ ایسے میں وہ اپنے میٹرس کے کنارے چپ چاپ اکڑوں بیٹھا تھا۔ جینز کے اوپر سفید کرتا پہنے' دو دن کی بڑھی شیو والے چہرے کے ساتھ' خاموش آنکھوں کو ہاتھوں پر جمائے بیٹھا' وہ انگلیوں پہ مسلسل ربڑ بینڈ لپیٹ رہا تھا۔ آنکھوں میں گہری مایوسی مگر صبر بسا تھا۔ دفعتاً" کوئی اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتا ساتھ آبیٹھا۔ فارس نے چونکے بنا ذرا سی گردن موڑی۔ وہ سکھوں کی سی داڑھی مونچھ والا آتش تھا۔ مسکرا کر اس سے کہنے لگا۔

"پریشان ہو غازی؟"

"نہ ہوں؟" اس نے بے زاری سے سر جھٹکا۔

"تو باہر چلا جائے گا یار' فکر نہ کر۔ وہ کیا لکھا ہوتا ہے قانون کی کتابوں میں؟ ملزم "قانون کی پسندیدہ اولاد ہوتا ہے۔ قانون میں سارے فائدے اسی کو ملتے ہیں۔" اس نے مسکرا کر ناک سے مکھی اڑائی۔ فارس نے جواب نہیں دیا۔ ربڑ بینڈ کو تیزی سے انگلیوں پہ باندھتا' کھولتا رہا۔

"ایک زمانے میں تو بہت نمازیں پڑھتا تھا غازی!"

"اب بھی پڑھتا ہوں۔ کچھ دن پڑھی۔ کچھ دن چھوڑ دی۔" کندھے جھٹک کر کہتے' اس کی نگاہیں ربڑ بینڈ پر جمی تھیں۔

"عادت کیوں نہیں بناتا؟"

"نہیں بنتی۔ کچھ دن دل زندہ رہتا ہے۔ پھر ہفتے گزر

جاتے ہیں اور میں مردہ دل لیے پھرتا ہوں۔" استہزائیہ سر جھٹک کر اب وہ جلدی جلدی ربڑ کو انگلیوں پہ لپیٹ رہا تھا۔

"میں بھی عید کے عید پڑھتا ہوں ویسے تو نماز' لیکن....." آتش کبھکھار کر اس کے قریب ٹیک لگا کر بیٹھا اور سوچتی نظروں سے چھت کو دیکھنے لگا۔

"ایمان میرا مضبوط ہے۔ پہلے دن کی طرح۔"

فارس نے اس بات پہ تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ "دیکھو' کون کہہ رہا ہے۔" آتش اور آتش کی تاریخ سے کون واقف نہیں تھا۔

"سچ کہہ رہا ہوں۔ تیرا ایمان خدا یہ کمزور ہے۔"

"مجھے اب یقین نہیں آتا آتش! کہ کوئی خدا ہے بھی یا نہیں۔" وہ سنجیدگی سے انگلی پہ بل دربل لپیٹتے بولا تھا۔ انگلی کس گئی تھی۔ خون رک گیا تھا۔ آدھی انگلی سرخ اور آدھی سفید پڑنے لگی تھی۔

"ہیں؟" وہ چونکا۔

"اگر خدا ہوتا تو کوئی میرے بھائی کو یوں قتل نہ کرتا' میری بے گناہ بیوی کو نہ مارتا۔ میرے چار سال جیل میں ضائع نہ ہوتے۔ مجھے اب یقین نہیں رہا کہ کوئی خدا ہے بھی یا یہ صرف لوگوں کو کنٹرول میں رکھنے کے لیے بنائے گئے مذاہب ہیں۔" وہ تلخی سے بول رہا تھا۔

آتش نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ جس کا ڈر تھا' وہ قریب میں ہی بیٹھا تھا۔ "مولوی"۔ وہ داڑھی والا

نوجوان جو چھ ماہ سے ادھر قید تھا' وہیں بیٹھا سنجیدگی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ آتش داڑھی کھجاتے ہوئے اس کے قریب کھسکا۔

"آہستہ بول۔ نیا جھگڑا شروع ہو جائے گا۔"

اس بات پہ فارس نے نظر اٹھا کر دائیں بائیں دیکھا اور اس نوجوان کو اپنی طرف متوجہ پایا۔

"ہاں بھئی' کوئی مسئلہ ہے تمہیں؟" تیوری چڑھا کر وہ اسے گھور کر بولا۔ اس نوجوان نے گہری سانس لی۔

"پرانی کہانی ہے' مگر سنا دیتا ہوں۔ ایک مومن شخص ایک حجام کے پاس بال بنوانے آیا تو....." وہ متوازن لہجے میں' فارس کی آنکھوں سے نگاہیں ہٹائے بغیر کہنے لگا۔ "تو حجام نے اس سے کہا' مجھے نہیں یقین کہ کوئی خدا وجود رکھتا ہے' اگر وہ ہوتا تو اتنے بھوکے' بیمار اور دکھی لوگ ایسے بے بسی کی زندگی نہ گزار رہے ہوتے۔" مومن سن کر چپ رہا' لیکن جب وہ باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ گلی میں چند ہی پھر رہے ہیں۔ بے تحاشا بڑھی ہوئی داڑھی' مونچھ اور الجھے گندے بالوں والے لوگ۔ وہ فوراً" اندر واپس آیا اور حجام سے بولا۔

"میرا نہیں خیال کہ اس دنیا میں کوئی حجام بھی ہے۔"

حجام نے ــــ حیرت سے پوچھا۔ "مجھ سے بال بنوانے کے باوجود تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو؟"

تو مومن آدمی نے کہا۔ اگر کوئی حجام ہوتا تو گلی میں گندے بالوں اور بڑھی ہوئی شیو والے لوگ نہ پھر رہے ہوتے۔"

اس بات پر حجام نے کہا..... "کہ وہ لوگ اس لیے اس حال میں نہیں ہیں کہ اس شہر میں کوئی حجام نہیں ہے' بلکہ وہ اس حالت میں اس لیے ہیں کیونکہ..... وہ میرے پاس نہیں آتے۔"

متانت سے بات مکمل کر کے نوجوان اٹھ گیا۔

آتش کھسیانا ہو کر ہنسا۔

"یہ مولوی بڑی سیانی باتیں کرتا ہے۔" مگر فارس نہیں ہنسا۔ خاموش' سپاٹ نظروں سے اپنی آدھی سرخ' آدھی سفید انگلی کو دیکھتے ہوئے اس نے ربر بینڈ

زور سے کھینچ کر توڑ دیا۔ انگلی آزاد ہو گئی۔ خون کا راستہ کھل گیا۔ وہ اسی طرح خاموش بیٹھا رہا۔

☼ ☼ ☼

یہ دکھ ہے اس کا کوئی ایک ڈھب تو ہوتا نہیں
ابھی لڈ ہی رہا تھا کہ جی ٹھہر بھی گیا

وہ ایک دھند میں لپٹی اتوار کی صبح تھی۔ جہاں شہر ابھی تک سستی اور نیند میں ڈوبا تھا۔ وہاں قصر کاردار اندر سے سینٹرلی ہیٹنگ سسٹم کی گرمائش میں بسا'

مکمل طور پہ بیدار تھا۔ ملازم مستعدی سے ادھر ادھر پھرتے کام نپٹا رہے تھے۔ کنٹرول روم میں احمر کافی کے مگ سے گھونٹ بھرتا' کمپیوٹر پہ کھٹا کھٹ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ جینز پہ ہلکا سوئیٹر پہنے ہیٹر کے باوجود اس کی ناک سرخ ہو رہی تھی۔ ہاشم اپنے کمرے میں صوفے پہ نیم دراز' پیر میز پہ رکھے' ساتھ بیٹھی سونیا سے مسکرا کر کچھ کہہ رہا تھا اور وہ تیز تیز بولتی' چمکتی آنکھوں سے اسے کوئی قصہ سنا رہی تھی۔

ایسے میں نوشیروان کے کمرے میں بستر خالی تھا۔ لحاف آدھا بیڈ پہ' آدھا زمین پہ لٹک رہا تھا۔ عرصہ ہوا کہ وہ دیر سے اٹھنا چھوڑ چکا تھا۔ نیند اب ویسے بھی مہربان نہیں ہوتی تھی۔ وہ الماری کے سامنے زمین پہ چوکڑی جما کر بیٹھا تھا اور گھٹنوں پہ فوٹو البم کھولے آہستہ آہستہ صفحے پلٹ رہا تھا۔ عام سے ٹراوزر اور نیلی ٹی شرٹ میں ملبوس' اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پہ ویرانی تھی۔

وہ ہاشم کے ولیمہ کی تصویریں تھیں۔ سفید لباس میں دلہن بنی شہری کو دیکھ کر آج دل میں کوئی جذبہ نہ جاگا۔ دفعتاً" ایک تصویر پہ وہ رکا۔ آنکھیں سکڑیں۔ وہ اورنگ زیب کے گلے لگ رہا تھا۔ فوٹو گرافر نے ایک ایک لمحہ گویا عکس بند کیا تھا۔ اورنگ زیب قدرے حیران تھے اور شیرو کی آنکھیں نم تھیں۔ اوپر ریلنگ پہ ہاتھ رکھے جواہرات اور سعدی کھڑے تھے۔ جواہرات کا سرخ لباس۔۔۔ وہ اس سرخ رنگ میں اٹک گیا۔ ایک دم جیسے سرخ پانی سا سعدی کے اوپر بہنے لگا۔۔۔ پھر اورنگ زیب کے اوپر۔۔۔ یہاں تک کہ شیرو کے ہاتھ سرخ مائع سے بھیگتے چلے گئے۔

اس نے البم پھینکا اور تیزی سے ہاتھ جھٹکے۔ وہ صاف تھے۔ البم صاف تھی۔ کوئی خون نہیں تھا' کوئی نمی نہیں تھی۔ وہ آنکھیں مسلتا آہستہ سے بیڈ کی طرف واپس آیا اور بیٹھتے ہوئے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ پھر موبائل اٹھایا اور فیس بک پر ان باکس کھول کر "علیشا ریکا کاردار" کو کلک کیا۔

"سو رہی ہو؟" (جانتا تھا ایں کی رات گہری ہوگی۔)

"نہیں۔ پڑھائی کر رہی تھی۔" وہ کچھ دیر ٹھہری۔ "تم کیا کر رہے ہو؟"

"میں ڈیڈ کی پرانی تصاویر دیکھ رہا تھا۔ تمہیں وہ یاد نہیں آتے علیشا؟"

"میرا ان سے کبھی کوئی قلبی تعلق نہیں تھا۔"

شیرو کا دل بری طرح دکھا۔ وہ خاموشی سے اسکرین کو دیکھے گیا۔ کچھ دیر بعد علیشا کا پیغام چمکا۔ "میں اندر سے ہمیشہ ان کی توجہ کی طلب گار رہی ہوں۔ اکثر خواب میں دیکھتی ہوں کہ وہ زندہ ہوگئے ہیں اور وہ جوان کے مرنے کی خبر سنی تھی' وہ جھوٹ تھی۔"

"میں بھی۔" اس نے لکھتے ہوئے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ پھر کچھ دیر سوچتا رہا۔

"کدھر گئے؟ اگر بات یونہی ادھوری چھوڑنی ہوتی ہے ہر رات تو مجھے میسج کیوں کرتے ہو؟" وہ خفا ہوئی۔

"میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ تمہارا حق ہے کہ تم جانو۔" ایک فیصلہ کر کے وہ لکھ رہا تھا۔۔۔

شیرو کے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکو تو سامنے دھند لکوں کے پار انیکسی ــــــ تھی۔ فارس کے کمرے کی کھڑکی سے ٹیک لگائے حنین فرش پہ بیٹھی تھی۔ چھوٹا کمبل اپنے اوپر پھیلائے' مونگ پھلی کھاتے ہوئے لیپ ٹاپ گود میں رکھے' آج عرصے بعد وہ فراغت سے بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ (نیچے امی اور صداقت نے کچن سنبھال رکھا تھا۔ صداقت بیوی کو فی الحال گاؤں چھوڑ کر ادھر آگیا تھا۔)

سرورق کی شخصیت

ماڈل ــــــــــــ	نساء
میک اپ ــــــــــــ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی ــــــــــــ	موسیٰ رضا

حنین کے قریب زمر کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھی، قلم لبوں میں دبائے سوچ میں گم تھی۔ اس کے کھلے گھنگھریالے بال کرسی کی پشت سے نیچے گر رہے تھے اور چھت پہ جمی آنکھوں میں الجھن سی تھی۔

"یہ اتفاق نہیں ہو سکتا۔" ایک نتیجے پہ پہنچ کر اس نے چہرہ سیدھا کیا اور کرسی حنہ کی طرف گھمائی۔

"ہوں!" حنہ نے بغیر غور سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

"قمرالدین کا قتل اس رات نہیں ہوا۔ خاور کو جب علم ہوا کہ فارس اس رات کچھ کر چکا ہے تو اس نے اگلی صبح قمرالدین کو مروایا اور ڈاکٹر اور گواہوں کو خرید کر موت کا وقت بدل دیا۔ لاش تو اگلی دوپہر ہی ملی تھی نا۔ تم کیا کر رہی ہو؟" آخر میں الجھ کر ابرو بھینچے۔ جواب نہ آیا تو وہ اٹھی اور حنہ کے ساتھ نیچے کارپٹ پہ بیٹھی۔

"نوشیرواں۔ علیشا...؟" اس نے چونک کر حنہ کا چہرہ دیکھا۔

"وہ... میں نے شیرو بھائی کا اکاؤنٹ Phishing کے ذریعے ہیک کیا ہے... اور... اب اس لوزر کے مسیجز پڑھ رہی ہوں۔" پھر زمر کے تاثرات دیکھے۔ "ایسے مت دیکھیں، ان کا علیشا سے رابطہ بحال ہو گیا ہے، مجھے وجہ جاننی ہے۔"

"حنین! ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ہم کاردارز کے نیٹ ورک کو نہیں چھیڑیں گے۔" زمر سنجیدہ تھی۔

"مگر اب خاور نہیں ہے، تو ڈر کس کا؟" زمر کچھ کہنے لگی تھی پھر گردن موڑ کر دھند میں ڈوبے قصر کو دیکھا۔

"ویسے یہ خاور گیا کہاں؟ عرصے سے نظر نہیں آیا۔" خاور کا ذکر کرتے ہوئے اس کی ٹون سرد ہو جاتی تھی، جیسے ہاشم کے لیے ہوتی تھی۔ سرد اور بے رحم۔ مگر اسے ان لوگوں سے وہ نفرت نہیں محسوس ہوتی تھی جو فارس غازی سے ایک زمانے میں ہوا کرتی تھی۔ وہ اس کے اپنے نہیں تھے۔ وہ غیر تھے اور فارس سب کچھ تھا، وہ بس غیر نہیں تھا۔

"او گاڈ! یہ پڑھیں۔" حنین تیزی سے سیدھی ہو کر بیٹھی۔ زمر چونک کر اسکرین کو دیکھنے لگی۔

علیشا: "کیا؟"

نوشیرواں: "ڈیڈ... ہمارے ڈیڈ کو... قتل کیا گیا تھا۔" (زمر کے ابرو تعجب سے اٹھے۔ حنہ ہکا بکا تھی۔)

علیشا: "کیا معلوم ہوا ہے؟ کس نے قتل کیا ہے ان کو؟"

نوشیرواں: "ہمارے ہی سیکورٹی چیف نے۔" (حنہ نے منہ پہ ہاتھ رکھا)

اسی وقت بجلی چلی گئی اور وائی فائی آف ہو گیا۔ پیغامات کا راستہ رک گیا۔ حنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "وہ سب سے اچھے کاردار تھے۔ میرا بہت خیال رکھتے تھے، بہت زیادہ۔"

زمر نے ہلکی سی جھرجھری لی۔ "سیکورٹی چیف یعنی خاور نے؟"

حنہ نے ناک سکیڑ کر آنکھیں رگڑیں۔ "دوسروں کے ساتھ جو کرتے تھے، وہ خود اپنے ساتھ بھی ہو گیا۔ اسی لیے انہوں نے خاور کو نکال دیا۔" زمر بے چین ہو گئی "مگر خاور بھلا کیسے...؟"

"یہ دنیا کتنی کریزی ہے؟ اور حنین... تمہارا کیا ہو گا؟" حنہ بڑبڑاتے ہوئے چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

زمر نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی اورنگ زیب صاحب سے ایک ذہنی وابستگی تھی اور اب وہ ڈسٹرب نظر آ رہی تھی، مگر زمر کو اس بات کو ہضم کرنے کے لیے کچھ وقت چاہیے تھا۔ خاور ایسا کیسے...؟ اور وہ گیا کہاں؟

☆ ☆ ☆

تمام عمر تعلق سے منحرف بھی رہے
تمام عمر اسی کو مگر بچایا ہے

ہارون عبید کی رہائش گاہ پہ بھی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پرتعیش فرنیچر سے آراستہ لاؤنج خاموش تھا۔ سیڑھیوں کے اوپر... کمروں کے سامنے بنے فرش پہ آبدار کلائی پہ گھڑی باندھتی چلی آ رہی تھی۔ زرد لباس

یہ سرخ اسکارف چہرے کے گرد لپیٹے 'وہ ابرو اکٹھے کیے قدرے خفا لگتی تھی۔
دفعتاً" اسٹڈی کے سامنے وہ ٹھٹک کر رکی۔ اچنبھے سے دروازے کو دیکھا جو ذرا سا کھلا تھا۔ اندر سے مدھم باتوں کی آواز آ رہی تھی۔
آبی خاموشی سے دروازے کے قریب آئی اور درز سے اندر جھانکا۔ اسٹڈی ٹیبل کی کرسی پہ بیٹھے ہارون کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سامنے کھڑے حبشی صورت فصیح سے مخاطب تھے اور فصیح اس طرح کھڑا تھا کہ آبی کے بالکل سامنے تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر درز میں سے جھانکتی آبی کو دیکھا اور پھر بنا کسی تاثر کو چہرے پہ لائے ہارون سے کہنے لگا۔
"میں کام کی بات کی طرف آتا ہوں۔" آواز ذرا بلند کرلی 'وہ جیسے آبی کا ہی انتظار کررہا تھا۔
"مسز جواہرات چاہتی ہیں کہ میں خاور اور سعدی یوسف' دونوں کو قتل کردوں 'ایسے جیسے سعدی کو خاور نے قتل کرکے خودکشی کرلی ہو۔ ہاشم کو علم نہ ہو 'کیونکہ ان کی اس لڑکے کے ساتھ ایموشنل اٹیچ منٹ ہے۔"
"ہوں!" انہوں نے ہنکارا بھرا۔ "کچھ معلوم ہوا کہ خاور کو کیوں قید کیا گیا ہے؟"
آبی نے سانس روک کے چہرہ مزید آگے کیا۔ (ہامان؟)
"نہیں سر۔ اس نے رقم میں غبن کیا ہے 'یہی بتایا تھا ہاشم صاحب نے۔ اس سے تفتیش کرنے صرف رئیس جاتا ہے۔ میرے بندے اندر ہونے والی گفتگو سے لاعلم ہیں۔"
آبی الجھن سے لب کاٹنے لگی۔ (سعدی نے کیسے؟)
"اور مسز کاردار چاہتی ہیں کہ ہم ان دونوں کو ختم کروادیں؟"
"جی سر! کیونکہ لڑکا بے کار ہے 'اس پہ اتنا پیسہ خرچ کرنے کا فائدہ نہیں۔ اور رہا خاور تو ہم دو ماہ سے اس پہ بھی خرچا کیے جارہے ہیں۔ ہاشم کاردار کے پاس اپنی کتنی ہی جیلیں ہیں 'مگر نہیں' وہ چاہتے ہیں کہ صرف ہمارا پیسہ لگے۔" فصیح شدید ناخوش تھا۔
"ہوں! تو پھر ٹھیک ہے۔" وہ فیصلہ کرچکے تھے۔ گہری سانس لے کر کہنے لگے۔ "تم ان دونوں کو ختم کردو 'مگر آرام سے اور احتیاط سے۔ ہاشم کو نہیں پتا چلنا چاہیے۔ مسز کاردار کو ہماری مدد چاہیے تو ہم ان کی مدد کریں گے۔"
آبی نے دکھ سے باپ ــــــ کی پشت کو دیکھا اور پھر پرے ہٹ گئی۔
چند لمحوں بعد وہ لاؤنج کی سیڑھیاں اُتر رہی تھی جب فصیح پیچھے سے چلتا آیا۔
"میم!" آبی مڑی اور ایک چبھتی ہوئی نگاہ اس پہ ڈالی۔
"آپ کیا کہتی ہیں؟" آبی نے گہری سانس لے کر شانے اُچکائے۔
"وہی جو تب کہا تھا جب تم نے بتایا تھا کہ مسز کاردار نے رازداری سے تمہیں اپنے آفس میں بلایا ہے۔ میں نیوٹرل ہوں۔ جو تمہیں کہا جارہا ہے 'ہم وہی کرو۔"
"اوکے!" اس نے سر کو خم دیا۔
"مگر کیا تم نے وہ کیا جو میں نے تمہیں کرنے کو کہا تھا؟"
فصیح نے سرہلا کر اپنی ٹائی پہ لگی ٹائی پن اتاری 'جو اندر کی طرف سے ننھے یو ایس بی پلگ جیسی تھی اور جیب سے دوسرا ٹکڑا نکال کر اس کے ساتھ جوڑا۔
"مسز کاردار کا پورا حکم بمع ان کی ویڈیو ریکارڈ ہوچکا ہے۔ چونکہ ملاقات خفیہ تھی 'اسی لیے مجھے سیکورٹی پروٹوکول سے نہیں گزرنا پڑا 'اگر گزرتا تب بھی میں یہ کام کرلیتا۔" ادب سے اطلاع دی۔ ریڈ رائیڈنگ ہڈ نے اس ٹائی پن کیمرے کو ہاتھ میں لے کر دیکھا 'پھر پُرسوچ مگر گہری نظر فصیح پہ ڈالی۔
"کیا اس کو معلوم ہے کہ فارس غازی جیل میں ہے؟"
"نہیں' ہاشم کاردار نے یہ خبر اس سے چھپانے کا حکم دیا ہے۔"

"اوکے!" وہ مسکرا کر زینے اترنے لگی۔ "ہاشم کے احکامات مجھ پہ لاگو نہیں ہوتے۔ یہ بات میں اسے خود بتادوں گی۔"

"آپ؟" وہ حیران ہوا۔ "آپ کو دوبارہ اس سے کیوں ملنا ہے؟"

"کیا مطلب کیوں ملنا ہے؟ میں تم لوگوں کو وکیل کا نام دوں گی' بدلے میں وہ مجھے انٹرویو دے گا۔ یہی ڈیل ہوئی تھی نا ہماری؟ اس نے وکیل کا نام میرے کہنے پہ دے دیا ہے' مگر میرا انٹرویو ابھی ادھار ہے۔ میں کچھ کام مکمل کرلوں' پھر اس کے پاس جاؤں گی۔ تب تک اس کی موت کو ٹالے رکھنا۔"

ایک مٹھی میں ٹائی پن دبائی اور دوسرے ہاتھ سے کسی شاہزادی کی طرح اسے جانے کا اشارہ کیا۔ تخلیہ۔ اور وہ سر کو جھکا کر خم دیتا زینہ اترتا گیا۔

٭ ٭ ٭

سحر ہوئی تو مرے گھر کو راکھ کردے گا
وہ اک چراغ جسے رات بھر بچایا ہے

کمرے میں مدھم روشنی تھی۔ نائٹ بلب جل رہا تھا اور سعدی آنکھوں پہ بازو رکھے بستر پہ لیٹا تھا۔ اسٹڈی ٹیبل پہ کاغذوں کے پلندے عجیب بے ترتیبی پھیلائے دکھائی دیتے تھے۔ دفعتاً" دروازہ بجا۔ وہ آنکھوں سے بازو ہٹائے بنا خفگی سے اونچی آواز سے بولا۔

"میں نے منع کیا ہے نا میری اکہ مجھے ناشتا نہیں کرنا۔ جان چھوڑ دو اب!" مگر دروازہ آہستہ سے کھلا اور پھر بند بھی ہوگیا۔ سعدی نے بازو ہٹایا اور اندھیرے میں پلکیں جھپکا کر دیکھا۔

چوکھٹ میں خاور کھڑا تھا۔ سعدی بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ خاور دو قدم قریب آیا تو چہرہ واضح ہوا۔ نیلوں نیل' زخمی چہرے اور سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ اسے گھور رہا تھا۔

"تم ادھر کیسے؟" وہ بے اختیار چوکنا سا ایک قدم پیچھے ہٹا۔ گھٹنوں کی پشت بیڈ سے ٹکرائی۔

"مجھے اس کمپاؤنڈ میں کھلا پھرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ زنجیریں بھی کھول دی گئی ہیں۔ آج زخموں پہ مرہم بھی لگایا گیا ہے اور اچھا کھانا بھی ملا ہے۔" مونچھوں تلے اس کے ہونٹ ہلتے ہوئے محسوس بھی نہ ہوتے تھے اور آنکھیں سرخ انگارہ سی سعدی پہ گڑی تھیں۔

"گڈ! یعنی ہاشم کو تمہاری بے گناہی کا احساس ہوگیا اور اب تم رہا کردیے جاؤ گے؟" وہ محتاط سا ہو کر مزید دائیں طرف سرکا۔

"ڈرو نہیں بچے! میں تمہاری جان نہیں لوں گا۔ یہ کام ہارون عبید کے آدمی کردیں گے۔"

"دیکھو' اگر تو یہ تمہارا کوئی گیم ہے' تو میں....."

"غور سے سنو بے وقوف!" وہ آگے آیا اور اس کا کالر پکڑ کر اس کو جھٹکا دیا۔ "یہ ہم دونوں کو مارنے والے ہیں۔ میرا یہاں رہنا بے سود ہے اور تمہیں یہاں مرنے دیا تو میری گواہی کون دے گا؟"

"ہاشم مجھے کبھی نہیں مارے گا۔" اس نے ناگواری سے کالر چھڑایا۔

"ہا!" وہ ہنسا۔ "ہاشم کا یہاں صرف ایک وفادار آدمی تھا... میں! تمہارا شکریہ' اب یہاں ہاشم کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ اس لیے.... جس مقصد کے لیے تم نے مجھے اندر کروایا ہے' میں وہ پورا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میرے ساتھ بھاگو گے یہاں سے؟"

"اچھا؟ تو تمہاری لاش کہاں ہے' جس کے اوپر سے گزر کر تم نے میری مدد کرنا تھی؟" سعدی نے ادھر اُدھر دیکھ کر جیسے کچھ تلاش کرنا چاہا۔ پھر طنزیہ سر جھٹکا۔ "میری آفر ایکسپائر ہو چکی ہے' خاور۔"

"تمہیں مجھ پہ بھروسا نہیں ہے نا۔" خاور قریبی دیوار سے ٹیک لگائے اس کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"اور کیوں کروں میں بھروسا؟ راتوں رات تم اتنے اچھے ہوگئے کہ میری جان بچانا چاہتے ہو؟"

"نہ میں اچھا ہوا ہوں' نہ تمہاری جان بچانا چاہتا ہوں۔ نہ میں ہاشم کاردار کی طرح لفظوں کے ہیر پھیر میں اچھا ہوں۔ میں نے اتنے سال ہاشم سے بھی صرف

صاف باتیں ہی کی ہیں' صاف اور کھری۔ اس لیے تمہیں بھی اپنا پلان صاف صاف بتا دیتا ہوں۔" جذبات سے عاری آواز میں وہ کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں لے کر ہاشم کے پاس جاؤں گا' تم میرے حق میں گواہی دو گے' اصل قاتل کا نام بتاؤ گے' اور پھر میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کر دوں گا۔"

"واؤ۔" سعدی کے ابرو ستائش سے اٹھے۔

"مطلب کہ مجھے آخر میں مرنا ہی ہے تو میں یہاں کیوں نہ مروں؟"

"کیونکہ میرے ساتھ تم آزاد ہو گے' تمہارے پاس ایک فیصد چانس ہو گا مجھ سے پیچھا چھڑا کر بھاگنے کا۔ تم یقیناً" چانس لینا چاہو گے۔"

"اب مجھے تم سے امید نہیں رہی۔ ہامان کو سولی تک لانا بے سود تھا۔" کرسی کھینچ کر بیٹھا اور لیمپ جلایا۔ کمرہ اچھا خاصا روشن ہو گیا۔ اب وہ منہ میں کچھ بڑبڑاتے اپنے کاغذ ترتیب سے رکھ رہا تھا۔

"میں نے ہاشم کو کبھی ڈاکٹر سارہ کے بارے میں نہیں بتایا۔"

سعدی کے ہاتھ ایک دم ساکت ہوئے۔ رگوں میں خون بھی جم گیا۔ اس نے چونک کر خاور کو دیکھا۔ وہ ان ہی سرد تاثرات کے ساتھ کھڑا تھا۔

"کیا مطلب؟" سعدی کا دل زور سے دھڑکا۔

"اس رات جب نوشیرواں نے تم پہ حملہ کیا تھا تو تم ڈاکٹر سارہ کے ساتھ تھے۔ تم نے میسج ڈیلیٹ کر دیے تو کیا ہوا؟ میں خاور ہوں۔ کرنل خاور مظاہر حیات۔ تمہارے میسجز ری کور کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ اسی رات میں نے تمہارا واٹس ایپ دوبارہ کھولا اور سب ری کور کر لیا' مگر ہاشم کو نہیں بتایا۔"

سعدی نے ہلکے سے شانے اُچکائے۔ "مگر تم غلطی کر گئے ہو۔ میں نے ڈاکٹر سارہ کو بلایا ضرور تھا' مگر وہ نہیں آسکی تھیں۔"

"تم اب پہلے سے بہتر جھوٹ بول لیتے ہو۔ جیسا کہ میں نے کہا تھا' تم اپنی معصومیت کھوتے جا رہے ہو۔ سارہ نہ صرف وہاں آئی تھی بلکہ اسی نے پولیس کو بلایا تھا۔ پریشان نہ ہو' میں نے ہاشم کو نہیں بتایا' نہ بتاؤں گا۔"

سعدی غصیلی نگاہوں سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اب وہ کیا کہے۔

"اس لیے نہیں کہ میں ہاشم کے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ بلکہ دو وجوہات تھیں۔ پہلی' سارہ کبھی گواہی نہ دیتی۔ وہ خطرہ نہیں تھی۔ پھر بھی میں ایک روز اس سے ملا تھا۔ تمہاری گمشدگی کے تیسرے روز۔ اور میں نے اس کو اتنے اچھے طریقے سے دھمکایا (سعدی کی مٹھیاں بھنچیں' چہرہ سرخ ہوا) اور یہ کہا کہ سعدی مر چکا ہے' اور اس کو اس کی بچیوں کی دھمکی بھی دی' ساتھ یہ تسلی بھی دی کہ ہاشم کو نہیں بتاؤں گا اس کا نام۔۔۔ کہ وہ کسی کو کچھ بھی بتانے کے قابل نہیں رہی۔ مجھے یقین ہے اس نے مجھ سے ملاقات کا تذکرہ اپنے فرشتوں سے بھی نہیں کیا ہو گا۔" یہ کہہ کر پھر گہری سانس لی۔

"دوسری وجہ! میں چاہتا تھا ہاشم تمہیں مار دے' یوں ہر گواہ ختم ہو جاتا' لیکن اگر ہاشم کو یہ پتا چلتا کہ ایک گواہ اور بھی ہے تو تمہیں مارنے کا فائدہ نہ ہوتا اور وہ تمہیں چھوڑ دیتا۔ دونوں گواہوں کو ایک ساتھ مارنا دانش مندی نہ تھی' ویسے تم جو بھی سمجھو مجھے' میں ایک کمزور' بے قصور عورت کو مارنے کے حق میں نہیں ہوں۔۔۔ مجھے ایسے مت دیکھو۔ فارس کی بیوی نے ہماری باتیں سنی تھیں' اس کا قصور تھا اور ڈی اے کو بھی تو ہر معاملے میں ٹانگ اڑانے کی عادت ہے' بے قصور وہ بھی نہیں تھی سو۔۔۔"

سعدی بپھر کر آگے بڑھا اور زور کا ایک مکا اسے رسید کیا' مگر خاور پھرتی سے بائیں طرف ہوا اور سعدی کا مکا دیوار پہ جا لگا' اس سے پہلے کہ وہ مڑتا' خاور نے کمال تیزی سے اس کے دونوں بازو پیچھے مروڑ کر اس کو دیوار سے لگایا اور اس کے کان میں غرایا۔

"تمہیں لڑنا نہیں آتا۔ تمہیں باتوں کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ ادھر مرنا ہے تو مرو۔ میں اپنی بے گناہی

ثابت کرنے کے لیے کوئی دوسرا طریقہ ڈھونڈلوں گا' لیکن اگر میرے ساتھ آنا ہے تو دو دن کے اندر اندر مجھے بتاؤ۔ میری آفر محدود مدت کے لیے ہے۔"

وہ بازوؤں کے مروڑے جانے پہ زور سے کراہا تھا۔ خاور نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا اور دروازہ کھولتا تیزی سے باہر نکل گیا۔ سعدی اپنی دائیں کلائی پکڑے' غصے اور بے بسی سے گہرے گہرے سانس لیتا وہیں دیوار سے لگا کھڑا رہا۔ اس کے کان سرخ اور چہرہ سفید پڑا تھا۔ پہلی دفعہ اسے اس قید خانے میں اپنا آپ غیر محفوظ لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

بدن کو برف بناتی ہوئی فضا میں بھی
یہ معجزہ ہے کہ دست ہنر بچایا ہے

انیکسی کے کچن میں ناشتے کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی تھی۔ صداقت بھاگ بھاگ کر سارے کام نپٹاتا پھر رہا تھا۔ کف والی شلوار قمیص پہن رکھی تھی' اور کوئی خوشبو بھی لگا رکھی تھی شاید۔

کچن کی گول میز پہ دوپہر کے لیے سبزی کاٹتی ندرت نے نگاہیں اٹھا کر عینک کے اوپر سے اسے دیکھا۔

"تمہارے گاؤں جانے میں ابھی چار دن ہیں۔ ایسے بھاگ بھاگ کر کام کر رہے ہو جیسے شام کی ٹرین چھوٹنے والی ہو۔"

وہ شرمندہ ہو گیا۔ "نہیں جی' میں تو سوچ رہا تھا کہ.... سعدی بھائی ہوتے تو کتنی خوشی سے میری شادی میں شرکت کرتے۔" جلدی سے بات بنائی۔ پھر ندرت کی طرف پلٹا۔ "پتا ہے جی' میری گھر والی کے نانا بڑے اللہ والے ہیں میں نے ان سے سعدی بھائی کے لیے دعا کروائی تھی۔ وہ کہتے ہیں باجی کہ اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی کرنے والا ہے۔"

"اور اگر سعدی یہاں ہوتا تو پتا ہے کیا کہتا؟" سبزی کاٹتے انہوں نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ لمحے بھر کے لیے منظر بدل سا گیا۔ اردگرد دیواریں' فرنیچر سب ڈھلتا گیا.... چھوٹے باغیچے والے گھر کے لاؤنج میں رات کے وقت بتیاں جلی تھیں۔ ٹی وی شور مچا رہا تھا۔ ندرت ہاتھ میں ریموٹ پکڑے' اسامہ کو مسلسل خاموش رہنے کی تاکید کر رہی تھیں۔ ساتھ میں کبابوں کے آمیزے سے ٹکیاں بنا بنا کر ٹرے میں رکھتی جا رہی تھیں۔ اس آمیزے کو چکھنے کی جسارت کرنے والے اپنے تینوں بچوں کے ہاتھوں پہ باری باری ریموٹ مار کر ان کو پرے ہٹا چکی تھیں۔ "میری اولاد مجال ہے جو آٹھ بجے والے ڈرامے کے دوران خاموش رہے۔ پورے دن کے کام کاج کے بعد صرف ایک آٹھ بجے والا ڈراما دیکھتی ہوں میں' مگر نہیں۔ اتنا شور کرتے ہیں کہ حد نہیں۔" یہ الفاظ گالیوں اور لعن طعن سے سجا کر وہ بار بار ڈانٹتے ہوئے دہرا رہی تھیں' مگر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ حنہ پیر اوپر کر کے لیپ ٹاپ گھٹنوں پہ رکھے بیٹھی' ہیڈ فون چڑھائے' کسی کورین آئیڈل کا شو دیکھتی ہنستی جا رہی تھی۔ سیم اپنے ہوم ورک کی کتابیں پھیلائے مسلسل اونچی آواز میں سعدی سے باتیں کر رہا تھا جو صوفے پہ پیر لمبے کر کے لیٹا' کشن سر تلے رکھے' موبائل پہ لگا تھا اور ساتھ ساتھ اسامہ کو جواب بھی دے رہا تھا۔

"ہاں تو مسئلہ کیا ہے؟ ایک سورۃ کا ترجمہ یاد کرنے کو تو دیا ہے ٹیوشن ٹیچر نے۔ کر لو نا۔"

"بھائی! ابھی ہماری عمر تو نہیں ہے ترجمہ یاد کرنے والی۔" وہ منہ ٹیڑھا کر کے دہائی دے رہا تھا۔ غالباً" کسی کلاس فیلو کی باتوں سے متاثر ہو کر کہہ رہا تھا۔ سعدی نے نظر اٹھا کر اسے ذرا سا گھورا اور اسامہ فوراً" ہل ہل کر رٹا لگانے لگا۔

"اور ہم نے آپ کے لیے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔
بے شک تنگی کے بعد آسانی ہے۔
پس بے شک تنگی کے بعد آسانی ہے۔
تو جب آپ فارغ ہوں تو عبادت میں محنت کریں۔
اور اپنے رب کی طرف دل لگائیں۔"

سیم یاد کر رہا تھا۔ ندرت جو تا بھی نہیں اٹھا سکتی تھیں کہ قرآن پڑھ رہا تھا' بس تلملا کر کہنے لگیں۔

"اندر جا کر پڑھ لو اسامہ۔ میرا ڈراما نکل رہا ہے۔"

مگر سعدی نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ ”تنگی کے بعد آسانی ہے؟ یہ آیت قرآن میں نہیں ہے۔“ اب کے اسامہ اور خود ندرت نے بھی رک کر اسے دیکھا تھا۔ حنین نے ہیڈ فون کے باوجود سنا تھا، مگر سر جھٹک کر اسکرین کی طرف متوجہ رہی۔ (بس! اب شروع ہوا سعدی بھائی کا کوئی نیا فلسفہ۔)

”بھائی! یہ میرے پاس ترجمے میں لکھا ہوا ہے۔“ سیم تو برا مان کر گیا تھا۔ سعدی نے گہرا سانس لے کر موبائل پرے رکھا اور اٹھ کر بیٹھا۔ سنجیدگی سے ماں کو دیکھا (جو آدھی اس کی طرف، باقی آدھی ٹی وی کی طرف متوجہ تھیں)

”تنگی کے بعد آسانی ہے؟ یہ اللہ نے کبھی نہیں فرمایا۔ ترجمہ غلط لکھا ہے۔ کچھ لوگ اس آیت کو نادانستگی میں غلط بولتے اور لکھتے ہیں۔“ ذرا سا رک کر کہنے لگا۔ ”سورۃ الانشراح کی پانچویں آیت ہے ”ان مع العسر یسرا۔“ بے شک تنگی کے ”ساتھ“ آسانی ہے۔ بعد نہیں، ساتھ!“

ندرت ڈھیلی پڑیں۔ ”ہاں تو ایک ہی بات ہوئی نا۔“ یہ کہہ کر ٹی وی کے قریب والے صوفے پہ جا بیٹھیں۔ کبابوں کے آمیزے والی پرات اور خالی ٹرے بھی وہیں رکھ لی۔

”ایک بات نہیں ہے۔ ایک بات ہوتی تو اللہ ”مع“ (ساتھ) کے بجائے ”بعد“ کا لفظ استعمال کرتا، مگر اللہ کا قرآن اتنا پرفیکٹ ہے کہ حد نہیں۔ یہ دو آیات تو میری فیورٹ ہیں۔“

اور حنین یوسف نے (اف) کراہ کر رخ پورا موڑ لیا۔ سعدی نے مایوسی سے اسے دیکھا اور پھر ماں کو جو ٹکیاں بناتے ہوئے ٹی وی دیکھ رہی تھیں اور پھر سیم کی طرف چہرہ گھمایا، جو واقعی متوجہ تھا۔ چلو، کوئی ایک تو متوجہ تھا۔ سعدی کو حوصلہ ملا۔ اہل قرآن کو کوئی سنتا نہیں، ورنہ وہ تو بول بول نہ تھکیں۔

”یہ آیت اس سورۃ میں دو دفعہ آئی ہے۔ ایک ساتھ۔ یعنی دہرائی گئی ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے سیم! یہ کیوں دہرائی گئی ہے؟“ دبے دبے جوش سے وہ گھنگھریالے بالوں والا لڑکا مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”میری مس کہتی ہیں قرآن میں باتوں کو... زور دینے کے لیے دہرایا جاتا ہے۔“

”بالکل ٹھیک۔ تاکید کے لیے آیات دہرائی جاتی ہیں، مگر ان دو آیات کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ ٹھہرو! میں تمہیں پہلے یہ آیت سمجھاتا ہوں۔ ان مع العسر یسرا۔ ”اِنّ“ کا مطلب ہے ”بے شک“ یعنی جو بات آگے بتائی جارہی ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ ”مع“ کا مطلب ہے ”ساتھ“۔ شادی کارڈز پہ لکھا ہوتا ہے نا ”بمع اہل و عیال“ یعنی گھر والوں کے ”ساتھ“ آئیں۔ یہ وہی ”مع“ ہے۔ تیسرا لفظ ”عسر“ ہے یعنی ”تنگی“۔ پریشانی، مشکل، کٹھن حالات۔ چوتھا لفظ ہے ”یسرا“ یعنی آسانی۔ ان مع العسر یسرا۔ بے شک... ساتھ ہے... تنگی کے... آسانی۔ سمجھ آیا؟“

سیم نے اثبات میں سر ہلایا۔

”او کے۔ اب دیکھو۔ اگلی ہی آیت میں پھر ان الفاظ کو دہرایا جاتا ہے۔ فان مع العسر یسرا۔ پھر بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ بات ختم۔ ہے نا؟ مگر نہیں۔ اللہ کا قرآن بہت امیزنگ ہے۔“ ذرا دیر کو مسکراہٹ دبا کر وقفہ دیا۔ حنین ہیڈ فون اتار کر گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی تھی اور ندرت گو کہ ٹی وی کو ہی دیکھ رہی تھیں مگر آواز ہلکی کردی تھی۔

سعدی نے گہری سانس لی۔ ”اگر یہ آیت ایک ہی دفعہ ہوتی تو اس کا مطلب ہوتا کہ ”تنگی کے ساتھ آسانی ہے“ مگر دہرائے جانے کی صورت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جس تنگی کی بات دونوں آیات میں ہوئی ہے، وہ ”ایک“ ہی ہے، مگر اس کے ساتھ دو دفعہ جس آسانی کی بات ہوئی ہے، وہ دو مختلف آسانیاں ہیں۔“

”مگر اس سے مطلب کیسے بدلا؟“ حنہ کو اب بھی نہیں سمجھ میں آیا تھا۔

”ایسے کہ بے شک ایک تنگی کے ساتھ ایک آسانی ہے، پھر ”اسی“ تنگی کے ساتھ ”ایک اور آسانی“ ہے۔ دونوں آیات میں ایک ہی تنگی کی بات ہو رہی ہے، مگر

ان کے ساتھ جڑی آسانیاں الگ الگ ہیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بتا رہے ہیں کہ لوگوں، تم پر جب کوئی ایک مشکل آئی ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہم تمہیں ایک آسانی بھی دیتے ہیں، اور پھر "اسی" مشکل کے ساتھ ایک دوسری آسانی بھی دیتے ہیں۔ اس کا صرف یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بلکہ دہرانے سے اس کا یہ مطلب بنتا ہے کہ مشکل ایک ہی ہوگی، مگر انسان کو اس کے ساتھ بار بار مختلف آسانیاں بھی ملیں گی۔ ایک مشکل، مگر کئی آسانیاں۔ ایک عسر، مگر ایک سے زیادہ یسر۔ ہم مشکل حالات میں انتظار کرتے ہیں کہ کبھی تنگی کے "بعد" آسانی آئے گی، مگر آسانی تو اللہ تنگی کے "ساتھ" ہی دیتا ہے۔ ہم انسان مشکل کو دیکھتے اور اسی کو سوچتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ عطا کردہ ڈھیروں آسانیاں بھول جاتے ہیں۔ قرآن کی ایک ایک آیت اتنی امیزنگ ہے کہ اس پہ غور کرنے کے لیے ساٹھ ستّر سال کی زندگی بھی کم لگتی ہے۔ اگر ہم مسلمان فیس بک، اور ٹی وی سے باہر نکلیں تو ہمیں وقت ملے.... اچھا اچھا، میں آپ لوگوں کو نہیں کہہ رہا۔"

ساتھ ہی جلدی سے دونوں ہاتھ اٹھا دیے، کیونکہ اسکرینز کے آگے جمی ماں، بہن جو پہلے توجہ سے سن رہی تھیں، اب ایک دم آنکھوں سے انگارے اگلنے لگی تھیں....

سبزی کاٹتی ندرت کی انگلی پہ کٹ لگا تو وہ چونکیں۔ منظر لمحے بھر میں بدل گیا۔ وہ انیکسی کے اوپن کچن میں بیٹھی تھیں اور ان کے ساتھ حنہ بیٹھی سوچتے ہوئے کچی مٹر اٹھا اٹھا کر منہ میں ڈال رہی تھی۔ ندرت نے زور سے اس کے ہاتھ پہ چپت لگائی۔

"ہزار دفعہ کہا ہے، ایسے مت کھایا کرو، بے برکتی ہوتی ہے۔"

"میں یہ سوچ رہی ہوں کہ وہ ٹھیک کہتا تھا۔" سر جھٹک کر زخمی مسکراہٹ کے ساتھ آلو چھیلنے لگیں۔ "ان دنوں میں ہر وقت سوچتی تھی کہ میرے ساتھ کتنا ظلم ہوا، ایک بھائی مارا گیا، دوسرا جیل میں ہے۔ میں نے یہ کبھی نہ سوچا کہ میرے دو بیٹے تو میرے پاس تھے۔ جب سعدی.... جب سعدی نہیں رہا تو بھی میں نے یہ نہیں شکر کیا کہ فارس تو ہمارے پاس تھا۔ ہم اکیلے تو نہیں تھے۔ اب وہ بھی نہیں ہے۔ ناشکری نعمتوں کو گھٹاتی ہے۔" وہ شاید خود سے بول رہی تھیں۔ "مگر اب ہم سب کو مظلوموں والی خود ترسی سے نکلنا چاہیے۔ سعدی نہیں ہے، فارس نہیں ہے تو کیا ہوا۔ میرا ایک بیٹا تو ہے۔ ایک نکمّی بیٹی تو ہے میرے پاس۔" اور حنین جو بڑے پیار سے اور دکھی دل سے سن رہی تھی، آخری الفاظ پہ تو مانو پتنگے ہی لگ گئے۔

"ہاں بس، میں یہی سوچ رہی تھی کہ آج امی نے پورا پیرا گراف بول دیا، مگر میری برائی نہیں کی، طبیعت تو ٹھیک ہے!! مگر بہت شکریہ، تسلی کروادی آپ نے میری!" غصے سے تن فن کرتی وہ اٹھ گئی۔

ندرت پیچھے سے مسلسل اس کو سخت سست سنا رہی تھیں۔ "ایک ہفتے کی بات تھی، میرا سارا گھر الٹ کر رکھ دیا، کچھ بھی ڈھنگ سے صاف نہیں کیا، پھوہڑ لڑکی۔"

☼ ☼ ☼

سنا یہ ہے کہ سبک ہو چلی ہے قیمت حرف
سو ہم بھی اب قدو قامت میں گھٹ کے دیکھتے ہیں

سوموار کی صبح شہر کی سڑکوں پہ کاروبار زندگی از سر نو شروع ہو چکا تھا۔ ریسٹورنٹ میں ہلکا پھلکا رش تھا۔ ایسے میں اسامہ سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا اور اوپری ہال کا دروازہ کھولا۔ ہال کی شیشے کی دیوار سے نیچے سڑک پہ بہتا ٹریفک صاف دکھائی دیتا تھا۔ کھڑکی کے قریب ایک دیوار پہ چند کاغذات چسپاں تھے۔ ایک سیاہ کوٹ اور ٹائی والا نوجوان ان کاغذات کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہہ رہا تھا۔ ایک سیاہ کوٹ والی لڑکی بڑی میز کے کنارے بیٹھی چائے پیتے ہوئے سن رہی تھی اور سامنے کرسی پہ ٹیک لگائے، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی زمر دیوار پہ لگی تصویروں کو دیکھ کر سوچتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ "نہیں۔ یہ بھی نہیں۔"

"السلام علیکم!" سیم نے پکارا تو زمر نے گردن موڑی، مسکرا کر اس کو قریب بلایا۔ وہ باقی دونوں وکلا کو

بھی سلام کرتا شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ زمر کے ساتھ آبیٹھا۔

"آپ لوگ کیا کررہے ہیں؟"

وہ بال باندھے' سیاہ کوٹ میں ملبوس تھی۔ ناک کی سنہری نتھ دمک رہی تھی اور بھوری آنکھیں پرسوچ انداز میں دیوار پہ مرکوز کررکھی تھیں۔ "ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ قمرالدین مقتول کا قاتل ان سب لوگوں میں سے کون ہونا چاہیے۔" سیم نے گردن موڑ کر ان تصاویر کو دیکھا۔

"قمرالدین کی گولڈ جیولری شاپ تھی۔ پیسے والا آدمی تھا۔ نگینوں کی غیر قانونی اسمگلنگ جیسے الزامات کے باعث جیل گیا تھا۔" وہ نوجوان وکیل بتا رہا تھا۔ "اس کو مارنے کے لیے بہت سے لوگوں کے پاس بہت سی وجوہات ہوسکتی تھیں۔"

اسامہ قدرے پرجوش ہوا۔ "یعنی کہ ہم اصل قاتل ڈھونڈ کر پولیس کے حوالے کردیں' تو ماموں چھوٹ جائیں گے؟"

وہ تینوں ایک دم سے اسے دیکھنے لگے۔ سیم قدرے جزبز ہوا۔

"اصل قاتل کی پرواہ کسے ہے سیم؟ یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ قاتل تک پہنچنا پولیس کا کام ہے۔"

"تو پھر ان لوگوں میں سے آپ لوگ قاتل کیوں ڈھونڈ رہے ہیں...؟" وہ الجھا۔

"سیم' وہ لوگ فارس پہ جھوٹا الزام لگا رہے ہیں' ہمیں اس جھوٹ کا مقابلہ کرنا ہے۔"

"سچ کے ساتھ!" وہ پھر سے پرجوش ہونے لگا۔

"نہیں سیم! کورٹ میں مقابلہ سچ کے ساتھ نہیں کیا جاتا۔ یہاں جھوٹ سے لڑا جاتا ہے اس سے بڑے جھوٹ کے ساتھ۔ الزام سے لڑا جاتا ہے اس سے بڑے الزام کے ساتھ۔"

"یہ کورٹ ہے بیٹا!" نوجوان وکیل مسکرا کر گویا ہوا۔ "یہاں ایک سچ ثابت کرنے کے لیے ایک سو ایک جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔"

"مطلب... اب ہمیں کیا کرنا ہے؟" سیم نے پھر سے زمر کو دیکھا۔

"ہمیں کچھ بھی نہیں کرنا۔ برڈن آف پروف (عدالت کے سامنے ثبوت ڈھونڈ کر لانے کی) ذمہ داری استغاثہ پہ ہوتی ہے' استغاثہ (پراسیکیوشن) وہ ہوتا ہے جو الزام لگاتا ہے۔ ملزم قانون کی محبوب اولاد ہوتا ہے۔ کسی ملزم کو قاتل ثابت کرنا بہت مشکل' اس کو بے گناہ ثابت کرنا آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ قانون ہر شک کا فائدہ ملزم کو دیتا ہے۔ ہم نے صرف بیٹھ کر پراسیکیوٹر کے الزامات سننے ہیں اور پھر۔ ان کے کیس میں رتی برابر شک پیدا کرنا ہے۔ جو گواہ وہ پیش کریں گے' ہمیں ان کو ڈس کریڈٹ کرنا ہے' ان کی عزت بھری کچہری میں مجروح کرنی ہے۔ جو ثبوت وہ پیش کریں گے' اس ثبوت کے اوپر اتنے شکوک وشبہات کی کیچڑ اچھالنی ہے کہ وہ دفن ہوجائیں اور پھر ہمیں ایک اور suspect (مشتبہ شخص) عدالت کے سامنے پیش کرنا ہے۔ کسی اور شخص پہ شک وشبہ ڈال کر اس پہ قاتل ہونے کا ان ڈائریکٹ الزام لگانا ہے' وہ اتنا بڑا نہیں ہوگا کہ وہ دوسرا مشتبہ شخص گرفتار ہوسکے' مگر اتنا ضرور ہوگا کہ فارس کا مجرم ہونا مشکوک ہوجائے۔"

"مگر آپ نے کہا تھا کہ آپ کورٹ میں جھوٹ بولنے کے خلاف ہیں۔" سیم کے چودہ سالہ مسلمان دل کے لیے یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔

"میں' بلکہ ہر قانون کا احترام کرنے والا شخص پرجری کے خلاف ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم اٹھا کر کٹہرے میں کھڑے ہو کر جھوٹ بولنا یعنی پرجری کرنا بہت بڑا جرم ہے' مگر وکیلوں کو ایسا کوئی حلف نہیں لینا ہوتا سو وکیل اپنے موکل کے دفاع کے لیے کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔" ذرا سے شانے اچکا کر بولی۔ سیم نے باری باری ان تینوں کے مطمئن چہرے دیکھے اور پھر دیوار پہ لگی تصویروں کو۔

"Is That Right" (کیا یہ صحیح ہے؟)

"It's Legal" (یہ قانونی ہے) زمر نے پھر شانے اچکائے تھے۔ "اگر ایک آدمی اپنی زندگی بچانے

کے لیے اپنے اوپر حملہ آور شخص کو قتل کردے' تو اس کو سیلف ڈیفنس (دفاع ذات) کہتے ہیں' جو قانوناً" اور شرعاً" گناہ نہیں ہے۔ زندگی انسانوں کے پاس اللہ کا سب سے قیمتی تحفہ ہے۔ اس کو بچانے کے لیے انسان اپنا ہر ممکن دفاع کرتا ہے اور ہم یہی کر رہے ہیں۔ ہم فارس کے ڈیفنس لائرز ہیں۔ دفاعی وکیل۔"

اسامہ سے اب مزید ہضم کرنا مشکل تھا۔ جلدی سے کھڑا ہوا' زمر سے کار کی چابی لی اور ڈرائیور لے جانے کی اجازت مانگی اور نیچے بھاگ آیا۔ دونوں کانوں کو باری باری چھوتے (توبہ توبہ) وہ اب زینے سے اُتر رہا تھا۔ نیچے کچن میں کچھ کھاتی حنین اس کی منتظر تھی۔ اسے حنہ کے ساتھ جانا تھا۔ حنہ کو مدد کی ضرورت تھی۔

☼ ☼ ☼

میں وہ آدم گزیدہ ہوں جو تنہائی کے صحرا میں
خود اپنی چاپ سن کے لرزہ براندام ہوجائے

کولمبو میں واقع اس زیر زمین تہ خانے میں میری اینجیو سعدی کے سامنے میز پہ کھانا رکھ رہی تھی اور وہ کاؤچ پہ بیٹھا' بازو سینے پہ لپیٹے' کبھی کھانے کو دیکھتا' کبھی میری کو۔

"پہلے گارڈ سے کہو وہ اسے چکھے۔ پھر میں کھاؤں گا۔"

"ہم سب کھا چکے ہیں۔"

"پھر لے جاؤ یہ کھانا۔ مجھے کیا معلوم تم لوگوں نے اس میں کچھ ملایا ہو تو...." برہمی اور قدرے اضطراب سے ٹرے پرے دھکیلی۔ میری متعجب رہ گئی۔

"سب کے لیے یہی کھانا بنتا ہے' تمہارے کھانے میں کیوں کچھ ملائے گا کوئی؟"

"پہلے کوئی اور چکھے گا' تب میں کھاؤں گا۔" وہ ضد کر رہا تھا۔

"پھر بیٹھے رہو اسی طرح۔" خفگی سے بڑبڑا کر وہ باہر نکل گئی۔

سعدی نے کھانے کو نہیں چھوا۔ ویسے ہی بیٹھا رہا۔ کبھی سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیتا' کبھی بازو اپنے گرد لپیٹ لیتا۔

"میں ڈر گیا ہوں۔" کچھ دیر بعد خاور کے کمرے میں زمین پہ بیٹھتے اس نے شکستگی سے اعتراف کیا تھا۔

خاور ایک کونے میں کھڑا' لکڑی کے چھوٹے سے ٹکڑے کو' جو اس نے دروازے کے کنارے سے اکھاڑا تھا دیوار پہ رگڑتا جا رہا تھا۔ آواز پہ گردن گھما کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے کے زخم اب بہتر تھے اور وہ پہلے سے تازہ دم لگتا تھا۔

"روز کھانا کھانے سے پہلے ڈرامانہ شروع کر دیا کرو۔ یہ ہمیں زہر دے کر نہیں ماریں گے۔ ہاشم لاشیں دیکھنا چاہے گا' ورنہ ان کو لاش بنا دے گا۔ یہ کسی قدرتی طریقے سے ہمیں ماریں گے۔"

سعدی نے نگاہیں اٹھا کر بے بسی سے اسے دیکھا۔

"یہ میری ہاشم سے بات نہیں کروا رہے۔"

"یعنی میرا اندازہ درست تھا۔ ہاشم لاعلم ہے۔" وہ اب پھر سے لکڑی کا ٹکڑا دیوار سے رگڑنے لگا تھا۔ منہمک اور مصروف۔

"ہم کب نکلیں گے یہاں سے؟" خاور نے چونک کر اسے دیکھا تو اس نے جلدی سے اضافہ کیا۔ "اگر میں تمہارے ساتھ جاؤں تو!"

"جب تم تیار ہو گے۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ خاور کے سامنے' بالکل مدمقابل' اور گردن اکڑا کر بولا۔ "میں تیار ہوں۔"

خاور نے لکڑی کا ٹکڑا وہیں رکھا اور اس کی جانب مڑا۔ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا' پھر ایک دم گھٹنا دہرا کر کے اس کے پیٹ میں مارا' ایک کہنی سے اس کے کندھے پہ ضرب لگائی اور پاؤں سے اس کے پہلو کو دھکا دیا۔ سعدی یکے بعد دیگرے ضربوں سے بے اختیار نیچے گرا۔ دوہرا ہو کے' پیٹ پہ دونوں بازو رکھے' وہ درد سے چلایا۔

"تم گھٹیا انسان!"

مگر خاور نے اس کی طرف بازو بڑھایا۔ "اٹھو۔ تمہیں باتوں کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ لڑنا تو بالکل بھی

نہیں۔ اٹھو!"

"یہ کیا تھا؟" سعدی نے اس کا ہاتھ نہیں تھاما۔ دہرا ہو کر غصے سے اسے دیکھتا ہوا چیخا۔

"میں تمہیں بتا رہا تھا کہ تمہیں کچھ نہیں آتا۔ اور لڑکیوں کی طرح مت رووَ۔ میں نے سادہ ملٹری تیکنیک سے تمہیں نیچے گرایا ہے۔ مجھے پتا ہے کسی کو کیسے مارنا ہے۔ مار کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ کسی کو صرف گرانے یا بے ہوش کرنے کے لیے الگ طریقہ ہے۔ کسی کو معذور کرنے کا طریقہ اور ہے۔ اور قتل کرنے کا بالکل مختلف۔ اٹھو' اور میرے سامنے کھڑے ہو۔ یہاں سے نکلنے کے لیے تمہیں جسمانی طور پر بہت مضبوط بننا ہوگا۔ ویسے بھی میں نہیں چاہتا کہ جب میں تمہیں قتل کروں تو تم کسی معصوم لڑکی کی طرح نظر آو بلکہ تمہیں کسی مرد کی طرح مقابلہ کر کے مرنا چاہیے۔ اٹھو' میں تمہیں سکھاتا ہوں۔"

"تم سکھاوَ گے مجھے؟ میں تمہاری جان لے لوں گا۔" وہ بپھر کر کھڑا ہوا اور زور سے اس کو مکا مارنا چاہا' مگر خاور نے بروقت اس کا ہاتھ تھام کر مروڑا۔

"آہ۔" وہ آنکھیں بند کر کے کراہا۔ اسی کندھے پہ کسی زمانے میں شیرو نے گولی ماری تھی۔

"تمہیں کچھ نہیں آتا۔" اس کو پرے دھکیلا اور تاسف سے نفی میں سر ہلاتا کہنے لگا۔ "تم تیار نہیں ہو۔ میرے ساتھ جانے کے لیے تمہیں تیار ہونا پڑے گا۔ جاوَ' کھانا کھاوَ اور سو جاوَ۔ کل صبح ناشتے سے پہلے میرے پاس آنا۔ پھر ہم تیاری شروع کریں گے۔"

سعدی نفرت اور غصے سے اسے دیکھتا دروازے کی طرف بڑھا۔

"اور سنو!" لکڑی کا ٹکڑا واپس اٹھاتے ہوئے خاور نے یاد دلایا۔ "مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہیں ساتھ لے جانے کا۔ اگر چلنا ہو' تو تم وہی کرو گے جو میں کہوں گا۔ ورنہ رہو یہیں اور مرو یہیں۔" سعدی نے زور سے دروازہ منہ پر دے مارنے کے انداز میں بند کیا اور باہر نکل گیا۔ گارڈز نے خاموشی سے اس کو دیکھا اور اسی طرح کھڑے رہے۔

یقیناً" خاور نے اسے مارا تھا۔ گڈ! ویری گڈ۔

☼ ☼ ☼

مرے شوق کی یہیں لاج رکھ!
وہ جو طور ہے بہت دور ہے!

یونیورسٹی میں معمول کے مطابق رش تھا۔ راہداریوں میں بھانت بھانت کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ ایسے میں اسامہ کو باہر انتظار کرتا چھوڑ کر حنین تیز تیز ایک کوریڈور میں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کا چہرہ ہیجان اور تذبذب کا آئینہ دار تھا۔ مگر چال مضبوط تھی' فیصلہ کن تھی۔

دفعتاً" ایک دروازے کے قریب وہ رکی۔ نیم پلیٹ پڑھی۔ علوم الدین شعبہ تفسیر القرآن۔ اس نے وہ نام کئی دفعہ پڑھا اور پھر دروازہ کھٹکھٹا کر کھولا۔

اندر آفس میں وہ اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ میز کے پیچھے کرسی پہ براجمان' وہ عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکرا اٹھیں۔ اور اس سے ملیں۔ کرسی پیش کی۔ حنین چپ چاپ بیٹھی۔ سر جھکا لیا۔ وہ اب سامنے جا بیٹھیں۔

"سعدی کی کوئی خبر؟" اور ایسے ہی چند چھوٹے چھوٹے سوال کرتی رہیں۔ حنہ سر جھکائے جواب دیتی رہی۔ لب کاٹتی رہی۔ بہت دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور اپنی ٹیچر کی مہربان آنکھوں میں دیکھا۔

"میں بچپن میں بھائی کے ساتھ قرآن پڑھنے آپ کے گھر آتی تھی' آپ کے پاس ہی ہم دونوں نے آخری دس سپارے حفظ کیے تھے۔ آپ ہی نے ہمیں تفسیر پڑھائی تھی' بلکہ قرآن سکھایا تھا' مگر۔" چند لمحوں کا وقفہ کیا۔ پرس نیچے رکھا۔ ٹیک لگا کر بیٹھی۔ ذرا آرام وہ ہوئی اور ٹیچر کی آنکھوں میں دیکھ کر بتانے لگی۔

"مگر میں کھو چکی ہوں۔ میں اپنی زندگی ضائع کر رہی ہوں۔ نہ میں قرآن یاد رکھ پائی' نہ میں آرگنائزڈ ہوں' نہ نیک ہوں' نہ ٹائم مینج کرنا سیکھ سکی۔ میں فجر میں اٹھ نہیں پاتی اور باقی نمازوں کے لیے دل نہیں چاہتا۔ گو کہ میری خواہش ہے کہ میں بھی پانچ وقت کی نمازی

بن جاؤں، مگر۔ یہ بہت مشکل بہت بھاری چیز لگتی ہے۔"

وہ خاموشی سے سن رہی تھیں، اس بات پہ تائید میں سر ہلایا۔ "نماز بہت بھاری چیز ہے۔ واقعی!"

"مگر پھر وہ لوگ کون ہوتے ہیں، جو منہ اندھیرے نیند توڑ کر اٹھتے ہیں اور ٹھنڈے پانی سے بھی خود کو بھگو لیتے ہیں مگر نماز نہیں چھوڑتے۔" وہ بے چین ہوئی۔

"حنین۔ اللہ فرماتا ہے۔ بے شک نماز بہت بھاری ہے سوائے ان لوگوں پر جو خشیئت رکھتے ہیں۔"

"خشیئت کیا ہوتا ہے؟" اسے سارے اسباق بھول گئے تھے۔

"خشیئت ڈر ہوتا ہے، اور خشیت محبت ہوتی ہے، مگر نہ یہ صرف ڈر ہے نہ صرف محبت۔ یہ محبت بھرا ڈر ہوتا ہے جو انسان کو اپنے ماں باپ کا کہنا ماننے پہ مجبور کرتا ہے۔ صرف محبت میں ہم ان کی بات نہیں مانتے، یا صرف ڈر کے باعث ان کی اطاعت نہیں کرتے۔ کوئی چھری تو نہیں دے ماریں گے نا وہ ہمیں۔ صرف یہ دھڑکا ہوتا ہے کہ ان کے اوپر ہمارا امپریشن نہ خراب ہو جائے۔ ہم ان کو دکھ دینے سے ان کی محبت کی وجہ سے ڈرتے ہیں۔ جس کے دل میں اللہ کے لیے ایسی خشیئت ہوتی ہے، نماز اس پہ آسان ہو جاتی ہے۔"

"تو انسان اپنے اندر یہ خشیت کیسے پیدا کرے؟"

"تمہاری جگہ کوئی اور پوچھتا تو اس کے آگے لمبی تقریر کر سکتی تھی مگر تم حنین، تم پریکٹیکل زیادہ پسند کرتی ہو۔" کہتے ہوئے وہ لیٹر ہیڈ سے چند کاغذ علیحدہ کرنے لگیں۔ حنہ مسکرا دی۔ وہ درست جگہ آئی تھی۔

"یہ دو کاغذ لو۔" انہوں نے دو کاغذ اس کے سامنے رکھے، اور پھر ایک سرخ اور ایک سبز قلم ان کے اوپر رکھا۔

"پہلے بائیں ہاتھ والے پہ ایک سرخ دائرہ کھینچو اور اسی سرخ رنگ سے اس کے اندر لکھتی جاؤ۔"

"کیا؟"

وہ رسان سے مسکرائیں۔ "فون پہ تم نے کہا تھا کہ تم نے بہت سی ایڈکشنز (لت) چھوڑ دی ہیں مگر تمہارا ہر مسئلہ اس لیے ہے کہ تم فجر پہ نہیں اٹھتیں۔ اب اس کاغذ پہ لکھو کہ جب تم فجر پہ نہیں اٹھتیں تو تمہیں کیا ملتا ہے؟"

حنین نے الجھ کر سوچا۔ پھر لکھنے لگی۔

"تھوڑی سی مزید نیند۔ بہت سارا سکون۔ گرم گرم بستر۔ چند مزید خواب۔ پلیژر۔"

سر اٹھایا۔ "اب؟"

"اب اس کے ساتھ لکھو کہ تم اس وقت۔ یوں سوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو کیسی لگتی ہو؟ تمہارا کیا امپریشن جا رہا ہوتا ہے اللہ کے سامنے؟"

لمحے بھر کے لیے حنین کے اندر کچھ ہلا۔ اس نے سر جھکایا۔ سرخ دائرے کو دیکھا۔ پھر لکھنے لگی۔

"اس وقت میں اللہ کے سامنے کیسی نظر آ رہی ہوتی ہوں؟"

ایک غافل لڑکی، جو سو رہی ہے۔ جو نشئیوں کی طرح سو رہی ہے۔ جو روز قیامت سے بے خبر ہے، جس کو اپنے بنانے والے کے سامنے جانے، اپنے امپریشن کی کوئی فکر نہیں ہے۔" اس کا ہاتھ کانپا مگر لکھتی گئی۔

"جنت کی نہریں، جہنم کی آگ۔ اسے نہ کسی پہ یقین ہے، نہ ان کا احساس ہے۔ اللہ کی طرف سے اسے بار بار پکارا جا رہا ہے مگر وہ ڈھٹائی سے، سو رہی ہے۔ نماز پڑھنا اس کے نزدیک غیر اہم ہے، اگر اہم ہوتا تو وہ اٹھ جاتی۔ فرشتے اس کے بارے میں یہی جا کر اوپر بتائیں گے کہ فجر پہ اسے سوتا پایا۔ اس کی "اوپر" والوں میں نہ کوئی قدر ہوگی، نہ عزت۔ وہ بھٹکے ہوؤں میں سے ہے۔ اسی طرح غافل سوتی، جاگتی کسی دن مر جائے گی اور رحمت کے فرشتوں کو اس سے کوئی ہمدردی نہ ہوگی کیونکہ انہوں نے ہمیشہ اسے سوتے پایا ہے۔"

اس سے مزید نہیں لکھا جا رہا تھا۔

"اور پھر سارا دن وہ سست اور بےزار رہتی ہے۔ اس کا ہر کام بے برکتا ہے۔ اس کا دل پشیمانی سے بھر چکا ہے مگر اس پشیمانی کو نکالنے کے لیے بھی وہ کچھ نہیں کرتی۔ اس کے اندر کوئی خیر نہیں ہے۔ جب وہ اللہ

سے دعا مانگے گی تو کیا اللہ اس کی دعا قبول؟"
بس بہت تھا۔ اس نے قلم چھوڑ دیا۔ دل پہ بہت زور سے لگی تھی۔ صفحہ اٹھا کر کے میز پہ رکھ دیا۔ سر ابھی تک جھکا تھا۔
"اب اس دوسرے صفحے پہ سبز دائرہ کھینچو۔" حنہ نے ذرا سے توقف کے بعد دوسرا صفحہ اٹھایا۔ اور سبز دائرہ کھینچا۔ انگلیوں میں لرزش تھی۔
"اس پہ لکھو کہ فجر پڑھنے کے لیے تمہیں کیا کچھ کھونا پڑتا ہے۔"
وہ سر جھکائے لکھنے لگی۔
"نیند توڑنا۔ گرم بستر چھوڑنا' سردی میں باتھ روم تک جانا' پانی سے خود کو بھگونا' اور پانچ۔ دس منٹ کی نماز پڑھ کر واپس آنا۔" وہ رک گئی۔
"اور اب یہ لکھو کہ جب تم یہ کرو گی تو اللہ کے پاس تمہارا کیا امپریشن جائے گا؟" وہ ذرا سی چونکی۔ پھر صفحے کو دیکھا۔ سبز دائرہ چمک رہا تھا۔ وہ بنا سوچے لکھنے لگی۔
"اللہ کو اس وقت میں کیسی لگوں گی؟"
وہ ہر پچھلی بات مٹا دے گا۔ میں اس کے سامنے ایک ایسی لڑکی ہوں گی جو اپنا آرام چھوڑ کر اس کی پہلی پکار پہ اٹھتی ہے۔ جو اس کی بات مانتی ہے۔ اس کو قیامت کا احساس ہے' اس کو جہنم اور جنت کی پرواہ ہے۔ وہ غافلوں میں سے نہیں ہے۔ ٹھیک ہے اس میں بہت برائیاں ہوں گی' مگر فرشتے جب فجر اور عصر کے وقت اوپر جائیں گے تو اس کا اچھا ذکر کریں گے اللہ کے سامنے۔ اوپر والوں میں اس کا نام عزت سے لیا جائے گا۔" اس کے لکھنے میں روانی آگئی تھی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔
"وہاں اس کا امپریشن اچھا جائے گا۔ اس کی بہت سی غلطیوں سے صرف نظر کر لیا جائے گا۔ وہاں اس کی قدر ہوگی۔ اللہ اس کی تعریف کرے گا۔ جب وہ فجر کے لیے اٹھے گی اور دوسروں کو بھی اٹھائے گی تو اللہ بھی اوپر والوں کے سامنے اس کی تعریف کرے گا۔" اس کا دل پھر سے بھر آیا۔ لبوں پہ ہاتھ رکھ کر خود کو قابو کیا۔ "اس کا دل گلٹ (شرمندگی) سے پاک ہوگا۔ اللہ اس کی تعریف کرے گا۔ اس کے کاموں میں برکت ہوگی۔ اللہ اس کی تعریف کرے گا۔ اللہ اس کی تعریف کرے گا۔ وہ اس کو اپنے پاس "نماز پڑھنے والوں" میں لکھ لے گا۔ اللہ اس کی تعریف کرے گا۔"
وہ ایک فقرہ اتنا قیمتی اور اندر تک ہلا دینے والا تھا کہ وہ اس کو بار بار لکھتی گئی یہاں تک کہ دائرہ بھر گیا۔
ٹیچر نے میز پہ دستک دی تو اس نے گہری سانس لی۔ نمی اندر اتاری' اور کاغذ اٹھا کر کے میز پہ ڈال دیا۔
"اب ان دونوں کاغذوں کو اپنی الماری پہ۔ یا بیڈ کے اوپر دیوار پہ' کہیں بھی لگا لو اور دن میں بیس دفعہ لازمی ان باتوں کو پڑھو حتیٰ کہ یہ تمہارے دل میں بیٹھ جائیں۔ زندگی میں جب بھی کسی ایڈکشن (عادت) کے ہاتھوں پریشان ہو' فوراً" دو دائرے بناؤ' اور ایک میں لکھو کہ ذرا سی تسکین کے لیے یہ کام کرتے وقت میں اللہ کو کیسی لگتی ہوں گی؟ اور دوسرے میں لکھو کہ اگر یہ چھوڑ دوں تو اس کو کیسی لگوں گی؟" وہ رکیں۔ "مگر نماز کی عادت بنانے کے لیے تمہیں کچھ اور بھی کرنا ہوگا۔"
"کیا؟" وہ تیزی سے بولی۔ اس وقت اندر سے اتنی ہل چکی تھی کہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھی۔
"تمہیں یہ سمجھنا ہوگا کہ نماز ہے کیا؟" وہ پرسکون سی پیچھے ہو کر بیٹھی کہہ رہی تھیں۔ ان کی نرم آنکھیں حنہ کے چہرے پر جمی تھیں۔ "نماز کے لیے آپ کو گھڑی کا الارم نہیں اٹھاتا۔ آپ کا ایمان اٹھاتا ہے۔ پچھلے دن اگر جھوٹ بولے ہیں' خیانت کی ہے' وعدہ خلافی کی ہے یا غیبت کی ہے تو اگلے روز فجر پہ اٹھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔"
"میں کچھ دن نماز بہت اچھی پڑھتی ہوں' پھر کچھ دن چھوڑ دیتی ہوں۔ ایک فیز سے نکل کر دوسرے فیز میں چلی جاتی ہوں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟"
"ہم مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نیت کی اہمیت نہیں سمجھتے۔ نماز میں دل کا سکون ہے' مگر یہ دل کے سکون کے لیے نہیں پڑھی جاتی۔ جو اس لیے نماز پڑھتا ہے کہ اس کو پڑھ کر وہ خود کو مطمئن اور

پُرسکون محسوس کرتا ہے وہ سخت فتنے میں مبتلا ہے کیونکہ وہ اپنے "دل" کے لیے نماز پڑھتا ہے' اللہ کے لیے نہیں۔ ایسے ہی لوگ Phases میں مبتلا رہتے ہیں۔ کچھ دن نماز پڑھی پھر کچھ دن نہیں پڑھی کیونکہ دل کو جو مرہم لگانا تھا لگ گیا۔ اب ضرورت نہیں ہے۔ وہ اسی لیے کچھ دن بعد نماز چھوڑ دیتے ہیں کہ اب ان کو ضرورت نہیں رہی' اب وہ پُرسکون ہیں۔ پھر جب تک پریشان نہیں ہوتے' نماز کے قریب نہیں جاتے۔ نماز پڑھ کر ہمیشہ سکون نہیں ملتا تو اگر کیا سکون نہ ملے تو چھوڑ دیں ہم نماز پڑھنا' داغ لگوانے میں شفا ہے۔ داغ لگوانا سمجھتی ہو نا؟ جیسے کوئی کاری زخم لگے تو قدیم قوموں میں' اور اب بھی چین جاپان بلکہ پاکستان میں بھی۔ سلاخ گرم کر کے اس جگہ کو داغا جائے تو زخم ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اس میں شفا ہے مگر ہماری امت کے لیے یہ منع ہے۔ تو جو لوگ نماز کو ایکسر سائز سے تشبیہ دیتے ہیں' ان کو سوچنا چاہیے کہ اگر اللہ نماز میں شفا نہ رکھتا بلکہ تکلیف رکھتا تو کیا ہم اسے نہ پڑھتے؟ نماز کو اپنا دل مطمئن اور خوش کرنے کے لیے نہ پڑھا کرو۔"

"تو پھر کیوں پڑھتے ہیں نماز؟" اس نے نکتہ اٹھایا۔

"کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ دی اینڈ۔ فل اسٹاپ۔ ہم اسے اس لیے پڑھتے ہیں تاکہ اللہ راضی رہے ہم سے' ہمارا امپریشن اس کے سامنے اچھا جائے۔ اگر ہمارے دل میں یہ "خشیئت" ہو تو یہ بہت آسان ہے۔" وہ ذرا دیر کو ٹھہریں۔ "مگر یہ تو ہو گیا کہ ہم نماز کیوں پڑھتے ہیں۔ اب یہ دیکھو کہ نماز بذات خود ہے کیا؟" حنین غور سے سن رہی تھی۔ وہ نرمی سے کہے جا رہی تھیں۔ "نماز تمہارے خیال میں کیا ہے؟"

وہ چپ رہی۔ اس کے پاس بہت سے جواب تھے مگر کوئی تسلی بخش نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ لمحۂ شعور جسے جاں کنی کہیں
چہرے سے زندگی کے نقابیں الٹ گیا

یوسف خاندان میں سے کسی نے کاردار زکی نیو ایئر پارٹی میں شرکت نہ کی' جو اس سردرات ان کے لان میں منعقد تھی۔ حنین اپنے کمرے میں بیٹھی' کھڑکی کی طرف سے منہ موڑے' بے تحاشا کاغذوں پہ بنے دائروں کو بھرتی گئی۔ وہ خوش نہیں تھی' مگر وہ مطمئن تھی۔ زمر کیس کی تیاری کرتی رہی۔ اسامہ جلدی سونے چلا گیا۔ ندرت کی نماز اور وظیفے ابھی جاری تھے۔ غرض ان کا پورا گھر خاموش تھا' مگر باہر "دنیا والے" کاردار زکے لان میں جشن منانے میں مصروف تھے۔

وہاں گویا رنگ و بو کا سیلاب اُمڈ آیا تھا۔ غبارے' قمقمے' بتیاں۔ پارٹی کا انتظام اندر تھا' مگر بارہ بجے کے قریب سب لمبے لمبے کوٹ اور جیکٹس پہنے باہر نکل آئے تھے' جہاں آتش بازی کا اہتمام تھا۔ ایسے میں شہرین اندر ایک کونے میں بیٹھی' مشروب کے گلاس پہ گلاس پیے جا رہی تھی۔ سرخ ساڑھی میں ملبوس' وہ بے رونق اور تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ دفعتاً" اس نے سر اٹھایا تو اوپر سیڑھیوں پہ شیرو کھڑا تھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ شہری نے ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ مسکرا کر ہاتھ ہلایا' مگر وہ ایک اچٹتی ہوئی نظر اس پہ ڈال کر زینے سے اترنے لگا۔ لاؤنج تقریباً" خالی تھا۔ سب باہر تھے۔ نوشیرواں بھی باہر نکل آیا۔ سردی کے باعث جیکٹ کے کالر کھڑے کر لیے' اونچے برآمدے میں کھڑے ہو کر اس نے ایک ویران نظر نیچے سبزہ زار پہ شور مچاتے' ہنستے مسکراتے لوگوں پہ ڈالی۔ اس کی نگاہیں ایک ایک کا چہرہ کھوجتی رہیں' پھر سر جھٹک کر وہ دوسری سمت آیا' اور ایک ملازم کو اپنی کار نکالنے کا کہا۔

"سر! آپ اس وقت کہاں ؟"

"زیادہ بک بک نہ کرو میرے سامنے۔ تم ہو کون ہاں؟" اس کو گھورتے ہوئے غرایا۔ "جو کہا ہے وہ کرو۔" ملازم جلدی سے حکم بجا لایا اور ازلی بے زار شیرو کار لے کر باہر سڑکوں پہ گم ہو گیا۔

رات ابھی جوان تھی۔ لان میں بہت سے لوگوں کے درمیان کھڑی سرخ میکسی میں ملبوس جواہرات

کسی بات پہ مسکرا رہی تھی۔ کندھوں پہ سفید منک کوٹ ڈالے وہ گردن اٹھا کر مسکراتے ہوئے آسمان پہ نظر آتی آتش بازی دیکھ رہی تھی جب احمر اس کے قریب آکر کھنکھارا۔ اس نے گردن موڑی، احمر کو دیکھ کر مسکراہٹ گہری ہوئی، پھر اس کا بازو تھامے ایک طرف چلتی آئی۔

"اتنی پولیٹیکل گیدرنگ مسز کاردار؟ اور آپ نے کہا تھا کہ آپ سیاست میں قدم نہیں رکھنا چاہتیں۔"

وہ اب برآمدے میں کھڑا شکوہ کر رہا تھا۔ وہ اس کے قریب کھڑی تھی۔ یہاں اندھیرا تھا۔ نیچے روشنی تھی۔ یہاں کھڑے وہ دونوں کوئی تاریک سائے لگ رہے تھے۔

"میرے پاپا ایک سیاست دان تھے، میرے دادا دوبار گورنر رہے تھے، میں پھر بھی اس میدان سے دور رہوں گی، لیکن ہارون کی دوستی میں یہ سب کرنا پڑتا ہے۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "اس سفید شال والی خاتون کو پہچانتے ہو؟" ابرو سے نیچے مہمانوں کی طرف اشارہ کیا۔ احمر نے اس طرف گردن گھمائی۔ وہاں چند اصحاب کے ساتھ ایک سفید شال والی عورت کھڑی بات کر رہی تھی۔ وہ شکل سے پٹھان لگتی تھی۔

"ان کو کون نہیں پہچانتا؟"

"گڈ!" چمکتی آنکھوں سے احمر کی آنکھوں میں جھانکا۔ "اس کو تباہ کردو احمر! تمہارے پاس ایک مہینہ ہے، اس کے اتنے اسکینڈل لیک کرو کہ وہ استعفیٰ دینے پہ مجبور ہو جائے۔"

ایک لمحے کے لیے احمر بالکل سناٹے میں رہ گیا۔ آسمان پہ بلند آواز میں پٹاخوں کے ساتھ آتش بازی ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔

"مسز کاردار وہ کوئی عام عورت نہیں ہے۔ اس کا بھی سیاسی خاندان ہے، آپ جتنی امیر، آپ جتنی طاقت ور ہے۔ اس سے دشمنی مول لینے کا کیا فائدہ؟ کل کو وہ ہم پہ جوابی حملہ کرے گی۔"

"اور تب تم ہو گے نا ہر حملے کا جواب دینے کے لیے۔ اس نے ایک پارٹی میں ہارون سے مس بی ہیو کیا تھا۔ میں ہارون پہ احسان کرنا چاہتی ہوں۔ گیٹ ٹو ورک۔ ایک مہینہ ہے تمہارے پاس!" اس کا شانہ تھپتھپا کر وہ مسکراتی ہوئی، میکسی سنبھالتی زینے اترتی گئی۔ احمر بے یقینی سے کھڑا رہ گیا، پھر چونکا جب ساتھ کوئی آکھڑا ہوا۔

"تم میں کاردارز کے لیے اتنے بڑے کام کی ہمت نہیں ہے تو آگاہ کر دینا، میرے پاس ملازموں کی کمی نہیں ہے۔" سرد مہری سے کہہ کر ہاشم نے ایک تند نگاہ اس پہ ڈالی اور پھر زینے اتر کر لان کی طرف بڑھ گیا۔

احمر کو پہلی دفعہ محسوس ہوا کہ رات کتنی سرد ہے۔

✺ ✺ ✺

ڈرا رہا ہے مسلسل یہی سوال مجھے
گزار دیں گے یونہی کیا یہ ماہ و سال مجھے

سرما کی اس دوپہر کورٹ روم میں معمول کی سماعت جاری تھی۔ جج صاحب سمیت تمام افراد توجہ سے کٹہرے میں کھڑے وردی والے پولیس اہلکار کو سن رہے تھے جو پراسیکیوٹر کے سوالوں کا جواب دے رہا تھا۔ کھٹا کھٹ ٹائپ ہونے کی آواز بھی پس منظر میں سنائی دیتی تھی۔

"اور جو تیس بور کا پستول فارس غازی سے برآمد کیا گیا، وہ آپ کی موجودگی میں برآمد کیا گیا؟" پراسیکیوٹر نے کہتے ہوئے گردن پھیر کر دفاع کی میز کو دیکھا۔ جہاں زمر قلم گھماتے ہوئے، آرام سے بیٹھی سن رہی تھی، اور ساتھ بیٹھا فارس چبھتی ہوئی نظریں گواہ پر جمائے ہوئے تھا۔

"جی۔ میں اس وقت اے ایس پی سرمد شاہ کے ساتھ موجود تھا۔" گواہ کہہ رہا تھا۔

(سرمد شاہ سمیت چند گواہوں کو پراسیکیوٹر نے چھوڑ دیا تھا۔)

"پھر کیا ہوا؟"

"مجھے محرر نے اس رات ایک سربمہر پارسل میں وہ پستول دیا جو میں نے پوری حفاظت اور ذمہ داری سے

فارنزک لیب میں بھجوادیا۔ لیب کے رزلٹ کے مطابق وہی پستول قمرالدین کے قتل میں استعمال ہوا تھا۔"

پراسیکیوٹر نیچے اتر آیا اور زمر کو دیکھ کر "آپ اگر جرح کرنا چاہیں۔" کہتا واپس اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ (جس کا گواہ ہوتا ہے، پہلے وہ سوال کرتا ہے، پھر دوسرا وکیل اس گواہ پہ جرح کرتا ہے۔) وہ گہری سانس لے کر اٹھی اور سنجیدگی سے کٹہرے کے سامنے نیچے آکھڑی ہوئی۔

"فارس غازی کو کس روز گرفتار کیا گیا تھا؟" سپاٹ لہجے میں پوچھنے لگی۔

"13 اکتوبر کی شام۔ مغرب کے بعد کا وقت تھا۔"

"اور پستول کب برآمد ہوا؟"

"اسی وقت۔"

"اور آپ نے اسے لیب میں کب بھیجا؟"

وہ لمحے بھر کو چپ ہوا۔ "اگلی دوپہر۔"

"اسی دن کیوں نہیں؟ ورک ایتھکس کے مطابق آپ کو وہ پارسل اسی وقت لیب میں بھیجنا تھا۔ آپ نے وہ سولہ گھنٹوں بعد بھیجا۔ کیوں؟ جب کہ آپ کی برآمدگی کے وقت لیب کھلی تھی۔"

"مجھے ضروری کام سے گھر جانا تھا۔ اس لیے میں نے اس کو لاکڈ دراز میں ڈالا اور سوچا کہ صبح آکر۔" مگر زمر نہیں سن رہی تھی۔ وہ جج صاحب کی طرف مڑی۔

"یور آنر، دفاع یہ چاہتا ہے کہ آپ پراسیکیوشن Exhibit الف یعنی اس گن کو ڈسکوری میں سے خارج کردیں۔ یہ ایسا ثبوت نہیں ہے جو شک وشبے سے پاک ہو۔"

"آب جیکشن یور آنر۔" پراسیکیوٹر فوراً اٹھا۔ "دفتری کاموں میں دیر سویر ہوجاتی ہے۔ یہ گن فارس غازی سے ملی ہے، اس بات کے گواہ موجود ہیں۔"

"اس بات کے صرف دو گواہ تھے۔ سرمد شاہ کو پراسیکیوشن گیواپ کرچکی ہے، اور ان صاحب کی کریڈیبلٹی مشکوک ہے۔" وہ دونوں ایک ساتھ تیز تیز بولنے لگے تھے۔ جج صاحب نے دونوں ہاتھ اٹھا کر زور زور سے خاموش کہا، پھر ہتھوڑا زور سے بجایا۔ وہ دونوں چپ ہوئے۔

"مسز زمر۔ پراسیکیوٹر صاحب کا پوائنٹ درست ہے۔ دیر سویر ہوجاتی ہے۔ ہم اس ثبوت کو ڈسکوری سے نہیں نکال سکتے۔"

زمر کی آنکھوں میں استعجاب ابھرا۔ باری باری اس نے پراسیکیوٹر اور جج کو دیکھا، پھر سر کو خم دے کر خاموشی سے واپس آکر بیٹھی۔ فارس نے قدرے تعجب سے اس کے قریب ہوکر سرگوشی کی۔ "تم نے بحث کیوں نہیں کی؟"

"جج ان کا ہے۔" وہ شدید ڈسٹرب نظر آرہی تھی۔ فارس "اچھا" کہہ کر واپس پیچھے ہوکر بیٹھا۔ وہ اب بھی پُرسکون لگتا تھا۔

☼ ☼ ☼

اسی کے دم سے تو قائم ابھی ہے تار نفس
یہ اک امید کہ رکھتی ہے پُرسوال مجھے

ملاقاتی بوتھ میں کرسی کے اوپر فارس آکر بیٹھا تو شیشے کے پار براجمان لڑکی کو دیکھ کر چونک گیا۔ وہ زمر کی توقع کررہا تھا مگر وہ سرخ اسکارف میں لپٹے چہرے اور نیچے لمبے وائٹ کوٹ میں ملبوس آبدار تھی۔ بلی جیسی سرمئی، چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ مسکرائی۔

"سلام!"

فارس نے ذرا کی ذرا نظر گھمائی۔ کمرے میں جابجا ایسے ہی بوتھ قطار میں لگے تھے اور ایک دن میں ہزار سے اوپر قیدی اپنے رشتے داروں سے ملاقات کرتے تھے۔

"میں الگ کمرے میں بھی مل سکتی تھی مگر ایسے سوالات زیادہ اٹھتے۔" وہ سرمئی آنکھیں فارس پہ جمائے رسان سے بولی تھی۔ فارس نے گہری سانس لی، ذرا سا آگے کو جھکا۔

"میرا کام کرنے کا شکریہ!" دبی آواز میں بولا۔ خاور کو کس نے غائب کروایا ہے، اسے اب کوئی شک نہیں رہا تھا۔

”میں نے آپ کا کام نہیں کیا‘ اس نے میرے ہاتھ سے کاغذ چھینا تھا۔ میں تب بھی غیر جانبدار تھی‘ اب بھی ہوں۔“ وہ دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔

”پھر آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟“ اس کا لہجہ خشک ہو گیا۔

آبی نے ایک نظر اس کے چہرے پہ ڈالی۔ ”ملکہ نے دونوں قیدیوں کے سر قلم کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔“

وہ ایک دم بری طرح چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ گویا سانس تک رک گیا ہو۔

”مجھے افسوس ہے‘ میں ان کے لیے مزید کچھ نہیں کر سکتی۔ نہ پرانے قیدی کے لیے‘ نہ نئے قیدی کے لیے۔ میں نے کہا ہے کہ میری اس سے ملاقات تک اس کو نہ مارا جائے‘ مگر وہ چند دن سے زیادہ انتظار نہیں کریں گے۔“

”وہ اسے نہیں مارے گا۔“ اس نے سختی سے کہا تھا۔

”فارس غازی“ ”وہ“ اس حکم سے اس کی تکمیل تک بے خبر رہے گا۔ یہ حکم اس کی ماں نے دیا ہے۔ خیر‘ میرا کام تھا بتانا‘ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتی۔ آپ کچھ کر سکتے ہیں تو کر لیجیے۔“ فارس نے پلکیں اٹھا کر زخمی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ان میں شدید غصہ اور برہمی تھی۔

”آئی ایم سوری۔“ وہ ذرا نرم ہوئی ”آپ جیل میں ہیں‘ کچھ نہیں کر سکتے۔ مگر آپ ملزم ہیں۔ متہم فرزند نازنین قانون است۔ (ملزم قانون کی محبوب اولاد ہوتا ہے۔) باہر نکلیے اور اسے خود بچایئے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی۔“ سرگوشی میں کہہ کر وہ اٹھ گئی۔

اسی پل پیچھے سے زمر آتی دکھائی دی۔ اور اگلے ہی پل وہ ٹھٹکی۔ سرخ اسکارف والی لڑکی فارس کے سامنے بیٹھی تھی۔

فارس نے دبی زبان میں کچھ کہا (مجھے کچھ دن دو۔ کچھ دن کے لیے ان کو ٹالو) جو زمر کو وہاں سے سنائی نہ دیا۔ لڑکی نے کندھے اچکائے اور مڑ گئی۔ زمر کے ابرو بھنچے۔ آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔ وہ لڑکی کی چھوڑی جگہ پہ آ بیٹھی۔

”یہ کون تھی؟“

وہ نگاہیں جھکائے سوچ میں گم تھا۔ مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔ پشاوری جیل میں مقید پیر کا انگوٹھا مسلسل ہلا رہا تھا۔ وہ پریشان تھا‘ مضطرب تھا‘ مگر ضبط سے بیٹھا تھا۔

”میں پوچھ رہی ہوں‘ یہ کون تھی؟“ اب کے وہ درمیانی شیشہ کھٹکھٹا کر زیادہ درشتی سے بولی تھی۔

فارس نے آنکھیں اٹھائیں اور ایک سپاٹ اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔

”میری پرانی گرل فرینڈ تھی‘ کوئی مسئلہ ہے آپ کو؟“

زمر کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ جبڑے بھینچے اور آنکھوں میں ناگواری عود آئی۔ بنا کچھ کہے سیدھی ہو کر بیٹھی اور خشک انداز میں بات کرنے لگی۔ فارس اسی طرح بیٹھا رہا۔ سُن‘ پریشان‘ شل‘ بے چین۔

جیل سے نکلنے اور سعدی کے اغوا کے بعد سے اب تک‘ اس کے پاس ہر مسئلے کا حل ہوتا تھا۔ سب پلان کے مطابق جا رہا تھا۔ گرفتاری غیر متوقع تھی مگر وہ اس کی تیاری پہلے کر چکا تھا۔ صرف ایک یقین دہانی تھی کہ ہاشم سعدی کو نہیں مارے گا۔ یہ یقین دہانی بہت مضبوط‘ بہت پختہ تھی۔

مگر آج وہ نہیں رہی تھی‘ اور وہ بالکل شل بیٹھا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ شہر ہجر عجب شہر پُر تحیر تھا
بہت دنوں میں تو آیا ترا خیال مجھے

کولمبو میں اس اونچے ہوٹل کے اندھیرے تہہ خانے میں میری کچن میں سبزی کاٹ رہی تھی جب گارڈز اس کے پاس آئے‘ اور اس سے کچھ کہا۔ وہ حیران سی ان کو دیکھنے لگی۔ پھر ان کے ساتھ چل پڑی۔ سیکورٹی چیک پوائنٹس سے گزر کر وہ لفٹ میں داخل ہوئے جو ہوٹل کے کچن میں پینٹری میں رکی۔ جب کسی کو آنا جانا ہوتا تو ہیڈ شیف پینٹری کو خالی کرا کے وہاں

پہریداری پہ کھڑا ہو جاتا تھا۔ پینٹری کی دیوار کے اندر نیچے جانے کا راستہ ہے 'یہ وہاں کسی کو معلوم نہ تھا۔

میری کو جب کچن سے گزار کر وہ دونوں اوپر لے جا رہے تھے تو وہ گردن موڑ موڑ کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں حیرت اور تعجب تھا۔ اسے جہاز سے آنکھوں پہ پٹی باندھ کر (بلائنڈ فولڈ" کر کے) لایا گیا تھا اور اتنے ماہ بعد وہ بالا آخر اتنی روشنی دیکھ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ اسے ایک کمرے میں لے آئے۔

میری ہچکچاتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ پر تعیش طریقے سے آراستہ سنہری تھیم میں سجا کمرہ تازہ پھولوں کی مہک میں بسا تھا۔ وہ سوئٹ کے ایک حصے سے دوسرے میں چلتی آئی جو سٹنگ ایریا کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ وہاں ایک بڑے صوفے 'پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے مسکراتی ہوئی جواہرات بیٹھی تھی۔ تازہ بوٹکس کے باعث اس کی جلد مکھن کی طرح ملائم اور دمک رہی تھی۔ سیاہ فگر ہگنگ ٹاپ اور سیاہ اسکرٹ میں ملبوس' بھورے بال چہرے کے ایک طرف ڈالے' وہ بڑی شان سے بیٹھی تھی۔

"بیٹھو میری اینجیو!" انگلیوں سے اسی شان سے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ میری متذبذب سی وہاں آکر بیٹھی۔

"مسز کاردار' میں۔"

"نہیں میری۔ میں بولوں گی۔ تم سنو گی۔ آج یہاں تم بولنے کے لیے نہیں لائی گئیں۔" میری نے زبان دانتوں تلے دبالی۔

"میں ماضی کو نہیں کریدوں گی' مگر تمہارے بارے میں میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ ہم دونوں جانتے ہیں کہ تم کیا کچھ جانتی تھیں' مگر تم نے ہاشم کے سامنے وہ باتیں نہیں دہرائیں۔ میرا نہیں خیال یہ تم نے سعدی کے گرینڈ پلان میں مدد دینے کے لیے کیا ہے۔ تم نے یہ۔ میرے لیے کیا ہے۔ کیونکہ تمہیں تمہاری جاب واپس چاہیے۔ میں' میری انجیو۔"

سینے پہ ایک انگلی سے دستک دی۔ مسکراتی آنکھیں اس پہ جمی تھیں۔

"میں تمہیں تمہارا کھویا ہوا مقام واپس دلاؤں گی۔ تم قصر کاردار واپس آؤ گی' اور میرے اسٹاف کی ملکہ تم ہی ہو گی۔ تم ہمیشہ سے یہ چاہتی تھیں کہ میں تم پہ بھروسا کروں۔ آج میں تم پہ بھروسا کرتی ہوں۔ مجھے تمہاری وفاداری کا یقین آگیا ہے۔ اورنگ زیب تمہارے بارے میں ٹھیک کہتا تھا۔"

میری بس ایک ٹک گم گنگ سی اسے دیکھے گی۔

"وہ دونوں بھاگنے کا پلان کر رہے ہیں' میں جانتی ہوں۔ تم ان کا ہر پلان مجھے بتاؤ گی۔ تم میری' ان کو بھاگنے نہیں دو گی۔ صرف چند دن تک۔ پھر تم قصر کاردار واپس آجاؤ گی۔ چاہوں تو ابھی لے جاؤں تمہیں' مگر جواہرات کاردار کا بھروسا بھیک میں نہیں ملتا۔ اسے کمانا پڑتا ہے۔ تو تم اسے کماؤ۔ سعدی کی دوستی کو بھول جاؤ۔ اپنے حفظ ذات کے بارے میں سوچو۔ صرف اپنے بارے میں!" اور ہاتھ کو بے نیازی سے لہرا کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ مسکراتی نظریں اب بھی اس پر جمی تھیں۔ میری مرے مرے قدموں سے اٹھی اور واپس جانے کو مڑی۔

"تمہیں بتایا گیا تھا کہ یہ انڈیا ہے۔ ہے نا؟" اس کے الفاظ پہ میری چونک کر مڑی۔

"مگر یہ سری لنکا ہے۔ دیکھ لو' ہاشم کو تم پہ اعتبار نہ تھا' جانتا تھا تم سعدی کو سچ بتا دو گی۔ مگر مجھے۔ اب۔ تم۔ بھروسا۔ ہے!"

میری اینجیو بالکل لاجواب ہو گئی تھی۔ واپسی کا سفر اس نے شل دماغ کے ساتھ کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

حالت میری نہ مجھ سے معلوم کیجیے
مدت ہوئی ہے مجھ سے میرا واسطہ نہیں

کلب میں مدھم بتیاں جلی تھیں۔ موسیقی بھی مدھم تھی' بار کاؤنٹر پہ دونوں کہنیاں رکھ کر اونچے اسٹول پر بیٹھی شیریں بھرے ہوئے گلاس کے منہ پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ نگاہیں بارٹنڈر کے عقب میں کھڑے ریک پہ جمائے' وہ کسی سوچ میں گم تھی جب

دوسری سمت سے نوشیرواں آتا دکھائی دیا۔ وہ اکھڑے ' تنے تاثرات چہرے پر سجائے' جیکٹ اتار کر ملازم کو دیتا' رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ شہری کو دیکھ کر ابرو بھینچے۔ پھر اس کے قریب اسٹول پر بیٹھا۔ اس کے آگے جھک کر چٹکی بجائی۔ وہ چونک کر اس جانب گھومی۔

آج اس کا لباس سیاہ تھا اور میک اپ تقریباً" ندارد۔ آنکھوں تلے حلقے چھپانے کے باوجود دکھائی دے رہے تھے۔ شیرو کو دیکھ کر تھکے تھکے انداز میں سنہری بالوں میں انگلیاں پھیر کر ان کو پیچھے جھٹکا۔ "تم کدھر؟"

"پریشان لگ رہی ہیں۔ وجہ؟"

"تمہارے بھائی کے ہوتے ہوئے کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" بوجھل آنکھوں اور تھکی آواز میں کہتے گلاس کو دو گھونٹ میں خالی کرکے کاؤنٹر پہ پرے دھکیل دیا۔

"میری بیٹی مجھ سے لے لی' کمپنی میں مجھے شیئرز نہیں دیے۔ یہ مت کہنا کہ اس بارے میں تمہیں کچھ معلوم نہیں۔ میں شدید ڈپریشن کا شکار ہوں۔ اوپر سے سونی کہہ رہی تھی' تمہاری ممی نے اسے کہا ہے کہ ہاشم جلد دوسری شادی کرنے والا ہے۔ سب کے پاس اپنی اپنی زندگی ہے۔ ایک میں ہی قصر کاردار کے گرد بھنورے کی طرح منڈلاتی رہتی ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں سہلائیں۔ "اور کیا قصور تھا میرا؟ صرف یہی کہ سعدی سے ذرا سی دوستی تھی میری؟ کیا میں پوچھتی ہوں ہاشم سے کہ اس کی کس کس سے دوستی ہے؟ ہونہہ۔"

مہینوں بعد۔ نوشیرواں سعدی کے ذکر پر بے زار نہیں ہوا بلکہ آنکھوں میں عجیب چبھن سی در آئی۔

"کتنا اچھا ہوتا اگر یہ سعدی لوگ ہماری زندگیوں میں نہ آئے ہوتے شہری!" وہ نفرت کی آنچ لیے بولا تھا۔

"بالکل!" اس نے گویا کراہ کر کہا تھا۔ وہ اس سے زیادہ متفق نہیں ہو سکتی تھی۔

"وہ خاندان خود کو بہت پارسا سمجھتا ہے۔ جیسے وہ اچھے اور ہم برے ہیں۔ ہر وقت وہ دونوں بہن بھائی اپنے غرور میں مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کرتے تھے۔ کیا ان باتوں پہ گناہ نہیں ہوتا؟ کیا سارے گناہ امیروں کے ہوتے ہیں؟ یہ مڈل کلاس لڑکے لڑکیاں۔ یہ اپنے اعتماد کی آڑ میں کسی کو کتنا ہرٹ کر جائیں' ان کو سب معاف ہے؟"

"کیا ہاشم نے سعدی کو ویسے مارا جیسے اس دن مجھے مارا؟ اس کے ساتھ وہ سلوک کیا؟ نہیں نا۔ اس کی اہمیت زیادہ ہے۔ میری کم ہے۔" شہری کے غم مختلف تھے۔

"کبھی کبھی دل چاہتا ہے شہری کہ ان کی انیکسی کو آگ لگا دوں۔ سعدی سمیت ان سب کو مار دوں۔ ایک ہی دفعہ یہ سارا خاندان مٹ جائے۔" وہ منتقم مزاجی سے کہہ رہا تھا۔ "آخر ہم قاتل ہی ہیں نا' تو ہم قاتل ہی اچھے۔ بس یہ لوگ ہماری جان چھوڑ دیں۔ ہم سے دور چلے جائیں۔ یہ لوگ..... یہ لوگ کسی آسیب کی طرح ہیں۔ جب تک ہمارے اردگرد رہیں گے' ہمیں بری خبریں ہی ملتی رہیں گی۔ میرا باپ مجھ سے ناراض حالت میں مرا' صرف..... صرف ان ہی کی وجہ سے..... میرے باپ کی موت کی وجہ بھی یہی لوگ ہیں۔" وہ شدید کرب سے دھیرے دھیرے کہتا جا رہا تھا۔ آنکھوں میں تپش تھی اور دل جل رہا تھا۔ شہری نے ناک سکیڑ کر شانے اچکائے۔

"واٹ ایور..... ان کے مرنے سے میرے مسئلے تو نہیں حل ہوں گے نا۔" یہاں یہ شہری کو اختلاف تھا۔

شیرو نے سر جھٹکا اور بارٹینڈر کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ حالانکہ اب اس کا دل کسی چیز کو نہیں چاہ رہا تھا۔ باپ کے ذکر نے ایک دم سب کچھ جلا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

کولمبو کے اس سرد اور خاموش تہ خانے میں میری اینجیو خاموشی سے کچن میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ اس کی نظریں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔ اس کے سامنے سعدی کے کمرے کا دروازہ مقفل نظر

آرہا تھا۔ دروازے کے پاس۔۔۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑا سعدی سے خاور کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے یہ سب سیکھ کر کیا ملے گا؟" وہ بے زار ہوا۔ خاور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا سعدی کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور آنکھیں سنجیدہ تھیں۔

"یہ سلیف ڈیفنس کے لیے ہے۔ تم میری لائف لائن ہو' میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔" اس نے سعدی کے دونوں ہاتھ پکڑے اور اس کو ذرا ادھر ادھر کھینچ کر درست کھڑا کیا۔

"خاموشی کو سننے کی عادت ڈالو۔ خاموشی کو دیکھو۔ محسوس کرو' میرے ہاتھوں کو دیکھو۔ میرے پیروں کو دیکھو۔" وہ آہستہ آہستہ ہاتھ گھماتے ہوئے کہہ رہا تھا اور سعدی الرٹ سا اس کو دیکھ رہا تھا۔

"اس کو روکو!" اس نے ایک دم اپنا ہاتھ تلوار کی طرح سعدی کے بازو پہ مارنا چاہا تو سعدی نے تیزی سے اپنی کلائی جوابی تلوار کی طرح اس کی کلائی سے ٹکرائی۔

"ہاتھ کو درست رکھو' ایسے۔۔۔" وہ اب اس کو کلائی سے پکڑے' زبانی سکھا رہا تھا۔

دفعتاً سعدی نے اس کے کندھے سے اوپر دیوار پہ کچھ دیکھا۔ "کیا یہ نشان تم نے لگایا ہے؟"

"کیسا نشان؟" خاور نے چہرہ موڑ کر دیکھا۔ وہاں کوئی نشان نہیں تھا۔ اس نے چہرہ جیسے ہی واپس پھیرا' سعدی کا زوردار مکا اس کے منہ پر پڑا۔ لمحے بھر کو اس کا دماغ گھوم گیا۔

سعدی نے مٹھی کو چہرے کے قریب لے جا کر اس میں پھونک ماری۔ "واؤ۔۔۔ اب میں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ چلو ٹریننگ جاری رکھتے ہیں۔"

خلاف توقع خاور برا مانے بغیر سر جھٹک کر واپس سامنے آ کھڑا ہوا۔

باہر بیٹھی میری' ہنوز کسی گہری اندھی سوچ میں گم تھی۔

ان سے دور۔۔۔ سرما کی اس سرد رات میں جیل کا وہ تاریک بیرک خاموش پڑا تھا۔ فارس مسلسل دائیں سے بائیں ٹہلتا شدید اضطراب کی حالت میں لگتا تھا۔

آتش دیوار سے لگا' اکڑوں بیٹھا' منہ میں کچھ چباتا اسے صبر سے دیکھتا رہا۔

"ایک نصیحت کی تھی تمہیں۔ دشمن پہ ترس نہ کھانا۔۔۔ تم نے وہی کیا۔ اگر نہ کیا ہوتا تو آج جیل میں نہ ہوتے۔" اس کا اشارہ اے ایس پی کی طرف تھا۔

"اس پہ نہیں' اس کے بچے پہ ترس آیا تھا مجھے اور زیادہ دماغ نہ خراب کرو میرا۔" سلاخوں تک آ کے رکا' دونوں ہاتھوں سے ان کو پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ چہرے پہ بے بسی اور آنکھوں میں غصہ تھا۔

"ایسے نہیں ٹوٹیں گی یہ۔ جب تم پہلی دفعہ جیل میں آئے تھے تب بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ بڑے عرصے بعد پرانا غازی نظر آیا ہے۔"

"پریشان ہوں میں۔" وہ وہاں کھڑا بے بسی بھری برہمی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ پیچھے زمین پہ بیٹھا آتش مسکرایا۔

"تم پریشان نہیں ہو' تم خوف زدہ ہو۔"

"ہاں میں خوف زدہ ہوں۔ وہ میری بہن کا بیٹا ہے۔ وہ بچہ ہے۔ وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پہلی دفعہ لگا ہے کہ وہ اسے مار دیں گے۔" پھر وہ تہیہ کر کے اس کی طرف گھوما۔ "مجھے یہاں سے نکالو۔ اپنے آدمیوں سے کہو' مجھے باہر لے جائیں۔ میں اسے وہاں سے نکال لاؤں گا۔"

"چچ چچ۔۔۔" آتش نے افسوس سے سر کو نفی میں ہلایا۔ "بہت عرصے بعد پرانا غازی نظر آیا ہے۔ کیا سکھایا تھا تمہیں جیل میں چار سال؟ وہ تمہارے ہاتھ قید کر سکتے ہیں' تمہارا دماغ نہیں۔ باہر نکل کر کیا کرو گے؟ خاندان کے ایک لڑکے کو بچانے جاؤ گے اور باقی عورتوں کو پیچھے تنہا چھوڑ جاؤ گے؟ پولیس کیا کرے گی تمہارے گھر والوں کے ساتھ' ہم دونوں کو علم ہے غازی۔۔۔ ہاتھوں سے مت سوچو۔۔۔ دماغ سے سوچو۔"

فارس بائیں ہاتھ سے کنپٹی مسلتا سر جھکائے کھڑا رہا' کتنی ہی دیر۔

"کہتے ہو تو تمہیں باہر نکال دیتا ہوں لیکن یہ عقل مندی نہیں ہوگی۔ دماغ سے سوچو' تم اس وقت اس

کے لیے کیا کر سکتے ہو؟"

فارس سلاخوں سے ماتھا ٹیکے' آنکھیں موندے کھڑا رہا۔ پھر اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ اس نے چہرہ اٹھایا۔ سنہری آنکھوں میں سوچ تھی۔ ٹھنڈی گہری سوچ۔

"شوکت کہاں ہوتا ہے آج کل؟" اس نے بدلی ہوئی' ٹھہری ہوئی آواز میں آتش سے اس کے ایک پرانے ساتھی کا پوچھا۔

"جہاں بھی ہے' تمہارا کام کل ہی کردے گا۔ بول کیا کام ہے؟" وہ دل سے خوش ہوا تھا۔ اسے پرانا غازی — پسند نہیں تھا۔ اسے یہ والا غازی پسند تھا۔

☼ ☼ ☼

کسے خبر کہ یہ خاک آگ زندہ ہو
ذرا سی دیر ٹھہر اور دیکھ بھال مجھے

سرما کے دھندلکوں میں انیکسی ڈوبی کھڑی تھی۔ حنین خوابیدہ چہرے کے ساتھ کچن کی گول میز پہ بیٹھی ناشتا کررہی تھی۔ وہ اب بھی فجر کے لیے نہیں اٹھتی تھی۔ الارم بھی نہیں لگاتی تھی۔ الارم کے باوجود نہ اٹھی تو۔۔۔؟ ڈر لگتا تھا مگر باقی کی چار نمازیں پڑھنے لگی تھی۔ ٹیچر نے کہا تھا کہ جس وقت بھی اٹھو' فجر پڑھ لو۔ وہ ساڑھے سات بجے فجر پڑھ لیتی تھی۔ قضا مگر اب گلٹ کم تھا۔ ناشتا کرتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر ادھر ادھر ایک سرسری نظر دوڑائی۔ زمر سیاہ کوٹ میں ملبوس ایک فائل پڑھتی چائے پی رہی تھی۔ بالکل منہمک سی۔ اسامہ اسکول یونیفارم میں جلدی جلدی ناشتا کررہا تھا۔ ندرت بھی تیزی سے کام سمیٹتی' ریسٹورنٹ جانے کی تیاری میں تھیں۔

ایک میں ہی ہوں نکمی اور ناکام! اس کا ڈپریشن بڑھنے لگا۔ سست روی سے لقمے زہر مار کرنے لگی۔ تب ہی بیل ہوئی۔ ندرت باہر کو لپکیں۔ حنین کو صداقت کی آواز سنائی دی تھی۔ (اسے گاؤں سے آج صبح واپس آنا تھا۔) وہ سر جھکائے کھاتی رہی۔ تب ہی اسامہ اس کے قریب کھسکا۔

"بھابھی آ نہیں رہی' بھابھی آگئی ہے۔" حنہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ دور سامنے داخلی دروازے پہ ندرت مسکرا کر صداقت اور اس کے ساتھ ایک لڑکی کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔ صداقت کی عمر کی (یعنی حنین سے چھوٹی) سانولی' دبلی پتلی' بالوں کی کس کر چوٹی کیے مگر تھوڑا سا سنہری زیور پہنے وہ گاؤں کی رہائشی لگتی تھی' صاف ستھری اور اچھی تھی۔

"حنہ۔ صداقت کی بیوی کا نام کیا ہوگا؟ امانت؟" سیم پھر اس کے کان میں گھسا۔

"اور ان کے بچوں کا خیانت۔۔۔ خباثت۔۔۔" دونوں بہن بھائی ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنسے۔ زمر نے نگاہ اٹھا کر ان کو دیکھا تو ان کی مسکراہٹ فوراً "سمٹ گئی۔

اس کا نام امانت نہیں تھا' حسینہ تھا۔ سیم نے تو خیر بمشکل ہنسی کا گلا گھونٹا مگر حنین کھانسی کے بہانے تھوڑا بہت ہنس گئی۔ خیر۔۔۔ سب نے اٹھ کر حسینہ بی بی کو خوش آمدید کہا۔ ندرت نے جانے سے پہلے اسے کچن دکھایا' کام سمجھایا۔ (اب آگئی ہے تو کیا نخرے اٹھانے۔ پہلے دن سے کام پہ لگے گی تو آگے عادت ہوگی۔) اور پھر یکے بعد دیگرے سب گھر سے رخصت ہوگئے۔

صداقت نیچے بڑے ابا کے کمرے میں چلا گیا اور حنین سائیں سائیں کرتے خاموش گھر میں ادھر ادھر ٹہلتی' بالآخر اوپر اپنے کمرے میں آگئی۔ ایک سست نظر در و دیوار پہ ڈالی۔ یہ کمرہ اتنا بکھرا بکھرا کیوں لگتا تھا؟ جیسے چیزوں کا رش لگا ہے مگر کہاں سے صفائی شروع کرے اور کون کرے؟"

کچھ دیر بور ہوتی رہی' پھر نیچے آئی تو حسینہ' کچن صاف کررہی تھی۔ لمحے بھر کو حنہ سیڑھیوں کے اختتام پہ ٹھہر گئی۔ کچن کاؤنٹر ابھی صاف نہیں کیا تھا اس نے۔۔۔ میلے برتن اکٹھے کرکے سنک میں رکھے تھے اور فرش پر جھاڑو لگائی تھی مگر کچن۔۔۔ وہ کچن جس کو وہ اس ایک ہفتے میں رگڑ رگڑ کر تھک گئی۔ وہ کچن یک دم چمکنے لگا تھا۔ صاف ستھرا' نکھرا نکھرا۔

وہ الجھی ہوئی سی اوپن کچن کے دہانے پہ آرکی۔

"یہ تم نے۔۔۔ کیسے صاف کیا؟" تذبذب سے بولی

تھی۔ ڈسٹ بن کا نیا شاپر لگاتی حسینہ مڑی اور مسکرا کر اسے دیکھا۔

"باجی' اللہ جنم رسید کرے میری پھپھی کو' بڑی ہی فتنہ عورت تھی وہ۔"

"اے... ایسے نہیں کہتے مرے ہوؤں کو..." وہ ڈپٹ کر بولی۔

"جی باجی مگر وہ پوری فوت نہیں ہوئی۔ بدروح اب بھی پورے گاؤں میں منڈلاتی ہے مگر ایک بات وہ ہمیشہ کہتی تھی کہ شانو... شانو مجھے پیار سے بلاتے ہیں... وہ کہتی تھی شانو جب تک کسی کمرے کے چاروں کونوں سے رگڑ رگڑ کر گند یا چیزیں نہ نکالی جائیں' تب تک کمرے کی لاکھ صفائی کرلو' صفائی نہیں لگے گی۔ فرش کے کونے صاف کیے میں نے اور اس شیلف (کاؤنٹر ٹاپ کے لیے گاؤں میں بولے جانے والا لفظ) کے کونوں میں رکھی ساری چیزیں اٹھالیں۔ باجی جب کونے خالی ہو جائیں تو صفائی ہوتی ہے۔ کونوں کو ہمیشہ خالی رکھنا چاہیے۔ اب دیکھیں نا باجی ہم ہیں گاؤں کے لوگ' مگر یہ باتیں صرف ہم ہی لوگ جانتے ہیں' ورنہ آج کل کے موئے کمپیوٹر تو یہ باتیں نہیں سکھا سکتے۔"

"ایک سوال کیا پوچھ لیا' تازہ تازہ اسلام آباد آئی مٹیارن کو اپنا احساس کمتری چھپانے اور رعب ڈالنے کا موقع مل گیا۔" عام حالات میں حنین بہت کچھ کہتی۔ (مثلاً "یہ صداقت گاؤں میں جا کر سب کو بتاتا ہے کہ مالکن کی بیٹی سارا وقت کمپیوٹر پہ بیٹھی رہتی ہے؟) مگر... اس حسینہ نے ایسی بات کہہ دی تھی جس نے حنہ کے دل کو ایک دم جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔"

"غلط... بالکل غلط..." وہ کسی خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔ "تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ کمپیوٹرز انسان کو کیا کچھ سکھا سکتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ فوراً واپس اوپر کو بھاگی' پھر رکی۔

"سنو... زیادہ باتیں نہ بنایا کرو' ہمارے گھر میں زیادہ بولنے والوں کو پسند نہیں کیا جاتا اور دھیان سے کام کرو۔" رعب سے ڈپٹ کر تیز تیز سیڑھیاں چڑھتی گئی۔ (حسینہ بڑبڑاتی ہوئی جھاڑو دینے لگی۔) اپنے اور ندرت کے کمرے میں آکر حنہ فرش پہ بیٹھی اور بیڈ پہ لیپ ٹاپ رکھ لیا۔ گوگل صاحب اپنا خالی چوکھٹا لیے مسکرا کر اس کو دیکھ رہے تھے۔

صداقت کی شادی کے دنوں میں جب اسے گھر صاف کرتے وقت اپنی غلطیاں سمجھ میں نہیں آتی تھیں تو سوچا امی سے پوچھے۔ (مگر امی ڈانٹیں گی کہ جب پہلے کہتی تھی' تب کیوں نہیں سنا؟) کبھی سوچا بڑے ابا کو فون کرے۔ (اونہوں... پھر تو ان کی اخلاقی فتح ہو جائے گی کہ پوتی نکمی ہے۔) کبھی خیال آیا... زمر (مگر یہاں انا آڑے آگئی۔) سیم سے پوچھنا اپنی بے عزتی کروانے کے مترادف تھا۔ صرف سعدی تھا جو سب کی سنتا' سب کی مدد کرتا تھا مگر سعدی نہیں تھا۔

لیکن گوگل بھی تو تھا۔ اس کا پرانا دوست۔

اس نے پوچھا۔ (کی بورڈ پہ انگلیاں چلاتے ہوئے) کیسے رکھا جائے اپنے کمرے کو صاف اور آرگنائزڈ؟

لمحے بھر میں جوابات نگاہوں کے سامنے چمکنے لگے تھے اور یہ پہلی دفعہ تھا جب حنین ذوالفقار یوسف خان نے وہ دنیا دریافت کی تھی جو گھر سے باہر نہیں تھی بلکہ وہ جو گھر کے اندر تھی۔

"صاف لڑکی وہ ہوتی ہے جو گند الماریوں میں نہ پھینکے' بلکہ ڈسٹ بن میں پھینکے۔" گوگل اسے سمجھا رہا تھا۔ "اپنی الماریوں سے شروع کرو۔ سارا سامان... اور سارے سے مراد ہے... سارے کا سارا سامان باہر نکالو... تین ڈبے بناؤ... ایک ردی کا... ایک خیرات کا اور ایک وہ جو تمہارا ہے۔" وہ شاید گھنٹہ بھر بالکل سن سی' یک ٹک پڑھتی رہی' پھر اس نے آستینیں اوپر چڑھائیں' کمر پہ دوپٹا کسا' بال باندھے۔ ایک عزم سے اپنے کمرے کو دیکھا۔ آنکھوں میں چمک لیے وہ اونچا سا بولی تھی۔

"میں اس ملک کی سب سے آرگنائزڈ لڑکی بننے جا رہی ہوں۔" (شکر ہے سیم نہیں تھا' ورنہ اتنا ہنستا کہ بس!)

حنین ہمیشہ سمجھتی تھی کہ سگھڑ لڑکیاں وہ ہوتی ہیں

جو چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی سنبھال کر رکھتی ہیں، جبکہ سنبھالنے کے لیے رکھی چیزوں میں سے اکثر۔۔۔ بے کار ہوتی ہیں۔ اس نے الماریاں خالی کیں، دراز الٹیں شیلف کا سامان بھی فرش پہ ڈھیر کیا۔ چیزیں۔۔۔ چیزیں۔۔۔ چیزیں۔۔۔ ہم بذات خود کتنی گندی میلی قوم ہیں۔ ردی سے الماریوں کو بھر کر رکھتے ہیں مگر اب مزید نہیں۔ گوگل نے کہا تھا۔ ہر وہ چیز جو تم نے پچھلے دو سال سے استعمال نہیں کی، وہ پھینکو۔ قابل استعمال چیز خیرات کر دو اور صرف ضرورت کی چیز واپس رکھو۔''

اس نے بھی تین ڈھیر بنانے شروع کیے۔ میک اپ کا ایکسپائرڈ پرانا سامان، پرانی چوڑیاں، پرانے کپڑے، کاغذ، کاپیاں، کتابیں، جوتے، سوکھے ہوئے قلم، خالی ڈبے۔ اف اتنا کباڑا۔۔۔ جب اس کے تینوں ڈھیر مکمل ہوئے اور وہ اٹھی تو کمر دکھ رہی تھی مگر حسینہ کو آواز نہ دی۔ (انا!) خود ہی کوڑے کو بڑے سیاہ شاپروں میں ڈالا اور باہر رکھ آئی۔ پرانے اخبار لا کر اپنی الماریوں میں بچھائے، شیلف صاف کیے۔ چیزیں درست کر کے جھاڑ کے رکھیں۔ دراز صاف اور ہلکے ہو گئے۔ جب ساری الماریاں اور دراز اندر سے صاف ہو چکے تو وہ جالوں والا ڈنڈا لائی، ہر کونے سے جالے صاف کیے۔ گوگل کہتا تھا۔ ''پھول جھاڑو سے دیواروں پہ بھی جھاڑو لگاؤ۔'' جو حکم۔۔۔ وہ بھی کیا۔ پھر گیلے اخبار سے شیشہ صاف کیا۔ گیلے کپڑے سے ڈسٹنگ کی۔ جھاڑو لگائی۔ صوفے اور پلنگ دھکیل دھکیل کر اور بالخصوص کونوں میں جھاڑو لگا دی۔ رگ کو ویکیوم کیا۔ فرش پہ موپ لگایا۔ (موپ دھونے کی ہمت نہیں تھی، وہ ایسے ہی کچن میں حسینہ کو دے آئی۔) اب (ٹوٹتی کمر کے ساتھ) واپس آ کر کمرہ دیکھا تو طمانیت کا احساس ہوا مگر ہاں۔۔۔ بیڈ شیٹ رہ گئی۔ جلدی سے اسے تبدیل کیا۔ اف سب اتنا نکھر گیا تھا۔ صاف چمکتا ہوا۔ گردن اٹھائی تو دل دھک سے رہ گیا۔ پنکھے پہ جالے تھے۔

''اوہ نو۔۔۔'' وہ کمر پہ ہاتھ رکھ کر کراہی تھی۔ اب اگر اوپر جالوں والی جھاڑو ماری تو سارے کمرے کی صفائی کا بیڑہ غرق ہو جاتا تھا، کیا کرے؟ دوڑ کر گوگل سے پوچھا۔ جواب پا کر سکھ کا سانس لیا۔ کمرے کے وسط میں میز کھینچ کر رکھی، اوپر اسٹول رکھا اور پرانا تکیے کا کور لیے اوپر چڑھی۔ ایک ایک پر پہ باری باری کور چڑھایا اور رگڑ کر جالے اس کے اندر اتار لیے۔ پنکھا گزارے لائق صاف ہو گیا۔ جالے نیچے بھی نہیں گرے۔

اب جب نیچے کھڑے ہوئے حنین نے گردن گھما گھما کر اپنے کمرے کو دیکھا تو دل میں سکون سا بھر گیا۔ ایک تشفی کا احساس تھا کہ یہ کمرہ اندر تک، الماری کے دروازوں اور نہاں خانوں تک صاف ستھرا ہے۔ صفائی کا احساس۔ طمانیت۔ انمول ہوتی ہے۔

اس سارے میں اس کی حالت شدید دگرگوں ہو چکی تھی مگر وہ خوش تھی۔ بے حد خوش۔ صاف استری شدہ کپڑے نکالے۔ نہا دھو، بال برش کر کے، پرفیوم لگا کے نماز پڑھی، نیچے جا کر کھانا کھایا اور پھر کمرے میں آ کر کمبل تان کر سو گئی۔ بڑی ہی میٹھی نیند تھی جو اس وقت اسے آئی تھی۔

حنین کی آنکھ باتوں کی آواز سے کھلی تھی۔ بمشکل اس نے آنکھیں کھولیں اور کمبل ہٹا کر دیکھا۔ مغرب ہو چکی تھی اور کمرے کی بتیاں جلی تھیں۔ وہاں اسامہ اور ندرت کھڑے زمر سے بات کر رہے تھے جو کوٹ اور پرس اٹھائے چوکھٹ میں کھڑی ستائشی انداز میں کہہ رہی تھی۔

''واقعی بھابھی، اس نے آج بہت کام کیا ہے۔ آپ کا کمرہ تو چمک رہا ہے۔'' حنین نے پلکیں جھپکیں۔ کہنی کے بل اٹھی۔ (کمر ابھی تک اکڑی ہوئی تھی۔)

''پنکھا، لائٹس، ہر شے صاف کی ہے۔ الماریاں تک جھاڑی ہیں۔'' ندرت کی آواز میں ستائش تھی۔ حنہ خوابیدہ آنکھوں اور لبوں پہ معصوم مسکراہٹ کے ساتھ اٹھ بیٹھی۔ دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ ادھر اسامہ کہہ رہا تھا۔

''واہ امی۔ یہ صداقت بھائی کی بیوی تو بہت اچھا کام کرتی ہے۔''

حنین کا منہ کھل گیا۔ وہ یک دم بالکل شل ہو گئی۔ زمر نے اسے اٹھتے دیکھ لیا تھا۔ تب ہی پکارا۔ ''حنین،

تم نے اپنی نگرانی میں اس سے صفائی کروائی تھی نا؟ ویسے صداقت سے کہیں زیادہ سلیقہ شعار ہے یہ لڑکی۔ آئی ایم امپریسڈ!"

حنین کے اوپر سے گویا ٹرک گزر گیا تھا۔ وہ سب اب بار بار حسینہ کی تعریف کر رہے تھے۔ ڈھیروں آنسو حنہ کے حلق میں جمع ہوئے۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ وہ ایک دم سے رخ موڑ کر کمبل تان کر واپس لیٹ گئی۔ اگر اس وقت وہ دفاع میں ایک لفظ بھی کہتی تو اسے پتا تھا وہ رونے لگ جاتی۔ سو کمبل کے اندر خود کو چھپا لیا۔

☆ ☆ ☆

کہاں سے لائیں بھلا ہم جواز ہم سفری
تجھے عزیز ترے خواب' اپنا حال مجھے

اس چمکیلی مگر ٹھنڈی دوپہر' آبدار عبید اپنی رہائش گاہ کے گیٹ سے کار نکال رہی تھی جب ٹھٹک کر رکی۔ ایک شخص وہاں منتظر سا کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ میں ایک ڈبہ پکڑ رکھا تھا جسے لہراتے ہوئے وہ کار تک آیا۔ آبی رکی' مگر شیشہ نہیں کھولا۔ اس نے قریب آکر ڈبہ دکھایا۔ اوپر فارس غازی کا نام لکھا تھا۔ آبدار نے تیزی سے بیلٹ کھولی اور باہر نکلی۔ گیٹ پہ مامور گارڈز اس طرف آنے لگے مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر ان کو پلٹ جانے کا اشارہ کیا اور خود اس شخص کی طرف مڑی۔

"یہ فارس غازی نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔"

اس نے ڈبہ بڑھایا۔ آبی نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ڈبہ تھاما۔ وہ فوراً" پلٹ کر اپنی موٹر سائیکل کی طرف چلا گیا۔

کچھ دیر بعد وہ وہاں سے دور' ایک اسپتال کے پارکنگ ایریا میں کار روکے' اندر بیٹھی تھی۔ اور ڈبہ کھلا پڑا تھا۔ اندر ایک لکڑی کا چھوٹا سا پین کیس تھا' اور اوپر ایک چٹ رکھی تھی جس پر ایک نمبر درج تھا۔ وہ سوچتی رہی۔ اس نے موبائل نکالا اور وہ نمبر ڈائل کیا۔

پہلی گھنٹی پہ کال مل گئی تھی۔ بھاری مگر دھیمی مردانہ آواز سنائی دی تھی۔

"میرا پارسل مل گیا؟" آبدار کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

"کیا آپ کی جیل میں پانچ کلو میٹر تک موبائل جیمرز نہیں لگے ہوتے؟"

"ہمیں جیمرز کو دھوکا دینے کے سو طریقے آتے ہیں۔ کیسی ہیں آپ؟"

"کنفیوز ہوں۔ اس پین کا کیا کروں؟" اس نے لکڑی کا کیس کھولا۔ اندر پلاسٹک میں لپٹا سنہری قلم رکھا تھا۔ وہ بال پین تھا جس کو پیچھے سے دبانے پہ نب باہر نکلتی تھی۔

"اسے مت چھوئیں۔" وہ جلدی سے بولا تھا۔ "اس میں سائنائڈ ہے۔ زہر۔"

آبدار نے جلدی سے کیس بند کیا۔ خوب صورت پیشانی پہ لکیریں ابھریں۔ "میں اس کا کیا کروں؟"

"یہ اسے دینا ہے۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"وہ اس کا کیا کرے گا؟"

"دفاع از خویشتن!" (دفاع ذات!)

"آپ تو فارسی بھی بولتے ہیں۔" مگر پھر وہ برہم ہوئی۔ "میں اپنے باپ کو دھوکا دوں' ہاشم سے دغا کروں' بین الاقوامی قوانین توڑوں اور سیکورٹی کو بائی پاس کر کے یہ قلم اس تک پہنچاؤں' یہ کرنے کا حکم دے رہے ہیں آپ مجھے؟"

"میں صرف درخواست کر رہا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا تھا۔ اپنی بیرک میں دیوار سے لگا کھڑا' وہ آستین موڑے' فون کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ اب برہمی' غصہ' بے بسی' سب مفقود تھا۔ وہ بالکل پرسکون تھا۔

آبدار کے تنے نقوش پھر سے ڈھیلے پڑے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ مسکرا دی۔

"اور میں یہ کیوں کروں گی؟"

"بدلے میں' میں بھی آپ کے لیے کچھ کروں گا۔"

"مثلاً" کیا؟" وہ شرارت سے نچلا لب دبا کر بولی۔

"جو آپ کہیں۔" وہ بھی مسکرایا تھا۔

"آپ میرے ساتھ چائے پئیں گے؟" کہہ کر اس

نے بے اختیار دانتوں تلے زبان دبائی اور خفت سے آنکھیں میچیں۔ بیرک میں کھڑے فارس کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔
"چائے؟؟"
"دو دفعہ انکار کیا آپ نے چائے کے لیے۔ ایک تب جب آپ پہلی دفعہ ادھر آئے اور ایک تب جب ہم ایس ایچ او صاحب کے کمرے میں ملے تھے۔"
وہ ہولے سے ہنسا۔ سر جھکائے' نفی میں گردن جھٹکی اور جوتے سے زمین کو مسلتے بولا۔
"میں شادی شدہ آدمی ہوں' آبدار بی بی!"
"پھر تو آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔" وہ ترنت بولی۔
"اوکے... میں آپ کے ساتھ چائے پیوں گا' اگر میں باہر آیا تو۔ مگر آپ یہ اس کو دے دیں گی۔" فارس نے نرمی سے یاد کرایا۔
"لیکن جب میں اس سے مل لوں گی تو فصیح کو دیا وقت ختم ہو جائے گا اور وہ اس کو مار دے گا۔"
"جو میں کہہ رہا ہوں' آپ وہی کریں۔" اس کی آواز سنجیدہ اور بے لچک تھی۔ آبی نے مسکرا کر شانے اچکائے۔
"آپ کو اچھا لگتا ہے یہ کرنا؟"
"کیا کرنا؟"
"جیل میں بیٹھ کر' خود مقید رہ کر بھی' ہم سب کو کنٹرول کرنا۔"
"میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ شرافت سے قید کے دن کاٹ رہا ہوں۔" وہ سادگی سے بولا۔ لبوں پہ مسکراہٹ پھر سے در آئی تھی۔
آبی مسکرا دی۔ "میں اس جیل صرف اس لیے گئی تھی کیونکہ میں وہ جگہ دیکھنا چاہتی تھی۔ دوبارہ کبھی میں ادھر نہیں جانا چاہتی تھی' مگر.... (ٹھنڈی سانس بھری) آپ کے لیے میں یہ کر لوں گی۔" وہ فون بند کرنے لگی تب اس نے پکارا۔
"آبدار۔" وہ ٹھہری۔
"تھینک یو!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

آبدار عبید کو نہیں معلوم وہ کیوں مسکرا رہی تھی' مگر وہ مسکرا رہی تھی۔ ایک دم سے ساری دنیا خوب صورت لگنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

شہر آباد کر کے شہر کے لوگ
اپنے اندر بکھرتے جاتے ہیں

دوپہر کی نرم سنہری کرنیں قصر کاردار کی اونچی کھڑکیوں سے چھن چھن کر اندر گر رہی تھیں۔ لاؤنج میں کنارے پہ' کھڑکی کے آگے شاہانہ کرسی پہ بیٹھی جواہرات کروفر سے ناک سے مکھی اڑا کر بولی تھی۔
"اور بھی کچھ کہہ رہے تھے تم؟"
"آپ کا اس ہفتے ایک فوٹو آپس ---- کرنا ہے۔ زلزلہ متاثرین کے ساتھ۔" وہ ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا اپنے سیل فون پہ کچھ چیک کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"احمر! کیا یہ بہت مصنوعی نہیں لگے گا؟"
"مسز کاردار! سب کو معلوم ہے کہ فوٹو آپس جھوٹ اور بکواس ہوتے ہیں' لیکن اس جھوٹ کو پیش کرنے کے لیے مہارت ہونی چاہیے۔ جو جتنا اچھا جھوٹ بولتا ہے اس کا فوٹو اوپ اتنا ہٹ جاتا ہے۔ اسی لیے آپ نے مجھے ہائر کیا ہے نا۔ سو مجھے اپنا کام کرنے دیں۔" وہ تحمل سے کہہ رہا تھا۔ جواہرات نے جواباً" ہاتھ بڑھا کر اس کا شانہ تھپکا۔ "جو تم کہو۔"
لاؤنج کے ان ڈور پلانٹ کو پانی دیتی فیونا نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر وہ منظر دیکھا اور پھر ناخوشی سے ناک سکیڑتی واپس کام کرنے لگی۔ وہ جواہرات کا اب صرف پی آر او نہیں تھا۔ نہ ہی وہ صرف اس کا امیج کنسلٹنٹ رہا تھا۔ وہ اس کا "باڈی مین" بنتا جا رہا تھا۔
باہر لان میں کار رکی' دروازے کھلے اور ہاشم کاردار کوٹ کا بٹن بند کرتا باہر آتا دکھائی دیا۔ وہ آنکھیں سامنے اونچے قصر پہ جمائے' چہرے پہ سختی اور برہمی طاری کیے' ساتھ نکلتے رئیس سے بات کر رہا تھا۔
"یہ میں جانتا ہوں کہ وہ بیٹے کی ضمانت کے لیے

واقعی کورٹ گیا تھا۔ مزید کیا معلوم ہو سکا ہے۔"

"سر! فاطمی نے پچھلے تین ماہ میں چار دفعہ ہمارے جاننے والے ایک کوریئر کے ذریعے کرنسی باہر لانڈر کروائی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے اثاثے باہر منتقل کر رہا ہے۔ وہ اپنی بیٹی کے نام پہ ایک گھر بھی بارسلونا میں قسطوں میں خرید رہا ہے۔"

"اچھا۔" وہ پتھریلے تاثرات کے ساتھ سنتا برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ رئیس اس سے ایک قدم پیچھے تھا۔

"کیا اس سے بات کریں گے آپ؟"

"تمہاری جگہ خاور ہوتا تو یہ کبھی نہ پوچھتا۔" وہ کہہ کر لمحے کو رکا، پھر سر جھٹک کر اوپر چڑھتا گیا۔ "ابھی اس پہ نظر رکھو۔ صرف نظر۔"

وہ اندر آیا اور بس ایک سرسری نظر ماں اور اس کے باڈی مین پہ ڈال کر اوپر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جب فریش ہو کر شرٹ اور ٹراؤزرز میں ملبوس، آرام دہ حلیے میں نیچے آیا تو جواہرات تنہا بیٹھی تھی۔ وہ احمر کی چھوڑی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

"آپ نے کال کی تھی۔ کوئی اہم بات تھی؟"

"ہوں۔" جواہرات نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ خاور والے سارے مسئلے کے بہت دن بعد، وہ بالآخر ذہنی طور پہ پرسکون ہوتا نظر آ رہا تھا۔ جواہرات نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھپکا۔

"ہاشم... شہری اور تمہاری ڈائیوورس کو دو سال ہونے کو آئے ہیں۔ سعدی، خاور، وہ سارے مسئلے بھی حل ہو گئے ہیں۔ فارس بھی قصہ پارینہ ہو گیا۔ اب آگے بڑھنے کا وقت ہے۔ نئی زندگی شروع کرنے کا وقت ہے۔"

"آپ چاہتی ہیں کہ میں شادی کر لوں۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"بالکل۔ اور اب تمہیں جلد فیصلہ کرنا ہو گا۔ مجھ سے مسز شائستہ ذکی نے کہا ہے کہ ان کے بیٹے کے لیے ہارون کو پیغام بھجواؤں۔ اگر ہارون انٹرسٹڈ ہوا تو مسز شائستہ ذکی باقاعدہ پرپوزل دیں گی۔ لیکن اگر تم آبی میں دلچسپی رکھتے ہو تو کوئی فیصلہ کر لو۔" وہ کہنے کے ساتھ نرمی سے اس کے ہاتھ کو تھپک بھی رہی تھی۔

ہاشم نے گہری سانس لے کر تنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے۔ وہ بولا کچھ نہیں، مگر چہرے پہ سب لکھا تھا۔

"میں دیکھ سکتی ہوں کہ آبی کے لیے کسی اور کا پرپوزل آتا دیکھ کر تم ڈسٹرب ہوئے ہو، اس لیے... فیصلہ کر لو۔" ہاشم نے نظر اٹھا کر جواہرات کو دیکھا اور ذرا سا مسکرایا۔

"واقعی... اب آگے بڑھنے کا وقت ہے۔"

سیڑھیوں کے اوپر... کمرے کے آگے بنی ریلنگ پہ کھڑے نوشیرواں کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔ آبدار؟ وہی آبدار؟ وہ شدید ناخوش نظر آنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

تمام خانہ بدوشوں میں مشترک ہے یہ بات
سب اپنے اپنے گھروں کو پلٹ کے دیکھتے ہیں

اس روز سردی کچھ زیادہ ہی تھی۔ کمرۂ عدالت میں ہیٹر چل رہا تھا۔ زمر سرخ پڑتی ناک کے ساتھ اپنی میز پہ بیٹھی گواہ کے بیان کو سنتی کاغذ پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ بخار کی حدت سے گلابی پڑ رہا تھا۔ آنکھوں تلے حلقے تھے۔ فارس گاہے بگاہے نظر اٹھا کر اس کو دیکھتا تھا۔ وہ گو کہ پہلے کی طرح پرسکون تھا مگر اس کو دیکھتے ہوئے آنکھوں میں فکرمندی در آتی تھی۔ ذرا سا اس کی طرف جھک کر بولا۔

"طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو سماعت میں نہ آتیں۔ اگلی تاریخ کا انتظار کر لیتیں۔"

زمر نے ملامتی نظروں سے اسے دیکھا۔ "مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تمہاری روز روز شکل دیکھنے کا۔ مگر جو تمہارے گھر والے ہیں نا، وہ بہت پریشان ہیں۔ چاہتے ہیں تم جلد رہا ہو جاؤ۔ تمہاری تو عادت ہے جیل جانا۔ تمہیں فرق نہیں پڑتا لیکن ان کو پڑتا ہے۔"

فارس نے سکون سے اس کی بات سنی۔ "وہ میری گرل فرینڈ نہیں تھی۔"

"جیسے مجھے بہت فرق پڑتا ہے۔" سر جھٹک کر وہ کٹہرے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ مسکراہٹ دبائے خاموش ہو گیا۔

کٹہرے میں اب کی بار ایک درمیانی عمر کی عورت کھڑی تھی۔ سانولا مگر سنجیدہ چہرہ' نفیس لباس اور اٹھی ہوئی گردن۔ اس کے سامنے کھڑا پراسیکیوٹر سوال کر رہا تھا۔

"مقتول۔۔۔ یعنی آپ کے شوہر۔۔۔ قمرالدین صاحب۔۔۔ فارس غازی کا ذکر آپ سے کرتے تھے؟"

"جی۔"

"آب جیکشن یور آنر۔ heresay ۔ (سنی سنائی بات)۔" زمر نے بے زاری سے آواز بلند کی' ساتھ ہی زکام زدہ سانس ناک سُڑک کر اندر کھینچی۔

"یور آنر' مقتول کی بات کی اہمیت سے دفاع کیسے انکار کر سکتا ہے۔"

"اوور رولڈ!" جج نے پراسیکیوٹر کی پوری بات سننے کی زحمت بھی نہ کی اور ناگواری سے زمر کا اعتراض رد کیا۔ وہ شدید کینہ پرور نظروں سے ان کو دیکھتی رہی۔ فارس بار بار ایک خاموش نظر اس پہ ڈالتا تھا۔

"جی وہ اکثر فارس غازی کا ذکر کرتے تھے۔" اب وہ فارس اور اس کی دشمنی کے متعلق کورٹ کو آگاہ کر رہی تھی۔ زمر سر جھکائے کچھ لکھتے ہوئے سنتی رہی۔ اپنی باری آنے پہ وہ اٹھی اور اتنے ہی برے موڈ کے ساتھ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"مسز قمرالدین۔۔۔ مقتول چند دکانوں کے مالک تھے' اچھا خاصا پیسہ چھوڑ کر گئے ہیں۔ ان کی موت کے بعد وہ پیسہ کس کو ملا ہے؟"

"وہ شرعاً" تقسیم کیا گیا ہے۔" خاتون سنجیدگی اور بردباری سے بولی۔

"چونکہ آپ کے کوئی اولاد نہیں ہے تو وہ رقم آپ کے اور مقتول کی بہن کے حصے میں آئی ہو گی۔"

"جی ہاں۔"

"مقتول کی بہن کے شوہر آپ کے بھائی ہیں۔ وہ پچھلے ماہ گواہی دینے کے لیے آئے تھے۔ وہ مقتول کے سالے اور بہنوئی' دونوں ہیں۔ کیا یہ درست ہے کہ آپ کی وٹے سٹے کی شادی تھی؟"

"جی۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قمرالدین صاحب کی تمام پراپرٹی آپ کو اور آپ کے بھائی کو ملی ہے۔" سمجھنے والے انداز میں سر ہلاتے ہوئے زمر نے سادگی سے پوچھا۔

"آب جیکشن یور آنر!" پراسیکیوٹر تیزی سے اٹھا۔

"سٹینڈ!" جج صاحب نے تنبیہہ بھری نظر زمر پہ ڈالی۔

"مسز قمرالدین۔" وہ گہری سانس لے کر اس کی طرف گھومی۔ "کیا آپ کا اور قمرالدین صاحب کا کوئی جوائنٹ بینک اکاؤنٹ ہے؟"

"جی' ہے۔" وہ چونکی تھی۔

"اور کیا جن دنوں قمرالدین صاحب جیل میں تھے' آپ نے ایک خطیر رقم نکلوا کر اپنے بھائی کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کی تھی؟" اس نے چند کاغذات باری باری جج اور پراسیکیوٹر کے سامنے رکھے اور ایک کاپی گواہ کو تھمائی۔ خاتون ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

"مسز قمرالدین۔۔۔ کیا یہ درست ہے کہ جب قمرالدین کو اس خطیر رقم کے ٹرانسفر کا علم ہوا تو بینک آفس میں بیٹھے انہوں نے آپ کے بھائی کے ساتھ جھگڑا کیا؟"

"جی۔ درست ہے۔" نگاہیں جھکائے وہ بولی۔

"اور اس جھگڑے میں آپ کے بھائی نے قمرالدین صاحب کو شدید برا بھلا کہا۔ اور اس جھگڑے کے ڈیڑھ ماہ بعد قمرالدین صاحب کا قتل ہو گیا۔ کیا یہ درست ہے؟"

"جی۔" وہ دھیرے سے بولی۔ نگاہیں بدستور جھکی تھیں۔

"مجھے مزید کوئی سوال نہیں پوچھنا۔" وہ کورٹ کو ایک اور suspect دے کر آرام سے مڑ کر اپنی کرسی کی طرف چلی آئی تھی اور پہلے سے بہتر نظر آ رہی

تھی۔ البتہ فارس نے ہلکے سے سرگوشی کی۔
"پراسیکیوٹر نے آپ جیکٹ نہیں کیا۔"
زمر چونکی۔ فارس تیکھی نظروں سے پراسیکیوٹر کو دیکھ رہا تھا جو سارا وقت خاموش بیٹھا رہا تھا اور اب گواہ کو re-exmine کرنے اٹھ رہا تھا۔ ایک دم سے زمر کو احساس ہوا' خرابیٔ طبیعت کے باعث آج اس کا دماغ ٹھیک سے کام نہیں کر رہا۔
"مسز قمرالدین۔" وہ اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔
"آپ نے وہ رقم کیوں نکلوائی تھی؟"
زمر ابرو اکٹھے کیے آگے ہو کر بیٹھی۔
خاتون خاموش رہی۔
"مسز قمرالدین اگر آپ جواب نہیں دیں گی تو فاضل عدالت کے سامنے آپ کا اور آپ کے بھائی کا کردار مشکوک ہو جائے گا۔"
"میں..." وہ رکی۔ "ایک سال پہلے مجھے بریسٹ کینسر ڈائیگنوز کیا گیا تھا۔ یہ رقم اس کے علاج اور سرجری کے لیے نکلوائی تھی میں نے۔ قمرالدین صاحب کو پریشانی سے بچانے کے لیے لاعلم رکھا تھا۔ میرا بھائی ہر لمحے میرے ساتھ رہا تھا۔" نگاہیں جھکائے وہ بولی تو آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔
زمر نے کراہ کر آنکھیں میچ لیں۔ پراسیکیوٹر اب اس کی میڈیکل رپورٹس عدالت میں جمع کرا رہا تھا۔ پھر مڑ کر فاتحانہ انداز میں زمر کو دیکھا۔
"کیا آپ ری کراس کرنا چاہیں گی گواہ کو؟"
"نو تھینکس۔" وہ تلخی سے کہہ کر کاغذ پہ لکیریں کھینچنے لگی۔ فارس نے دیکھا' وہ صرف تکونیں بنا رہی تھی۔ آج کا دن اس کے لیے بہت برا ثابت ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆
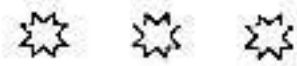
یقین حرف دعا' بے یقین موسم میں
بہت کٹھن تھا بچانا مگر بچایا ہے

ہوٹل کے کچن کی ویران بڑی پینٹری کے دروازے سے اندر جانے کی بعد فصیح آبدار کو راہداری میں آگے لے آیا۔ ایک سیکورٹی چیک پوائنٹ پہ وہ رکا۔

"مس! آپ اپنا پرس' سیل فون' کچھ بھی نیچے نہیں لے جاسکتیں۔ میں معذرت خواہ ہوں' مگر ہارون صاحب آپ پہ بھی بھروسا نہیں کرتے۔"
سفید لمبا سوئیٹر پہنے اور سرخ اسکارف میں ملبوس آبی نے ایک چبھتی ہوئی نظر اس پہ ڈالی اور میز پہ اپنا پرس الٹ دیا۔ چابیاں' قلم' موبائل' لپ اسٹک۔ کریڈٹ کارڈ۔ سب کچھ میز پہ گرا تھا۔ اب وہ ہاتھوں سے انگوٹھیاں اتارنے لگی۔
فصیح شرمندہ ہو کر "نہیں' اس کی خیر ہے۔" کہنے لگا مگر آبدار نے اسی خاموشی سے انگوٹھیاں میز پہ پٹخیں' کڑا اتارا۔ گھڑی کھول کر وہاں رکھی۔ اسکارف تلے ہاتھ ڈال کر چین نوچ کر اتاری۔ دوبارہ اسکارف تلے ہاتھ ڈالا اور اب سر کی پن اتاری۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھائے۔ "کیا تمہاری تسلی ہو گئی کہ اب میں کلیئر ہوں؟" اور واک تھرو گیٹ سے گزری۔ کوئی سائرن نہیں بجا۔ وہ ہر دھات سے پاک تھی۔ پھر مڑی اور ان ہی خشمگیں نگاہوں سے فصیح کو دیکھتے ہوئے بولی۔
"اب اگر تمہاری اجازت ہو تو میں اس کا انٹرویو نوٹ کرنے کے لیے نوٹ بک اور پین اٹھالوں؟" کہتے ہوئے اپنی چیزوں کی طرف اشارہ کیا۔
"آف کورس' مس!"
آبی نے اسی برے موڈ سے نوٹ بک اٹھائی' سنہری پین اٹھایا اور پھر اس کی طرف بڑھایا۔ "ان کو بھی چیک کرلو تاکہ کل کو اگر وہ بھاگ جائے تو تم مجھ پہ الزام نہ دھر سکو۔ لو' چیک کرلو۔"
"میں صرف حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔ آئی ایم سوری۔" سینے پہ ہاتھ رکھے' سر کو خم دے کر بولا اور آگے بڑھ گیا۔ آبی قلم اور نوٹ بک پکڑے اس کے پیچھے ہولی۔
جب سعدی یوسف کو اس کے سامنے لا بٹھایا گیا تو وہ سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ سعدی بھی خاموش مگر اکھڑا اکھڑا سا لگتا تھا۔ وہی سفید شرٹ پہنے جواب ڈھل ڈھل کر بے رنگ ہو چکی تھی' وہ ابرو بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ خاموش' بالکل چپ۔ فصیح آبدار کے پیچھے کھڑا

ہوا تھا۔

"مجھے تمہارے Near Death Experience (قرب مرگ کا تجربہ) کے بارے میں چند سوال کرنے ہیں۔" خشک لہجے میں کہتے ہوئے اس نے نوٹ بک کھول کر قلم اس پہ جمایا اور پیچھے سے دبایا۔ نب نکل آئی اور اس نے بک پہ چند الفاظ لکھے۔ پھر اس کی خاموشی محسوس کر کے سر اٹھایا۔

"مجھے ہاشم سے بات کرنی ہے۔ یہاں کوئی میری اس سے بات نہیں کروا رہا۔ یہ کہتے ہیں اس کا فون آف ہے۔" ساتھ ہی ایک کٹیلی نظر پیچھے کھڑے فصیح پہ ڈالی۔

آبدار نے گہری سانس لی اور نگاہیں اس پہ جمائے رکھے بولی۔ "تمہاری سرجری کے دوران' خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے' تمہاری طبی موت ہو چکی تھی۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ اس دوران تم نے کیا محسوس کیا؟"

"یہ لوگ مجھے مار دیں گے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے چینی مگر ضبط سے بولا تھا۔ "ہاشم کو بتاؤ کہ یہ مجھے مار دیں گے۔"

"تم نے کیا دیکھا؟ کوئی خواب؟ کوئی چہرہ؟ یا کوئی ایسا سفر جو تم بیان نہ کر سکتے ہو؟"

"تم میری مدد کرو گی یا نہیں؟" وہ سن رہی تھی۔ وہ اب کے بولا تو آواز بلند تھی۔ چہرے پہ دکھ تھا۔

"میں... نیوٹرل ہوں۔" اس نے کلک کے ساتھ پین بند کر دیا۔ اور نوٹ بک پہ رکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔

"ایک گھنٹے بعد میری فلائٹ ہے۔ میں مزید تمہاری باتیں برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر کچھ یاد آجائے تو اس پہ لکھ دینا اور کسی گارڈ کو دے دینا' وہ مجھ تک پہنچا دے گا۔"

فصیح آبی کی پشت پہ کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے آبی نے ابرو سے قلم کی طرف اشارہ کیا' گویا التجا کی کہ اسے پکڑ لو۔ سعدی نے لمحے بھر کا تامل کیے بغیر قلم اور نوٹ بک تھام لی۔ پھر باری باری ان دونوں کے چہروں کو دیکھا۔ آبدار سنجیدہ سی اٹھ گئی۔

"چلو فصیح! اگر زیادہ دیر ٹھہری تو مجھے تمہارے قیدی پہ ترس آجائے گا۔" بے نیازی سے کہہ کر وہ باہر جانے لگی' تب فصیح رکا۔

"ایک منٹ مجھے اس کو چیک کرنے دو۔" وہ سعدی کی طرف بڑھا۔ آبی منجمد ہو گئی۔ سانس تک رک گیا۔

فصیح نے سعدی کے ہاتھ سے نوٹ بک لی اور اسے کھولا۔ اچھی طرح کھنگالا۔ صفحے پلٹے۔ ان کو سونگھا۔ (کوئی نادیدہ انک ہو شاید۔) پھر مطمئن ہو کر بک واپس کر دی اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ آبی کی جان میں جان آئی۔

فصیح کو اس پہ شک نہیں تھا کیونکہ یہ پہلی دفعہ نہیں تھا جب آبدار اپنے کسی مریض کو نوٹ بک اور قلم دے آئی تھی۔ فصیح اس کے ساتھ کئی دفعہ ایسا ہی منظر دیکھ چکا تھا جب مریض بتانے سے زیادہ لکھنا پسند کرتے تھے۔ بعد میں وہ فصیح کو نوٹ بک واپس لانے کے لیے بھیجتی تھی۔ اب بھی باہر راہداری میں آگے بڑھتے ہوئے اس نے فصیح سے کہا تھا۔

"جب وہ مر جائے تو میری نوٹ بک واپس لے آنا۔"

اور اندر اپنے خالی کمرے میں بیٹھا سعدی دیوانہ وار نوٹ بک کے صفحے پلٹتا رہا تھا۔ وہاں آبی کے نوٹ کردہ چند NDEs لکھے تھے۔ سعدی بے قراری سے ان الفاظ میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ کوئی پیغام' کوئی کوڈ۔ جبکہ سنہری چمکتا ہوا پین لاپروائی سے میز پہ رکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

شکیب اپنے تعارف کے لیے یہی بات کافی ہے
ہم اس سے بچ کے چلتے ہیں جو رستہ عام ہو جائے

قصر کاردار کی انیکسی میں اس صبح شور و غل برپا تھا۔ صداقت کام ختم کر کے اپنے کوارٹر میں پڑا جاتا تھا' آج

بھی باہر تھا۔ حسینہ فارغ سی لاؤنج میں چوکی کھینچ کر بیٹھی گاہے بگاہے کچن کو دیکھتی اور ادھر ادھر سلگتی ندرت بھی تو کچن کو ہی انگارہ آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر ہول رہی تھیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا' حنین کو کچا چباجائیں۔

حسینہ سمیت سب کو وہاں سے نکال کر وہ اوپن کچن میں کاؤنٹر ٹاپ کے اوپر چڑھی کھڑی تھی۔ آستینیں چڑھائے' دوپٹا کسے' بال باندھے' وہ کچن کو de-clutter کررہی تھی۔ گندگی سے پاک۔

جب ندرت کو معلوم ہوا تھا کہ اپنا کمرہ حنین نے خود صاف کیا تھا تو کافی خوش ہوئیں۔ حیران بھی۔ جتایا بھی (آج کہاں سے خیال آگیا؟) مگر چلو اچھا ہے۔ اس کو بھی احساس ہوا گھر داری کا۔ یہاں تک ٹھیک تھا مگر جب آہستہ آہستہ درازکھلنے پہ معلوم ہوا کہ...... آدھے سے زیادہ سامان حنین بی بی گھر سے باہر کرچکی ہیں تو ندرت پہلے پریشان پھر غصہ ہوئیں۔ حالانکہ حنین نے کام کی کوئی چیز نہیں پھینکی تھی مگر وہ ماؤں والی عادت کہ انیس سو ستر کی دہائی کی بھی سوئیاں' دھاگے سنبھال کر رکھیں گی کہ شاید قیامت سے پہلے بھی کام آجائیں۔

چلو یہاں تک بھی ٹھیک تھا' مگر جب وہ پچھلے دو ہفتوں کے دوران باری باری ہر کمرہ (ماسوائے زمر کے کمرے کے) صاف کرنے لگی تو ندرت کو غصہ آنے لگا اور آج صبح جب اس نے کچن میں قدم رکھا' یعنی کہ ان سب کو باہر نکالا تو ندرت ذوالفقار خان کے لیے مزید برداشت کرنا ناممکن ہوگیا۔

"ہر چیز ہلادوگی پھینک دوگی' وہ کیبنٹ کیوں کھول رہی ہو؟ اف یہ مسالوں کے ڈبے کیوں نکال رہی ہو؟" وہ وہیں بیٹھے ہوئے بار بار پریشانی سے اسے پکارتیں (حنہ کا اتنا رعب تو تھا کہ منع کردیا تو اب کچن میں نہیں جانا۔)

مگر حنین پر سکون تھی۔ گھٹنوں کے بل کاؤنٹر ٹاپ پہ بیٹھی' اوپری کیبنٹ سے چیزیں نکال کر کاؤنٹر پہ رکھ رہی تھی۔

"میں کوئی بھی کام کی چیز نہیں پھینکوں گی امی! صرف ایکسپائرڈ مسالے کے پیکٹ نکال رہی ہوں۔ شیشوں والے مسالے نکال کر' شیشیاں دھو کر' سکھا کر واپس ڈال دوں گی۔ اندر رکھے سارے برتن دھونے ہیں۔ صاف کرنا ہے۔ پھر صاف اخبار بچھا کر' ہر چیز سیٹ کرکے رکھنی ہے۔"

"ہاں بھئی ماں تو پھوہڑ ہے' ماں کو تو کچھ آتا ہی نہیں۔ تین بچے پال کر بڑے کیے' جاب بھی کی گھر بھی سنبھالا' مگر نہیں۔"

وہ پنجوں کے بل بیٹھی' کیبنٹ پہ ہاتھ رکھے مڑ کر ندرت کو دیکھنے لگی۔

"پتا ہے کیا امی! ہر عورت کے اندر ایک شدید پوزیسو قسم کی روح ہوتی ہے۔ جیسے وہ اپنی ساس یا اپنی بہو کی خود مختاری اپنے گھر میں نہیں برداشت کرتی' اسی طرح وہ اپنی بیٹی کی خود مختاری بھی نہیں برداشت کرتی۔ آپ مائیں یہ تو چاہتی ہیں کہ بیٹی بستر سے اٹھے تو چادر درست کرکے اٹھے' مہمانوں کے سامنے چائے دینے کا سلیقہ آتا ہو' مختلف پکوان بنانا سیکھ لے' اپنا کمرہ صاف رکھا کرے' تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں' مگر جہاں بیٹی نے اپنی مرضی سے گھر سیٹ کرنا چاہا' وہاں آپ کے اندر کی عورت جاگ گئی۔ اسی لیے لوگوں نے "ہاؤس وائف" یا "ہاؤس کیپر" کی ٹرم بنائی کہ صرف گھر کے صاحب کی بیوی یا گھر کی نوکرانی ہی گھر کی چیزوں کو رکھنے اور چھیڑنے میں خود مختار ہوتی ہے' مگر اب وہ دور ختم ہوا۔ آج سے حنین یوسف ایک نئی ٹرم ایجاد کرتی ہے۔ "ہوم گرل۔" گھر کی بیٹی کو گھر کے کام سیکھنے چاہئیں' اگلے گھر کے لیے نہیں' بلکہ اپنے گھر کے لیے' ہر وہ گھر جہاں وہ رہے۔"

اور اگر حسینہ سامنے دانت نکوستی سن نہ رہی ہوتی تو ندرت کا ہاتھ بار بار جوتے تک جاکر رک نہ جاتا۔

قریباً" تین گھنٹے بعد وہ دھلے دھلائے کچن کے سامنے تھکن سے چور کھڑی تھی۔ اب کچن کیبنٹس اندر سے بھی صاف اور ان میں جگہ بھی نکل آئی تھی۔ سب اس نے خود کیا تھا۔ یہ تو کرانیوں کے کرنے کے کام نہیں ہوتے۔ امی کی سو سو صلواتیں

سن کر بھی بھری بنی "clutter" اور "charity" کے بڑے بڑے شاپر باہر کوڑے کے ڈبے میں ڈال کر آئی۔ اب بس ایک کام رہ گیا تھا۔ اپنے بیڈ روم کی ایک دو درازیں اس نے چھوڑ دی تھیں اس روز۔

اب ان کو نکال کر لاؤنج میں لے آئی اور ان میں سے ضروری، کچرا، اور خیرات کا سامان الگ الگ کرنے لگی۔ ابھی ویسی ہی بے حال، بندھے بالوں اور تھکے چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی، اور گود میں رکھے پرس کھول کھول کر دیکھ رہی تھی جب بڑے ابا اپنی وہیل چیئر دھکیلتے قریب آکر خاموشی سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگے۔

وہ مگن سی پرس خالی کر رہی تھی۔ یہ اس کے سارے پرس تھے۔ دفعتاً" وہ رکی۔ ٹھٹکی۔ ایک پرس میں سے پانچ سو کا نوٹ نکلا۔ دوسرا کھولا تو پچاس اور بیس بیس کے نوٹ تھے۔ ایک میں چند سکے تھے۔ اس نے خوشگوار حیرت سے سر اٹھایا۔

"مجھے تو یاد بھی نہیں تھا کہ میرے پرانے پرسوں میں پیسے پڑے ہیں۔ عجیب اتفاق ہے۔"

"یہ اتفاق نہیں ہے۔" ابا مسکرائے۔ "یہ تحفہ ہے۔"

"تحفہ؟" وہ چونکی۔

"جب چھوٹی تھیں تو سنتی ہوگی کہ دنیا میں صرف انسان اور جانور جان دار ہوتے ہیں۔ بڑی ہوئیں تو پتا چلا ہوگا کہ پودے اور درخت بھی جان دار ہیں، مگر دین پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر پتھر، ہر دیوار سب جان دار ہیں۔ قیامت کے دن گواہی دیں گے نا یہ پتھر، یہ گھر یہ جگہیں۔ کچھ محسوس کرتے ہیں، سنتے ہیں، دیکھتے ہیں تب ہی گواہی دیں گے نا۔ اسی لیے زمین پہ آہستہ اور تمیز سے چلنا چاہیے۔ اسی لیے کچھ پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور یاد ہے، ایک پتھر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سلام کیا کرتا تھا۔ اسی لیے ان چیزوں کے سائے جھکے ہوئے اللہ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ سب لیونگ تھنگز (جان دار) ہیں۔ تمہیں دیکھتی ہیں، محسوس کرتی ہیں۔"

وہ لحظے بھر کو رکے۔

"جب کوئی لڑکی اپنی الماری کا، اپنے کمرے کا خیال کرتی ہے، اس کے اندر کا زائد بوجھ نکال کر اس کو ہلکا پھلکا اور صاف کرتی ہے، خوب صورت بناتی ہے، تو یہ الماریاں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہیں اور ان کے کونے کھدروں سے کوئی نہ کوئی تحفہ نکل آتا ہے۔ کبھی کوئی پرانی کھوئی ہوئی چیز، کبھی برسوں کے بھولے ہوئے پیسے۔ اس لیے ان در و دیوار کا، ان چیزوں کا خیال رکھا کرو۔ یہ بھی تم سے پیار کریں گی۔ جنات اور انسانوں کے علاوہ باقی ساری مخلوق بہت احسان ماننے والی بہت قدر کرنے والی ہے۔"

حنین نے متحیر سا ہو کر ان پیسوں کو دیکھا، پھر ابا کو۔ اس کے اوپر جیسے ایک نیا انکشاف ہوا تھا۔ اسی ٹرانس کی سی کیفیت میں وہ بولی تھی۔

"ابا! کوئی کہتا ہے لڑکیاں خلا اور چاند تک پہنچ رہی ہیں، کوئی کہتا ہے وہ کورٹ، اسپتال، فوج، ہر میدان کو فتح کر رہی ہیں۔ اب میں سوچتی ہوں کہ کتنا اچھا ہو اگر لڑکیاں اپنے گھروں کے کونوں کھدروں تک بھی پہنچ جائیں۔ اگلے گھر جانے کے لیے نہیں، دوسروں سے تعریف سننے کے لیے بھی نہیں۔ بلکہ اس لیے کہ اللہ خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے کہ صفائی کے بغیر ایمان آدھا ادھورا ہوتا ہے اور اس لیے کہ فرشتے صاف جگہوں پہ آتے ہیں۔ جب ہمارے گھر اندر سے اتنے گندے ہوں گے، الماریوں کے اندر دنیا جہاں کا گند سڑ رہا ہوگا، ڈسٹ بن کچرے سے ابل رہے ہوں گے، تو کیا فرشتے ہمارے گھروں میں آنا پسند کریں گے؟"

وہ اب سر جھکائے خود سے بولتی پرس الٹ رہی تھی۔ ایک پانچ روپے کا سکہ گود میں گرا۔ وہ مسکرادی۔ اس کو اب زمر، اسامہ یا ندرت کی تعریف کی ضرورت نہیں تھی۔

اس کا گھر، اس کی الماریاں، اس کے در و دیوار تو واقف تھے نا اس کی محنت سے۔ وہی اس کو شکریہ کہہ

رہے تھے۔ حنین یوسف کے لیے یہی بہت تھا۔

☼ ☼ ☼

ہر چند راکھ ہو کے بکھرتا ہوں راہ میں
جلتے ہوئے پروں سے اڑا ہوں مجھے بھی دیکھ

ملاقاتی ہال میں معمول کا شور و غل برپا تھا۔ گلاس بوتھ کے دونوں طرف فارس اور زمر بیٹھے تھے۔ درمیان میں شیشہ تھا جس میں ننھے ننھے سوراخ تھے۔ ساتھ میں قطار میں دو درجن بوتھ لگے تھے۔ ایک طرف قیدی تھے' دوسری جانب ان کے عزیز و اقارب جوان سے ملاقات کر رہے تھے۔ وہ سر جھکائے' سنجیدہ اور خاموش سی بیٹھی تھی۔ فارس نے انگلی سے شیشہ کھٹکھٹایا۔ زمر نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"پریشان ہو؟"

زمر نے سر جھکا اور فائل کھولی۔ کان کے پیچھے بال اڑستے سر جھکائے اب وہ کہہ رہی تھی۔

"پراسیکیوٹر نے بہت سے گواہ چھوڑ دیے ہیں۔ جب وکلا چاہتے ہیں کہ کوئی کیس جلد از جلد چلے تو وہ کم سے کم گواہ پیش کرتے ہیں۔ میری یہی اسٹریٹجی تھی مگر میں تمہارے گواہی دینے سے خوش نہیں ہوں۔ خیر۔۔۔ تم فیصلہ کر ہی چکے ہو تو تمہیں witness پریپ کرانی ہے۔ وقت کم ہے۔" کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور سر اٹھا کر فارس کو دیکھا۔ "جب وہ کوئی ایسا سوال پوچھیں جس کا جواب نہ دینا چاہو تو چار لفظ بولنا۔ I don't recall۔ (مجھے یاد نہیں۔) قانوناً" یہ جھوٹ نہیں ہوتا اور جب وہ تم سے پوچھیں کہ اس رات تم کہاں تھے تو کہنا۔" "میں نے بہت دفعہ بتایا ہے کہ میں اس رات گھر پر تھا۔ اب یہ سچ ہے کیونکہ تم بہت دفعہ کہہ چکے ہو کہ تم اس رات گھر پہ تھے۔ تمہاری بہت دفعہ کہی بات سچ تھی یا جھوٹ' یہ الگ بات ہے۔"

"اوکے۔۔۔" اس نے سر کو خم دیا۔ اب وہ اس سے سوال پوچھنے لگی۔

"فارس غازی! کیا آپ کے اور قمرالدین صاحب کے درمیان کوئی دشمنی تھی۔"

"مجھے یاد نہیں۔" وہ پرسکون سا بولا۔

"کیا آپ نے قمرالدین کو جیل میں پیام تھا۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"گڈ۔۔۔" وہ ذرا سا مسکرائی۔ اب وہ بہتر نظر آنے لگی تھی۔ "کیا آپ نے قمرالدین کو قتل کرنے کی دھمکی دی تھی؟"

"نہیں۔"

"آپ 28 اور 29 اگست کی رات کہاں تھے؟"

"میں بہت دفعہ بتا چکا ہوں میں اس رات گھر پر تھا۔" تائیدی انداز میں ابرو اٹھائی۔ زمر نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"کیا آپ پوری رات گھر پر تھے؟"

"مجھے یاد نہیں۔" وہ سلجھے ہوئے انداز میں جواب دے رہا تھا۔ زمر کی رنگت واپس آرہی تھی۔ وہ کٹہرے میں کھڑے کوئی غلط بات نہیں کرے گا۔ اس کی امید بڑھنے لگی تھی مگر۔۔۔ وہ فارس تھا۔۔۔ اس پہ اعتبار کیوں نہیں ہوتا تھا؟

☼ ☼ ☼

ٹھوکر سے میرا پاؤں تو زخمی ہوا ضرور
رستے میں جو کھڑا تھا' وہ کہسار ہٹ گیا

وہ صبح سرد اور ظالم تھی۔ خاموش اور بے حس۔۔۔ آج کمرہ عدالت میں بیٹھے فارس غازی نے سیاہ پینٹ کے اوپر گرے شرٹ اور سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا۔ تازہ شیو' ذرا بڑھے بال گیلے کر کے پیچھے کو بنائے وہ سنجیدہ مگر مطمئن نظر آرہا تھا۔ ساتھ بیٹھی سیاہ کوٹ اور گھنگھریالے بالوں والی زمر کا چہرہ زرد تھا۔ اتنے ہفتوں کی ان تھک محنت اور ذہنی دباؤ نے اسے اپنی صحت کی طرف سے غافل کر رکھا تھا۔ آج بھی وہ پہلے سے کمزور نظر آتی تھی۔

پچھلی کرسی پہ سیاہ کوٹ میں ملبوس احمر شفیع بیٹھا

تھا۔ اس کی لاء ڈگری اور لائسنس کے باعث اسے ادھر بیٹھنے کا موقع مل جاتا تھا۔ (زمر کو ننانوے فیصد یقین تھا کہ اس کی ڈگری جعلی تھی مگر اپنے دفاع میں وہ صرف اتنا کہتا تھا کہ بغیر لاء ڈگری کے وہ سیاسی کنسلٹنٹ بن ہی نہیں سکتا تھا اور چونکہ بات درست تھی' اسی لیے وہ بازپرس نہیں کرتی تھی۔)

جب فارس اٹھنے لگا تو زمر نے بے چینی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"بہت احتیاط سے گواہی دینا' پلیز... کچھ غلط مت کرنا۔"

وہ اٹھتے اٹھتے واپس بیٹھا اور اسی سنجیدگی سے زمر کی آنکھوں میں دیکھا۔ "میں نے ساڑھے تین مہینے کچھ نہیں کیا۔ جو تم نے کہا وہ کیا۔ ایسا ہی ہے نا؟"

زمر کا سر اثبات میں ہلا۔

"میں یہاں خاموشی سے بیٹھ کر وکیلوں کی بے کار بحثیں سنتا رہا۔ ایسا ہی ہے نا؟"

زمر نے اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے اثبات میں سر ہلایا۔

"اب میرے بولنے کا وقت ہے اور ان سب کے سننے کا۔" کہتے ہوئے اس نے زمر کے پیچھے کسی کو دیکھا۔ "یہ کون ہے؟"

زمر نے چونک کر گردن پھیری تو استغاثہ کی کرسیوں پہ بیٹھے' قیمتی نفیس سوٹ میں ملبوس آدمی کو دیکھ کر وہ ٹھہر گئی۔

"یہ تو سابق پراسیکیوٹر جنرل ہیں۔ یہ ادھر کیسے؟"

فارس لاعلمی سے شانے اچکاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ زمر نے گھوم کر احمر کو دیکھا جو نگاہیں اوپر چبوترے پہ جمائے بیٹھا تھا۔

"پراسیکیوٹر جنرل ادھر کیا کر رہے ہیں احمر...؟"

"مجھے نہیں معلوم... غازی نے کہا تھا' ان کو بلاؤ' میں نے صرف اتنا کیا کہ ان کی موجودگی یہاں یقینی بنائی۔"

"فارس نے کہا تھا؟" وہ متعجب رہ گئی' پھر واپس گھومی اور الجھن سے فارس کو دیکھا جو کٹہرے میں کھڑا حلف اٹھا رہا تھا۔ وہ اٹھ کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ ساری باتیں ذہن سے جھٹک کر گواہی لینے لگی۔

"ریکارڈ کے لیے اپنا نام بتایئے۔" اس نے خشک لہجے میں مخاطب کیا۔ وہ ہلکا سا مسکرا کر بولا۔

"فارس طہیر غازی" نظریں زمر پہ جمی تھیں۔

"کیا یہ درست ہے کہ آپ کو 13 اکتوبر کی شام آپ کے گھر سے گرفتار کیا گیا؟"

"جی ہاں۔" وہ اب اس سے چند روٹین کے سوالات کر رہی تھی اور وہ مختصر جواب دے رہا تھا۔ آخر میں اس نے پوچھا۔

"کیا آپ حلفیہ کہتے ہیں کہ آپ کا قمرالدین چوہدری کے قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے؟"

"جی ہاں... میں نے یہ قتل اور اغوا نہیں کیا' میں بے گناہ ہوں۔"

زمر مڑی اور پراسیکیوٹر کو "Your Witness" (آپ کا گواہ) کہہ کر مخاطب کرتی اپنی کرسی پہ آ بیٹھی۔ پراسیکیوٹر لبوں پہ معنی خیز مسکراہٹ سجائے اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"فارس غازی! آپ نے ابھی کہا کہ آپ مقتول کو جیل کے زمانے سے جانتے تھے۔ کیا آپ دونوں کے درمیان کوئی دشمنی' کوئی رقابت تھی؟"

"مجھے یاد نہیں۔" کٹہرے پہ ہاتھ رکھے کھڑے وہ پراسیکیوٹر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پرسکون سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

"کیا آپ کو یہ یاد ہے کہ آپ نے قمرالدین چوہدری کو پیٹا تھا؟"

"آئی ڈونٹ ری کال۔" (مجھے یاد نہیں)

پراسیکیوٹر نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ "کیا قمرالدین کے جیل سے چھوٹنے کے بعد آپ کا اس سے کوئی جھگڑا ہوا تھا؟"

"مجھے یاد نہیں۔"

"آپ 28 اور 29 اگست کی درمیانی رات کہاں تھے؟"

"میں رات نو بجے گھر آگیا تھا اور اگلی صبح ساڑھے سات بجے گھر سے نکلا تھا۔"

زمر نے بے اختیار اسے دیکھا۔ وہ محتاط الفاظ کا چناؤ کر رہا تھا۔ گردن موڑ کر اس نے پراسیکیوٹر جنرل کو دیکھا۔ وہ انگوٹھے کے ناخن سے انگشت شہادت کا ناخن رگڑتے توجہ سے اس کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا آپ پوری رات گھر پہ رہے تھے؟" پراسیکیوٹر نے وہ سوال پوچھا جس کا زمر کو دھڑکا تھا۔

کمرہ عدالت میں چند ثانیے کے لیے سناٹا چھا گیا۔ پھر فارس طہیر غازی نے اٹھی گردن اور سنجیدہ چہرے کے ساتھ کہا۔

"نہیں۔۔۔"

زمر کا دل لمحے بھر کے لیے رکا۔ احمر بے اختیار سیدھا ہو کر بیٹھا۔ پراسیکیوٹر بھی دو قدم مزید قریب آیا۔

"تو آپ اس رات۔۔۔ کہیں جا کر واپس آئے تھے؟"

پراسیکیوٹر کو "مجھے یاد نہیں" کی توقع تھی' وہ خود بھی حیران ہوا تھا۔

"میں رات گیارہ بجے گھر سے نکلا تھا اور صبح پانچ بجے واپس آگیا تھا۔"

زمر نے بے اختیار سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

"آپ گیارہ سے پانچ کے دوران کدھر گئے تھے؟"

فارس نے ایک علاقے کا نام لیا جو ڈاکٹر ایمن کے ہسپتال کے قریب تھا۔

"یہ علاقہ قمرالدین کے قتل کی جگہ سے کافی دور ہے۔ میں پوری رات اسی علاقے میں تھا۔" وہ پرسکون سا کہہ رہا تھا۔ زمر کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کس پہ اعتراض کرے۔ اس کا گواہ اپنے ہی خلاف گواہی دے رہا تھا۔ hostile witness بن رہا تھا۔

"اور آپ وہاں کس جگہ تھے؟"

وہ لمحے بھر کو رکا۔ "میں ایک عمارت میں گیا تھا۔"

"اور کیا وہ کوئی خالی عمارت تھی؟ کوئی زیر تعمیر اسپتال؟ کوئی فیکٹری؟ جہاں آپ کی Alibi ثابت کرنے کے لیے ایک شخص بھی نہ ہو۔" پراسیکیوٹر کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ بکھری۔

"وہاں 32 لوگ تھے جنہوں نے مجھے وہاں دیکھا پوری رات۔ میرے پاس 32 Alibis ہیں۔"

جہاں پراسیکیوٹر لمحے بھر کے لیے لاجواب ہوا' وہاں زمر نے چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اسی طرح پرسکون کھڑا تھا۔ پراسیکیوٹر جنرل نے کراہ کر آنکھیں میچیں۔

"32 لوگ؟" پراسیکیوٹر قدرے ہکلا کر سنبھلا۔ "یہ کون سی جگہ تھی۔"

"یہ ایک۔ ایک میٹنگ پلیس ہے۔ ملاقات کی جگہ۔ بور ہوئے لوگ ادھر جاتے ہیں۔"

"اور آپ ادھر کیوں گئے تھے؟"

"میں۔ کافی پینے گیا تھا۔" وہ تازہ دم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ پراسیکیوٹر کو سمجھنے میں چند لمحے لگے۔

"آپ کا مطلب ہے' یہ کوئی بار یا کلب جیسی جگہ ہے۔"

"جی۔"

"تو۔ وہاں لڑکیاں بھی ہوں گی؟" پراسیکیوٹر نے اب کے مسکرا کر زمر کو دیکھا۔ "کیا آپ کسی لڑکی کے ساتھ تھے؟"

"وہاں۔ لڑکیاں۔ نہیں ہوتیں۔ صرف مرد ہوتے ہیں۔"

وہ الفاظ چبا چبا کر بولا تھا۔ لمحے بھر کو کمرہ عدالت میں خاموشی چھا گئی۔ زمر کو اپنے کانوں سے دھواں نکلتا محسوس ہوا۔ نچلا لب دانتوں تلے دبائے وہ بالکل سن سی فارس کو دیکھ رہی تھی۔

"اچھا۔ آئی سی۔ سو۔ آپ اس کلب میں تھے؟ پوری رات؟"

"پراسیکیوٹر صاحب! وہاں 32 لوگ۔ 32 مرد اس رات موجود تھے۔ کلب کی لابی کی سی سی ٹی وی فوٹیج میں میرے آگے پیچھے داخل ہونے والے 32 لوگوں کے چہرے بھی نظر آرہے ہیں۔ کچھ کے تو نام بھی مجھے یاد ہیں۔ جو کولمبیا سے پڑھ کر آیا ہے۔ اور ایک بڑے

سرکاری عہدے دار کا بیٹا ہے۔ وہ بار کاؤنٹر پہ میرے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ اس کا بازو فریکچر ہوا تھا اور۔"

زمر نے بے اختیار گردن موڑ کر پراسیکیوٹر جنرل کو دیکھا جن کی نظریں فارس غازی پہ گڑی تھیں اور کان سرخ تھے۔ ادھر وہ پُرسکون سا کہہ رہا تھا۔ جج صاحب ایک دم چونک کر فارس کو دیکھنے لگے تھے۔

"آپ پراسیکیوٹر صاحب۔ ان 32 لوگوں کو Subpheona کریں' (پروانہ طلبی بھجوائیں) کورٹ بلائیں اور میری Alibi کی تصدیق کرلیں' میں آپ کو ان کے نام دینے کے لیے تیار ہوں۔ آپ نے مجھے گرفتار ہی ان لوگوں کے ناموں کے لیے کیا ہے نا' تو مجھ سے نام پوچھیں۔" سادگی سے جج صاحب کی طرف دیکھا۔

"بالکل' آپ ان کے ناموں کی فہرست عدالت میں جمع کروائیں۔ عدالت ان کو باری باری طلب کر کے سوال جواب کرلے گی۔" پراسیکیوٹر کا اعتماد واپس آنے لگا۔

"یور آنر!" زمر ایک دم کھڑی ہوئی۔ اب کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔ "فارس غازی ان لوگوں کی فہرست عدالت کے حوالے نہیں کرسکتا کیونکہ وہ عزت دار لوگ ہیں۔ اگر ان کو پروانہ طلبی بھیج کر عدالت میں بلایا گیا تو یہ ان کی توہین ہوگی۔ جیسے ایک سابقہ سرکاری آفیسر کا بیٹا' جس کا بازو فریکچر ہوا تھا' وہ جج بننے جارہا ہے' اس گواہی سے اس کا کیریر۔ متاثر ہوگا۔" وہ جلدی جلدی کہہ رہی تھی۔ پراسیکیوٹر نے جھلا کر اسے دیکھا تھا۔

"یور آنر! اگر دفاع کو ملزم کی ایلی بائی ثابت کرنی ہے تو ان کو وہ فہرست عدالت کے حوالے کرنی ہوگی۔"

"شیور' میں تو تیار ہوں دینے کے لیے۔ اسی فہرست کے لیے تو آپ نے مجھے گرفتار کروایا ہے۔" وہ پُرتپش مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ پراسیکیوٹر نے اب کے الجھ کر اسے دیکھا۔

"کون سی فہرست؟ آپ کو اس لیے گرفتار کیا گیا ہے کیونکہ آپ نے قمرالدین کا قتل کیا ہے۔" جج صاحب چونک جانے کے انداز میں باری باری کبھی فارس کو دیکھتے' کبھی پیچھے بیٹھے سابق پراسیکیوٹر جنرل کو۔

"کیا آپ ایک بھی ثبوت لاسکے ہیں اپنے الزام کے حق میں؟" وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ بے بسی بھرے غصے سے کہہ رہی تھی۔

"فارس غازی بے گناہ ہے' کیا اس کے چار سال ضائع کرکے لوگ خوش نہیں ہوئے جو اس کو ایک دفعہ پھر قید کی طرف دھکیلا جارہا ہے؟ وہ اپنا بیان دے چکا ہے۔ یہ Case of Two Versions ہے۔ وہ اس رات قتل کی جگہ سے بہت دور تھا۔ ہمارے پاس 32 گواہ ہیں۔ لیکن ان کے نام پراسیکیوشن کے حوالے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم پبلک پراسیکیوشن آفس کو سابق افسروں کے بارے میں انتقامی کارروائیاں کرنے کا اختیار دے دیں۔"

پہلی دفعہ پراسیکیوٹر چونکا۔ مڑ کر تماشائیوں کی طرح بیٹھے سابق پراسیکیوٹر جنرل کو دیکھا' جو سرخ چہرے کے ساتھ بیٹھے تھے۔ لمحے بھر کے لیے پراسیکیوٹر کو اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔

"ایک منٹ مسز زمر۔"

"نہیں جناب عالی! اب وہ وقت آگیا ہے جب ہم فارس غازی کو اکیلا چھوڑ دیں۔ اسے اس کی زندگی جینے دیں اور اس کے اوپر یہ جھوٹے مقدمات ختم کریں۔" اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا اور آواز غصے سے پھٹ رہی تھی۔

"یور آنر! مسز زمر کیس کا رخ دوسری طرف موڑ رہی ہیں' یہ غلط بات کہہ رہی ہیں۔" پراسیکیوٹر پُراعتماد نہیں لگ رہا تھا۔ کبھی وہ پیچھے بیٹھے پراسیکیوٹر کو دیکھتا' کبھی کٹہرے میں کھڑے فارس کو' اور وہ دونوں پراسیکیوٹر سے بے نیاز' ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ سپاٹ ٹھہری نظروں کے ساتھ۔

"مسز زمر واقعی غلط بات کہہ رہی ہیں۔" جج صاحب نے برہمی سے پراسیکیوٹر کو مخاطب کیا۔ "یہ Versions کا کیس نہیں ہے۔ یہ Further Inquiry (مزید انکوائری) کا کیس

ہے۔"

زمر نے بے اختیار میز پہ دونوں بازو رکھے' اور چہرہ ان پر گرادیا۔ اور فارس نے آنکھیں میچ کر طویل سانس کھینچی۔ "یہ ایک Fishing expedition ہے۔ اور مجھے اس بیچ پر بیٹھے شرم آرہی ہے کہ پبلک پراسیکیوشن آفس انتقامی کارروائیوں کے لیے اس حد تک گر سکتا ہے۔"

"جناب عالی یہ سچویشن کو Manipulate کررہے ہیں۔" پراسیکوٹر بوکھلا کر احتجاج کرنے لگا مگر جج صاحب نے غصے سے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"سرکاری آفس نے اس کیس میں اپنی ذمہ داری درست طریقے سے انجام نہیں دی۔ آپ کے گواہوں کے بیانات میں جھول ہے۔ شواہد ناکافی ہیں۔ شریک جرم کریڈیبل (معتبر) نہیں ہے۔ آپ نے ساڑھے تین ماہ سے ایک ایسے آدمی کو زیر حراست رکھا ہوا ہے جس کو مقید کرنے کے لیے آپ کے پاس ناکافی ثبوت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔" وہ شدید برہمی سے کہہ رہے تھے اور پراسیکیوٹر لب کاٹتا' سننے پر مجبور تھا۔

"ان بیس لوگوں کو کورٹ میں گھسیٹنے کی میری نظر میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ عدالت فارس غازی کے بیان سے مطمئن ہے اور سیکشن 249 Crpc کے تحت فارس غازی کو ناکافی شواہد کے باعث باعزت بری کرنے کا حکم دیتی ہے۔ اور پبلک پراسیکیوشن آفس کو انتباہ کرتی ہے کہ اس قسم کے اوچھے ہتھکنڈوں پہ اتر آنے سے گریز کریں تو یہ موجودہ پراسیکیوٹر جنرل کی صحت کے لیے بہتر ہوگا۔"

شدید غصے اور ناگواری سے کہہ کر جج صاحب نے اپنا ہتھوڑا زور سے میز پہ دے مارا۔ پیچھے بیٹھے سابق پراسیکیوٹر جنرل نے آنکھیں میچ کر گہری سانس لی' اور پھر فارس کو دیکھ کر سر کو ذرا سا خم دیا اور اٹھ کر باہر چلے گئے۔ وہ اس کے احسان مند تھے۔

"اور آپ فارس ظہیر غازی۔" جج صاحب نے رخ اس کی طرف پھیرا۔ "مجھے افسوس ہے اور شدید دکھ بھی ہے کہ آپ کو اتنے ماہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارنے پڑے۔ میں پبلک پراسیکیوشن آفس کو ایڈوائس دوں گا کہ وہ آپ کو معذرت پیش کریں۔"

فارس نے کٹہرے کی ریلنگ پہ ہاتھ رکھے' اٹھی گردن اور زخمی آنکھوں کے ساتھ بس اتنا کہا۔

"آپ کا شکریہ یور آنر! لیکن ان کی معافی میری زندگی کے سوا چار سال نہیں لوٹا سکتی۔ میرے خاندان اور دوستوں میں ہوئی میری بے عزتی اور توہین نہیں ٹھیک کرسکتی۔ میری دو دفعہ کھو جانے والی نوکریاں مجھے عزت سے واپس نہیں مل سکتیں۔ جب آپ کسی بے گناہ آدمی کو قید میں ڈالتے ہیں تو آپ اس کو معصوم نہیں رہنے دیتے۔ وہ اپنے دفاع کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ کوئی خدا ہے بھی یا نہیں' کوئی قیامت آئے گی بھی یا نہیں' مگر مجھے اتنا ضرور معلوم ہے کہ بے گناہ آدمی اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو روکنے کے لیے جو بھی کرے' وہ قانوناً" اور شرعاً" درست ہوتا ہے۔" بھنچے ہوئے ابرو کے ساتھ وہ نیچے اتر آیا۔

زمر اس وقت ڈھیر سارا رونا چاہتی تھی' مگر وہ یہاں رو بھی نہیں سکتی تھی۔ بدقت سارے آنسو اندر اتار کر اس نے سر اٹھایا' اور نگاہیں جھکائے' بال کان کے پیچھے اڑستے' اپنے کاغذ ترتیب سے رکھنے لگی۔ وہ خاموشی سے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔

پراسیکیوٹر اب جج صاحب سے یہ بات کررہا تھا۔ صفائیاں' معذرتیں۔

زمر نے نگاہیں جھکائے کاغذ پر لکھا۔ "تم اس رات اسپتال بھی گئے تھے یا نہیں؟"

فارس نے قلم اٹھا کر اس کے نیچے لکھا۔ "صرف پچیس منٹ کے لیے گیا تھا۔ آپ کا کیا خیال ہے' میں اتنی گرمی میں پوری رات اسی جگہ بیٹھا رہا تھا؟"

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ اس رات تم کہیں اور تھے؟"

"آپ نے پوچھا ہی نہیں۔" سادگی سے لکھ کر کاغذ اس کے سامنے رکھ دیا۔

زمر کی تیوری چڑھ گئی۔ کاغذ پر چند ہندسے لکھ کر اس کے سامنے ڈالا۔

"یہ میری بقایا فیس ہے۔ وقت پہ ادا کرنا۔" خفگی سے سرگوشی کی تو فارس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"مجھے ریسیو کرنے نہیں آؤ گی؟"

"ٹیکسی کر کے آجانا۔" وہ رخ موڑے سنجیدگی سے جج صاحب کی طرف متوجہ تھی۔

"اور ٹیکسی کا کرایہ؟"

"اپنی گرل فرینڈ سے مانگ لینا۔" وہ اٹھ کر آگے چلی گئی۔

اور وہ تکان بھری مسکراہٹ سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر گردن موڑی تو احمر ابھی تک ششدر بیٹھا تھا۔ اس کو متوجہ پا کر آگے ہوا۔

"تو اس رات تم ایسی جگہ تھے جس کے بارے میں کوئی گواہی دینے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ واؤ۔ ایسے طریقے مجھے کیوں نہیں سوجھتے؟" وہ محظوظ ہوا تھا۔

فارس پیچھے کو جھکا اور دھیرے سے کہنے لگا۔ "تم نے میرے کیس کے لیے تمام انویسٹی گیشن کی۔ اس کے لیے تمہارا۔۔۔"

"اس کی فیس اس پہ لکھی ہے۔" احمر نے فوراً ہی کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھا۔ "پلس پھوؤں کے پیسے الگ ہیں۔ ٹیکس الگ ہے۔ ویک اینڈ سے پہلے ادا کر دینا۔"

اور وہ جو شکریہ ادا کرنے لگا تھا، رک کر اس کاغذ کو پڑھنے لگا۔ ابرو بے اختیار اٹھے۔ باری باری فیس کے دونوں تحریری مطالبوں کو دیکھا اور پھر ماتھے پہ بل لیے۔

"بہت بہتر۔" کہہ کر خفگی سے رخ موڑ لیا۔

☆ ☆ ☆

یا اتنا سخت جان کہ تلوار بے اثر
یا اتنا نرم دل کہ رگ گل سے کٹ گیا

جس دن فارس گھر واپس آیا، وہ انیکسی والوں کے لیے عید کا دن تھا۔ حسینہ اور صداقت نے اچھا سا کھانا بنایا تھا۔ سیم، ندرت اور بڑے ابا اس کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ سب خوش باش اس سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ بھی مسکرا کر ان کے سوالوں کا جواب دے رہا تھا۔ وہ تھکا ہوا مگر مطمئن لگتا تھا۔

حنین مل کر اسٹڈی میں چلی گئی تھی۔ وہ کچھ کام کر رہی تھی۔ ایسے میں صرف زمر تھی جو اب تک اس سے نہیں ملی تھی۔ اوپر اپنے کمرے میں وہ ناخن دانتوں میں دبائے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ بار بار دروازے کی طرف بڑھتی، پھر سر جھٹک کر واپس ہو لیتی۔ ذرا سی درز سے نیچے کی آوازیں صاف سنائی دیتی تھیں۔ "سب کو شکریہ کہہ رہا ہے۔ ابا! آپ کا شکریہ، کھانے بھیجنے کا۔ انکل! آپ کا شکریہ، دعا کرنے کا۔ صداقت تمہارا شکریہ، پتا نہیں کس چیز کا۔ اور میں جو اتنے مہینے اس کے لیے خوار ہوتی رہی، میرا کوئی احساس نہیں!" وہ خفگی سے خود سے بڑبڑا رہی تھی۔

"میں زمر کو دیکھ لوں۔" وہ معذرت کر کے اٹھ آیا تھا۔ اب زینے چڑھنے کی آواز آرہی تھی۔ زمر نے جلدی سے تکیوں کے غلاف اتارے، نئے غلاف نکالے اور جس وقت وہ دروازہ ذرا سا بجا کر اندر داخل ہوا، وہ مصروف سی تکیوں کے غلاف بدلتی نظر آرہی تھی۔

"السلام علیکم۔" دروازے میں کھڑے وہ ذرا سا کھنکھار کر بولا۔ زمر نے ایک بے نیاز، اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔ جینز پہ سوئیٹر پہنے، وہ تھکا ہوا مگر مطمئن لگ رہا تھا۔ تکیے کو نئے کور میں ڈالتے ہوئے مصروف انداز میں بولی۔

"نمبر ایک۔ میں نے تمہارے لیے جو بھی کیا، ٹیم پارٹنر سمجھ کر کیا۔ نمبر دو میں اب بھی نہیں بھولی کہ تم نے مجھے استعمال کر کے جیل توڑنی چاہی تھی۔ نمبر تین مجھے تمہاری ریسٹورنٹ والی باتیں بھی یاد ہیں۔ نمبر چار تم جب چاہو، ڈائیوورس پیپرز بنوا لو اگر میرے پاس حق طلاق ہوتا تو میں خود بنوا لیتی۔ نمبر پانچ میں مزید تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ اس لیے میں نے اپنا سامان نیچے اسٹڈی روم میں شفٹ کر دیا ہے۔ یہ کمرہ اب صرف تمہارا ہے۔ نمبر چھ ہم ٹیم کی طرح۔ پہلے کی

طرح کام کرتے رہیں گے' لیکن تمہاری بے گناہی معلوم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں نے تمہیں معاف بھی کر دیا ہے۔ نمبر سات۔"

الفاظ ٹوٹ گئے کیونکہ وہ خاموشی سے قدم قدم چلتا اس کے پیچھے آکھڑا ہوا۔ اس کے دونوں ہاتھ' اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے اپنے کندھے سے لگایا اور ٹھوڑی اس کے کندھے پر جمائے' آنکھیں بند کیے اس نے صرف اتنا کہا۔ "شکریہ۔ میرے لیے لڑنے کا۔"

چند ساعتیں گزریں۔ چند لمحے اور سرکے۔

زمر جو بالکل منجمد ہو گئی تھی' بمشکل گہری سانس لے کر بولی۔

"نمبر سات میں کل تمہارے خلاف Restraining Order فائل کروں گی۔ جس کے تحت تمہیں مجھ سے دس فٹ دور رہنا ہو گا۔" اور اپنے ہاتھ چھڑائے۔

فارس نے سر اٹھایا' اسے کہنی سے تھامے اپنے سامنے کیا' اور قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔

"تم کل یہ آرڈر فائل کرو گی؟ واقعی؟"

"بالکل!" وہ گردن اکڑا کر بولی' مگر اس کی آنکھوں میں دیکھنا۔ اف۔

"مگر کل تو چھٹی ہے۔"

"میرا مطلب تھا' پرسوں۔" وہ تلملا کر بولی' اور کہنی چھڑا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"اچھا' کمرہ مت چھوڑو' ہم بیٹھ کر اس بارے میں بات کر لیتے ہیں۔" وہ تکان سے مسکرا کر پیچھے سے بولا تھا۔

"نمبر آٹھ' میرا فیصلہ حتمی ہے۔" بظاہر خشک لہجے میں کہہ کر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ سیڑھیاں اترتے اس کے کانوں سے دھواں نکل رہا تھا۔ بمشکل چہرے کو نارمل رکھے' وہ اسٹڈی میں آئی تو اندر نقشہ بدلا ہوا تھا۔

ایک صوفہ کم بیڈ' جو فی الحال کھلا ہوا تھا۔ (اور اس کی اونچائی میٹرس جتنی ہی تھی) اس پر حنین لیپ ٹاپ لیے بیٹھی تھی۔ اندر سفید فلیش لگی تھی' اور حنین یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا بنا؟" زمر فوراً اس کے قریب آئی۔

"میں نے اس فلیش ڈرائیو کے پروگرام کو ڈی کرپٹ کر لیا ہے۔ اور وہ کھل گئی ہے۔"

زمر کو آگے پیچھے کی ہر شے بھول گئی۔ دل و دماغ میں جیسے سکون سا اتر آیا۔

"اوہ ریئلی۔" وہ خوشی سے کہتی اس کے ساتھ آکر بیٹھی اور اسکرین کو دیکھا۔

"کیا نکلا اس میں سے؟"

حنین ابھی تک شل تھی۔ "میں نے اتنے مہینے لگائے' اتنا وقت برباد کیا' صرف ایلسا اور آنا کے لیے۔"

"کیا؟"

حنین نے اسکرین کا رخ اس کی طرف پھیرا۔ "اس فلیش ڈرائیو میں سوائے فروزن فلم کے کچھ بھی نہیں ہے۔ ہر طرح سے کھنگال چکی ہوں اسے۔ مگر یہ خالی ہے۔ یا تو بھائی نے اصل فلیش مجھے نہیں دی' یا اس نے غلط فولڈر کاپی کیا تھا۔" وہ ابھی تک سن تھی۔

"اوہ نہیں!" زمر نے نڈھال ہو کر سر پیچھے کو گرا لیا۔

☆ ☆ ☆

قصر کاردار کے لاؤنج میں جواہرات کاردار غصے سے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ اس کی رنگت مارے غصب کے سیاہ پڑ رہی تھی' جبکہ صوفے پہ بیٹھا ہاشم گردن پیچھے ڈالے ہنستا جا رہا تھا۔ جواہرات نے رک کر ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

"وہ رہا ہو کر ہمارے سروں پر پھر سے پہنچ گیا ہے اور تم ہنس رہے ہو۔"

"اس نے وٹنس اسٹینڈ پہ کھڑے ہو کر' ایڈووکیٹ جنرل کو بلیک میل کیا۔ ہاہاہا۔ ناؤ دیٹس کول۔" وہ ہنس رہا تھا۔

"زمر کو تو میں دیکھ لوں گی' تم مجھے بتاؤ' اب ہم اس کو دوبارہ کیسے جیل بھیجیں۔"

"اب پبلک پراسیکیوشن آفس میں کوئی اس کو پراسیکوٹ نہیں کرنا چاہے گا۔ میں نے آپ سے کہا تھا' کیس جلدی چلوانے کی کوشش نہ کریں' لیکن خیر۔" ہنستے ہنستے وہ پل بھر کو رکا اور محظوظ انداز میں جواہرات کو دیکھا۔

"میں مزید اس کو جیل میں نہیں بھیجنا چاہتا۔ اس کو صرف ایک شخص اندر کروا سکتا تھا۔ کرنل خاور۔ اب مزید کوشش نہ کیجیے۔ وہ ہمارے لیے خطرہ نہیں ہے۔ نہ بن سکتا ہے۔ اب موو آن کرنے کا وقت ہے۔ اچھے کام کرنے کا وقت ہے۔" کوٹ کا بٹن بند کرتے اٹھا۔

"ممی! میں ایک اچھا انسان بننا چاہتا ہوں۔ میں راستہ تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے پرانی دشمنیاں چھوڑ کر آگے بڑھیے۔"

ماں کا شانہ تھپک کر وہ آگے بڑھ گیا۔ جواہرات وہیں کھڑی کلستی رہی۔ پھر کمرے میں آئی۔ دروازہ مقفل کیا اور فون ملایا۔

"مجھے اچھی خبر کب سناؤ گے فصیح؟" زہر خند لہجے میں وہ بولی تھی۔

"آج رات کام ہو جائے گا۔ پہلے سعدی اور پھر خاور۔" سن کر اس نے موبائل پرے ڈالا اور سنگھار میز کے قد آدم آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ سفید اور سرخ لمبے گاؤن میں ملبوس وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی' مگر چہرے پر چھایا غیض و غضب اس کے حسن کو گہنا رہا تھا۔ شرارے برساتی آنکھوں سے آئینے کو دیکھتے اس نے گردن میں پہنی موتیوں کی مالا توڑ ڈالی۔ تڑ تڑ تڑ... سفید چکنے موتی ٹوٹ ٹوٹ کر فرش پر گرنے لگے۔

اوپر اپنے کمرے میں بستر پہ سستی سے نیم دراز' پیروں کی قینچی بنائے نوشیرواں کھٹا کھٹ موبائل پہ ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ بال بنے تھے اور لباس سے لگتا تھا کہ ابھی آفس سے لوٹا ہے۔ آنکھوں میں ازلی بے زاری کی جگہ مصروف سا تاثر تھا۔ گویا گفتگو میں بہت منہمک ہو۔

"بھائی شادی کرنے جا رہا ہے۔" اسکرین پہ الفاظ ابھر رہے تھے۔ دوسری طرف سے علیشا کا جواب چمکا۔

"یہی بتانے کے لیے اتنی صبح ٹیکسٹ کر رہے ہو؟"

"کیا تمہیں ذرا بھی دلچسپی نہیں سننے میں کہ وہ کس سے شادی کرنے جا رہا ہے؟"

"تم بتا دو۔"

"آبدار عبید سے... وہ ہماری یونی میں تھی۔ مجھے شدید ناپسند ہے وہ۔ بھائی کو وہی لوگ پسند آتے ہیں جو مجھے شدید ناپسند ہوتے ہیں۔" لکھتے ہوئے ابرو بھنچ گئے اور آنکھوں میں خفگی عود آئی۔

"اچھا... وہی جس کو تم یونی میں تنگ کرتے تھے اور پھر ہاشم نے تمہیں پٹوایا تھا؟" وہ محظوظ ہوئی تھی۔

لمحے بھر کو نوشیرواں کا ردار منجمد ہو گیا۔ جیسے سارا خون جم گیا ہو۔ ہڈیاں برف کی ہو گئی ہوں۔

"کون ہاشم؟ اور تمہیں کیسے پتا؟" اس کے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا تھا کہ آبی کے منگیتر کا نام بھی شاید ہاشم ہو۔

"کیا تمہارے بھائی نے تمہیں نہیں بتایا کہ میں نے اورنگ زیب صاحب کا اکاؤنٹ اپنے پاس مرر کر رکھا تھا۔ ان کی ساری ای میلز میں پڑھا کرتی تھی۔ مجھے یاد ہے' ہاشم نے ان کو میل کر کے بتایا تھا کہ تم ان کے دوست کی بیٹی کو تنگ کر رہے تھے' اسی لیے اس نے اپنے کسی بندے کے ذریعے تمہیں پٹوایا تھا۔ شاید اس کو یہ بھی کہا تھا کہ وہ خود کو اس لڑکی کا شوہر یا منگیتر ظاہر کرے۔" وہ رکی۔ "کیا تمہیں نہیں معلوم تھا؟"

نوشیرواں کے چہرے کا رنگ یوں بگڑ گیا جیسے سینے میں گھاؤ لگا کر کسی نے سارا خون نکال لیا ہو۔ بے جان ہوتے ہاتھوں سے موبائل فون وہیں لحاف پہ گر گیا اور سر اٹھا کر خالی خالی' شل' ششدر نظروں سے سامنے دیکھا جہاں سنگھار میز کا آئینہ اس کا زرد چہرہ منعکس کر رہا تھا۔

اس کی ساری دنیا زمین بوس ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

فیض سر پر جو ہر اک روز قیامت گزری

ایک بھی روز مکافات نہ ہونے پائی
کرنل خاور اپنے کمرہ سجن میں زمین پہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ نگاہیں دور خلا میں جمی تھیں اور وہ کسی گہری سوچ میں گم دکھائی دیتا تھا۔ آنکھوں کے گرد لگے زخم اب مندمل ہوچکے تھے اور صحت بھی بہتر تھی۔ ایسے میں دروازہ کھلنے کی آواز سے وہ چونکا اور سر اٹھایا۔
گارڈ کھانے کی ٹرے لایا اور نیچے زمین پہ رکھی۔ خاور کی نگاہیں ادھ کھلے دروازے کے پار گئیں۔ وہاں ایک اور گارڈ نظر آرہا تھا۔ خاور کی آنکھیں پُرسوچ انداز میں سکڑیں۔
"تمہاری اور اس کی تو صبح ڈیوٹی ہوتی ہے' تم لوگ اس وقت کیا کر رہے ہو؟ اور رات والے گارڈز کہاں ہیں؟"
اس کا ماتھا ٹھنکا۔ گارڈ نے ایک نظر اس پہ ڈالی۔ گہری' خاموش نظر اور مڑ گیا۔ خاور تیزی سے اٹھ کر اس کے پیچھے آیا۔
"مجھے سعدی یوسف کے کمرے میں جانا ہے' ابھی اسی وقت....."
وہ چونکا ہوا لگتا تھا مگر گارڈ نے ایک دم پیچھے مڑ کر ایک زوردار مکا خاور کے جبڑے پہ دے مارا۔ حملہ غیر متوقع تھا۔ وہ تیورا کر پیچھے کو گرا۔ اسی اثنا میں وہ دروازہ آگے سے بند کرچکا تھا۔ خاور وحشیانہ انداز میں دروازہ پیٹنے لگا۔
"اگر تم نے اسے مارا تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ تم اس کو نہیں مار سکتے۔ اس کو ابھی نہیں مرنا۔"
• سعدی یوسف کے کمرے تک یہ آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھا' کاغذ سامنے رکھے' سنہری قلم سے لکھتا جارہا تھا۔
"میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے....."
سیاہ شرٹ میں ملبوس اس لڑکے کے تازہ شیمپو کیے بال گیلے اور سلیقے سے پیچھے کو بنے تھے۔ وہ گردن ترچھی کیے' منہمک سا قلم کاغذ پہ رگڑ رہا تھا۔
"قرآن میں بہت سے واقعات آپ پھیر پھیر کر لاتے ہیں اللہ تعالیٰ۔ ان کو دہراتے ہیں۔ ہر دفعہ دہرانے کا مقصد مختلف ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ النمل میں جتنے بھی واقعات ہیں' ان میں ایک قدر مشترک ہے۔ ویسے تو بہت سی اقدار مشترک ہوں گی مگر میں محدود سوچ اور محدود علم کا آدمی ہوں۔ اتنا ہی غور و فکر کرپاؤں گا جتنی میری ذہنی وسعت ہے۔ اب تک جتنے واقعات پہ غور و فکر کیا ہے میں نے..... ان سب میں ایک اکائی ہے۔ جو پورے سسٹم کے خلاف کھڑی ہے۔ پہلے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ..... ایک موسیٰ علیہ السلام اور سامنے فرعون اور اس کا لاؤ لشکر..... پھر سلیمان علیہ السلام اور ران کے سامنے ایک پورا سسٹم جس کو وہ کنٹرول کیے ہوئے ہیں..... پھر ایک سلیمان علیہ السلام اور ان کا سامنے ملکہ سباء اور اس کے سردار سلطنت..... دوسری جانب ایک ملکہ سباء اور سامنے سلیمان علیہ السلام اور ان کے لاؤ لشکر۔ ایک ہدہد جو پورے لشکر کے سامنے اکیلا کھڑا اپنی صفائی دے رہا ہے۔ پھر ایک شعیب علیہ السلام اور ان کے سامنے پوری کافر قوم..... لیکن اگر غور کرو تو سورۃ کا نام "النمل" ہے۔ چیونٹیاں..... کوئی بھی یہاں اکیلا ہو کر بھی اکیلا نہیں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے بھائی اور ان کی قوم ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ان کے لوگ ہیں۔ ملکہ بھی اپنے سرداروں کے ساتھ ہے۔ شعیب علیہ السلام بھی اپنی قوم کے اپر کلاس سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے بھی "وارث" تھے جن سے ان کے خلاف قتل کی سازش کرنے والے ڈرتے تھے۔ انسان کو بڑے بڑے کام کرتے وقت یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ مجھ اکیلے نے یہ سب کرلیا۔ میں اکیلا ایک سیلف میڈ آدمی ہوں..... بلکہ نہیں..... بہت سے لوگ..... خاموش چیونٹیوں جیسے لوگ ہوں گے جنہوں نے آپ کا ساتھ دیا ہوگا۔ ان کو بھولنا نہیں چاہیے۔ جو بندوں کا شکر نہیں کرتا وہ رب کا شکر نہیں کرتا۔"
باہر کچن میں وہی گارڈ خاموشی سے ٹرے میں پلیٹ رکھ رہا تھا۔ چمچہ کانٹا سب برابر کیا۔ نیپکن سجایا' گلاس

رکھا۔

"اور نجات دی ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جو (اللہ سے) ڈرتے رہے۔ اور لوط علیہ السلام کو جب اس نے فرمایا اپنی قوم سے۔۔۔ کیا تم ارتکاب کرتے ہو "فاحشہ" (بے حیائی) کا حالانکہ تم دیکھتے ہو۔"

"فاحشہ!" تیز تیز لکھتے اس معصوم لڑکے نے گہری سانس لی۔ "اس لفظ کے ساتھ ذہن میں عموماً" ان کاموں کا خیال آتا ہے جو بدکاری سے جڑے ہوتے ہیں۔ وہ تو فاحشہ ہوتے ہی ہیں مگر اس لفظ کا مطلب زیادہ وسیع ہے۔ فاحشہ ہر اس گناہ کو کہتے ہیں جو کھلم کھلا، سرعام کیا جائے۔ چاہے وہ بدکاری ہو عمل قوم لوط ہو، سوتیلی ماں سے شادی ہو یا دن دہاڑے ہونے والی قتل اور راہزنی کی وارداتیں ہوں۔ قوم لوط کے لوگ مسافروں کو لوٹتے تھے اور ان کا فحش عمل اس کے علاوہ ہے۔

لوط علیہ السلام ان کو کہتے ہیں کہ "تبصرون" (تم دیکھتے ہو) یہاں "نظر" نہیں آیا۔ نظر یعنی آنکھ سے دیکھا۔ "بصر" کہا گیا ہے۔ بصر یعنی دل سے دیکھنا۔ بصیرت رکھنا۔ سمجھ رکھنا۔ تو کھلم کھلا برائیوں کو سمجھنے والے لوگ جو پھر بھی ان کی مخالفت نہ کریں، وہ بھی قوم لوط جیسے ہی ہوئے نا۔ آج کل کھلم کھلا گناہ کرنے کو بولڈنیس کہا جاتا ہے۔ خود اعتمادی کہا جاتا ہے۔ بھلے ہمارے بچے بڑوں کے ساتھ بدتمیزی سے بات کر رہے ہوں، کھلم کھلا بے ادبی ہو رہی ہو، ماں باپ خوش ہو رہے ہوتے ہیں کہ بچہ کانفیڈنٹ ہے، بولڈ ہے۔"

کچن میں میری اب پیالے میں سوپ ڈال رہی تھی۔ گارڈ منتظر سا کھڑا تھا۔

(لوط علیہ السلام نے کہا) کیا تم آتے ہو مردوں کے پاس شہوت کے لیے، عورتوں کو چھوڑ کر۔ بلکہ تم ایک قوم ہو جو جہالت برتتے ہو۔"

"مگر اللہ تعالیٰ۔۔۔" وہ زخمی مسکراہٹ کے ساتھ لکھتا جا رہا تھا۔ "آج کل یہ گناہ اتنا عام ہو گیا ہے کہ اب ہمارے بچے اس کو بہت لائٹ لینے لگے ہیں۔

قوانین پاس کروا کر بایو لوجیکل وجوہات بیان کر کے' یہ بات لوگوں کے ذہنوں میں بٹھائی جا رہی ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں' سو ان کو برداشت کریں' درگزر کریں۔ تو پھر لوط علیہ السلام نے برداشت کیوں نہیں کیا؟ کائنات میں کسی نے یہ گناہ پہلے نہیں کیا تھا۔ یہ اسی قوم سے شروع ہوا تھا۔ آج لوگ اس کو برداشت' روشن خیالی اور ترقی پسندی کی علامت قرار دیتے ہیں ــــــــ لوط علیہ السلام نے اس کو جہالت قرار دیا تھا۔"

ٹرے میں میری نے گرم گرم چاولوں کی پلیٹ رکھی' ساتھ میں چکن گریوی۔ پانی گلاس میں انڈیلا.... اور ٹرے اٹھانے لگی تو گارڈ آگے بڑھا۔

"میں اسے کھانا دوں گا' یہ مسز کاردار کا حکم ہے۔"

میری کی آنکھوں میں تعجب بھر آیا۔ "مگر...."

"خاموش رہو!" اسے گھور کر ٹرے اٹھالی اور آگے بڑھ گیا۔ میری گومگو سی کھڑی رہ گئی۔

"تو نہ تھا جواب اس کی قوم کا' مگر یہ کہ' نکال دو آل لوط علیہ السلام کو اپنی بستی سے' بے شک یہ وہ لوگ ہیں جو بہت پاک بنتے ہیں۔"

"دلچسپ بات یہ ہے کہ اللہ کہ آج بھی سوشل میڈیا پہ اس ایشو پہ تین طرح کے لوگ بولتے ہیں۔ ایک اس کو گناہ قرار دیتے ہیں۔ دوسرے اس کے حق میں "فطری" اور "پرسنل چوائس" ہونے کی دلالت کرتے ہیں اور تیسرے.... تیسرے لوگ اس عمل کے مخالفین کو نشانہ بناتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ مخالفت کرنے والے خود فجر پڑھتے ہیں؟ چار بیویوں سے آگے اسلام کا پتا ہے ان کو؟ یہ خود کو اتنا پارسا کیوں ظاہر کرتے ہیں؟ پہلے خود کو دیکھو' پھر نصیحت کرو وغیرہ وغیرہ....

یہ تیسرے لوگ جتنا کہیں کہ ہم اس عمل کے کرنے والوں سے اتفاق نہیں کرتے' یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ لوگ بھی قوم لوط میں شمار ہوتے ہیں۔ اگر داعی کی بات نہیں مانی تو اس پہ پرسنل اٹیک کرو' اس کی ذات کو نشانہ بناؤ' یہ طریقہ آج کا نہیں ہے۔ یہ تو قوم لوط کا طریقہ ہے۔ جاہلوں کا طریقہ

اور النمل سورۃ ہے۔ مبلغین کی۔ ظلم اور برائی کے خلاف کھڑے ہونے والے لوگوں کی' جو نیوٹرل (غیر جانب دار) نہیں رہتے تھے۔

"تو نجات دی ہم نے لوط کو اور اس کے گھر والوں کو۔ سوائے اس کی بیوی کے۔ مقدر کر دیا ہم نے اس کو پیچھے رہ جانے والوں میں سے اور برسائی ہم نے ان پہ بارش۔ تو بہت بری تھی بارش ڈرائے جانے والوں کی۔"

سعدی لکھ رہا تھا۔ کچن میں ہونے والی سرگرمی سے بے نیاز۔

"لوط کی بیوی گو کہ مسلمان تھی مگر قوم کے لیے دل سے ہمدردی رکھتی تھی۔ انسان اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ انجیل مقدس کے مطابق اس نے لوط اور دو بیٹیوں کے ہمراہ نکلتے ہوئے.... پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اور وہ نمک کا مجسمہ بن گئی۔ پتھرا گئی۔ وہیں سے وہ "پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا پتھر کے ہو جاؤ گے" والی اصطلاح نکلی ہے۔ جو گناہ آج لوگوں کو اتنا ہلکا لگتا ہے' پرسنل چوائس لگتا ہے' وہ اتنا سخت ناپسندیدہ ہے اللہ کے نزدیک کہ الہامی کتب میں آتا ہے.... جبریل علیہ السلام نے اپنے پروں پر اس پوری بستی کو اٹھایا' آسمان تک لے کر گئے اور واپس پٹخ دیا۔ وہ زمین میں دھنس گئے۔ ان پہ پتھروں کی تار کولڈ بارش برسی۔ ہر شخص کے اوپر وہ پتھر آکر لگا جس پہ اس کا نام منقش تھا۔ آج اس جگہ پہ بحر مردار (Dead Sea) ہے۔ جہاں کوئی ذی روح نہیں رہ سکتا۔ جہاں پانی کے اندر.... اتنے برسوں بعد بھی کوئی زندگی نہیں ہے۔ نہ زندگی پل سکتی ہے۔ یہ اتنے بڑے گناہ گار تھے اور آج لوگ...."

قلم خشک ہونے لگا۔ اس نے رک کر قلم چھڑکا۔ پھر لکھا.... بے سود۔ اس کا موڈ خراب ہونے لگا۔ لکھنے کے لیے سب سے ضروری چیز ایک اچھا قلم ہوتی ہے۔

سعدی نے خفگی سے اس کے اوپر کے کلپ دیکھے۔ وہاں چار بٹن تھے۔ اس نے موجودہ نب کا بٹن

واپس اوپر کر دیا اور دوسرا گرایا۔ لکھا تو وہ سرخ لکھتا تھا۔ اونہوں۔۔۔ اس نے تیسرا بٹن دبا کر تیزی سے نب نکالی۔ وہ نیلی تھی اور سعدی کو صرف سیاہ روشنائی پسند تھی۔

اس نے چوتھے بٹن کو نیچے کیا تو اندر سے۔۔۔ باریک سی نب نکلی۔ وہ اس سے لکھنے لگا' پھر غور سے دیکھا۔ وہ نب نہیں تھی۔ سوئی کی طرح تھی۔ تیز دھار آلے کی طرح۔۔۔ اس کو آبدار کی آنکھوں کا اشارہ یاد آیا۔ وہ رک کر سوچنے لگا۔ تب ہی دروازہ کھلا تو اس نے جھٹ قلم مٹھی میں دبا لیا اور یوں ظاہر کرنے لگا گویا اپنا لکھا پڑھ رہا ہے۔

گارڈ نے دروازہ بند کیا۔ ٹرے لا کر رکھی۔ باری باری چیزیں نکال کر میز پہ سجائیں۔ پھر۔۔۔ سعدی کی طرف پشت کیے۔۔۔ جیب سے زنجیر کا ٹکڑا نکالا۔ وہ خاور کو باندھی گئی زنجیروں سے مشابہت رکھتی تھی۔ اس پہ خاور کا خون اور ڈی این اے موجود تھا اور گارڈ کے ہاتھوں پہ دستانے چڑھے تھے۔ شفاف باریک دستانے۔

وہ ایک دم پلٹا اور پیچھے سے آ کر سعدی کی گردن میں وہ زنجیر ڈالی۔ بلکہ ڈالنا چاہی مگر سعدی تیزی سے آگے کو جھکا اور خود کو کرسی سمیت دائیں جانب گرا لیا۔ گارڈ کے ہاتھ میں اس کی شرٹ کا پچھلا حصہ آیا تھا۔ وہ اس سے اس کو کھینچتے ہوئے زمین پہ گرانے لگا۔

سعدی چلایا "میری۔۔۔! کوئی ہے؟" اس نے ہاتھوں اور پیروں سے اس کو پرے دھکیلنا چاہا مگر گارڈ کا زور بہت زیادہ تھا۔ وہ گھٹنا سعدی کے سینے پہ رکھ کر پوری قوت سے اسے نیچے گرائے زنجیر اس کی گردن میں ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا اور سعدی مسلسل سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سعدی نے پوری قوت سے اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر پرے ہٹایا اور اس سے پہلے کہ اٹھتا گارڈ نے زور کا مکا اس کے جبڑے پہ رسید کر دیا۔

سعدی کا دماغ بھی گھوم گیا اور چہرہ بھی اور جب چہرہ بائیں جانب گھوما تو اسے دھندلا سا نظر آیا۔ سنہری قلم قریب ہی گرا پڑا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا۔۔۔ پھیلایا۔۔۔ قلم چند انچ دور تھا۔ گارڈ نے اس کی گردن کے گرد زنجیر لپیٹی اور اسے کسنے لگا۔۔۔

سعدی کی انگلیوں نے قلم کو چھوا اور اگلے ہی لمحے اس نے قلم اٹھا کر گارڈ کے جسم کے اندر اتار دیا۔ دھندلی بصارت کے باعث سمجھ نہیں سکا کہ کدھر مارا۔۔۔ مگر منظر ذرا واضح ہوا۔۔۔ گردن کی زنجیر ڈھیلی ہوئی تو دیکھا۔ پین گارڈ کے ہاتھ کی پشت میں کھب چکا تھا۔ زنجیر گارڈ کے ہاتھوں سے پھسل گئی اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اگلے ہی لمحے گھٹنوں کے بل زمین پہ گرا۔ سعدی نے زنجیر گردن سے نکالتے' لڑکھڑا کر کھڑا ہوا اور اسے دیکھا۔

گھٹنوں کے بل بیٹھا گارڈ۔۔۔ سعدی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی اور آنکھوں میں ایک شل سا تاثر تھا۔ منہ سے یکایک جھاگ نکلنے لگا اور وہ منہ کے بل نیچے گرا۔

"Dont die" سعدی نے جلدی سے اسے سیدھا کیا اور اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ گارڈ ابھی تک سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

"مرنا مت' پلیز مت مرنا۔" وہ وحشت سے اس کو جھنجھوڑتے کہہ رہا تھا۔ گارڈ کی متعجب آنکھیں سعدی پہ جمی تھیں۔ وہ اتنی حیران' اتنی ششدر آنکھیں تھیں۔۔۔ کہ سعدی کا دل بند ہونے لگا اور ان آنکھوں میں روشنی بھی تھی۔ زندگی کی رمق۔۔۔ اور پھر۔۔۔ سعدی نے دیکھا۔۔۔ لمحوں میں روشنی کی وہ جوت بجھ گئی۔ گارڈ کا جسم ٹھنڈا نیلا پڑ گیا' بے جان' بالکل سرد۔

یہ وہ پہلا قتل تھا جو سعدی یوسف نے کیا تھا۔

اور یہ وہ پہلی رات تھی جب سعدی یوسف نے سعدی یوسف کو کھو دیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

سویرا فلک

میں سہاگن

اوائل دسمبر کے دن تھے۔ صبح کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ صبح کی نرم چمکتی دھوپ آنگن کی منڈیروں سے اتر کر فرش پر پھیلی تو اماں کے کہنے پر وہ سوکھے ہوئے کپڑے اتارنے چھت پر چلی آئی۔ سورج کی گرم کرنیں جسم میں توانائی بھر رہی تھیں۔

"واہ اللہ جی کیا شان ہے تیری۔ گرمیوں میں یہی سورج ایسی تباہی مچا رہا ہوتا ہے کہ ہر کوئی اس سے چھپتا پھر رہا ہوتا ہے۔ اور سرد ہواؤں کی آمد کے ساتھ ہی ہر کوئی اس کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے۔" وہ دل میں سوچ کر آسمان کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی پھر مرغیوں کے دڑبے کی طرف آئی اور اس پر بچھا موٹا کپڑا جو انہیں سردی سے بچانے کے لیے ڈال رکھا تھا' ہٹا کر دروازہ کھول دیا تو مرغیاں کٹ کٹ کرتی پروں کو پھیلا کر سورج کی گرمائش کو اپنے اندر جذب کرنے لگیں وہ رسی کی طرف آئی اور کپڑے اتار کر چھت پر بچھے تخت پر ڈالنے لگی تاکہ دھوپ سینکتے سینکتے انہیں تہ کرنے کا کام بھی نمٹا لے۔ جونہی رسی خالی ہوئی سامنے والی انجم خالہ کے آنگن کا منظر دیکھ کر خوشی اس کی باچھیں کھل اٹھیں۔ اور خوشی سے تقریباً" چیختے ہوئے بولی۔

"ہائے مسرت تو کب آئی؟" مسرت اس کی بچپن کی سہیلی تھی۔ دونوں ساتھ کھیلی اور ساتھ پڑھی تھیں۔ پھر میٹرک کرتے ہی مسرت کا اچھا رشتہ آنے پر انجم خالہ نے اس کی شادی کردی کہ باپ کا سایہ بھی سر پر نہ تھا۔ مسرت کی شادی کو تین سال ہوگئے تھے مگر آج بھی دونوں میں خوب گاڑھی چھنتی تھی۔ اس لیے جب بھی مسرت میکے آتی دونوں خوب باتیں کرتیں۔ ساتھ جاکر شاپنگ کرتیں اور دہی بھلے کھاتیں جو دونوں ہی کے من پسند تھے۔

"توبہ ہے نسرین۔ تو نے ڈرا ہی دیا۔ رات آئی تھی۔ میاں جی چھوڑ گئے تھے۔" مسرت نے مٹر کے دانے سمیٹتے ہوئے کہا جو نسرین کی تیز آواز پر چونکنے کے باعث اس کے ہاتھ سے گر کر تخت پر بکھر گئے تھے۔

"بس تجھے اتنے دنوں بعد اچانک دیکھا تو یقین ہی نہیں آیا اور تو نے میسج بھی نہیں کیا اس بار آنے کا۔ خیر اچھا لگا سرپرائز۔ چل میں آتی ہوں، پھر دونوں سکھیاں مل کر خوب ساری باتیں کریں گے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی تو مسرت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

پھر اس نے جلدی سے مرغیوں کو واپس دڑبے میں بند کیا اور پلنگ پر پھیلے کپڑوں کو ایک چادر میں ڈال کر گٹھڑ بنایا اور تیزی سے سیڑھیاں اترتی نیچے چلی آئی۔ اماں بھی آنگن میں بیٹھی مٹر ہی چھیل رہی تھیں۔

"اماں میں انجم خالہ کے یہاں جارہی ہوں۔ مسرت آئی ہوئی ہے۔ آکر پلاؤ بھی بنادوں گی اور کپڑے بھی تہ کروں گی۔ تم بس یہ پیالہ بھر مٹر چھیل کر آرام کرو۔ میں یہ باقی مٹر بھی رات میں چھیل دوں گی۔" نسرین ماں کا خیال رکھنے والی سعادت مند اولاد تھی۔ مگر اس وقت اسے مسرت سے ملنے کی جلدی تھی' اماں اس کی دیوانگی سے خوب واقف تھیں۔ اس لیے ہنستے ہوئے پیار سے بولیں۔

"ہاں ہاں سن لیا میں نے۔ تیری جوش بھری آواز نے تو محلے کو خبر کردی ہوگی کہ تیری سکھی سہیلی آئی

ہے۔ جا تو آرام سے مل لے اس سے۔ پلاؤ میں دم دے لوں گی۔ چار لوگوں کا کتنا کھانا بنے گا میری چندا۔ جا خوش رہ۔" اور وہ خوشی سے نہال ہو کر سر پر دوپٹہ جما کر انجم خالہ کے گھر کی طرف دوڑی تو پانچ منٹ بعد ہی انجم خالہ کا گیٹ بجا رہی تھی۔ دستک کی آواز پر مسرت نے ہی دروازہ کھولا تو نسرین جھٹ اس کے گلے لگ گئی۔

"بڑے دن بعد آئی اس بار۔"

"ہاں بس۔ بتایا تھا ناں۔ سسرال میں شادیاں بہت تھیں۔ فرصت ہی نہیں مل رہی تھی۔" مسرت نے اس کے رخسار سے اپنا گال ملاتے ہوئے کہا۔

"ہاں خالہ نے بھی بتایا تھا۔ تجھ سے تو فون پر بھی صحیح بات نہیں ہو پا رہی تھی۔ اچھا سن' اتنے دنوں بعد آئی ہے تو اب رہے گی ناں۔" نسرین نے مسرت کے ہاتھ تھام کر بچوں کی طرح لاڈ سے پوچھا تو مسرت اس کی بیتابی دیکھ کر مسکرا دی۔

"ہاں ہاں ہفتہ بھر رکوں گی پورے۔"

"ہائے اللہ جی سچی۔ اچھا وہ ببلو کہاں ہے دکھائی نہیں دے رہا اور خالہ کدھر گئی ہیں؟" نسرین نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے مسرت کے بیٹے اور اماں کی بابت دریافت کیا۔

"اب تو کیا ساری باتیں ادھر کھڑے کھڑے ہی کرلے گی۔ پہلے آکر بیٹھ تو جا سکون سے۔" مسرت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھایا اور خود بھی آلتی پالتی مار کر اس کے سامنے بیٹھ گئی اور مٹر کے دانے نکالتے ہوئے بولی۔

"ببلو سو رہا ہے۔ رات میں اماں کے ساتھ دیر تک لگا رہا۔ اور اماں اندر کچن میں ہیں' میرے لیے آلو کے پراٹھے بنا رہی ہے جب کہ میں نے تو اتنا منع کیا مگر مانتی ہی نہیں۔ کہتی ہے میری بیٹی بہت کمزور ہو گئی ہے۔ ڈھنگ سے کھاتی پیتی نہیں۔"

"صحیح تو کہتی ہے خالہ۔ اتنا بڑا سارا سسرال ہے تیرا۔ پھر بچے کا ساتھ۔ اب تو یہاں رج کے آرام کر۔ یہاں پر بھی تو مٹر لے کر بیٹھ گئی۔" نسرین نے چمکتے گالوں اور فربہ جسم والی مسرت کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس سوچا اماں کا تھوڑا ہاتھ بٹا دوں۔ بھابھی صاحبہ تو میرے آنے کی اطلاع ملتے ہی اپنے میکے بھاگ گئیں کہ پھر موقع نہیں ملتا۔" مسرت نے مٹر کے چند دانے خود منہ میں ڈالے اور چند ہتھیلی پر دھر کے نسرین کے آگے کر دیے۔

"بیٹی ہے نا۔ بیٹیوں کا تو کام ہی ماں کو سکھ دینا ہے۔ اچھا سن' آج اتوار بازار لگا ہے۔ تجھے میرے ساتھ چلنا ہے۔ میں نے سردیوں کے کپڑے ابھی تک نہیں لیے۔ ایک تو تجھے گھر کے حالات کا پتا ہی ہے۔ ابا رکشہ چلا کر کماتا ہی کتنا ہے اوپر سے مہنگائی۔ اماں کے بلڈ پریشر کی دوائیں اور چھوٹے وقاص کے اسکول کی فیس۔ یہ تو اماں نے بیسی ڈالی تھی اوپر چھت پر کمرا بنانے کے لیے۔ تاکہ کرائے پر دے کر کچھ آمدنی کا وسیلہ بنے تو چپکے سے میرے ہاتھ میں ہزار روپے رکھ دیے۔ میں نے سوچا قمیصوں کا کپڑا لے کر سی لوں گی۔ شلواریں پلین کپڑے کی پڑی ہیں' وہی چل جائیں گی۔ ویسے بھی یہاں کون سا سردیاں زیادہ رہتی ہیں۔" نسرین نے ایک دانہ پھانکتے ہوئے کہا۔

"ہاں ضرور چلیں گے۔ اس بار میں بھی اب تک کچھ نہیں کر سکی۔ ببلو کو بھی کپڑے وہی پچھلے سال کے پسنا رہی ہوں جو چھوٹے ہو گئے تھے۔ ایک تو میاں جی سے ضرورت کے پیسے بھی مانگو تو منہ بن جاتا ہے۔ کہنے لگے ابھی شادی میں تو نئے کپڑے بنائے ہیں۔ بھلا بتاؤ کہ شادی بیاہ کے کپڑے بندہ گھر میں یا عام آنے جانے میں تو نہیں پہن سکتا۔ پھر بڑھتے بچے کے کپڑے سال بھر میں چل جائیں تو بڑی بات ہے۔ ہونہہ۔ بس اماں کے لیے جھٹ سے نکل آتے ہیں۔ بیوی تو کسی گنتی میں ہی نہیں۔" مسرت منہ بنا کر میاں کے قصے سناتے بولی تو نسرین نے حیرت سے کہا۔

"تو بھائی صاحب تجھے خرچہ نہیں دیتے کیا؟"

"ارے رہنے دو۔ تین ہزار کیا ہوتے ہیں بھلا جب کہ تنخواہ پوری سترہ ہزار بس راشن پانی لا کر احسان کر دیا۔ کوئی میں اکیلے کھاتی ہوں۔ میں نے بھی کہہ دیا کہ ٹھیک ہے اب کہیں چلنے کو نہ کہنا۔ کیا میرا بچہ ادھ نچے کپڑے پہن کر آئے گا جائے گا اور میں نے گھسے ہوئے سوٹ پہن کر اپنی ہنسی نہیں اڑوانی۔ تو منہ بنا کر چار ہزار دیے اس میں بھی یہ تاکید اماں کی جرسی اور سوٹ بھی لے آنا۔ تم کیا جانو ان شوہروں کی خصلت۔

بیوی کو بوجھ سمجھتے ہیں بس۔" مسرت نے ناک چڑھا کر کہا تو نسرین نے یہ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا کہ اس کی دوست شادی شدہ ہے تو ظاہر ہے شوہروں کی اصل فطرت کا تو اسے ہی علم ہوگا۔

اتنے میں انجم گرما گرم پراٹھے اور چٹنی کی ٹرے لیے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آنگن میں آئیں تو نسرین نے جلدی سے اٹھ کر ان سے ٹرے لے لی اور سلام جھاڑا۔

"جیتی رہو۔ اور بھئی کیا باتیں ہو رہی ہیں دونوں سہیلیوں میں۔" انجم خالہ مسکراتے ہوئے بولیں تو نسرین ہنستے ہوئے بولی۔

"بس خالہ مت پوچھیں۔ اتنی خوشی ہو رہی ہے مسرت کے آنے کی۔ ایک ہی تو میری سہیلی ہے۔ جس سے میں دل کی ساری باتیں کر لیتی ہوں۔"

"مسرت بھی تیرے لیے ایسے ہی بے چین تھی۔ رات میں ہی تجھے بلانے لگی تھی پر میں نے کہا کہ سردی میں لوگ جلد بستروں میں دبک جاتے ہیں۔ اچھا نہیں لگتا۔"

انجم خالہ اب تخت تک پہنچ چکی تھیں۔ وہ اپنا گھٹنا پکڑ کر بمشکل تخت پر بیٹھیں تو درد سے آہ نکل گئی۔

"ارے کیا ہوا اماں۔" مسرت گھبرا گئی۔

"ارے کچھ نہیں بیٹا۔ بس وہی موا جوڑوں کا درد۔ سردیوں میں تو اور جان کو ہی چمٹ جاتا ہے۔" انجم خالہ نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنا گھٹنا دباتے ہوئے کہا۔

"تو اماں۔ ڈاکٹر کو نہیں دکھایا۔ اسد بھائی کو بول نا، لے کر جائے۔" مسرت کے لہجے میں ماں کے لیے فکر تھی۔

"اسد نے دکھایا تھا بیٹا۔ ڈاکٹر نے دوا لکھی تھی۔ کھا بھی رہی تھی، ابھی چار دن پہلے ہی ختم ہوئی ہے۔ کہہ رہا تھا تنخواہ ملے گی تو لے آوے گا۔" انجم خالہ نے تفصیل بتاتے ہوئے مٹر کا تھال اپنی طرف کھسکایا۔

"تو اماں بھائی تمہیں ہر ماہ خرچے اور دوائیوں کے پیسے کیوں نہیں دیتا تاکہ اکٹھی دوا آجائے، بتاؤ اب پورا ہفتہ دوا نہ کھا کر تم تتی تکلیف میں رہوگی۔" مسرت کو بھائی پر غصہ آنے لگا تھا۔

"ارے بیٹا۔ کہاں سے دے گا، پندرہ ہزار میں کیا کرے گا بھلا۔ دو چھوٹے بچے ہیں۔ ان کے اسکول کے خرچے الگ ہیں۔ پورا گھر تو وہی چلاتا ہے۔ میرا بھی جہاں تک ممکن ہوتا ہے کر ہی دیتا ہے۔" انجم خالہ نے بیٹے کی طرف داری کی تو مسرت کو اور غصہ آگیا۔ وہ تنک کر بولی۔

"رہنے دو اماں۔ ابھی بیوی کو میکے لے گیا ہے اور وہ خوب لدی پھندی آئے گی تو ظاہر ہے بھائی ہی پیسے دیتے ہیں نا۔ مجھے اچھی طرح پتا ہے یہ ساری پٹیاں صبا بھائی کی ہی پڑھائی ہوئی ہیں کہ اخراجات کا رونا رو کہ ماں کو پیسے نہ دینا پڑیں۔ میں بولوں گی تو بھائی کہے گا چھوٹی ہو کر بولتی ہے اور تم نے کچھ بولنا ہے نہیں۔ ماں ہو۔ پہلا حق تمہارا بنتا ہے۔ گھر چلاتا ہے تو احسان نہیں کرتا۔ فرض ادا کرتا ہے اپنا۔"

"ارے تو یہ کن باتوں میں پڑ گئی ہے۔ چل جلدی سے پراٹھے کھا نسرین تو بھی لے بیٹا۔ ٹھنڈے ہونے لگے ہیں۔" انجم خالہ نے پراٹھوں کی ٹرے دونوں کے آگے رکھی اور خود مٹر میں سے دانے نکالنے لگیں اور نسرین نوالے توڑتے ہوئے سوچنے لگی کہ وہ کیسے مسرت سے کہے کہ ایسی باتیں خاندان کو ایسے ہی بکھیرتی ہیں جیسے مٹر کے دانے چھلکوں سے الگ ہوتے ہی ادھر ادھر گرتے ہیں۔ مگر اسے خوب معلوم تھا کہ مسرت یہی کہے گی۔

"تم کیا جانو، میں خوب جانتی ہوں۔" سو وہ چپکی رہی کیوں کہ آخر مسرت اس کی اکلوتی سہیلی تھی۔ اور وہ اسے ناراض کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اور اتنا تو وہ جانتی ہی تھی کہ مسرت جیسی عورتیں "میں نہ مانوں" کی عملی تفسیر ہوتی ہیں۔
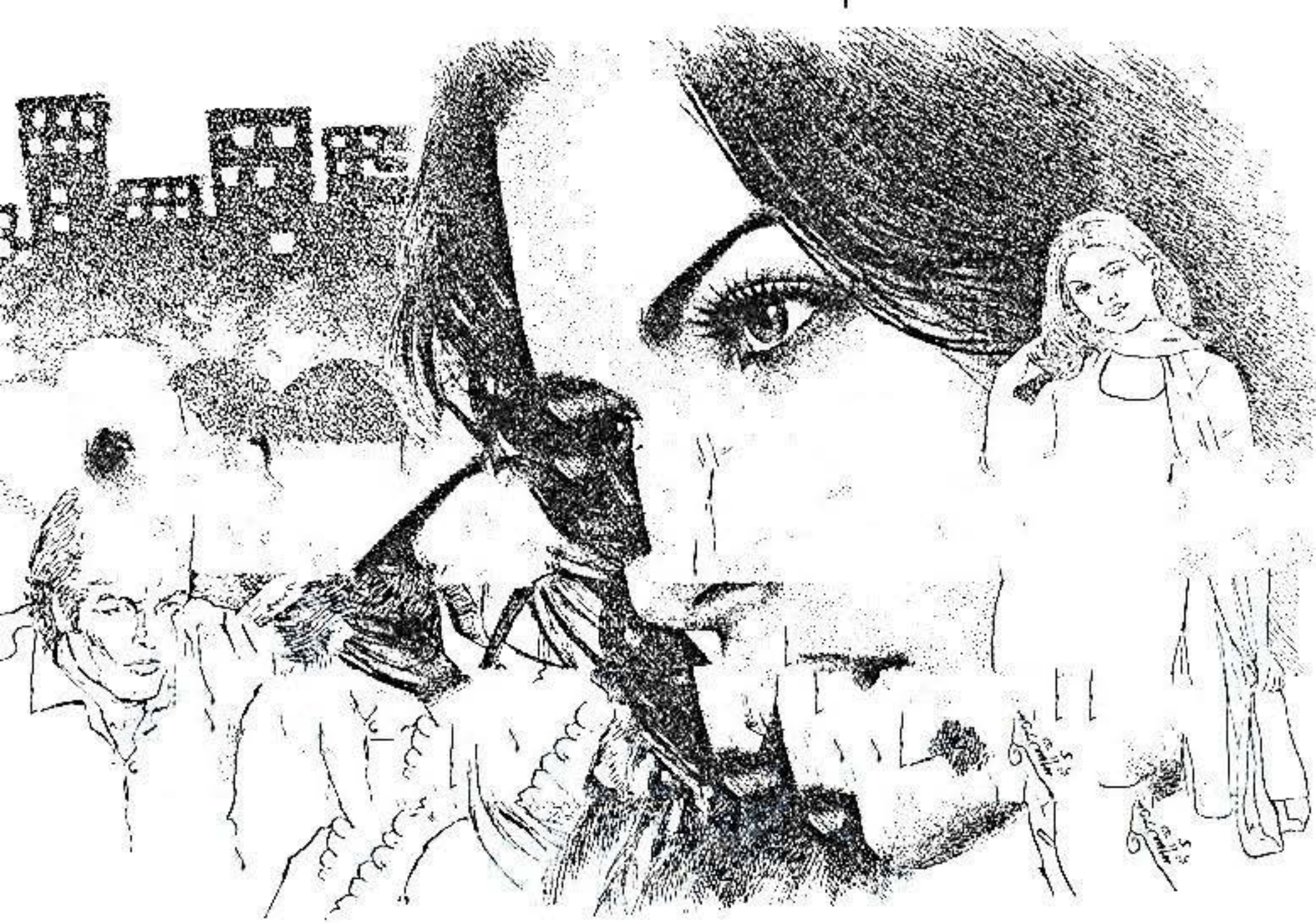
عمیرہ احمد

آب حیات کی کہانی تاش کے تیرہ پتوں میں چھپی ہوئی ہے۔

2۔ ایک خوب صورت اتفاق نے امامہ اور سالار کو یکجا کردیا ہے۔ سالار نے امامہ کو ایررنگز دیے ہیں۔ وہ بالکل ویسے ہی ہیں، جیسے امامہ شادی سے قبل پہنتی تھی اور جو اسے اس کے والد ہاشم نے دیے تھے۔ سکندر عثمان نے اس شادی کو کھلے دل سے قبول کیا۔

9۔ سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے ایک کمرے میں چار اشخاص گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے ایک پروجیکٹ پر کام کررہے ہیں۔ انہیں ایک شخص بلکہ اس کی پوری فیملی کے تمام بیرونی معاملات اور ذاتی زندگی کی تمام تر مکمل معلومات حاصل ہیں اور انہیں اس میں سے کسی ایسے پوائنٹ کی ضرورت ہے جس کی بنیاد پر وہ اس شخص پر ہاتھ ڈال سکیں۔ لیکن اس شخص ــــ سمیت اس کی فیملی کے نہایت شفاف ریکارڈ سے اب تک کوئی مشکوک بات نہیں نکال سکے مگر آخری پندرہ منٹ میں انہیں اس فیملی کی کسی لڑکی کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے کوئی سراغ ملا جاتا ہے۔

J۔ وہ کئی راتوں سے تکلیف میں تھی۔ سکون آور ادویات کے بغیر سو نہیں پا رہی تھی۔ وہ اپنے باپ سے بس ایک سوال کرنے آئی تھی کہ اس نے اس کی فیملی کو کیوں مار ڈالا۔

6۔ اسپیلنگ بی کے بانوے مقابلے کے فائنل میں تیرہ سالہ اور نو سالہ دو بچے چودھویں راؤنڈ میں ہیں۔ تیرہ سالہ نینسی نے نو حرفوں کے لفظ کا ایک حرف غلط بتایا۔ اس کے بعد نو سالہ ایک خود اعتماد بچے نے گیارہ حرفوں کے لفظ کی درست اسپیلنگ بتادیں۔ ایک اضافی لفظ کے درست ہجے بتانے پر وہ مقابلہ جیت سکتا تھا۔ جسے غلط بتانے کی صورت میں تیرہ سالہ بچی دوبارہ فائنل میں آجاتی۔ وہ اضافی لفظ سن کر اس خود اعتماد، مطمئن اور ذہین بچے کے چہرے پر پریشانی پھیلی، جسے دیکھ کر اس کے والدین اور ہال کے دیگر مہمان بے چین ہوئے مگر اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کی سات سالہ بہن مسکرادی۔

A۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بددیانتی کر رہی ہے مگر پھر بھی اس نے اس کتاب کے پہلے باب میں تبدیلی کردی اور ترمیم شدہ باب کا پرنٹ نکال کر دیگر ابواب کے ساتھ فائل میں رکھ دیا۔

7۔ وہ دونوں ایک ہوٹل کے بار میں تھے۔ لڑکی نے اسے ڈرنک کی آفر کی مگر مرد نے انکار کردیا اور سگریٹ پینے لگا۔ لڑکی نے پھر ڈانس کی آفر کی، اس نے اس بار بھی انکار کردیا۔ وہ لڑکی اس مرد سے متاثر ہو رہی تھی۔ وہ اسے رات ساتھ گزارنے کے بارے میں کہتی ہے۔ اب کے وہ انکار نہیں کرتا۔

4۔ وہ اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اسے چھوڑ آئی ہے۔ ایک بوڑھی عورت کے سوال و جواب نے اسے سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔ اب وہ خود اپنے اس اقدام سے غیر مطمئن اور ملول نظر آتی ہے۔

سولہویں قسط

یا مجیب السائلین

ناشتے کی میز پر امامہ نے جبریل کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھی تھیں جو سلام کرکے سالار یا امامہ سے نظریں ملائے بغیر آکر کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟"

امامہ نے اس کا ماتھا چھو کر جیسے ٹمپریچر معلوم کرنے کی کوشش کی۔

"جی ممی ٹھیک ہوں۔" جبریل کچھ گھبرایا۔ نظریں اٹھائے بغیر اس نے پلیٹ میں پڑا آملیٹ چھری اور کانٹے سے کاٹنے کی کوشش کرتے ہوئے جیسے امامہ کی توجہ اپنے چہرے سے ہٹانے کی کوشش کی۔

چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے سالار نے بھی اسی لمحے جبریل کو دیکھا تھا لیکن کچھ کہا نہیں۔

"تم جاگتے رہے ہو کیا ساری رات؟" امامہ کو اس کی آنکھیں ابھی بھی تشویش میں مبتلا کر رہی تھیں۔

"نہیں ممی! یہ بہت رویا ہے۔"

اس سے پہلے کہ جبریل کوئی اور بہانہ بنانے کی کوشش کرتا، حمین نے سلائس کا کونا دانتوں سے کاٹتے ہوئے بے حد اطمینان سے جبریل کو جیسے بھرے بازار میں ننگا کر دیا۔ کم از کم جبریل کو ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔ ٹیبل پر موجود سب لوگوں کی نظریں بیک وقت جبریل کے چہرے پر گئیں، وہ جیسے پانی پانی ہوا۔

ایک بھی لفظ کہے بغیر امامہ نے سالار کو دیکھا، سالار نے نظریں چرائیں۔

سلائس کے کونے کترتا ہوا حمین، بے حد اطمینان سے، رات کے اندھیرے میں بستر میں چھپ کر بہائے گئے ان آنسوؤں کی تفصیلات کسی کمنٹری کرنے والے کے انداز میں بغیر رکے بتاتا چلا جا رہا تھا۔

"جبریل روز روتا ہے۔ اور اس کی آوازوں کی وجہ سے میں سو نہیں پاتا۔ اور جب میں اس سے پوچھتا ہوں کہ کیا وہ جاگ رہا ہے تو وہ جواب نہیں دیتا۔ ایسے ظاہر کرتا ہے جیسے وہ سو رہا ہے۔ مگر مجھے۔۔۔"

ناشتے کی میز پر حمین کے انکشافات نے ایک عجیب سی خاموشی پیدا کر دی تھی۔

"اور ممی، مجھے پتا ہے کہ یہ کیوں روتا ہے۔"

حمین کے آخری جملے نے امامہ اور سالار کے پیروں کے نیچے سے نئے سرے سے زمین کھینچی تھی۔

"لیکن میں یہ بتاؤں گا نہیں کیونکہ میں نے جبریل سے پرامس کیا ہے کہ میں کسی سے اس کو شیئر نہیں کروں گا۔ میں کسی کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔"

حمین نے اعلان کرنے والے انداز میں ایک ہی سانس میں انہیں چونکایا اور دہلایا۔ سالار اور امامہ دونوں کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا ردعمل ظاہر کریں۔ خاموش رہیں۔ حمین کو کریدیں۔ جبریل سے پوچھیں۔ کریں کیا؟ اور جانیں کیا۔

"میں تو نہیں روتا۔"

حمین کے خاموش ہونے کے بعد ماں باپ کو دیکھتے ہوئے جبریل نے حلق میں پھنسی ہوئی آواز کے ساتھ جیسے اپنا پہلا دفاع کرنے کی کوشش کی اور حمین نے اس پہلی کوشش کو پہلے ہی وار میں زمین بوس کر دیا۔

"او۔ مائی گاڈ! اب تم جھوٹ بھی بول رہے ہو۔"

"تم حافظ قرآن ہو کر جھوٹ بولتے ہو۔"

سلائس کا آخری بچا ہوا ٹکڑا ہاتھ میں پکڑے حمین سکندر نے اپنی آنکھوں کو حتی المقدور پھیلایا۔ جبریل پر کچھ اور پانی پڑا۔ اس کا چہرہ کچھ اور سرخ ہوا۔

"ممی! جھوٹ بولنا گناہ ہے نا؟"

حمین نے جیسے ماں سے تصدیق کرنے کی کوشش کی۔

"حمین! خاموش ہو جاؤ اور ناشتا کرو۔" اس بار سالار نے مداخلت کی اور اسے کچھ سخت لہجے میں گھرکا۔ اپنے حواس بحال کرنے کے بعد صورت حال کو سنبھالنے اور جبریل کو اس سے نکالنے کی' یہ اس کی پہلی کوشش تھی۔

امامہ اب بھی سرد ہاتھوں کے ساتھ وہاں بیٹھی جبریل کو دیکھ رہی تھی۔ اس لمحے اس نے دعا کی تھی کہ جبریل کچھ نہ جانتا ہو۔ اس کے آنسوؤں کی وجہ وہ نہ ہو جو وہ سمجھ رہی ہے۔ اور حمین۔ اس نے حمین کو کیا بتایا تھا؟

ناشتا ختم کرنے تک سالار نے حمین کو دوبارہ اس کے احتجاج کے باوجود منہ کھولنے نہیں دیا تھا۔

ان چاروں کو پورچ میں کھڑی گاڑی میں بٹھانے اور ڈرائیور کے ساتھ اسکول بھیجنے کے بعد امامہ' سالار کے پیچھے اندر آگئی تھی۔

"جبریل کو میری بیماری کے بارے میں پتا ہے۔"

سالار نے اندر آتے ہوئے مدھم آواز میں اسے بتایا۔ وہ اس کے پیچھے آتے آتے رک گئی۔ پاؤں اٹھانا بھی کبھی دنیا کا مشکل ترین کام بن جاتا ہے' یہ اس لمحے اسے معلوم ہوا تھا۔ کچھ حلق میں بھی اٹکا تھا۔ پتا نہیں وہ سانس تھا یا پھندا... تو اس دن وہ اسے ہی تسلیاں دے رہا تھا اور اسے جو لگ رہا تھا کہ شاید جبریل کو کچھ پتا لگ گیا ہے۔ شاید جبریل کچھ پریشان لگ رہا ہے۔ وہ وہم نہیں تھا۔

"رات کو بات ہوئی تھی میری اس سے۔" سالار اسے بتا رہا تھا۔

"کب...؟" اس نے بمشکل آواز نکالی۔

"رات گئے... تم سو رہی تھیں... میں لاؤنج میں کسی کام سے گیا تھا' وہ کمپیوٹر پر برین ٹیومر کے علاج کے بارے میں جاننے کے لیے میڈیکل ویب سائٹ کھولے بیٹھا تھا۔ وہ کئی ہفتوں سے ساری ساری رات یہی کرتا رہا ہے۔ میں نے پوچھا نہیں۔ اسے کس نے بتایا' کب پتا چلا لیکن مجھے لگتا ہے اسے شروع سے ہی پتا ہے۔"

وہ اب دوبارہ اسی ڈیسک ٹاپ کو کھولے کرسی پر بیٹھا تھا جو وہ پچھلی رات بھی کھولے بیٹھا رہا تھا۔

"مجھے شک ہے... شاید اس نے حمین اور عنایہ کو بھی بتایا ہو۔"

وہ سالار کے عقب میں کھڑی تھی۔ سالار کمپیوٹر کی اسکرین پر ان ویب سائٹ کو بند کر رہا تھا اور ڈیلیٹ کر رہا تھا' جو وہ رات کو نہیں کر سکا تھا۔ امامہ کے حلق میں اٹکی چیز آنسوؤں کے گولے میں بدلی۔

محمد جبریل سکندر کنویں سے زیادہ گہرا تھا۔ وہ ماں باپ کے ساتھ ایک بار پھر ایک بے آواز تماشائی کی طرح ان کی زندگی کی تکلیف اور اذیت کو جھیل رہا تھا۔ جیسے اس نے کئی سال پہلے اپنی پیدائش سے بھی پہلے امامہ کے وجود کے اندر جھیلی تھی۔ جب وہ وسیم کی موت کے بعد اپنی زندگی کے اس وقت کے سب سے بدترین مرحلے سے گزری تھی۔ وہ بڑوں کا بوجھ تھا' بڑوں کو ہی ڈھونا چاہیے تھا۔ اس کے کندھے اس سے نہیں جھکنے چاہیے تھے۔ وہ دو بڑے اس وقت شرمسار تھے۔

"اس نے تم سے کیا کہا؟" اس نے بالآخر ہمت کر کے سالار کے عقب میں کھڑے ہو کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"بابا! میں آپ کو مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔" مدھم آواز میں سالار کے جواب نے ایک نشتر کی طرح اسے کاٹا تھا۔

بچپن کمال کی چیز ہے' ساری لفاظی' تکلف' لحاظ کا پردہ پھاڑ کر دل کی بات کو یوں کہتا ہے کہ دل نکال کر رکھ دیتا

"اس نے تم سے وہ کہا جو میں نہیں کہہ سکی۔" سالار نے اپنے کندھوں پر اس کے ہاتھوں کی نرمی اور اس کے لفظوں کی گرمی کو جیسے ایک ہی وقت میں محسوس کیا تھا۔

"میں کچھ ہفتوں تک آپریشن کروا رہا ہوں۔ دو ہفتوں میں یہاں سے واپس پاکستان جائیں گے، تم لوگوں کو پاکستان چھوڑ کر پھر میں امریکہ جاؤں گا، سرجری کے لیے۔"

اس نے امامہ کو مڑ کر نہیں دیکھا تھا، نہ اس کے ہاتھ کندھوں سے ہٹائے تھے۔ نہ اسے تسلی دی تھی۔ وہ اسے جبریل کی طرح سینے سے لپٹا کر وہ وعدہ نہیں کر سکتا تھا جو اس نے جبریل سے کیا تھا۔ وہ بچہ تھا۔ وہ بچہ نہیں تھی۔ وہ بہل گیا تھا۔ وہ بہل نہیں سکتی تھی۔

"مجھے تمہیں ایک کام سونپنا ہے امامہ۔" سالار نے بالآخر کمپیوٹر آف کرتے ہوئے امامہ سے کہا۔

"کیا؟" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"ابھی نہیں بتاؤں گا.... آپریشن کے لیے جانے سے پہلے بتاؤں گا۔"

"سالار! مجھے کوئی کام مت دینا.... کچھ بھی....." وہ رو پڑی۔

"کوئی بڑا کام نہیں ہے۔ تمہارے لیے کوئی مشکل کام بھی نہیں ہے۔"

وہ اب کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اب ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔

"میں کوئی آسان کام بھی نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے سر جھٹکتے ہوئے بے حد بے بسی سے کہا۔ وہ ہنس پڑا۔ عجیب تسلی دینے والے انداز میں اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔

"اپنی آٹو بائیو گرافی (خودنوشت) لکھ رہا ہوں، پچھلے کچھ سالوں سے..... سوچتا تھا بڑھاپے میں پبلش کرواؤں گا۔" وہ خاموش ہوا.... پھر بولنے لگا۔ "وہ نامکمل ہے ابھی..... میں بہت کوشش بھی کروں تب بھی اسے مکمل نہیں کر سکتا، لیکن تمہارے پاس رکھوانا چاہتا ہوں..... یہ چاروں ابھی بہت چھوٹے ہیں.... مجھے نہیں پتا آپریشن کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ مجھے یہ بھی نہیں پتا..... آگے کیا ہونے والا ہے۔ لیکن پیچھے جو کچھ ہو چکا ہے، وہ لکھ چکا ہوں میں اور میں چاہتا ہوں تم اسے ان چاروں کے لیے اپنے پاس محفوظ رکھو۔"

ان جملوں میں عجیب بے ربطی تھی، وہ اس سے کھل کر یہ نہیں کہہ پایا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد وہ اس کے بچوں کے ہوش سنبھالنے پر ان سے ان کے باپ کا تعارف ان کے باپ کے لفظوں میں ہی کروائے۔ وہ اس سے یہ بھی نہیں کہہ سکا تھا کہ اسے آپریشن میں ہونے والی کسی پیچیدگی کے نتیجے میں ہونے والی دماغی بیماری کا بھی اندیشہ تھا۔ اس نے جو نہیں کہا تھا۔ امامہ نے وہ بھی سن لیا تھا۔ بس صرف سنا تھا۔ وہ آنے والے وقت کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ برا وقت تھا اور وہ برے وقت سے آنکھیں بند کر کے گزرنا چاہتی تھی۔

"کتنے چیپٹرز ہیں اس کتاب کے؟" اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھا۔

"سینتیس سال کی عمر میں پہلا چیپٹر لکھا تھا، پھر ہر سال ایک چیپٹر لکھتا رہا ہوں۔ ہر سال ایک لکھنا چاہتا تھا۔ زندگی کے پہلے پانچ سال... پھر اگلے پانچ.... پھر اس سے اگلے.... ابھی زندگی کے صرف چالیس سال ریکارڈ کر پایا ہوں۔" وہ بات کرتے کرتے رکا.... چیپٹر گنوائے بغیر وہ عمر گنوانے بیٹھ گیا تھا۔

"چالیس کے بعد بھی تو زندگی ہے۔ 41-42-43" وہ بات کرتے کرتے اٹکی.... رکی.... ہکلائی۔

"وہ جو ہے، اسے میں document نہیں کرنا چاہتا۔ تم کرنا چاہتی ہو تو کر لینا۔" کیا وہ اجازت دے رہا تھا۔ اسے جیسے کہہ رہا ہو تم یاد رکھنا چاہتی ہو یہ عرصہ تو یاد رکھ لینا۔

"کہاں ہے کتاب؟" وہ یہ سب نہیں پوچھنا چاہتی تھی، پھر بھی پوچھتی جا رہی تھی۔

"اسی کمپیوٹر میں ہے۔" وہ دوبارہ کمپیوٹر آن کرنے لگا اور ڈیسک ٹاپ پر پڑے ایک فولڈر کو کھول کر اس نے

امامہ کو دکھایا۔ فولڈر کے اوپر ایک نام چمک رہا تھا۔ تاش....

"تاش؟" امامہ نے رندھی آواز میں پوچھا۔

"نام ہے میری آٹوبائیوگرافی کا۔" وہ اب اسے دیکھے بغیر فولڈر کھولے اسے فائلز دکھا رہا تھا۔

"انگلش میں لکھی جانے والی آٹوبائیوگرافی کا نام اردو میں رکھو گے؟" اسٹڈی ٹیبل کے کونے سے ٹکی وہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"میری زندگی کو اس لفظ سے زیادہ بہتر کوئی (بیان) نہیں کر سکتا۔ کیا فرق پڑتا ہے، تم لوگوں کے لیے لکھی ہے، تم لوگ تو سمجھ سکتے ہو، تاش کیا ہے۔"

وہ اس کی طرف دیکھے بغیر مدھم آواز میں بولتا ہوا صفحات کو اسکرول ڈاؤن کر رہا تھا۔ لفظ بھاگتے جا رہے تھے، پھر غائب ہو رہے تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس کی زندگی کے سال غائب ہوئے تھے۔ پھر وہ آخری چیپٹر آخری صفحے پر جا رکا تھا۔ آدھا صفحہ لکھا ہوا تھا، آدھا صفحہ خالی تھا۔ سالار نے اس فولڈر کو کھولنے کے بعد پہلی بار سر اٹھا کر امامہ کو دیکھا، نم آنکھوں کے ساتھ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"تم پڑھنا چاہو گی؟" اس نے مدھم آواز میں امامہ سے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

✲ ✲ ✲

وہ کتاب امامہ نے اس دن اس کے آفس جانے اور اپنے بچوں کے اسکول واپس آنے سے پہلے ختم کرلی تھی۔ اس نے آٹھ چیپٹرز میں اپنی زندگی کے چالیس سال محفوظ کیے تھے اور بڑی بے رحمی کے ساتھ اپنی زندگی کو رقم کیا تھا۔ امامہ ہاشم کو کتابیں پڑھنے کا شوق تھا لیکن صرف رومانس.... صرف تصوراتی.... سچ اور تلخ حقائق پر مشتمل خودنوشت سوانح نہیں اور وہ بھی ایسی کتاب جس کا مرکزی کردار اس کی اپنی زندگی کا ہیرو تھا۔ جو کچھ اس نے اس کتاب میں اپنے حوالے سے لکھا تھا۔ وہ کبھی اس کے منہ سے سننے کی ہمت نہیں رکھ سکتی تھی۔ وہ اس سے خفا ہو جاتی۔ بددل بھی.... بدگمان بھی.... لیکن وہ اس کے بارے میں سب کچھ پڑھ رہی تھی۔ سن نہیں رہی تھی۔ تنہا تھی۔ اس کے سامنے نہیں تھی اور وہ سفاکی اور بے رحمی کی حد تک اپنے بارے میں صاف گوئی دکھا رہا تھا۔ اپنے سارے عیب.... ساری غلطیاں.... ساری گمراہیاں.... خامیاں.... سب....

اور پھر اس کی زندگی میں امامہ ہاشم نے کیا رول ادا کیا تھا.... وہ بھی.... اس کی اولاد نے کیا تبدیلی کی تھی، وہ بھی.... اس کے باپ نے اس کے لیے کیا.... کیا.... کیا تھا وہ بھی.... اور اس رزق نے کیا تباہی کی تھی۔ وہ بھی، جو سود سے کمایا اور گنوایا گیا تھا۔

امامہ ہاشم نے اس کتاب کے آٹھ چیپٹرز ایک نشست میں پڑھے تھے اور پھر اس کتاب کے آٹھویں چیپٹر کے آخر میں ایک لائن لگا کر اسے ختم کرتے ہوئے اگلا صفحہ کھولا تھا۔

سالار سکندر کی زندگی کے نویں چیپٹر کا آغاز....

✲ ✲ ✲

"تم مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہے؟" اس دن اسکول سے واپسی پر گاڑی میں بیٹھے حمین کو جبریل کی خاموشی نے پریشان سے زیادہ بے زار کیا تھا۔ وہ اس کی کسی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا اور اسے مکمل طور پر نظرانداز کر رہا تھا۔

"میں تم سے کبھی کوئی بات نہیں کروں گا، تم بہت مین ہو۔"

جبریل نے بالآخر اپنی خاموشی توڑتے ہوئے اپنی خفگی کا اظہار کیا۔ حمین اس کی بات پر بے قرار ہوا۔

"لیکن یہ ٹھیک نہیں ہے' میں نے کیا کیا ہے؟"
"تم نے سب کو بتادیا کہ میں روتا ہوں۔"
"اس لیے کہ میں تمہارے رونے کی وجہ سے اپ سیٹ تھا' تم اتنا کیوں روتے ہو؟" جبریل نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اس سے نظر چرائی اور حمین کی بے قراری میں اضافہ کیا۔
"کیا میں تمہیں گلے لگا سکتا ہوں؟" اس نے جبریل کے بازو سے چمٹتے ہوئے اس کے کان میں ایک بلند و بالا سرگوشی کی۔ جبریل بے اختیار اپنے کان میں گونجنے والی اس کی آواز پر مڑا اور اسے گھور کر دیکھا۔
"میں نہیں چاہتا تھا کہ گرلز یہ بات سن لیں۔"
حمین نے بے حد معصومیت سے برابر میں بیٹھی دونوں لڑکیوں کے بارے میں اسے مطلع کیا اور پھر جبریل کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ خود ہی جبریل کے گلے لگ گیا۔ جبریل ایک لمحہ ساکت رہا' پھر موم کی طرح پگھلا۔ یہ اس کی فطرت تھی۔
"فرینڈز!" حمین نے سیکنڈز میں اس سے الگ ہوتے ہوئے بے حد اطمینان سے اس سے استفسار کیا۔
"صرف اس صورت میں اگر تم میرے بارے میں بات کرنا بند کردو۔"
جبریل نے اموشنل بلیک میلنگ کی ایک تازہ کوشش کی۔
"پرامس!" حمین نے پلک جھپکتے میں وعدہ کیا۔ جبریل نے کچھ مطمئن انداز میں سرہلایا اور دوبارہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔
"لیکن اگر میں اپنا وعدہ بھول جاؤں تو تم مجھے معاف کردو گے نا!"
اگلے لمحے ابھرنے والی آواز نے جبریل کو دوبارہ پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔
"میرا مطلب ہے' کبھی میں بھول بھی جاتا ہوں۔ تمہیں پتا ہے نا میں بچہ ہوں۔" وہ جبریل کی گھورتی ہوئی نظروں کے جواب میں بے حد اطمینان سے توجیہ پیش کر رہا تھا۔ وہ ایک جملے میں تین قلابازیاں کھا رہا تھا اور اپنے بڑے بھائی کو بتا رہا تھا کہ وہ صرف "عمر" میں بڑا تھا۔
جبریل نے اسے مزید کچھ نہیں کہا۔ اسے کچھ کہنا وقت اور دماغ ضائع کرنے کے برابر تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم نے کتاب پڑھی؟" اس رات سالار نے واپس آکر سونے سے پہلے اس سے پوچھا۔
"نہیں۔۔۔" وہ چونکی اور اس سے نظریں ملائے بغیر اس نے بستر کی چادر ٹھیک کرتے ہوئے فوراً" کہا۔
"میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے نہیں پڑھنی' تو پھر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے اسی انداز میں اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر کہا۔
"مجھے اس کتاب کو اس کمپیوٹر سے ہٹا دینا چاہیے۔" سالار کو اس کی بات سنتے ہوئے اچانک خیال آیا۔
"کیوں۔۔۔؟" وہ حیران ہوئی۔
"میں نہیں چاہتا جبریل اسے پڑھے وہ اس کمپیوٹر کو بہت استعمال کرتا ہے۔۔۔ تمہارے لیپ ٹاپ میں محفوظ کردیتا ہوں۔"
"جب بچوں کے لیے لکھ رہے ہو تو بچوں سے کیوں چھپانا چاہتے ہو؟"
"میں اس عمر میں انہیں اپنے بارے میں یہ سب نہیں پڑھانا چاہتا۔"
"تو پھر مجھے بھی مت پڑھاؤ۔" اس نے بستر کی چادر ٹھیک کرنے کے بعد سالار سے اپنا چہرہ چھپانے کے لیے

وارڈروب کھول لی تھی۔ سالار نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ یو ایس بی میں اس کمپیوٹر سے فائلز محفوظ کرنے کے بعد لا کر اب انہیں اس کے لیپ ٹاپ میں محفوظ کر رہا تھا۔

"میں یہ کتاب کبھی نہیں پڑھوں گی اور میں کبھی اپنے بچوں کو بھی یہ کتاب نہیں پڑھاؤں گی۔" وارڈروب میں سے کچھ ڈھونڈتے ہوئے امامہ نے جیسے اعلان کیا۔

"ٹھیک ہے' مت پڑھنا اور بچوں کو بھی مت پڑھانا... پبلش کروا دینا۔" وہ اسی سنجیدگی سے اپنے کام میں مصروف رہا۔

"تم کیا سمجھتے ہو؟ دنیا کیا کرے گی تمہاری آٹو بائیو گرافی پڑھ کر...؟" امامہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے اس کی بات پر کیوں غصہ آیا۔ شاید بے بسی کا شدید احساس تھا جو غصے میں بدلا تھا۔ وہ اس کے اس انداز پر چونکا اور پھر مسکرا دیا۔

"آج کئی مہینوں کے بعد تمہیں مجھ پر غصہ آیا ہے۔"

اس نے امامہ کا لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے امامہ کو چھیڑا' جیسے وہ ہمیشہ کی طرح اسے غصہ دلانے کے لیے کرتا تھا۔ یوں جیسے وہ پچھلے سارے مہینے کہیں غائب ہو گئے تھے۔ زندگی وہیں کھڑی تھی جہاں اس انکشاف سے پہلے کھڑی تھی... وہیں سے جڑی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے اس سے کہہ نہیں سکی کہ اس نے بھی کئی مہینوں کے بعد اسے چڑایا تھا۔ اسی انداز میں جس سے وہ چڑتی تھی۔ ساری عمر چڑتی رہی تھی۔ پر آج دلبری کے اس انداز پر اس کا دل بھر آیا تھا۔

ایک بھی لفظ کہے بغیر وہ پلٹی اور واش روم کا دروازہ کھول کر اندر گھس گئی۔ وہ روز صبح طے کرتی تھی کہ اسے آج نہیں رونا... ہمت کرنی تھی۔ حوصلہ کرنا تھا اور ہر روز شام تک آنسو سب کچھ تہس نہس کر چکے ہوتے تھے۔ وہ اب بھی وہاں اندر باتھ ٹب کے کونے پر بیٹھی بے آواز رو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

کنشاسا سے واپسی ان کی زندگی کا بے حد خوشگوار ترین سفر ہوتا اگر اس سفر کے پیچھے سالار سکندر کی بیماری نہ کھڑی ہوتی۔ وہ پانچ سال کے بعد اپنے ملک واپس آئے تھے... لیکن اب آگے اندیشوں کے سوا فی الحال کچھ نظر نہیں آ رہا تھا... کئی سالوں کے بعد امامہ پھر گھر سے بے گھر ہوئی تھی... اپنی چھت سے یک دم وہ سالار کے والدین کے گھر آ بیٹھی تھی۔ وہ بے حد اچھے لوگ تھے... پیار کرنے والے... احسان نہ جتانے والے۔ پر احسان تو تھا ان کا...

کنشاسا سے پاکستان آنے سے پہلے اس نے ایک دن چاروں بچوں کو بٹھا کر سمجھایا تھا۔

"ہم اب جہاں جا رہے ہیں وہ ہمارا گھر نہیں ہے... وہاں ہم گیسٹ ہیں اور جتنی دیر بھی ہمیں وہاں رہنا ہے' اچھے مہمانوں کی طرح رہنا ہے... اور اچھے مہمان کیا کرتے ہیں؟"

اس نے اپنے بچوں کے سامنے بے گھری کو نیا ملبوس دے کر پیش کرتے ہوئے کہا۔

"اچھے گیسٹ ڈھیر ساری چیزیں لاتے ہیں... مزے مزے کی باتیں کرتے ہیں اور جلدی چلے جاتے ہیں... اور کوئی بھی کام نہیں کرتے' ریسٹ کرتے ہیں۔"

حمین نے حسب عادت اور حسب توقع سب پر سبقت لے جانے کی کوشش میں اپنے تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر اپنا جواب پیش کرتے ہوئے امامہ کو ایک ہی وار میں لاجواب کر دیا۔

اسے ہنسی آ گئی۔ ماں کو ہنستے دیکھ کر حمین بے حد جذباتی ہو گیا۔

"ہرا... میں جیت گیا!" اس نے ہوا میں مکے لہراتے ہوئے جیسے صحیح جواب بوجھ لینے کا اعلان کیا۔
"کیا اس نے ٹھیک کہا ہے؟" عنایہ کو جیسے یقین نہیں آیا تھا۔
"نو۔" امامہ نے کہا۔ حمین کے چہرے پر بے یقینی جھلکی۔
"اچھے مہمان کسی کو تنگ نہیں کرتے... کسی سے فرمائش نہیں کرتے... کسی چیز میں نقص نہیں نکالتے... اور ہر کام میزبان سے اجازت لے کر کرتے ہیں... وہ اپنے کاموں کا بوجھ میزبان پر نہیں ڈالتے..."
امامہ نے انہیں سمجھانے والے انداز میں کہا۔
"اوہ! مائی گاڈ! ممی! میں اچھا گیسٹ نہیں ہونا چاہتا' میں بس گیسٹ بننا چاہتا ہوں۔"
حمین نے ماں کی بات کاٹتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے کہا۔
"ہم دادا' دادی کے گھر جارہے ہیں اور ہمیں وہاں ویسے رہنا ہے' جس سے وہ کمفوٹیبل ہوں۔ انہیں شکایت یا تکلیف نہ ہو۔" امامہ نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔
"اوکے!" عنایہ' رئیسہ اور جبریل نے بیک وقت ماں کو اطمینان دلایا۔
"اور ہم اپنے گھر میں کب جائیں گے؟" حمین نے ماں کو اپنے آپ کو نظرانداز کرنے پر بالآخر پوچھا۔
"جلدی جائیں گے۔" اس نے نظر ملائے بغیر حمین کو جواب دیا۔ وہ مطمئن نہیں ہوا۔
"جلدی کب؟" وہ بے صبرا تھا۔
"بہت جلدی۔"
"اور ہمارا گھر ہے کہاں؟" حمین نے پچھلے جواب سے مطمئن نہ ہوتے ہوئے سوال بدلا اور امامہ کو جیسے چپ لگ گئی۔ سوال ٹھیک تھا۔ جواب نہیں تھا۔
"ہم نیا گھر خریدیں گے۔" عنایہ نے جیسے اس کی چپ کا دفاع کیا۔
"کہاں...؟" حمین کو مکمل جواب چاہیے تھا۔
"جہاں بابا ہوں گے۔" جبریل نے اس بار اسے مکمل جواب دینے کی کوشش کی۔
"اور بابا کہاں ہوں گے؟" حمین نے ایک اور منطقی سوال کیا جو امامہ کو چبھا تھا۔
"ابھی ہم پاکستان جارہے ہیں پھر بابا جہاں جائیں گے' وہاں ہم لوگ بھی چلے جائیں گے۔" جبریل نے ماں کی آنکھوں میں امڈنے والی نمی کو بھانپا اور جیسے دیوار بننے کی کوشش کی۔
"واؤ... یہ تو بہت اچھا ہے۔" حمین بالآخر مطمئن ہوا۔
"میں بابا کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔" اس نے جیسے اعلان کرکے ماں کو اپنی ترجیح بتائی... امامہ ان چاروں سے مزید کچھ نہیں کہہ سکی... یہ سمجھانا بھی بڑا مشکل کام ہوتا ہے اور خاص طور سے اس چیز کو سمجھانا جو خود سمجھ میں نہ آرہی ہو۔ اس نے ان چاروں کو سونے کے لیے جانے کا کہہ دیا اور خود ان کے کمرے سے نکل آئی۔
"ممی!" حمین اس کے پیچھے لاؤنج میں نکل آیا تھا۔ امامہ نے اسے پلٹ کر دیکھا۔ وہ جیسے کسی سوچ میں تھا۔
"یس۔" اس نے جواب دیا۔
"میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں لیکن میں کنفیوزہوں۔" اس نے ماں سے کہا۔
"کیوں؟" وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔
"کیونکہ میں اپنا وعدہ نہیں توڑنا چاہتا۔" اس نے اپنی الجھن کی وجہ بتائی۔
"لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں آپ کا سیکرٹ جانتا ہوں۔"
امامہ کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آیا...

"میں جانتا ہوں۔ آپ اپ سیٹ ہو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ وہ جیسے کچھ اور زمین میں گڑی۔ وہ اب اس کے اور قریب آگیا تھا... چھ سال کی عمر میں بھی اس کی کمر سے اوپر قد کے ساتھ۔ "پلیز آپ اپ سیٹ نہ ہوں۔" اس نے اب ماں کی کمر کے گرد اپنے بازو لپیٹتے ہوئے کہا۔

(I don't like it when you cry)

"جب آپ روتی ہیں تو مجھے اچھا نہیں لگتا۔" اس سے چمٹا وہ اب اس سے کہہ رہا تھا۔ وہ بت کی طرح کھڑی تھی... پہلے جبریل اور اب حمین... اس کی ہر اولاد کو اس کے ساتھ اس تکلیف سے گزرنا تھا کیا...؟

"تم کیا جانتے ہو؟" وہ اتنا چھوٹا سا جملہ بھی ادا نہیں کرپا رہی تھی۔ وہ صرف اسے تھپکنے لگی۔

"دادا ٹھیک ہو جائیں گے..." وہ اب اسے تسلی دینے لگا۔ امامہ کو لگا جیسے اس کو سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ وہ شاید بابا کہہ رہا تھا۔

"میں نے دادا سے پوچھا۔" اس نے ایک بار پھر امامہ سے کہا اس بار وہ مزید الجھی۔

"کس سے کیا پوچھا؟"

"دادا سے پوچھا تھا' انہوں نے کہا' وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" امامہ مزید الجھی۔

"دادا کو کیا ہوا؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

"دادا کو برین ٹیومر نہیں ہوا... دادا کو الزائمر ہے... لیکن وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

امامہ کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔

☼ ☼ ☼
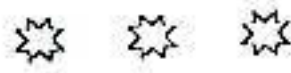
"سالار کو کچھ مت بتانا۔"

پاکستان پہنچنے کے بعد جو پہلا کام تھا۔ وہ امامہ نے یہی کیا تھا۔ اس نے سکندر عثمان سے اس انکشاف کے بارے میں پوچھا تھا جو سکندر عثمان نے حمین کے برین ٹیومر کے حوالے سے سوالوں کے جواب میں کیا تھا اور انہوں نے جواباً "اسے بتایا تھا کہ ایک مہینہ پہلے روٹین کے ایک میڈیکل چیک اپ میں ان کی اس بیماری کی تشخیص کی گئی تھی جو ابھی ابتدائی اسٹیج پر تھی۔ لیکن انہیں سب سے پہلی پریشانی یہی تھی کہ کہیں امامہ نے سالار سے اس بات کا ذکر نہ کر دیا ہو اور جب اس نے یہ بتایا کہ اس نے سالار سے ابھی ذکر نہیں کیا تو انہوں نے پہلی بات اس سے یہی کہی تھی۔

"میں اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا... اس کا آپریشن ہونے والا ہے اور میں اپنی بیماری کے حوالے سے اسے اور ٹینس کروں۔"

وہ اب بھی اپنے سے زیادہ سالار کے بارے میں فکر مند تھے۔

"پاپا! میں نہیں بتاؤں گی اسے... میں بھی یہ نہیں چاہتی کہ وہ پریشان ہو۔" امامہ نے انہیں تسلی دی۔ "آپ جانتے ہیں۔ آپ سے بہت اٹیچڈ ہے وہ... اپنی بیماری بھول جائے گا وہ۔"

"جانتا ہوں۔" انہوں نے ایک رنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔ "اس عمر میں اپنی بیماری کی فکر نہیں ہے مجھے... میں نے زندگی گزار لی ہے اپنی... اور اللہ کا شکر ہے۔ بہت اچھی گزاری ہے۔ اس کو صحت مند رہنا چاہیے۔" انہوں نے آخری جملہ عجیب حسرت سے کہا۔

"اگر میرے بس میں ہوتا تو میں اس کی بیماری بھی خود لے لیتا... اپنی زندگی کے جتنے بھی سال باقی ہیں۔ وہ اسے دے دیتا۔"

امامہ نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔
"آپ بس اس کے لیے دعا کریں پاپا۔۔۔ ماں باپ کی دعا میں بہت اثر ہوتا ہے۔"
"دعا کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے مجھے۔۔۔ میں سوچتا تھا اس نے مجھے نوعمری اور جوانی میں بہت ستایا تھا۔۔۔ لیکن جو میرے بڑھاپے میں ستا رہا ہے یہ۔۔۔" وہ بات مکمل نہیں کر سکے۔ رو دیے۔
"ایک کام کریں گے پاپا؟" امامہ نے ان کا ہاتھ تھپکتے ہوئے کہا۔
"کیا؟"
اپنی انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی اتارتے ہوئے امامہ نے ان کے ہاتھ کو کھولتے ہوئے ان کی ہتھیلی پر وہ انگوٹھی رکھ دی۔
"اسے بیچ دیں۔" وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔
"کیوں؟" انہوں نے بمشکل کہا۔
"مجھے پیسوں کی ضرورت ہے۔"
"کتنے؟"
"جتنے مل سکیں۔"
"امامہ۔۔۔" انہوں نے کچھ کہنا چاہا امامہ نے روک دیا۔
"انکار مت کریں۔۔۔ یہ کام میں آپ کے علاوہ کسی سے نہیں کروا سکتی۔" وہ نم آنکھوں کے ساتھ چپ چاپ اسے دیکھتے رہے۔

☼ ☼ ☼

اپنے آپریشن سے دو ہفتے پہلے نیویارک میں سالار سکندر اور SIF کے بورڈ آف گورنرز نے پہلے گلوبل اسلامک انویسٹمنٹ فنڈ کے قیام کا اعلان کر دیا تھا۔
پانچ ارب روپے کے سرمائے سے قائم کیا گیا۔
-Samar Investment Fund-
ثمر انویسٹ منٹ فنڈ وہ پہلی اینٹ تھی اس مالیاتی نظام کی جو سالانہ سکندر اور اس کے پانچ ساتھی اگلے بیس سالوں میں دنیا کی بڑی فنانشل مارکیٹوں میں سود پر مبنی نظام کے سامنے لے کر آنا چاہتے تھے۔۔۔ پانچ ارب روپیہ اس ابتدائی ٹارگٹ سے بہت کم رقم تھی جس کے ساتھ وہ اس فنڈ کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے۔۔۔ اگر سالار سکندر کی بیماری کا انکشاف میڈیا کے ذریعے اتنے زور و شور سے نہ کیا جاتا تو SIF کے بورڈ آف گورنرز کے چھ ممبرز اس فنڈ کا آغاز ایک ارب ڈالر کے سرمائے سے دنیا کے پچاس ممالک میں بیک وقت کرتے اور وہ ٹارگٹ مشکل ضرور تھا ناممکن نہیں تھا اور ان کے پاس پانچ سال تھے اسے حاصل کرنے اور بنیادی انفراسٹرکچر کھڑا کرنے کے لیے۔۔۔ لیکن سالار سکندر کی بیماری نے جیسے پہلے قدم پر ہی ان کی کمر توڑ دی تھی۔۔۔ اس کے باوجود بورڈ آف گورنرز نہیں ٹوٹا تھا' وہ اکٹھے رہے تھے۔۔۔ جڑے رہے تھے۔۔۔ کیونکہ ان چھ میں سے کوئی شخص بھی یہ کام "کاروبار" کے طور پر نہیں کر رہا تھا۔ وہ ایک اندھی کھائی میں کودنے کے مجاہدانہ جذبے سے کر رہے تھے۔۔۔
Late 30's میں اس پروجیکٹ سے منسلک چھ کے چھ افراد ایک دوسرے کو ذاتی طور پر اچھی طرح جانتے تھے۔۔۔ ایک دوسرے کی نیت بھی' ایک دوسرے کی حیثیت بھی۔۔۔ اور ایک دوسرے کی شہرت بھی۔۔۔
سالار سکندر' عامل کلیم' موسیٰ بن رافع' ابوذر سلیم' علی اکمل اور راکن مسعود پر مشتمل SIF کا بورڈ آف

گورنرز دنیا کے بہترین بورڈ آف گورنرز میں گردانا جا سکتا تھا۔۔۔ وہ چھ کے چھ افراد اپنی اپنی فیلڈ کا پاور ہاؤس تھے۔۔۔ وہ چھ مختلف شعبوں کی مہارت، صلاحیت، اور تجربے کو SIF کے پلیٹ فارم پر لے آئے تھے۔۔۔ اور 40's early میں ہونے کے باوجود 15 سے 20 سال کے تجربے ساکھ اور (اپنی کامیابیوں) کے ساتھ وہ دنیا کے کم عمر ترین اور قابل ترین بورڈ آف گورنرز میں سے ایک تھا۔

عامل کلیم ایک امریکن مسلم تھا جس کی ماں ملائشین اور باپ ایک عرب تھا لیکن وہ دونوں امریکہ میں ہی پیدا اور پلے بڑھے تھے۔ عامل کلیم ایک فنانشل کنسلٹنسی فرم کا مالک تھا اور امریکہ کے ڈیڑھ سو سے زیادہ فنانشل اداروں کے لیے کنسلٹنسی کر رہا تھا۔ وہ دنیا کے دس بہترین Investment Gurus میں تیسرے نمبر پر براجمان تھا اور فوربس کی اس لسٹ میں شامل تھا جس میں اس نے اگلے دس سالوں کے ممکنہ ارب پتی پروفیشنلز کے نام دیے تھے۔ عامل کلیم بورڈ آف گورنرز کا سب سے زیادہ مذہبی اور باعمل مسلمان تھا۔۔۔ یہ اعزاز اسے بورڈ کے بقیہ پانچ ممبرز نے اجتماعی طور پر اس کی دینی معلومات اور عملی کردار کو دیکھتے ہوئے بخشا تھا جس پر عامل کلیم مطمئن تھا لیکن خوش نہیں تھا۔ سالار اسے yale کے دنوں سے جانتا تھا وہ اور عامل ان پانچ افراد کے گروپ میں تھے جن کا ہر چیز میں مقابلہ رہتا تھا سالار سب سے بہترین GP کے ساتھ ٹاپ کرنے کے باوجود جن چند سبجیکٹس میں کسی سے پیچھے رہا تھا، وہ عامل کلیم ہی تھا۔

موسیٰ بن رافع مسقط اور عمان کے دو شاہی خاندانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود اپنے ملک میں اقتدار پر براجمان خاندان سے اختلافات کی بنیاد پر اپنے والدین کے زمانے سے امریکہ میں ہی تھا۔ اس کی پیدائش امریکہ میں ہوئی تھی اور اس کی پیدائش کے کچھ عرصہ کے بعد اس کے والدین مستقل طور پر امریکہ منتقل ہو گئے تھے۔

26 سال کی عمر میں اپنے باپ کی حادثاتی موت کے بعد موسیٰ کو وہ شپنگ کمپنی ورثے میں ملی جو اس کے باپ کی ملکیت تھی اور ایک اوسط درجہ کی شپنگ کمپنی کو موسیٰ اگلے پندرہ سالوں میں ایک چوٹی کی شپنگ لائن بنا چکا تھا۔۔۔ اس کی کمپنی اب کنٹینر عالمی شپنگ میں سب سے تیز رفتار اور بہترین کمپنی مانی جاتی تھی۔۔۔ سالار اور وہ کولمبیا میں آپس میں ملے تھے اور پھر ان کا رابطہ ہمیشہ رہا۔ سالار سکندر سٹی بینک میں کام کرنے کے دوران اس کی فیملی کے بہت سے اثاثوں کو ایک انویسٹمنٹ بینکر کے طور پر دیکھتا رہا تھا۔

ابوذر سلیم ایک امریکن افریقی تھا اور ایک بہت بڑی فارماسیوٹیکل کمپنی کا مالک تھا۔۔۔ وہ افریقہ میں فارماسیوٹیکل کنگ مانا جاتا تھا۔ کیونکہ امریکہ based اس کی کمپنی افریقہ کے مختلف ممالک میں فارماسیوٹیکل سپلائیز میں پہلے نمبر پر تھی۔۔۔ سالار کے بعد وہ بورڈ آف گورنرز کا دوسرا ممبر تھا جو افریقہ سے اتنا گہرا تعلق اور مسلسل آنے جانے کی وجہ سے بہت ساری افریقی زبانوں میں گفتگو کر سکتا تھا۔۔۔ بورڈ کے گورنرز اسے ابوذر سلیم نہیں کہتے تھے۔۔۔ حاتم طائی کہتے تھے۔۔۔ وہ بلاشبہ اس بورڈ کا سب سے فراخ دل ممبر تھا۔ اس کی کمپنی اپنے سالانہ خالص منافع کا چوتھا حصہ افریقہ کے مختلف ممالک کے خیراتی اداروں میں صرف کر رہی تھی۔ سالار اور ابوذر نہ صرف یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے رہے تھے بلکہ انہوں نے یونائیٹڈ نیشنز کی ایک انٹرن شپ بھی اکٹھے کی تھی۔

علی اکمل ایک ہندوستانی نژاد امریکن تھا جو ٹیلی کمیونیکشنز کی ایک کمپنی چلا رہا تھا۔ ٹیلی کام سیکٹر میں اس کی کمپنی امریکہ میں پچھلے دس سالوں میں سب سے زیادہ منافع کمانے والی کمپنیز میں شمار ہوتی تھی۔۔۔ سب سے تیز رفتار ترقی کا تاج بھی اسی کمپنی کے سر پر تھا علی اکمل خود ایک ٹیلی کام انجینئر تھا وہ اور سالار ایک دوسرے سے Yale کے دنوں میں وہاں ہونے والے کچھ مباحثوں کے ذریعے متعارف ہوئے تھے اور پھر یہ تعارف دوستی میں تبدیل ہو گیا تھا۔

راکن مسعود ایک پاکستانی امریکن تھا اور ایک مینجمنٹ کمپنی چلا رہا تھا۔ گلف کے شاہی خاندانوں کا ایک بڑا

حصہ راکن کے clientel میں شامل تھا اور اب اس clientel میں یورپ کے بہت سے نامی گرامی خاندان اور ہالی ووڈ کی بہت سی امیر شخصیات بھی شامل تھیں۔ راکن کو سالار پاکستان سے ہی جانتا تھا اگرچہ وہ شروع سے دوست نہیں تھے لیکن ان کے خاندانوں کے آپس میں قریبی تعلقات تھے.... اس کی طرح راکن بھی فنانس میں ڈاکٹریٹ تھا اور سود سے پاک نظام کا سب سے زیادہ پُرعزم اور قولی و عملی سپورٹر بھی۔

چھ افراد پر مشتمل وہ گروپ پانچ ارب روپے کا وہ سرمایہ صرف اپنی ساکھ کی بنیاد پر اکٹھا کرنے میں کامیاب ہوا تھا.... اور انہیں یقین تھا وہ اگر سترہ ملکوں میں پانچ ارب روپے کے اس سرمائے کو سرمایہ کاری کرنے والوں کے لیے منافع بخش بنا سکے تو اگلے تین سالوں میں 50 ملک اور ایک ارب ڈالر کا ٹارگٹ ناممکنات میں سے نہیں تھا۔

SIF کے پہلے فیز میں ان پروجیکٹ کی تعداد محدود تھی جن پر انہیں کام کرنا تھا مگر دوسرے اور تیسرے فیز میں وہ اپنے مالیاتی منصوبوں کو نہ صرف ان 17 ممالک میں بلکہ اگلے دس سال میں ستر ممالک میں لے جانا چاہتے تھے جہاں وہ ایک کم آمدنی والے شخص کو بھی مالیاتی سروسز فراہم کر سکیں۔

SIF چند بے حد بنیادی اور آسان اصولوں پر قائم کیا گیا تھا.... وہ اپنے فنڈ کا بڑا حصہ ان نئے انویسٹمنٹ نظریات پر لگانا چاہتے تھے' جو افراد اور چھوٹے اداروں کی طرف سے پیش کیے جاتے اور جن میں SIF کو اگلے کسی بڑے منصوبے کے بہتر امکانات نظر آتے ہیں.... لیکن SIF ایک Lender کے طور پر آنے کے بجائے ایک پارٹنر کے طور پر ایسے ہر منصوبے پر کام کرتا۔ ایک خاص مدت تک.... نفع اور نقصان میں برابری کی شراکت میں.... اور اس مدت کا تعین اس آئیڈیا پر لگنے والے سرمائے کی مالیت پر منحصر تھا۔

کھوجو' پرکھو' سکھاؤ' استعمال کرو' منافع کماؤ۔ نقصان کے لیے تیار رہو....

ہیومن ریسورس پر انویسٹمنٹ کے لیے یہ SIF کی فلاسفی تھی۔

SIF پچھلے پانچ سالوں میں پہلے ہی اپنے لیے بنیادی انفرااسٹرکچر کی فراہمی کے لیے بنیادی ہوم ورک کر چکا تھا.. بیک اپ سپورٹ کے لیے کچھ ایسی انویسٹمنٹ بھی کر چکا تھا جو سود سے منسلک نہیں تھی۔ چھ افراد کا وہ گروپ اپنی اپنی فیلڈ کی مہارت اس کمپنی میں لا کر بیٹھے تھے اور وہ اس مہارت کو سرمایہ کاروں کو ترغیب دینے کے لیے استعمال بھی کر رہے تھے لیکن نفع اور نقصان کی شراکت کے اصول پر کھڑے اس نظام پر کون صرف ان کی مہارت پر اعتماد کرتے ہوئے آتا' یہ بڑا چیلنج تھا.... لیکن اس سے بھی بڑا چیلنج تھا کہ وہ اپنے پاس آنے والے پچھلے پانچ ارب کے سرمائے کو ان اسٹیک ہولڈر کے لیے منافع بخش بنا سکتے جنہوں نے ان کی ساکھ اور مہارت پر اعتبار کیا تھا۔

وہ ایک بڑے کام کی طرف ایک بے حد چھوٹا قدم تھا.... اتنا چھوٹا قدم کہ بڑے مالیاتی اداروں نے اس کو سنجیدگی سے لیا بھی نہیں تھا.... فنانشل میڈیا نے اس پر پروگرامز کیے تھے' خبریں لگائی تھیں۔ دلچسپی دکھائی تھی لیکن کسی نے بھی اسے آئندہ آنے والے سالوں کے لیے اپنے لیے کوئی خطرہ نہیں سمجھا تھا۔

دنیا میں کوئی ۔ بینک' ادارہ' فنڈ ایسا نہیں تھا جو مکمل طور پر سود سے پاک سسٹم پر کھڑا ہو پاتا اور کھڑا تھا بھی تو وہ مالیاتی نظام کے ہاتھیوں کے سامنے چیونٹیوں کی حیثیت میں کھڑا تھا.... SIF کیا کر سکتا تھا....؟ اور کیا بدل سکتا تھا....؟ ایک کامیاب مالیاتی ادارہ ہو سکتا تھا.... ایک قابل عمل مالیاتی نظام کے طور پر دنیا میں موجود نظام کو ٹکر دینے کے لیے اس کو فنانشل viability دکھانی تھی جو ابھی کسی کو نظر نہیں آئی تھی.... صرف ان چھ دماغوں کے علاوہ جو اس کے پیچھے تھے۔

☼ ☼ ☼

SIF کے قیام کا اعلان اپنے کندھوں پر لدے ایک بہت بھاری بوجھ کو ہٹا دینے جیسا تھا۔ کم از کم سالار کو ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔ اسے اتنی پذیرائی نہیں ملی تھی جتنی اس صورت میں ملتی وہ اسے اس سے زیادہ بڑے لیول پر لانچ کرتے لیکن ایسا بھی نہیں تھا جو انہیں مایوس کر دیتا۔ وہ دنیا کی بڑی بڑی فنانشل مارکیٹوں میں جہاں بہترین مالیاتی ادارے پہلے ہی موجود تھے۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے داخل ہوئے تھے اور انہیں پتا تھا۔ مقابلہ آسان نہیں تھا۔

امریکہ میں ایک ہفتے کے دوران اس نے SIF کے درجنوں سیمینارز اور میٹنگز اٹینڈ کی تھیں اور کچھ یہی حال بورڈ آف گورنرز کے دوسرے ممبرز کا تھا۔ ایک ہفتے کے بعد اسے پاکستان جا کر اپنے بچوں سے ملنا تھا اور پھر واپس آکر دوبارہ امریکہ میں سرجری کروانی تھی۔ اس کا شیڈول اپائنٹمنٹس سے بھرا ہوا تھا۔

ایک ہفتہ کے اختتام تک وہ SIF کے ان سرمایہ کاروں میں سے کچھ کو واپس لانے میں کامیاب ہو گئے تھے جو سالار کی بیماری کی خبر کے بعد پیچھے ہٹ گئے تھے۔ یہ ایک بڑی کامیابی تھی۔

بارش کا وہ پہلا قطرہ جس کا انہیں انتظار تھا۔

سالار SIF کے قیام کے لیے سرمایہ کار اور سرمایہ تو لانے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن وہ ذاتی طور پر خود اس میں بورڈ آف گورنرز کے دوسرے ممبرز کی طرح کوئی بڑی انویسٹمنٹ نہیں کر سکا تھا۔ کچھ اثاثے تھے جو اس کے پاس تھے' انہیں بیچ کر بھی اس کا حصہ کروڑ سے بڑھ نہیں سکتا تھا۔ وہ اس اسٹیج پر اپنی فیملی کے کسی فرد سے قرض لینا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ کسی ناگہانی صورت حال میں امامہ اور اپنے بچوں کے لیے اگر لمبے چوڑے اثاثے نہیں چھوڑ سکتا تھا تو کوئی واجبات بھی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

مگر اس فنڈ کی اناؤسمنٹ کے ایک دن بعد سکندر عثمان نے اسے امریکہ فون کیا تھا۔

"میں پانچ کروڑ کی انویسٹمنٹ کرنا چاہتا ہوں SIF میں۔" انہوں نے ابتدائی گپ شپ کے بعد اس سے کہا۔

"آپ اتنی بڑی رقم کہاں سے لائیں گے؟" وہ چونکا۔

"باپ کو غریب سمجھتے ہو تم؟" وہ خفا ہوئے۔ سالار ہنس پڑا۔

"اپنے سے زیادہ نہیں۔"

"تم سے مقابلہ نہیں ہے میرا۔" سکندر عثمان نے بے نیازی سے کہا۔ "تمہیں میرے برابر آنے کے لیے دس بیس سال لگیں گے۔"

"شاید نہ لگیں۔"

"چلو! دیکھیں گے۔ ابھی تو مجھے بتاؤ۔ یہاں پاکستان میں لوکل آفس اور کیا طریقہ کار ہے۔" انہوں نے بات بدلی تھی۔

"آپ نے اب کیا بیچا ہے؟" سالار نے انہیں بات بدلنے نہیں دی براہ راست سوال کیا۔

"فیکٹری۔" وہ سکتے میں رہ گیا۔

"اس عمر میں میں نہیں سنبھال سکتا تھا اب۔ کامران سے بات کی۔ وہ اور اس کا ایک دوست لینے پر تیار ہو گئے۔ مجھے ویسے بھی فیکٹری میں سے سب کا حصہ دینا تھا۔" وہ اس طرح اطمینان سے بات کر رہے تھے جیسے یہ ایک معمولی بات تھی۔

"آپ کام کرتے تھے پاپا! آپ نے چلتا ہوا بزنس کیوں ختم کر دیا۔ کیا کریں گے اب' آپ؟" وہ بے حد ناخوش

ہوا تھا۔
"کر لوں گا کچھ نہ کچھ۔ یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے اور نہیں بھی کروں گا تو بھی کیا ہے۔ تم باپ کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتے کیا۔ باپ ساری عمر اٹھاتا رہا ہے۔" وہ اسے ڈانٹ رہے تھے۔
"آپ نے میرے لیے کیا ہے یہ سب؟" سالار رنجیدہ تھا۔
"ہاں!" اس بار سکندر عثمان نے بات کو گھمائے پھرائے بغیر کہا۔
"پاپا! مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا آپ کو۔ مشورہ کرنا چاہیے تھا۔"
"تم زندگی میں کون سا کام میرے مشورے سے کرتے رہے ہو۔ ہمیشہ صرف اطلاع دیتے ہو۔" وہ بات کو ہنسی میں اڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔
وہ محظوظ نہیں ہوا۔ اس کا دل عجیب طرح سے بوجھل ہوا تھا۔
"کیا ہوا؟" سکندر عثمان نے جیسے اس کی خاموشی کو کریدا۔
"آپ مجھ پر اتنے احسان کیوں کرتے ہیں؟ کب تک کرتے رہیں گے؟" وہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔
"جب تک میں زندہ ہوں۔" سکندر عثمان اس کی زندگی کی بات نہیں کر سکے تھے۔
"آپ مجھ سے زیادہ جئیں گے۔"
"وقت کا کس کو پتا ہوتا ہے؟" سکندر عثمان کا لہجہ پہلی بار سالار کو عجیب لگا تھا۔ وہ زیادہ غور نہیں کر سکا۔ سکندر عثمان نے بات بدل دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"جبریل! تم ان سب کا خیال رکھ لو گے؟" امامہ نے شاید کوئی دسویں بار اس سے پوچھا تھا۔
"جی ممی! میں رکھ لوں گا۔ یوڈونٹ وری (آپ پریشان نہ ہوں۔)" اور اس نے ماں کے ساتھ پیکنگ میں مدد کرواتے ہوئے دسویں بار ماں کو ایک ہی جواب دیا۔
وہ سالار کی سرجری کے وقت اس کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ اور سالار کے بے حد منع کرنے کے باوجود وہ پاکستان میں بچوں کے پاس رہنے پر تیار نہیں ہوئی تھی۔
"اس وقت تمہیں میری زیادہ ضرورت ہے۔ بچے اتنے چھوٹے نہیں ہیں کہ وہ میرے بغیر ہفتہ نہ گزار سکیں۔" اس نے سالار سے کہا تھا۔
اور اب جب اس کی سیٹ کنفرم ہو گئی تھی تو اسے بچوں کی بھی فکر ہو رہی تھی ــ وہ پہلی بار ان کو اکیلا چھوڑ کر جا رہی تھی۔ اتنی لمبی مدت کے لیے۔
"دادی بھی پاس ہوں گی تمہارے۔ ان کا بھی خیال رکھنا ہے تم نے۔"
"جی رکھوں گا۔"
"اور ہوم ورک کا بھی۔ ابھی تم سب لوگوں کے اسکولز نئے ہیں۔ تھوڑا ٹائم لگے گا ایڈجسٹ ہونے میں۔ چھوٹے بہن بھائی گھبرائیں تو تم سمجھانا۔"
"جی!"
"میں اور تمہارے پاپا روز بات کریں گے تم لوگوں سے۔"
"آپ واپس کب آئیں گے؟" جبریل نے اتنی دیر میں پہلی بار ماں سے پوچھا۔
"ایک مہینے تک شاید تھوڑا زیادہ وقت لگے گا سرجری ہو جائے تب پتا چل سکے گا۔" اس نے متفکرانہ انداز

میں سوچتے ہوئے کہا۔
"زیادہ سے زیادہ بھی رکھیں گے تو دوسرے دن تک رکھیں گے اگر کوئی کمپلیکیشن نہ ہوئی ورنہ دوسرے دن پاپا گھر آجائیں گے۔"
امامہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ "تمہیں کیسے پتا؟"
"آئی ریڈ اباؤٹ اٹ (میں نے اس کے متعلق پڑھا ہے)" اس نے ماں سے نظریں ملائے بغیر کہا۔
"کیوں؟"
"انفارمیشن کے لیے۔" جبریل نے سادگی سے کہا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے نظریں ہٹالیں اور اپنے ہینڈ بیگ میں سے کچھ تلاش کرنے لگی۔ ایک دم اسے محسوس ہوا جیسے جبریل اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا' اس کی نظریں مسلسل اس پر ٹکی ہوئی تھیں۔
امامہ نے ایک لحظہ سر اٹھا کر اسے دیکھا' وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
"کیا ہوا؟" اس نے جبریل سے پوچھا۔ اس نے جواباً" امامہ کی کنپٹی کے قریب نظر آنے والے ایک سفید بال کو اپنی انگلیوں سے پکڑتے ہوئے کہا۔
"آپ کے کافی بال سفید ہو گئے ہیں۔" وہ ساکت اسے دیکھتی رہی۔ وہ اس کا سفید بال چھوتے ہوئے جیسے بے حد متفکر تھا۔
امامہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی' پلکیں جھپکائے بغیر۔ اس کی پیدائش سے پہلے کا سارا وقت امامہ کی زندگی کا بدترین وقت تھا یا کم از کم اس کی اس وقت تک کی زندگی کا بدترین وقت تھا۔
امریکہ واپس جانے کے بعد اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش میں وہ قرآن پاک بہت پڑھتی تھی۔
سالار جب بھی تلاوت کر رہا ہوتا' وہ اس کے پاس آکر بیٹھ جاتی۔ وہ کتاب جیسے کسی اسفنج کی طرح اس کا درد جذب کر لیتی تھی اور اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ اکیلی نہیں تھی جو سالار کی تلاوت سن رہی ہوتی تھی اس کے اندر متحرک وہ وجود بھی اس پورے عرصہ میں ساکت رہتا تھا' یوں جیسے وہ بھی اپنے باپ کی آواز پر کان لگائے بیٹھا ہو' جیسے وہ بھی تلاوت کو پہچاننے لگا ہو۔ جو آواز اس کی ماں کے لیے راحت کا باعث بنتی تھی' وہ اس کے لیے بھی سکون کا منبع تھی اور جب وہ رو رہی ہوتی تو اس کے اندر پرورش پاتا وہ وجود بھی بے حد بے چینی سے گردش میں رہتا۔ یوں جیسے وہ ماں کے آنسوؤں سے بے چین ہوتا ہو' اس کی تکلیف اور غم کو سمجھ پارہا ہو۔
وہ دس سال بعد بھی ویسا ہی تھا۔ وہ اپنی ماں کے سیاہ بالوں میں سفید بال دیکھ کر فکر مند تھا۔
امامہ نے اس کے ہاتھ سے اپنا بال چھڑا کر اس کا ہاتھ چوما۔
"اب گرے ہیئر کے بارے میں پڑھنا مت شروع کر دینا۔" امامہ نے نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا۔ وہ جھینپا پھر دھیمی آواز میں بولا۔
"میں پہلے ہی پڑھ چکا ہوں اسٹریس' ان ہیلدی ڈائٹ' مین ریزن ہیں۔"
وہ حمین نہیں' جبریل تھا۔ سوال سے پہلے جواب ڈھونڈنے والا۔
وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ایک وقت وہ تھا جب اس کا کوئی نہیں رہا تھا۔ ایک وقت یہ تھا جب اس کی اولاد اس کے سفید بالوں سے بھی پریشان ہو رہی تھی۔ وہ اس کی زندگی کے حاصل و محصول کا سب سے بہترین' سب سے منافع بخش حصہ تھا۔

☆ ☆ ☆

ساڑھے تین کروڑ کا وہ چیک دیکھ کر وہ کچھ دیر کے لیے ہل نہیں سکا تھا۔ وہ لفافہ امامہ نے کچھ دیر پہلے اسے دیا تھا

اور وہ اس وقت فون پر کسی سے بات کر رہا تھا اور لفافہ کھولتے ہوئے اس نے امامہ سے پوچھا تھا۔
"اس میں کیا ہے؟" سوال کا جواب ملنے سے پہلے اس کے نام کاٹا گیا وہ چیک اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔
سالار نے سر اٹھا کر امامہ کو دیکھا۔ وہ چائے کے دو کپ سینٹر ٹیبل پر رکھتے صوفے پر بیٹھی ان سے اٹھتی بھاپ کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ کہے بغیر وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔
"میں چاہتی ہوں تم یہ رقم لے لو۔ اپنے پاس رکھو۔ یا SIF میں انویسٹ کر دو۔" سالار کے پاس بیٹھنے پر اس نے چائے کا مگ اٹھاتے ہوئے کہا۔
"تم نے وہ انگوٹھی بیچ دی؟" سالار نے بے ساختہ پوچھا۔ وہ ایک لمحہ کے لیے بول نہیں سکی پھر مدھم آواز میں سر جھکا کر بولی۔
"میری تھی بیچ سکتی تھی۔"
"بیچنے کے لیے تمہیں نہیں دی تھی۔" وہ خفا تھا یا شاید رنجیدہ۔ "تم چیزوں کی قدر نہیں کرتیں۔" وہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔
چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے امامہ نے سر ہلایا۔
"ٹھیک کہتے ہو۔ میں چیزوں کی قدر نہیں کرتی۔ انسانوں کی کرتی ہوں۔"
"انسانوں کی بھی نہیں کرتیں۔" سالار خفا تھا۔
"صرف تمہاری نہیں کی شاید اسی لیے سزا ملی۔" نمی آنکھوں میں آئی تھی۔ آواز کے ساتھ ہاتھ بھی کپکپایا۔ خاموشی آئی، رکی، ٹوٹی۔
"تم بے وقوف ہو۔" وہ اب خفا نہیں تھا۔ اس نے وہ چیک لفافے میں ڈال کر اسی طرح میز پر رکھ دیا تھا۔
"تھی۔" امامہ نے کہا۔
"اب بھی ہو۔" سالار نے اصرار کیا۔
"عقل مندی کا کرنا کیا ہے میں نے اب؟" اس نے جواباً" پوچھا۔
"یہ رقم اب اپنے پاس رکھو۔ بہت سی چیزوں کے لیے ضرورت پڑے گی تمہیں۔" اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس نے کہا تھا۔
"میرے پاس ہے کافی رقم۔ اکاؤنٹ خالی تو نہیں ہے۔ بس میں چاہتی تھی۔ میں SIF میں کنٹری بیوٹ کروں۔" وہ کہہ رہی تھی۔
"زیور بیچ کر کنٹری بیوٹ نہیں کروانا چاہتا میں تم سے۔ تم صرف دعا کرو اس کے لیے۔"
"زیور سے صرف پیسہ مل سکتا ہے۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ بات پوری پہنچائی تھی۔ سالار نے چائے کا مگ اٹھا لیا۔ "میں ویسے بھی زیور نہیں پہنتی۔ سالوں سے لاکر میں پڑا ہے۔ سوچ رہی تھی وہ بھی...."
سالار نے اس کی بات مکمل ہونے نہیں دی، بے حد سختی سے اس سے کہا۔ "تم اس زیور کو کچھ نہیں کرو گی۔ وہ بچوں کے لیے رکھا رہنے دو۔ میں کچھ نہیں لوں گا اب تم سے۔" وہ خاموش ہو گئی۔ چائے کے دو گھونٹ لینے کے بعد سالار نے مگ رکھ دیا اور اس کی طرف مڑ کر جیسے کچھ بے بسی سے کہا۔
"کیوں کر رہی ہو یہ سب کچھ؟"
کچھ کہے بغیر اس کے بازو پر ماتھا ٹکاتے ہوئے اس نے ہاتھ اس کے گرد لپیٹ لیے۔ وہ پہلا موقع تھا جب سالار کو احساس ہوا کہ اس کے آپریشن کی تاریخ جوں جوں قریب آ رہی تھی وہ اس سے زیادہ حواس باختہ ہو رہی تھی۔ حواس باختہ شاید ایک بہت چھوٹا لفظ تھا امامہ کی پریشانی، اضطراب، اندیشوں اور واہموں کو بیان کرنے کے لیے وہ

بھی پریشان تھا لیکن امامہ کی حواس باختگی نے جیسے اسے اپنی پریشانی بھلا دی تھی۔
"تم میرے ساتھ مت جاؤ امامہ! یہیں رہو بچوں کے پاس۔" سالار نے ایک بار پھر اس سے کہا۔ وہ اس کے ساتھ سرجری کے لیے امریکہ جانا چاہتی تھی اور سالار کی خواہش تھی' وہ نہ جائے۔ اس کی ضد کے آگے اس نے ہتھیار تو ڈال دیے تھے لیکن اب اسے اس طرح پریشان دیکھ کر اسے خیال آرہا تھا کہ اسے وہاں اس کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے وہ وہاں کسی بری اور غیر متوقع صورت حال کا سامنا کیسے کرے گی۔
"بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں۔ ان کو اکیلا چھوڑ کر تم میرے ساتھ کیسے رہو گی۔ وہ پریشان ہو جائیں گے۔" وہ اسے اب ایک نیا عذر دے رہا تھا۔
"نہیں ہوں گے... میں نے انہیں سمجھا دیا ہے۔" وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔
"وہاں فرقان ہو گا میرے ساتھ... پاپا ہوں گے' تمہیں یہاں رہنا چاہیے' بچوں کے پاس۔" سالار نے دوبارہ اصرار کیا۔
"تمہیں میری ضرورت نہیں ہے؟" وہ خفا ہوئی۔
"ہمیشہ۔" سالار نے اس کا سر ہونٹوں سے چھوا...
"ہمیشہ...؟" اس کے کندھے سے لگے زندگی میں پہلی بار امامہ نے اس لفظ کے بارے میں سوچا تھا... جو جھوٹا تھا۔
"اس بیگ میں میں نے سب چیزیں رکھ دی ہیں۔"
سالار نے یک دم بات بدلی یوں جیسے وہ اسے اور اپنے آپ کو ایک اور خندق سے بچانا چاہتا ہو۔ وہ اب کمرے میں کچھ فاصلے پر پڑے ایک بریف کیس کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔
"ساتھ لے جانے کے لیے؟" امامہ نے سمجھے بغیر اسی طرح اس کے ساتھ لگے لگے کہا۔
"نہیں اپنی ساری چیزیں... چابیاں' پیپرز' بینک کے پیپرز ہر ایسی ڈاکومنٹ جو بچوں سے متعلقہ ہے۔ اکاؤنٹ میں جو پیسے ہیں' چیک بک کو سائن کر کے رکھ دیا ہے... اور اپنی ایک will (وصیت) بھی..."
وہ بڑے تحمل سے اسے بتا رہا تھا۔ وہ گم صم سنتی رہی۔
"سرجری میں خدانخواستہ کوئی کمپلیکیشن ہو جائے تو... حفاظتی تدبیر ہے۔"
"سالار!" اس نے جیسے اسے مزید کچھ کہنے سے روکا۔
"تمہارے نام ایک خط بھی ہے اس میں۔"
"میں نہیں پڑھوں گی۔" اس کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا لگا۔
"چلو! پھر تمہیں ویسے ہی سنا دوں جو لکھا ہے؟" وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔
"نہیں۔" اس نے پھر اسے ٹوک دیا۔
"تم کتاب پڑھنا نہیں چاہتیں۔ خط پڑھنا نہیں چاہتیں... مجھے سننا نہیں چاہتیں' پھر تم کیا چاہتی ہو۔" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔
"میں نے کتاب پڑھ لی ہے۔" اس نے بالآخر اعتراف کیا۔
وہ چونکا نہیں تھا۔ "میں جانتا ہوں۔"
وہ بھی نہیں چونکی تھی۔
"کوئی اپنی اولاد کے لیے ایسا تعارف چھوڑ کے جاتا ہے۔" اس نے جیسے شکایت کی تھی۔
"سچ نہ لکھتا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"جس بات کو اللہ نے معاف کر دیا اسے بھول جانا چاہیے۔"
"پتا نہیں' معاف کیا بھی ہے یا نہیں۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔"
"اللہ نے پردہ تو ڈال دیا ہے نا" اس نے اپنی بات پر اصرار کیا تھا۔ "میں نہیں چاہتی میری اولاد یہ پڑھے کہ ان کے باپ نے زندگی میں غلطیاں کی ہیں۔ ایسی غلطیاں جوان کی نظروں میں تمہاری عزت اور احترام ختم کر دے۔"
وہ اس سے کہہ رہی تھی۔
"جھوٹ بولتا اور لکھتا کہ میں پارسا پیدا ہوا تھا اور فرشتوں جیسی زندگی گزارتا رہا۔"
"نہیں! بس انسانوں جیسی گزاری....."
وہ بے اختیار ہنسا "شیطان لگ رہا ہوں کیا اس کتاب میں؟"
"میں اس کتاب کو ایڈٹ کروں گی۔" اس نے جواب دینے کے بجائے دوسری ہی بات کی۔ وہ جیسے کچھ اور محظوظ ہوا۔
"یعنی مجھے مومن بنا دو گی؟"
"وہ زندگی میں نہیں بنا سکی تو کتاب میں کیا بناؤں گی؟" وہ کہے بغیر نہ رہ سکی....
وہ پھر ہنسا "یہ بات بھی ٹھیک ہے۔"
اس نے سر کھجایا۔ بہت عرصے بعد وہ اس طرح بات کر رہے تھے.... ایسے جیسے زندگی میں آگے کوئی بھی مسئلہ نہیں تھا.... سب ٹھیک تھا.... کہیں کوئی تکلیف نہیں تھی۔
"کیا نام رکھو گی پھر میری آٹو بایو گرافی کا؟"
"آب حیات۔" اس نے بے اختیار کہا.... اس کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہوئی.... رنگ اڑا پھر وہ مسکرایا۔
"وہ تو کوئی بھی پی کر نہیں آتا۔" امامہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے اس نے کہا۔
"تلاش تو کر سکتا ہے۔" اس نے بھی اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
"لاحاصل ہے۔"
"وہ تو پھر زندگی بھی ہے۔" وہ لاجواب ہو کر چپ ہو گیا۔
"تم نے زندگی تاش کا کھیل سمجھ کر جی ہے اور اس کتاب کو بھی ایسے ہی لکھا ہے...." وہ کہہ رہی تھی وہ سن رہا تھا۔ "زندگی 52 پتوں کا کھیل تو نہیں ہے.... ان 250 صفحوں میں اعترافات ہیں لیکن کوئی ایسی بات نہیں جسے پڑھ کر تمہاری اولاد تمہارے جیسا بننا چاہے.... میں چاہتی ہوں تم زندگی کو آب حیات سمجھ کر لکھو جسے پڑھ کر تمہاری اولاد تمہارے جیسا بننا چاہے۔ صرف تمہاری اولاد نہیں.... کوئی بھی اسے پڑھ کر تمہارے جیسا بننا چاہے۔"
وہ اس سے کہتی رہی۔
"میرے پاس اب شاید مہلت نہیں اتنی۔" سالار نے مدھم آواز میں کہا۔
"تو مہلت مانگو اللہ سے۔ تمہاری تو وہ ساری دعائیں پوری کر دیتا ہے۔" وہ رنجیدہ ہوئی تھی۔
"تم مانگو.... جو چیز اللہ میرے مانگنے پر نہیں دیتا۔ تمہارے مانگنے پر دے دیتا ہے۔" سالار نے اس سے عجیب سے لہجے میں کہا۔
"مجھے یقین ہے تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ بے حد مایوسی' پریشانی اور تمہاری میڈیکل رپورٹس دیکھنے کے باوجود پتا نہیں سالار! مجھے یہ کیوں نہیں لگتا کہ تمہارا اور میرا ساتھ بس زندگی کے اتنے سالوں تک ہے۔ اس طرح ختم ہو سکتا ہے۔" اس نے سالار کا ہاتھ تھاما تھا۔

"مجھے بھی نہیں لگتا۔" وہ بھی عجیب رنجیدگی سے مسکرایا تھا۔ "ابھی تو بہت کچھ ہے جو ہمیں ساتھ کرنا ہے۔۔۔ ساتھ حج کرنا ہے۔۔۔ تمہارے لیے ایک گھر بنانا ہے۔"

وہ اب وہ ساری چیزیں گنوا رہا تھا جو اسے کرنی تھیں۔۔۔ یوں جیسے اندھیرے میں جگنو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہو۔

امامہ نے سر جھکا لیا۔۔۔ وہ بھی اندھیرے میں صرف جگنو دیکھنا چاہتی تھی' اندھیرا نہیں۔

☆ ☆ ☆

آپریشن ٹیبل پر لیٹے اینستھیزیا لینے کے بعد' بے ہوشی میں جانے سے پہلے' سالار ان سب کے بارے میں سوچتا رہا تھا جن سے وہ پیار کرتا تھا۔۔۔ امامہ جو آپریشن تھیٹر سے باہر بیٹھی تھی۔۔۔ سکندر عثمان جو اس عمر میں بھی اس کے منع کرنے کے باوجود اس کو اپنی نظروں کے سامنے سرجری کے لیے بھیجنا چاہتے تھے۔۔۔ اس کی ماں جو اس کے بچوں کو پاکستان میں سنبھالے بیٹھی تھی۔۔۔ اور اس کی اولاد۔۔۔ جبریل۔۔۔ حمین۔۔۔ عنایہ۔۔۔ رئیسہ۔۔۔ اس کی نظروں کے سامنے باری باری ایک ایک چہرہ آرہا تھا۔ جبریل کے علاوہ اس کے سب بچوں کو صرف یہ پتا تھا کہ ان کے پاپا کا ایک چھوٹا سا آپریشن تھا اور بس آپریشن کروا کر وہ ٹھیک ہو جائیں گے لیکن امریکہ آنے سے پہلے اس انکشاف پر عنایہ پہلی دفعہ پریشان ہونا شروع ہوئی تھی۔۔۔ سالار کی تسلیوں کے باوجود آپریشن کا لفظ اسے سمجھ میں آ رہا تھا۔

"Baba is a boy and boys are brave."

حمین نے اسے تسلی دی تھی۔

اور رئیسہ۔۔۔ جو اس کے لیے ہمیشہ گھر آنے پر لان کا کوئی پھول یا پتا جو اسے اچھا لگتا تھا وہ توڑ کر رکھتی تھی۔ یہ اس کی عادت تھی۔۔۔ اس نے امامہ کو۔۔۔ اس نے سالار کو امریکہ سرجری کے لیے جانے سے پہلے ایک زرد رنگ کا پینزی دیا تھا۔۔۔ وہ اس موسم بہار کا پہلا پینزی تھا جو سکندر عثمان کے لان میں کھلا تھا۔ وہ پھول اس کے بیگ میں بھی تھا۔۔۔ مرجھایا ہوا۔۔۔ اس نے پچھلی رات بیگ کھولنے پر اسے دیکھا تھا۔

غنودگی کی حالت میں جاتے ہوئے وہ عجیب چیزیں سوچنے اور دیکھنے لگا تھا یوں جیسے اپنے ذہن پر اپنا کنٹرول کھو بیٹھا ہو۔۔۔ آیتیں جو وہ پڑھ رہا تھا وہ پڑھتے ہوئے اب اس کی زبان آہستہ آہستہ موٹی ہونا شروع ہو گئی تھی۔۔۔ وہ اٹکنے لگا تھا پھر ذہن وہ لفظ کھوجنے میں ناکام ہونے لگا جو وہ پڑھ رہا تھا۔۔۔ چہرے' آوازیں' سوچیں' سب کچھ آہستہ آہستہ مدھم ہونا شروع ہوئیں پھر غائب ہوتی چلی گئیں۔

☆ ☆ ☆
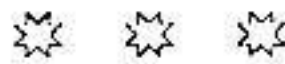
چار گھنٹے کا وہ آپریشن چار سے پانچ' چھ' سات اور پھر آٹھ گھنٹے تک چلا گیا تھا۔ وہ آٹھ گھنٹے امامہ کی زندگی کے سب سے مشکل ترین گھنٹے تھے۔ سکندر عثمان' فرقان اور سالار کے دونوں بڑے بھائی وہاں موجود تھے۔۔۔ اسے حوصلہ اور تسلی دے رہے تھے مگر وہ گم صم ان آٹھ گھنٹوں میں صرف دعائیں کرتی رہی تھی۔۔۔ وہ ذہن اور صلاحیتیں جو اللہ کی نعمت کے طور پر سالار سکندر کو عطا کی گئی تھیں۔ اس کی دعا تھی' اللہ ان نعمتوں کو سالار کو عطا کیے رکھے۔۔۔ صحت' زندگی جیسی نعمتوں کا زوال نہ ہو اس پر۔۔۔ آٹھ گھنٹے میں وہ اپنی فیملی کے اصرار اور خود باوجود کوشش کے کچھ کھا نہیں سکی تھی۔۔۔ وہ پچھلی ساری رات بھی جاگتی رہی تھی۔۔۔ وہ بھی سالار بھی وہ باتیں بھی نہیں کرتے رہے تھے۔۔۔ بس خاموش بیٹھے رہے پھر کافی پینے چلے گئے۔۔۔ وہاں سے واپسی کے راستے میں بھی کافی کے کپ ہاتھ میں لیے چلتے ہوئے وہ دونوں کچھ بھی نہیں بولے تھے۔۔۔ اگر بات کی بھی تھی تو موسم کی۔۔۔ کافی کی۔۔۔

بچوں کی.... اور کچھ بھی نہیں۔
آپریشن تھیٹر جانے سے پہلے وہ اس سے گلے ملا تھا.... اسی انداز میں جس میں وہ ہمیشہ اس سے ملتا تھا.... جب بھی اس سے رخصت ہوتا تھا اور اس نے ہمیشہ کی طرح سالار سے وہی کہا تھا جو وہ اس سے کہتی تھی "waiting will be" وہ سر ہلا کر مسکرا دیا تھا۔ اس سے نظریں چرائے شاید وہ جذباتی نہیں ہونا چاہتا تھا۔ وہ بھی رونا نہیں چاہتی تھی۔ کم از کم اس وقت.... اور وہ نہیں روئی تھی کم از کم اس کے سامنے آپریشن تھیٹر کا دروازہ بند ہونے تک...

اس کے بعد وہ خود پر قابو نہیں رکھ پائی تھی۔ اسے امید بھی تھی اور اللہ کی ذات پر یقین بھی.... اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو واہموں' اندیشوں و سوسوں سے بے نیاز نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ اب اس کی زندگی کا حصہ بن گئے تھے۔
ان آٹھ گھنٹوں میں پتا نہیں اس نے کتنی دعائیں' کتنے وظیفے کیے تھے.... اللہ کے رحم کو کتنی بار پکارا تھا.... امامہ نے گنتی نہیں کی تھی۔
آپریشن کا بڑھتا ہی جانے والا وقت جیسے اس کی تکلیف' اذیت اور اس کے خوف کو بھی بڑھاتا جا رہا تھا۔
آٹھ گھنٹے کے بعد بالآخر اسے آپریشن کے کامیاب ہونے کی اطلاع تو مل گئی تھی۔ ڈاکٹر نے اس کا ایک ٹیومر ختم کر دیا تھا.... دوسرا نہیں کر سکے تھے.... اسے سرجری کے ذریعے ریموو کرنا بے حد خطرناک تھا.... وہ بے حد نازک جگہ پر تھا.... بے حد کامیابی سے اسے ہٹانے کی صورت میں بھی ڈاکٹرز کو خدشہ تھا کہ سالار کے دماغ کو کوئی نقصان پہنچے بغیر یہ نہیں ہو سکتا تھا.... سرجری کے بغیر اسے ادویات اور دوسرے طریقوں سے کنٹرول کرنا زیادہ بہتر تھا کیونکہ اس میں فوری طور پر سالار کی زندگی اور دماغ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں تھا۔
ساڑھے آٹھ گھنٹے کے بعد امامہ اور سکندر عثمان نے بالآخر اسے دیکھا تھا.... وہ ابھی ہوش میں نہیں تھا اور اسے کچھ گھنٹوں کے بعد ہوش آنا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد ڈاکٹرز آپریشن کی صحیح طرح کامیابی منا سکتے تھے' جب وہ ہوش میں آنے کے بعد بات چیت کرنا شروع کرتا' اپنی فیملی کو پہچانتا.... اپنے ذہن کے متاثر نہ ہونے کا ثبوت دیتا۔
امامہ ایک دریا پار کر آئی تھی۔ اب آگے ایک اور دریا کا سامنا تھا۔ امامہ سالار کو بہت دیر تک نہیں دیکھ سکی۔
وہ زندگی میں دوسری بار اسے اس طرح دیکھ رہی تھی.... بے بسی کی حالت میں زندگی اور موت سے لڑتے ہوئے۔
پہلی بار اس نے اپنی شادی سے پہلے اسے تب دیکھا تھا جب اس نے کلائی کاٹ کر خودکشی کی کوشش کی تھی.... اور اب اتنے سالوں بعد وہ اسے ایک بار پھر اس حالت میں دیکھ رہی تھی۔ تاروں اور ٹیوبز میں جکڑا ہوا.... وہ اسے دیکھنے کی کوشش کرنے کے باوجود اس پر نظر نہیں جما سکی' وہ وہاں سے باہر آ گئی۔
وہ لوگ اب اسپتال میں نہیں ٹھہر سکتے تھے.... نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اسپتال سے واپس اس کرائے کے اپارٹمنٹ میں آنا پڑا تھا جہاں وہ لوگ رہ رہے تھے۔
سکندر عثمان اس کے ساتھ تھے.... سالار کے دونوں بھائی اور فرقان اسپتال کے قریب اپنے کچھ دوستوں کے ہاں رہ رہے تھے۔ سکندر عثمان کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر وہ اپنے کمرے میں آئی.... وہاں عجیب سناٹا تھا.... یا شاید وحشت تھی.... وہ بے حد تھکی ہوئی تھی' سونا چاہتی تھی' اس کے باوجود سو نہیں پا رہی تھی۔ یوں جیسے وہ بے خوابی کا شکار ہو گئی تھی۔
اس کے اسمارٹ فون پر جبریل اسکائپ پر آن لائن نظر آ رہا تھا۔ وہ بے اختیار اسے کال کرنے لگی۔
"بابا کیسے ہیں؟" اس نے سلام دعا کے بعد پہلا سوال کیا۔
"وہ ٹھیک ہیں' آپریشن ٹھیک ہو گیا ہے۔ ڈاکٹرز اب ان کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ اس کو بتانے لگی۔

"آپ پریشان نہ ہوں' وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" وہ ہمیشہ کی طرح ماں کو تسلی دے رہا تھا۔
"جبریل! تم تلاوت کرو کسی ایسی سورۃ کی... کہ مجھے نیند آجائے۔"
وہ اولاد کے سامنے اتنی بے بس اور کمزور ہو کر آنا نہیں چاہتی تھی لیکن ہو گئی تھی۔
جبریل نے لیپ ٹاپ کی اسکرین اور اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھا پھر جیسے اس نے ماں کی تکلیف کم کرنے کی کوشش کی۔
"آپ کو سورہ رحمان سناؤں؟"
"ہاں۔"
"او کے' میں وضو کر کے آتا ہوں... آپ بستر پر لیٹ جائیں۔" وہ پچھلے دو دن میں پہلی بار مسکرائی تھی۔
وہ وضو کے بغیر زبانی کوئی چھوٹی بڑی آیت بھی نہیں پڑھتا تھا... یہ احترام انہوں نے اسے نہیں سکھایا تھا... یہ اس کے اندر تھا... قرآن پاک کو حفظ کرنے کی خواہش کا اظہار بھی ان کی طرف سے ہونے سے بہت پہلے اس کی طرف سے ہوا تھا۔ وہ تب صرف تین سال کا تھا اور سالار کو روزانہ بلاناغہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے دیکھتا تھا' پھر ایک دن اس نے امامہ سے پوچھا تھا۔
"بابا کیا پڑھتے ہیں؟"
"وہ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں جیسے تم قاعدہ پڑھتے ہو۔" امامہ نے اسے بتایا۔
"لیکن قاعدہ تو بہت چھوٹا ہے۔" جبریل نے جیسے اپنی مایوسی ظاہر کی۔
"جب تم قاعدہ پڑھ لو گے پھر قرآن پاک پڑھنا۔"
"لیکن وہ تو میں بہت دفعہ پڑھ چکا ہوں۔" وہ اپنا قرآنی قاعدہ واقعی کئی دفعہ پڑھ چکا تھا۔ اسے سبق دینے' دہرائی کروانے اور اگلے دن سننے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی... وہ قرآنی قاعدے کا کوئی حرف' کوئی آواز نہیں بھولتا تھا اور یہ اس پہلے دن سے تھا جب اس نے قرآنی قاعدہ پڑھنا شروع کیا تھا۔ اس کے باوجود امامہ اور سالار اسے فوری طور پر پہلے سپارے پر نہیں لائے تھے' وہ اسے چھوٹی چھوٹی سورتیں اور قرآنی دعائیں یاد کرواتے تھے... اور جبریل وہ بھی برق رفتاری سے کر رہا تھا... سالار اسے قرآن پاک اس عمر میں پڑھانا چاہتا تھا جب وہ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے سمجھ بھی پائے۔
"بابا کو یہ ساری کتاب یاد ہے؟" جبریل نے اس قرآن پاک کی ضخامت کو اپنے ننھے سے ہاتھ کی انگلیوں میں لے کر ناپنے کی کوشش کی جو سالار کچھ دیر پہلے پڑھ رہا تھا اور پڑھتے ہوئے ٹیبل پر چھوڑ کر گیا تھا۔
"ہاں!" امامہ اس کے تجسس سے محظوظ ہوئی تھی۔
"ساری؟" جبریل نے جیسے کچھ بے یقینی سے ماں سے پوچھا۔
"ساری۔" امامہ نے اس کے تجسس کو جیسے اور بڑھایا۔
جبریل میز کے قریب کھڑا سوچ میں گم قرآن پاک کی چوڑائی اور موٹائی کو ایک بار پھر اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے ناپتا رہا پھر اس نے اپنا کام ختم کرتے ہوئے امامہ سے کہا۔
"واؤ!!"
امامہ بے اختیار ہنسی۔ اس نے باپ کو پورے حساب کتاب کے بعد داد دی تھی۔
"مجھے بھی قرآن پاک زبانی یاد کرنا ہے... میں کر سکتا ہوں کیا؟" اس نے امامہ کی ہنسی سے کچھ نادم ہونے کے باوجود ماں سے پوچھا۔
"ہاں بالکل کر سکتے ہو... اور ان شاء اللہ کرو گے۔"

"کب؟"
"جب تم بڑے ہو جاؤ گے۔"
"بابا جتنا؟" جبریل کچھ خوش نہیں ہوا تھا۔
"نہیں بس تھوڑا سا بڑا۔" امامہ نے اسے تسلی دی۔
"او کے اور جب میں قرآن پاک حفظ کرلوں گا تو میں بھی بابا کی طرح قرآن پاک کھولے بغیر پڑھا کروں گا۔"
"بالکل پڑھنا۔" امامہ نے جیسے اس کی حوصلہ افزائی کی۔
"اور آپ کو بھی سناؤں گا۔ پھر آپ بھی آنکھیں بند کر کے سننا جیسے آپ بابا کو سنتی ہیں۔" اس نے ماں سے کہا تھا۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ وقت اتنا جلدی آئے گا کہ وہ خود اس سے قرآن پاک کی تلاوت کرنے کی فرمائش کرے گی۔

"ممی... آپ سو گئیں؟" اس نے جبریل کی آواز پر ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں اور سائیڈ ٹیبل پر پڑا فون اٹھا لیا۔ وہ اسکائپ کی ونڈو میں نظر آرہا تھا۔
"نہیں۔" امامہ نے کہا۔
"میں شروع کروں؟" جبریل نے کہا۔
"ہاں۔" سر پر ٹوپی رکھے ہاتھ سینے پر باندھے وہ اپنی خوب صورت آواز میں سورہ رحمان کی تلاوت کر رہا تھا... اسے سالار سکندر یاد آنا شروع ہو گیا... وہ اس سے یہی سورۃ سنتی تھی اور جبریل کو جیسے یہ بات بھی یاد تھی۔

یہ پہلا موقع تھا جب اسے اندازہ ہوا کہ صرف سالار سکندر کی تلاوت اس پر اثر نہیں کرتی تھی... دس سال کی عمر میں اس کا بیٹا اس سورۃ کی تلاوت کرتے ہوئے اپنی ماں کو اسی طرح مسحور اور دم بخود کر رہا تھا... اس کی آواز میں سوز تھا... اس کا دل جیسے پگھل رہا تھا... ایسے جیسے کوئی ٹھنڈے پھاہوں کے ساتھ اس کے جسم کے رستے زخموں کو صاف کر رہا ہو۔
"فبای الاء ربکما تکذبن۔" (اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے)
وہ ہر بار پڑھتا' ہر بار اس کا دل بھر آتا... بے شک اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار تھیں۔ وہ شکر ادا نہیں کر سکتی تھی... اور سب سے بڑی نعمت وہ اولاد تھی جس کی آواز میں اللہ تعالیٰ کا وہ اعلان اس کے کانوں تک پہنچ رہا تھا۔ بار بار پہنچ رہا تھا۔

"ممی!" جبریل نے تلاوت ختم کرنے کے بعد بے حد مدھم آواز میں اسے پکارا۔ یوں جیسے اسے آنکھیں بند کیے دیکھ کر اسے خیال آیا ہو کہ شاید وہ تلاوت سنتے ہوئے سو گئی ہے اور وہ اسے جگانا نہ چاہتا ہو... وہ سوئی نہیں تھی لیکن سکون میں تھی جیسے کسی نے اس کے سر اور کندھوں کا بوجھ اتار کر اسے ہلکا کر دیا ہو...
"جبریل! تم عالم بننا۔" آنکھیں بند کیے کیے اس نے جبریل سے کہا۔ "تمہاری آواز میں بہت تاثیر ہے۔"
"ممی! مجھے نیورو سرجن بننا ہے۔" وہ ایک لمحہ خاموش رہا تھا اور پھر اسی مدھم آواز میں اس نے ماں کو اپنی زندگی کی اگلی منزل بتا دی تھی۔
امامہ نے آنکھیں کھول لیں۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔
"میری خواہش ہے کہ تم عالم بنو۔" امامہ نے اس بار زور دے کر کہا وہ جانتی تھی۔ وہ نیورو سرجن کیوں بننا چاہتا تھا۔
"حمین زیادہ اچھا عالم بن سکتا ہے... میں نہیں۔" وہ الجھا' جھجکا۔

"تم زیادہ لائق اور قابل ہو بیٹا۔۔۔"
"سوچوں گا۔۔۔ آپ سو جائیں۔" اس نے ماں سے بحث نہیں کی' بات بدل دی۔

☆ ☆ ☆

وہ دس سال کا تھا جب اس کے باپ کی موت ہوئی تھی اور اس موت نے اسے اس کی ماں اور اس کے بہن بھائیوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

وہ سب سے بڑا تھا۔ ماں باپ کا لاڈلا تھا۔ ایسی اولاد جس پر ماں باپ کو فخر تھا۔ اس کی ذہانت' قابلیت' سمجھ داری' فرماں برداری سب پہ۔۔۔ اور یہ اس کا کمال نہیں تھا یہ اس کی تربیت کا کمال تھا جو اس کے ماں باپ نے کی تھی۔ وہ سب بہن بھائی ایسے ہی تھے۔ وہ ایک آئیڈیل خوش و خرم خاندان تھا۔ بے حد مذہبی نہیں تھا لیکن بڑی حد تک عملی طور پر مذہبی تھا۔

باپ کی موت اچانک ہوئی تھی اور وہ اس سے سنبھل نہیں سکا۔ اگلے کئی سال۔۔۔ وہ تعلیم میں دلچسپی لینے۔۔۔ زندگی میں کچھ کرنے۔۔۔ اور بڑا نام بنانے کے اس کے سارے خوابوں کے ہے۔

خاتمے کا سال تھا اور یہی وہ سال تھا جب اس نے اپنے باپ کے ایک اچھے جاننے والے اور ان کے ہمسائے میں رہنے والے ایک خاندان میں بہت زیادہ آنا جانا شروع کر دیا۔۔۔ یہی وہ وقت تھا جب اس نے دنیا کے ہر مذہب میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔۔۔ ہر مذہب میں۔۔۔ اپنے مذہب کے علاوہ۔۔۔ اس خاندان نے اس کی زندگی کے ایک بہت مشکل مرحلے پر اس کی زندگی میں جیسے ایک اینکر ایک سپورٹ کا کام کیا تھا۔۔۔
وہ اگر گیارھویں سال میں محبت کا شکار ہوا تھا تو وہ امریکہ جیسے معاشرے میں کوئی اہم بات نہیں تھی۔ اسے محبت نہیں کرش سمجھا جاتا تھا لیکن اسے یہ یقین تھا کہ اسے اس لڑکی سے محبت تھی اور وہ ہمیشہ اس لڑکی کے ساتھ رہنا چاہتا تھا' ان کے گھر کا حصہ بن کر' ان کے خاندان کا حصہ بن کر۔۔۔ اور ان کا مذہب اختیار کر کے۔۔۔ ان جیسا نام رکھ کر۔

☆ ☆ ☆

گرینڈ حیات ہوٹل کا بال روم اس وقت
Scripps National spelling Bee
کے 92 ویں مقابلے کے دو فائنلسٹس سمیت دیگر شرکا ان کے والدین' بہن بھائیوں اور اس مقابلے کو دیکھنے کے لیے موجود لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہونے کے باوجود اس وقت پن ڈراپ سائلنس کا منظر پیش کر رہا تھا۔

دونوں فائنلسٹ کے درمیان راؤنڈ 14 کھیلا جا رہا تھا۔ 13 سالہ ٹینی اپنا لفظ اسپیل کرنے کے لیے اس وقت اپنی جگہ پر آ چکی تھی۔ پچھلے 92 سالوں سے اس بال روم میں دنیا کے بیسٹ اسپیلر کی تاجپوشی ہو رہی تھی۔ امریکہ کی مختلف ریاستوں کے علاوہ دنیا کے بہت سارے ممالک میں اسپیلنگ بی کے مقامی مقابلے جیت کر آنے والے پندرہ سال سے کم عمر کے بچے اس آخری راؤنڈ کو جیتنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ ایسی ہی ایک بازی کے شرکا آج بھی اسٹیج پر تھے۔
"Sassafras" ٹینی نے رکی ہوئی سانس کے ساتھ پرونا ؤنسر کا لفظ سنا۔ اس نے پرونا ؤنسر کو لفظ دہرانے کے لیے کہا پھر اس نے خود اس لفظ کو دہرایا۔ وہ چیمپئن شپ ورڈز میں سے ایک تھا لیکن فوری طور پر اسے وہ یاد

نہیں آسکا، بہرحال اس کی ساؤنڈ سے وہ اسے بہت مشکل نہیں لگا تھا اور اگر سننے میں اتنا مشکل نہیں تھا تو اس کا مطلب تھا وہ ٹرکی لفظ ہو سکتا تھا۔

نو سالہ دوسرا فائنلسٹ اپنی کرسی پر بیٹھا، گلے میں لٹکے اپنے نمبر کارڈ کے پیچھے انگلی سے اس لفظ کو اسپیل کرنے میں لگا ہوا تھا۔ وہ اس کا لفظ نہیں تھا لیکن وہاں بیٹھا ہر وہ بچہ بھی غیر ارادی طور پر اس وقت یہی کرنے میں مصروف تھا جو مقابلے سے آؤٹ ہو چکا تھا۔

نینسی کا ریگولر ٹائم ختم ہو چکا تھا۔ اس نے لفظ کو اسپیل کرنا شروع کیا۔ s-a-s-s وہ پہلے چار لیٹرز بتانے کے بعد ایک لمحے کے لیے رکی۔ زیر لب اس نے باقی کے پانچ لیٹرز دہرائے پھر دوبارہ بولنا شروع کیا۔

"A-F-R" وہ ایک بار پھر رکی دوسرے فائنلسٹ نے بیٹھے بیٹھے زیر لب آخری دو لیٹرز کو دہرایا "U-S" مائیک کے سامنے کھڑی نینسی نے بھی بالکل اسی وقت یہی دو لیٹرز بولے اور پھر بے یقینی سے اس گھنٹی کو بجتے سنا جو اسپیلنگ کے غلط ہونے پر بجتی تھی۔ حیرت صرف اس کے چہرے پر نہیں تھی اس دوسرے فائنلسٹ کے چہرے پر بھی تھی۔ پروناؤنسر اب Sassaf ras کی درست اسپیلنگ دہرا رہا تھا۔ نینسی نے بے اختیار اپنی آنکھیں بند کیں۔

"آخری لیٹر سے پہلے A ہی ہونا چاہیے تھا..... میں نے U کیا سوچ کر لگا دیا۔" اس نے خود کو کوسا۔

تقریباً "فق رنگت کے ساتھ نینسی گراہم نے مقابلے کے شرکا کے لیے رکھی ہوئی کرسیوں کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ یہ رنر اپ کو کھڑے ہو کے داد دی جا رہی تھی نو سالہ دوسرا فائنلسٹ بھی اس کے لیے کھڑا تالیاں بجا رہا تھا۔ اس کے قریب پہنچنے پر اس نے نینسی سے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا نینسی نے ایک مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اسے جواباً "وش کیا اور اپنی سیٹ سنبھال لی۔ ہال میں موجود لوگ دوبارہ اپنی نشستیں سنبھال چکے تھے اور وہ دوسرا فائنلسٹ مائیک کے سامنے اپنی جگہ پر آ چکا تھا۔ نینسی نے کسی موہوم سی امید کے ساتھ اسے دیکھنا شروع کیا۔ اگر وہ بھی اپنے لفظ کو مس اسپیل کرتا تو وہ ایک بار پھر فائنل راؤنڈ میں واپس آجاتی۔

"That was a catch 22۔" اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ وہ اندازہ نہیں لگا سکی وہ اس کے لیے کہہ رہا تھا یا وہ اس لفظ کو واقعی اپنے لیے بھی catch 22 ہی سمجھ رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی ایسا ہوتا۔۔۔ کوئی بھی ہوتا۔ یہی چاہتا۔

سینٹر اسٹیج پر اب وہ نو سالہ فائنلسٹ تھا۔ اپنی شرارتی مسکراہٹ اور گہری سیاہ چمکتی آنکھوں کے ساتھ۔۔۔ اس نے اسٹیج پر کھڑے چیف پروناؤنسر کو دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔ جوناتھن جواباً" مسکرایا تھا اور ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ رکھنے والا وہ وہاں واحد نہیں تھا۔ وہ نو سالہ فائنلسٹ اس چیمپئن شپ کو دیکھنے والے کراؤڈ کا سویٹ ہارٹ تھا۔

اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی۔ چمکتی ہوئی تقریباً" گول آنکھیں جو کسی کارٹون کریکٹر کی طرح بے حد animated تھیں اور اس کے تقریباً" گلابی ہونٹ جن پر وہ وقتاً" فوقتاً" زبان پھیر رہا تھا اور جن پر آنے والا ذرا سا خم بہت سے لوگوں کو بلاوجہ مسکرانے پر مجبور کر رہا تھا۔۔۔ وہ معصوم فتنہ تھا' یہ صرف اس کے والدین جانتے تھے جو دوسرے بچوں کے والدین کے ساتھ اسٹیج کی بائیں طرف پہلی صف میں اپنی بیٹی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

وہاں بیٹھے دوسرے فائنلسٹ کے والدین کے برعکس وہ بے حد پرسکون تھے۔ ان کے چہرے پر اب کوئی ٹینشن نہیں تھی' جب ان کا بیٹا چیمپئن شپ ورڈ کے لیے آکر کھڑا ہوا تھا۔ ٹینشن اگر کسی کے چہرے پر تھی تو وہ ان کی سات سالہ بیٹی کے چہرے پر تھی' جو دو دن پر مشتمل اس پورے مقابلے کے دوران دباؤ میں رہی تھی اور وہ اب بھی آنکھوں پر گلاسز لگائے پورے انہماک کے ساتھ اپنے نو سالہ بھائی کو دیکھ رہی تھی جو پروناؤنسر کے لفظ کے لیے تیار تھا۔

"Cappelletti" جوناتھن نے لفظ ادا کیا۔ اس فائنلسٹ کے چہرے پر بے اختیار ایسی مسکراہٹ آئی جیسے وہ بمشکل اپنی ہنسی کو کنٹرول کر رہا ہو۔ اس کی آنکھیں پہلے کلاک وائز پھر اینٹی کلاک وائز گھومنا شروع ہو گئی تھیں۔ ہال میں کچھ کھلکھلاہٹیں ابھری تھیں۔

اس نے اس چیمپئن شپ میں اپنا ہر لفظ سننے کے بعد اسی طرح ری ایکٹ کیا تھا۔ بھنچی ہوئی مسکراہٹ اور گھومتی ہوئی آنکھیں۔۔۔ کمال کی خود اعتمادی تھی۔ کئی دیکھنے والوں نے اسے داد دی۔ اس کے حصے میں آنے والے الفاظ دوسروں کی نسبت زیادہ مشکل تھے۔ یہ اس کی ہارڈ لک تھی لیکن بے حد روانی سے بغیر اٹکے بغیر گھبرائے اسی پُراعتماد مسکراہٹ کے ساتھ وہ ہر پہاڑ سر کرتا رہا تھا اور اب وہ آخری چوٹی کے سامنے کھڑا تھا۔

Definition Please (تعریف؟) اس نے اپنا ریگولر ٹائم استعمال کرنا شروع کیا۔

"Language of origin۔" (زبان کا ماخذ؟)

اس نے پروناؤنسر کے جواب کے بعد اگلا سوال کیا۔ "اٹالین" اس نے پروناؤنسر کے جواب کو دہراتے ہوئے کچھ سوچنے والے انداز میں ہونٹوں کو دائیں بائیں حرکت دی۔ اس کی بہن بے حد پریشانی اور دباؤ میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے والدین اب بھی پرسکون تھے۔ اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ لفظ اس کے لیے آسان تھا۔ وہ ایسے ہی تاثرات کے ساتھ پچھلے تمام الفاظ کو اسپیل کرتا رہا تھا۔

"Use in a sentence please۔" (اسے جملے میں استعمال کریں)

وہ اب پروناؤنسر سے کہہ رہا تھا۔ پروناؤنسر کا بتایا ہوا جملہ سننے کے بعد اس نے گلے میں لٹکے ہوئے نمبر کارڈ کی پشت پر انگلی سے اس لفظ کو اسپیل کیا۔

"Your Finish Time starts۔"

اسے ان آخری 30 سیکنڈز کے شروع ہونے پر اطلاع دی گئی جس میں اس نے اپنے لفظ کو اسپیل کرنا تھا۔ اس کی آنکھیں بالآخر گھومنا بند ہو گئیں۔

"Cappelleti" اس نے ایک بار پھر اپنے لفظ کو دہرایا اور پھر اسے اسپیل کرنا شروع ہو گیا۔

"C-a-p-p-e-l-l-" وہ اسپیلنگ کرتے ہوئے ایک لحظہ رکا پھر ایک سانس لیتے ہوئے اس نے دوبارہ اسپیل کرنا شروع کیا۔

"e-t-t-i-" ہال تالیوں سے گونج اٹھا اور بہت دیر تک گونجتا رہا۔

اسپیلنگ بی کا نیا چیمپئن ' صرف ایک لفظ کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔

تالیوں کی گونج تھمنے کے بعد جوناتھن نے اسے آگاہ کیا تھا کہ اسے اب ایک اضافی لفظ کو اسپیل کرنا تھا اس نے سر ہلایا۔ اس لفظ کو اسپیل نہ کر سکنے کی صورت میں نینسی ایک بار پھر مقابلے میں واپس آجاتی۔

"weissnichtwo-" اس کے لیے لفظ پرونائونس کیا گیا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی پھر اس کا منہ کھلا اور اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"اوہ! مائی گاڈ؟" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ شاکڈ تھا اور پوری چیمپئن شپ میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس کی آنکھیں اور وہ خود اس طرح جامد ہوا تھا۔

نینسی بے اختیار اپنی کرسی پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ تو بالآخر کوئی ایسا لفظ آگیا تھا جو اسے دوبارہ چیمپئن شپ میں واپس لا سکتا تھا۔

اس کے والدین کو پہلی بار اس کے تاثرات نے کچھ پریشان کیا تھا۔ کیا crunch تھا ان کا بیٹا۔ اب اپنے نمبر کارڈ سے اپنا چہرہ حاضرین سے چھپا رہا تھا۔ حاضرین اس کی انگلیوں اور ہاتھوں کی کپکپاہٹ بڑی آسانی سے اسکرین پر دیکھ سکتے تھے اور ان میں سے بہت سوں نے اس بچے کے لیے واقعی بہت ہمدردی محسوس کی تھی۔ وہاں بہت کم ایسے تھے جو اسے جیتتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

ہال میں بیٹھا ہوا صرف ایک فرد ریلیکسڈ تھا... ریلیکسڈ؟... یا ایکسائیٹڈ؟... کہنا مشکل تھا اور وہ اس بچے کی سات سالہ بہن تھی جو اب اپنے ماں باپ کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی اور جس نے بھائی کے تاثرات پر پہلی بار بڑے اطمینان کے ساتھ کرسی کی پشت کے ساتھ مسکراتے ہوئے ٹیک لگائی تھی۔ گود میں رکھے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو بہت آہستہ آہستہ اس نے بے تابی کے انداز میں بجانا شروع کر دیا تھا۔ اس کے ماں باپ نے بیک وقت اس کے تالی بجاتے ہاتھوں اور اس کے مسکراتے چہرے کو الجھے ہوئے انداز میں دیکھا پھر اسٹیج پر اپنے لرزتے کانپتے کنفیوزڈ بیٹے کو جو نمبر کارڈ کے پیچھے اپنا چہرہ چھپائے انگلی سے نمبر کارڈ کے پیچھے کچھ لکھنے اور بڑبڑانے میں مصروف تھا۔

ہال اب آہستہ آہستہ تالیاں بجا رہا تھا۔ وہ اب اپنا کارڈ نیچے کر چکا تھا یوں جیسے ذہنی تیاری کر چکا ہو...

92 ویں اسپیلنگ بی کے فائنل مقابلے میں پہلی بار پہنچنے والا وہ فائنلسٹ اپنی قسمت آزمانے کے لیے تیار تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

میرے نام سے پہلے

اب کے اس کی آنکھوں میں
بے سبب اُداسی تھی
اب کے اس کے چہرے پر
دکھ تھا بدحواسی تھی
اب کے یوں ملا مجھ سے
یوں غزل سنی جیسے
میں بھی ناشناسا ہوں
وہ بھی اجنبی جیسے
زرد خال و خد اُس کے
سوگوار دامن تھا
اب کے اُس کے لہجے میں
کتنا کھردرا پن تھا
وہ کہ عمر بھر جس نے
شہر بھر کے لوگوں میں
مجھ کو ہم سخن جانا
دل سے آشنا لکھا
خود سے مہرباں سمجھا
مجھ کو دلرُبا لکھا
اب کے سادہ کاغذ پر
سرخ روشنائی سے
اُس نے تلخ لہجے میں
میرے نام سے پہلے
صرف "بے وفا" لکھا

عاصمہ امداد علی

زمین دل سے جو تصویر یا اُٹھاتے ہیں
خبر نہیں ہے کسی کو بھی کیا اُٹھاتے ہیں

تو پھر وہ پوری طرح دیکھ کیوں نہیں پاتے
جو دیکھنے کے لیے آئینہ اُٹھاتے ہیں

ہر ایک جسم کو اپنا ہی بوجھ ہے درپیش
تو آپ کون سا ایسا نیا اُٹھاتے ہیں

رہیں گے جل کے اسی گھر میں جس سے نکلے تھے
پرائے گھر سے چلو بوریا اُٹھاتے ہیں

خدا کرے کہ ہمیشہ وہ لوگ شاد رہیں
ہمارے حق میں جو دستِ دُعا اُٹھاتے ہیں

یہیں پڑاؤ ہے کامی یہیں قیام بھی ہے
مگر ہم اپنے لیے راستہ اُٹھاتے ہیں

سیّد کامی شاہ

یہ فسانہ ترا شہکار بھی ہو سکتا ہے
اس میں لیکن مرا کردار بھی ہو سکتا ہے

پیٹ خالی ہو تو پھر اونچی اڑانوں والا
ایک دانے پہ گرفتار بھی ہو سکتا ہے

ہر مخالف کو میں کس طرح سے دشمن کہہ دوں
دشمنی میں مرا معیار بھی ہو سکتا ہے

طرزِ انکار بدل سکتا ہے اس کے معنی
حرفِ انکار میں اقرار بھی ہو سکتا ہے

تیرے اعدا میں جو شامل رہا کل تک ثاقب
آخری وقت طرفدار بھی ہو سکتا ہے

منظور ثاقب

اب جیون خالی کاسہ ہے

اب جیون خالی کاسہ ہے
اب گنتی کی کچھ سانسیں ہیں
اب تھوڑے دنوں کا میلہ ہے
بازار اُجڑنے والا ہے
اب مال و متاع ختم ہوا
اب تم بازار میں آئے ہو
اُس وقت کہاں تھے تم پاگل
جب شہر کی اندھی گلیوں میں
میں تم کو پانے کی خاطر
آوازیں دیتا پھرتا تھا

میثم علی آغا

شگفتہ جاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بہت سے پراگندہ، غبار آلود اشخاص جنہیں دروازوں ہی سے دھکیل دیا جاتا ہے، اگر اللہ پر قسم کھائیں تو اللہ ان کی قسم پوری فرما دیتا ہے۔"

(مسلم)

فائدہ:۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کو گندے کپڑے پہننے اور پراگندہ بال رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ شریعت نے صفائی کو پسند کیا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی صاف رہنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ جن کا لباس یا حلیہ زیادہ بارعب، قیمتی نہیں ہوتا اور نہ معاشرے میں ان کا کوئی وقار ہی ہوتا ہے اور زہد کی وجہ سے اچھے لباس کا اہتمام بھی نہیں کرتے، تاہم ان کے تقویٰ اور شرعی احکام کی پابندی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قسم ضرور پوری فرماتا ہے۔

اقوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام،

- سفر دو قسم کا ہے۔ دنیا اور آخرت کا دونوں کے واسطے توشہ درکار ہے۔ دنیا کے سفر میں توشہ ہمراہ رکھنا چاہیے اور سفر آخرت میں روانگی سے پہلے بھیج دینا چاہیے۔
- دنیا میں دو چیزیں پسندیدہ ہیں۔ سخن دل پذیر اور دل سخن پذیر۔
- دنیا کے مال و اسباب پر مغرور مت ہو، کیا خبر اس رات تیری جان تجھ سے طلب کر لی جائے۔
- حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے اپنی بیویوں کو حتی المقدور ہرگز طلاق مت دو۔
- قسم بالکل نہ کھانا، بلکہ تمہارا کلام "ہاں ہاں یا نہیں نہیں"، ہو لیکن اس سے زیادہ جو ہے وہ بدی ہے۔
- جو اپنے آپ کو بڑا بنائے گا وہ چھوٹا کیا جائے گا اور جو چھوٹا بنائے گا وہ بڑا کیا جائے گا۔
- مبارک ہیں وہ جو راست بازی کے سبب ستائے گئے ہیں کیونکہ بالآخر آسمان کی بادشاہت انہی کی ہے۔

کام سے محبت،

حافظ آباد میں ایک ہندو بزاز کی دکان پر ایک بوڑھا مسلمان درزی اور اس کا جوان بیٹا کام کرتے تھے۔ ایک روز چند دن کے لیے باپ کسی شادی میں شریک ہونے اپنے گاؤں گیا تو اپنی غیر حاضری کے دنوں کے لیے اپنے بیٹے کو چند کپڑے سپرد کر گیا تاکہ وہ ان کو تیار کر رکھے۔ بوڑھا درزی جب واپس آیا تو اس نے بیٹے کے تیار کیے ہوئے کپڑوں کو دیکھا ان میں کسی بچے کا سبز رنگ کی مخمل کا ایک کوٹ بھی تھا۔ جس کو بیٹے نے بجائے سبز رنگ کے دھاگے کے سفید دھاگے سے سیا تھا۔ اس غلطی کو دیکھ کر باپ نے بیٹے کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا اور کہا۔

"نالائق تو دیہات کے رہنے والے جاٹ کے لڑکے (جس کا کوٹ سیا تھا) پر رحم نہ کرتا مگر اس مخمل پر تو رحم کرتا جس کا ستیا ناس کر دیا۔"

چنانچہ بوڑھے باپ نے مخمل کے اس کوٹ کی سلائی کو کھولا۔ سفید دھاگے نکالے اور سبز دھاگے سے سیا۔

اس واقعے کا میری طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ چاہیے

میں نے چھ روپے تنخواہ لی یا بارہ روپے یا دو سو روپے اور چاہے ملازمت کی یا خود اپنا کام کیا، تمام زندگی ہمیشہ کام کو دیکھ کر کام کیا نہ کہ اس کے معاوضے کو۔ ہمیشہ بارہ گھنٹے سے اٹھارہ گھنٹے تک کام کیا، چاہے تنخواہ کچھ ہی ملتی تھی۔ اور شاید ایک دفعہ بھی ایسا نہ ہوا ہوگا کہ کسی کام کو کرتے ہوئے اس پر پوری توجہ نہ دی ہو۔ غرض میرے کیریکٹر پر اس واقعہ نے بہت برا اثر کیا۔

(ناقابل فراموش از دیوان سنگھ مفتون)

اقصیٰ ناصر۔ کراچی

اللہ تک پہنچنے کا راستہ

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے پروردگار کو خواب میں دیکھا اور پوچھا۔

"آپ تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟" جواب ملا۔

"اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ۔"

فوزیہ تمریٹ۔ گجرات

انسان بھی کیا چیز ہے

دولت کمانے کے لیے اپنی صحت کھو دیتا ہے پھر صحت کو واپس پانے کے لیے اپنی دولت کھو دیتا ہے۔ مستقبل کو سوچ کر اپنا حال ضائع کر دیتا ہے پھر مستقبل میں اپنا ماضی یاد کر کے روتا ہے جیتا ہے۔ ایسے جیسے کبھی مرے گا نہیں اور مر جاتا ہے جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔

ایمان، مدیحہ۔ فیصل آباد

ماچس

ایک صاحب ماہر نفسیات کے کلینک میں داخل ہوئے کرسی پر بیٹھ کر تمباکو کا تھیلا نکالا اور تمباکو کو اپنے کان میں ٹھونسنے لگے۔ ماہر نفسیات نے کہا۔

"آپ کی اس حرکت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو میری ضرورت ہے۔"

ان صاحب نے کہا۔ "جی ہاں کیا آپ کے پاس ماچس ہوگی؟"

ارم۔ سمندری

آنچ

بزرگوں کے ساتھ لگے لپٹے رہنا چاہیے گو خود کچھ بھی نہ ہو۔ کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں انجن تو کراچی پہنچ جائے اور بوگیاں ادھر ہی کھڑی رہ جائیں۔ فرمایا کہ ممکن نہیں کہ بزرگ کے پاس بیٹھو اور اثر نہ ہو۔ ممکن نہیں کہ تندور کے پاس بیٹھے اور آنچ محسوس نہ ہو۔

(اقتباس بابا صاحبا۔ اشفاق احمد)

نوال افضل گھمن۔ گجرات

جواہر پارے

☆ علم جیسی کوئی دولت اور جہالت جیسی کوئی غربت نہیں۔ (لقمان)

☆ حالات انسان کو نہیں بلکہ انسان حالات کو بناتا ہے۔ (ڈسرائیلی)

☆ اگر تم حالات سے خوف زدہ نہیں ہو تو زندہ ہو، اگر خوف زدہ ہو تو مردہ۔ (کلاڈیر)

☆ جاہلوں کی صحبت سے دور رہو ورنہ وہ تمہیں بھی اپنے جیسا بنالیں گے۔ (کہاوت)

☆ زندگی اور خربوزے میں ایک قدر مشترک ہوتی ہے کہ یہ پھیکی بھی نکل آئے تو پھینکی نہیں جاسکتی۔ (مستنصر حسین تارڑ)

☆ ایک آزاد ملک میں کافی ہنگامہ ہوتا ہے لیکن دکھ اور مصائب نہیں ہوتے۔ ایک آمریت زدہ ملک میں بظاہر امن و سکون ہوتا ہے لیکن لوگوں کے لیے دکھ اور مصائب بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ (کارنائٹ)

☆ آدمی آزاد پیدا ہوا لیکن ہر جگہ زنجیروں میں ہے۔

سیدہ نسبت زہرا۔ کھروڑ پکا

کارڈ

ایک صاحب بہت دیر سے اسٹیشنری کی دکان پر مبارک باد کا کارڈ تلاش کر رہے تھے تاکہ شادی کی سالگرہ پر بیوی کو دے سکیں۔ ان کی تلاش جب کافی طول پکڑ گئی تو سیلز مین ان کے قریب آکر بولا۔

"میں کوئی مدد کر سکتا ہوں آپ کی سر؟"
"ہاں مجھے کوئی ایسا کارڈ دے دو، جس کے مضمون پر میری بیوی اعتبار کر لے۔" ان صاحب نے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا۔

سہیل اختر ہاشمی

کتاب اور مطالعہ

٭ اگر دنیا کی تمام سلطنتوں کے تاج میری کتابوں اور میرے مطالعے کے شوق کے عوض میرے پاؤں پر رکھ دیے جائیں تو میں ان سب کو ٹھکرا دوں گا۔ (ہائل)

٭ آدمی مطالعے سے بیدار ہوتا ہے۔ مکالمے سے اس میں تمیز آتی ہے اور لکھنے سے اس کی شخصیت نکھر جاتی ہے۔ (راجر بیکن)

٭ کپڑے چاہے ـــ پرانے ہی کیوں نہ پہنو لیکن نئی کتابیں ضرور خریدو۔ (آسٹن فلپس)

٭ اکثر دیکھا گیا ہے کہ کتابوں کے مطالعے نے انسان کے مستقبل کو بنا دیا ہے۔ (ایمرسن)

٭ ایک اچھی کتاب انسان کا بہترین سرمایہ ہوتی ہے۔ (ملٹن)

٭ مصنف کی وہ سطر جو اسے زندہ جاوید بنا دے وہ اس کی تمام تصانیف پر بھاری ہے۔ (وارث شاہ)

گڑیا شاہ۔ کہروڑ پکا

افسر

افسر نے اخبار میں ایک سروے پڑھتے پڑھتے سر اٹھا کر اختر کو مطلع کیا۔
"آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ملک میں ساٹھ لاکھ ٹی وی اور چالیس لاکھ باتھ روم ہیں۔"
"اچھا لیکن اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟"، اختر نے افسر کو گھورا۔
"یہی کہ بیس لاکھ آدمی نہائے بغیر ٹی وی دیکھ رہے ہیں۔" افسر نے سر کھجاتے ہوئے ذرا تشویش سے جواب دیا۔

عائشہ۔ گوجرہ

احتیاط

"کل بازار میں تم جس نوجوان، حسین اور اسمارٹ لڑکی کے ساتھ گھوم رہے تھے، وہ کون تھی؟"
"اگر تم وعدہ کرو کہ یہ الفاظ میری بیوی کے سامنے نہیں دہراؤ گے تو بتا دیتا ہوں۔"
"ٹھیک۔ وعدہ رہا۔"
"وہ میری بیوی ہی تھی۔"

شبنم شمشاد۔ برمان

جو اس نے کہا

٭ خوشیاں بھی ساون کے بادلوں کی طرح ہوتی ہیں کوئی نہیں جانتا کب اور کہاں برس جائیں۔

٭ حقیقی دوست وہ ہے جو آپ کی طرف اس وقت آتا ہے جب ساری دنیا آپ کو چھوڑ چکی ہوتی ہے۔

٭ خاموش انسان خاموش پانی کی طرح ہوتے ہیں اور خاموشی خود ایک راز ہے۔

٭ زندگی میں کوئی کل نہیں ہوتی، نہ آنے والی، نہ گزر جانے والی۔ زندگی صرف آج ہوتی ہے۔

٭ سڑک چاہے کانچ کی کیوں نہ ہو لیکن پیدل چلنے والوں کو تھکا دیتی ہے۔

٭ ہم سب تنہا ہیں ان جزیروں کی طرح جن کے ساحل ایک ہی سمندر میں ہوتے ہوئے دور ہوتے ہیں۔

٭ جو راستوں کے عشق میں گرفتار ہو جاتے ہیں، منزلیں ان سے دور ہو جایا کرتی ہیں۔

٭ اگر آپ سب کچھ کھو چکے ہیں تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو سب کچھ کھو دیتا ہے اس کے پاس پانے کے لیے پوری دنیا ہوتی ہے۔

٭ لفظ انسان نہیں کہ مر جائیں یا بدل جائیں۔ یہ تو ہمارے نہ ہونے پر بھی رہتے ہیں، لوگوں کے لہجوں میں یادوں میں مگر انسان کس قدر بدل جاتا ہے۔

گیلانی سسٹرز۔ کہروڑ پکا

خالدہ جیلانی

عائشہ اسلم، صبا نوشاہی ——— ڈوگہ گجرات

جب بھی کبھی ساون کے زمانے آگئے
ہم کو یاد پھر کچھ زخم پرانے آگئے
اسی امید پہ اُن سے خفا ہو بیٹھے
شاید اب کے ساون میں وہ منانے آجائے

ثمرہ، اقرا ——— کراچی

بھلا دکھ کے آنگن میں سلگتی لڑکیاں کیا جانیں
کہیں چھپتے ہیں آنسو آنچلوں میں منہ چھپانے سے
مجھے تنہا محبت کا یہ دریا پار کرنا ہے
ندامت ہو گی اس کے حوصلوں کو آزمانے سے

نوال افضل گھمن ——— لاہور

ہم سے اگر ہے ترکِ تعلق تو کیا ہوا
یارو! کوئی تو ان کی خبر پوچھتے چلو
جو خود کو کہہ رہے ہیں منزل شناس ہیں
ان کو بھی کیا خبر ہے مگر پوچھتے چلو

حنا سلیم اعوان ——— گاؤں آخون باندی

اک اشک چھلک جائے تو طوفان اٹھا دے
رکھتا ہوں میں آنکھوں کے پیالوں میں سمندر
اک چاند سے کیا اس کی ملاقات ہوئی ہے
رہتا ہے ہمہ وقت اجالوں میں سمندر

حجاب فاطمہ ——— بہاول نگر

کرنے سفر میں اگر راستہ بدلنا تھا
تو ابتدا میں میرے ساتھ ہی نہ چلنا تھا

ثنا عبدالقیوم ——— بنگہ چیمہ

درد جب حد سے بڑھا، ضبط کے آنسو نکلے
ہم نے سیکھا ہی نہیں آنکھ سے رونا سائیں
کوئی کھیلے، کوئی توڑے، کوئی چاہے تو رکھے
مرد کے ہاتھ میں عورت ہے کھلونا سائیں

عائشہ خان ——— ٹنڈو محمد خان

ہم عجب مسافر دشت تھے جو چلے تو چلتے چلے گئے
کسی آب جو کی صدا پہ بھی کہیں راستے میں رکے نہیں
کئی اور اہل طلب ملے مجھے راہ شوق میں ہم قدم
جنہیں کر رہا تھا تلاش میں، وہی لوگ مجھ کو ملے نہیں

عنیزہ علوی ——— ہالہ

اس کو بھی ہم تیرے کوچے میں گزار آئے ہیں
زندگی میں وہ جو لمحہ تھا سنورنے والا
اس کا اندازِ سخن سب سے جدا تھا شاید
بات لگتی ہوئی، لہجہ وہ مکرنے والا

گیلانی سسٹرز ——— کہروڑ پکا

چاند بدلا ہے کہیں جھیل بدل جانے سے
آئینہ کوئی بھی ہو عکس تمہارا ہو گا

عودین زینب ——— کہروڑ پکا

تو نے دیکھا ہے کبھی صحرا میں جلتا ہوا پیڑ
اس طرح جیتے ہیں وفاؤں کو نبھانے والے
کوئی دیکھے تو سہی ان کی جبینوں کو عرق
کتنا روتے ہیں لوگوں کو ہنسانے والے

خالدہ پروین ——— گاؤں اوکھ

شہرِ وفا میں دھوپ کا ساتھی کوئی نہیں
سورج سروں پر آیا تو سائے بھی گھٹ گئے

نجمہ اکرم ——— گاؤں گوپیکی

چلے تو فاصلہ طے ہو نہ پایا لمحوں کا
رکے تو پاؤں سے آگے نکل گئیں صدیاں

ماروی ——— سکھر

اندھیری رات میں جب سانس رکنے لگتی ہے
تو اک چراغ سرِ آستاں ٹھہرتا ہے

نوال افضل گھمن ——— گجرات

تیرا خیال جب سے مجھے چھو کے گزرا ہے
میں تب سے رقص کناں دھڑکنوں کی تال میں ہوں

ثمرہ، اقراء ——— کراچی

تمہیں بخشی ہے دل کی حکمرانی اور کیا دیتے
یہی تھی ہماری راجدھانی اور بھلا کیا دیتے
سجا کے سر ہتھیلی پر گئے تھے کوئے جاناں میں
ہم اپنے عشق کی ان کو اور نشانی کیا دیتے

نخبہ اکرم ——— گاؤں گوریکی

یوں حوصلہ دل نے ہارا کب تھا
سرطان میرا ستارہ کب تھا
لازم تھا گزرتا زندگی سے
بن زہر پیے گزارا کب تھا

عنیزہ علوی ——— لاہور

شاید وہ بام و در کو نہ سونپے دیئے عمر بھر
جو خواب گھر کی خاک میں پیوست رہ گئے

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ——— کورنگی

بزم میں تیرے نہ ہونے کا سوال آیا بہت
تو نہیں تھا تو آج تیرا خیال آیا بہت
دیکھتے ہی دیکھتے شاہوں کی شاہی چھن گئی
باکمال لوگوں پر زمانے میں زوال آیا بہت

سیدہ لوبا سجاد ——— کھروڑ پکا

ہے یہ بھی سچ کہ تیرے سامنے مجھے برسوں
کوئی رفیق، کوئی کام بھی نہ یاد آیا
نہیں یہ جھوٹ کہ کل جو تجھے میں نے دیکھا
تو کتنی دیر تیرا نام بھی نہ یاد آیا

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ——— کورنگی کراچی

عشق کے مرحلے تمام ہوئے
ہم بھی بیکارِ جہاں کے نام ہوئے

اریبہ شمشاد، منیبہ شمشاد ——— باغ

کیا ہے پیش نظر نہیں کھلتا
ہم پہ خود اپنا ڈر نہیں کھلتا
عمر پہ کتنے ماہ و سال کھلے
لمحہ خیر و شر نہیں کھلتا

سدیحہ نورین مہک ——— برنالی

حاصل زندگی حسرتوں کے سوا کچھ بھی نہیں
یہ کیا نہیں، وہ ہوا نہیں، یہ ملا نہیں، وہ رہا نہیں

عائشہ نور ——— لاہور

روز روتے ہوئے کہتی ہے زندگی مجھ سے
صرف اک شخص کی خاطر مجھے برباد نہ کر

آمنہ اُجالا ——— ڈہرکی

جس دیس کے کوچے کوچے میں افلاس آوارہ پھرتا ہو
جو دھرتی بھوک اگلتی ہو اور درد فلک سے گرتا ہو
جس دیس کی مٹی برسوں سے یہ دکھ جگر پہ سہتی ہے
اور اپنے دیس کے لوگوں کو نیا سال مبارک کہتی ہے

ثناء عبدالقیوم ——— بنگہ جیجہ

وہ جو مجھ میں ایک اکائی تھی وہ نہ جڑ سکی
یہی ریزہ ریزہ جو کام تھے مجھے کھا گئے
جو کھلی کھلی تھیں عداوتیں مجھے راس تھیں
یہ جو زہرخند سلام تھے مجھے کھا گئے

سانحہ ارتحال

آپ کی پسندیدہ مصنفہ بہن رخسانہ نگار عدنان کے بھائی ارشد سلیم مختصر سی علالت کے بعد اس دارفانی سے رحلت فرما گئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جوان بھائی کی اچانک وفات بہن رخسانہ نگار کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے۔ ہم ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعاگو ہیں اللہ تعالیٰ مرحوم ارشد سلیم کی مغفرت فرمائے۔ ان کے بیوی بچوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت اور طاقت عطا فرمائے اور دیگر اہل خانہ کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین۔

سیدہ نسبت زہرا کی ڈائری سے

جذبے کی شدت میں ڈوبے لفظ جو دل میں اترتے محسوس ہوتے ہیں، کسی سے بچھڑ کر جینا آسان نہیں ہوتا ہے۔ یہ تو وہی جان سکتا ہے جس پر بیتے۔ محسن نقوی کی یہ غزل دل کے تاروں کو چھیڑتی ہے۔ طلب جب حسرت میں بدلتی ہے تو کچھ یوں ہی محسوس ہوتا ہے پھر کوئی دعا، صدا، امید و یاس کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ بس بے چینی اور تنہائی دل میں بسیرا کرتی ہے اور دل کے زخم آنکھوں کو نیند سے کوسوں دور کرتے ہیں اور رات اور یادیں رہ جاتی ہیں۔ اس غزل میں جذبوں کی آنچ بھرپور محسوس ہوتی ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور محسوس کیجیے۔

دشت ہجراں میں سایہ نہ صدا تیرے بعد
کتنے تنہا ہیں تیرے آبلہ پا تیرے بعد

لب پہ اک حرف تھا، نہ رہا تیرے بعد
دل میں تاثیر کی خواہش، نہ دعا تیرے بعد

درد جب سینے میں ہوا نوحہ سرا تیرے بعد
دل کی دھڑکن ہے کہ ماتم کی صدا تیرے بعد

تجھ سے بچھڑا ہوں تو مرجھا کے ہوا زرد ہوا
کون دیتا ہے مجھے کھلنے کی دعا تیرے بعد

ملنے والے کئی مفہوم پہن کر آئے
کوئی چہرہ بھی نہ آنکھوں نے پڑھا تیرے بعد

جان محسن مرا حاصل یہی مبہم سطریں
شعر کہنے کا ہنر بھول گیا تیرے بعد

تزئین اشفاق کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے کلام سے انتخاب تمام قارئین کے ذوق کی نذر۔

سو بار چمن مہکا سو بار بہار آئی
دنیا کی وہی رونق دل کی وہی تنہائی

اک لحظہ بہے آنسو اک لحظہ ہنسی آئی
سیکھے ہیں نئے دل نے انداز شکیبائی

الجھا غم ہستی میں اس طرح یہ دل میرا
کیا کیا کہیں یاد آیا جب یاد تیری آئی

جلووں کے تمنائی جلووں کو ترستے ہیں
تسکین کو روئیں گے جلووں کے تمنائی

دیکھے ہیں بہت ہم نے ہنگامے محبت کے
آغاز بھی رسوائی انجام بھی رسوائی

یہ بزم محبت ہے اس بزم محبت میں
دیوانے بھی شیدائی فرزانے بھی شیدائی

نوال افضل گھمن کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر افتخار عارف کی یہ غزل ناہید مزمل بٹ کے نام

راتیں شور مچاتی ہیں
جانے کیسے بلاتی ہیں

کیا کوئی رستہ بھول گیا
گلیاں خاک اڑاتی ہیں

مٹی کی سب تحریریں
مٹی میں مل جاتی ہیں

بادل برسے جاتا ہے
بیلیں سوکھتی جاتی ہیں

آپ ہی آپ اندھیروں میں
تصویریں بن جاتی ہیں

سدا سمندر آنکھوں میں
یادیں پیاس بڑھاتی ہیں

حمیرا رفیع کی ڈائری سے

یہ آزاد نظم کئی سال پہلے ایک ادبی محفل میں پڑھی گئی تھی۔ شاعرہ کا نام یاد نہیں مگر خیال و الفاظ دل میں اُتر گئے۔

جب لفظ گواہی دیں،

کسی بھی موڑ
یا اگلے پڑاؤ پر
جدا ہی ہم کو ہونا ہے
تو آؤ پھر
یہیں اپنے اثاثوں کو الگ کرلیں
اور جتنے زخم دل پہ ہیں ادھر میری طرف کردو
کہ اکثر تم ہی کہتے تھے یہ سب میری بدولت ہیں
تو پھر یہ زخم میرے ہیں مجھے دے دو
ذرا دیکھو!
یہاں کچھ خواب بھی ہوں گے، جو ہم نے مل کے دیکھے تھے
انہیں تقسیم کرنا ہے
سو یوں کرلو
سہانے خواب تم رکھ لو، ادھورے سب مجھے دے دو
کہ میری یوں بھی عادت ہے
مجھے ٹوٹی ہوئی چیزوں سے اک بے نام رغبت ہے
تو آدھے خواب تم رکھ لو
یہ باقی خواب میرے ہیں
ارے ہاں... مجھ کو یاد آیا
یہ آنچل سے بندھے کچھ مہرباں لمحوں میں بیتے
سبز موسم کی فضاؤں سے چرائی خوشبوؤں کے کچھ
دھنک رنگ ہیں
انہیں بھی بانٹ لیتے ہیں
مگر دیکھو۔ یہاں مشکل ذرا ہوگی

کہ یہ...
مشترکہ اثاثہ ہے
سو یوں کرتے ہیں مل کے ہم۔ انہیں یادوں کی البم کے لیے ہی چھانٹ لیتے ہیں
چلو تقسیم کا قصہ یہیں پر ختم کرتے ہیں
مگر ٹھہرو! یہیں ٹھہرو!
یہاں تم سے مجھے اک بات کہنا ہے۔ مجھے اک عہد لینا ہے
کہ اب لمبی مسافت پر کبھی تنہا نکلنا ہو!

تو گھبرا کے مصائب سے مجھے آواز مت دینا
نہ مڑ کے دیکھنا مجھ کو کہ مڑ کے دیکھنے سے
عہد کمزور پڑجاتے ہیں۔ ارادے ٹوٹ جاتے ہیں
صبر کے جام ہاتھوں سے سمے میں چھوٹ جاتے ہیں
بہت نقصان ہوتا ہے۔ سو یہ نقصان مت کرنا
خیالی اس کہانی میں۔ کوئی بھی رنگ مت بھرنا

ملائکہ کوثر..... بسم اللہ پور

"کہنی سنی" کی باتیں بہت دل کو لگیں، امیدوں کے نئے در وا ہوئے۔

"کرن کرن روشنی" سے استفادہ کرتی ہوں تو آگہی کے کتنے ہی بند دریچے کھل جاتے ہیں۔ دعائیں قبول کرنے والا صرف اللہ ہے کسی اور سے دعا کرو گے تو یہ گویا اس کی عبادت ہوگئی جو شرک ہے۔

"آب حیات" عمیرہ احمد کا ناول جتنا سب کو پسند آرہا ہے اتنا ہی میرے لیے شطرنج کی بساط بن گیا ہے لیکن نہ سمجھتے ہوئے بھی کچھ انمول جملے سمجھ میں آہی جاتے ہیں۔

"قیمت ہمیشہ اقرار کی ہوتی ہے انکار انمول ہوتا ہے۔ بکنے والے آدمیوں کے بیچ نہ بکنے والا آدمی کانٹے کی طرح چبھتے ہوئے بھی ہیرے کی طرح چمکتا ہے۔"

"عمل" میں سوہنا سعدی جب سے گیا ہے میرا دل بڑا غم زدہ ہے۔ سارہ کی بیٹوں کے نام بھی پیارے ہیں ایمل یعنی آرزو، نور یعنی روشنی۔

گزرے سال میں آسیہ رزاقی نے بھی خوب رنگ جمایا۔ اب سوال یہ ہے کہ اور رنگ حنا لکھ کر..... رنگوں سے کیا ہوتا ہے انسان کا رنگ اچھا ہونا چاہیے۔ ایمان کا رنگ، ضمیر کا رنگ، کپڑے تو پرانے ہو کر بدرنگ ہو جاتے ہیں مگر انسان کی خوبیوں کا رنگ ہمیشہ چمکدار رہتا ہے۔"

"پرورش" عینی ملک کی سادہ پیرائے میں بیانیہ مگر پراثر کہانی۔

"شہر آشوب" امتہ العزیز شہزاد کی کہانی اچھی ہے۔ ناولٹ مدیحہ سعید کا چاند کا دکھ پسند آیا۔ افسانے سارے بہترین تھے مگر ایمل رضا کا "بدل دو" بازی لے گیا۔ "دل و نظر کی بات" نعیمہ ناز کے مایہ ناز قلم سے نکلی خوب صورت تحریر "دشت جنوں" آمنہ ریاض کا ناول ابھی پڑھ نہیں سکی۔

ج: پیاری ملائکہ! عمیرہ احمد تو بہت سادہ انداز میں کہانی بیان کرتی ہیں۔ آب حیات ایسا گنجلک تو نہیں جو آپ کو سمجھنے میں دشواری ہو رہی ہے۔ پرانے شمارے نکال کر پڑھیں دوبارہ سے آپ ایک بہت اچھے ناول سے خود کو محروم رکھ رہی ہیں۔

آمنہ ریاض کا ناول ابھی پڑھا ہی نہیں۔ یہ جان کر مایوسی ہوئی۔ ہم تو ناول کی پہلی قسط کے بعد شدت سے

خط بھجوانے کے لیے پتا
خواتین ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com

آپ کی رائے جاننے کے منتظر تھے۔ اب دونوں قسطیں ساتھ پڑھ کر ہمیں خط لکھیے گا۔

کہانی مل گئی ہے۔ ابھی پڑھی نہیں۔ آئندہ خط میں اپنا فون نمبر لکھ بھیجیں۔ ہم کہانی پڑھ کر آپ کو فون یا میسج کر کے بتا دیں گے۔

میا علی..... لاہور

خواتین ڈائجسٹ پڑھتے ہوئے سولہ سال گزر گئے۔ آج بھی اس کا معیار وہی ہے۔ سائرہ رضا میری پسندیدہ مصنفہ ہیں جب مجھے پتا چلا کہ ان کا ناول "اب کر میری رفوگری" 28 جنوری سے اے آر وائی سے پیش کیا جا رہا ہے تو جہاں مجھے خوشی ہوئی وہیں یہ خوف بھی لاحق ہو گیا ہے کہ کہیں اس کا حشر بھی وہی نہ ہو جو حال ہی میں خواتین کی ایک بہت اچھی مصنفہ کے بہت اچھے ناول کا ہوا ہے۔ بہرحال ایک اطمینان ہے کہ تاباں اور جاذب سلطان کے کرداروں کے لیے فنکاروں کا انتخاب انگوٹھی میں نگینے کی

طرح ہے۔

ج پیاری میا! شعاع میں نئے سلسلے جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے کا آغاز آپ کی تحریر سے ہوا تھا۔ اور بہت خوب ہوا تھا' یلا کی روانی ہے آپ کی تحریر میں.... ہمیں حیرت ہے کہ آپ نے افسانہ نگاری کی طرف توجہ کیوں نہیں دی۔ آپ اس بارے میں ضرور سوچیں۔ ٹی وی پر چلنے والے ڈراموں کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ہمارا شعبہ نہیں ہے۔ دوسرے ہم بہت کم ڈرامے دیکھتے ہیں۔ سائرہ رضا سے بات ہوئی تھی۔ وہ کرداروں کے انتخاب سے کافی مطمئن نظر آتی ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ ڈراما کیسا بنایا گیا ہے۔

ثنا عبدالقیوم.... بنکہ چیمہ

خواتین ڈائجسٹ کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔ آمنہ ریاض کے ناول کی پہلی قسط نے ہی جکڑ لیا۔ مزاح' تجسس اور اسرار۔ آمنہ ریاض میری پسندیدہ مصنفہ ہیں۔ ان کا ناول مرگ وفا میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ مجھے یقین ہے' یہ ناول بھی ایسا ہی ہوگا۔

ج پیاری ثناء! خواتین کی پسندیدگی کے لیے بہت شکریہ۔ ہمارا اندازہ بھی یہی ہے کہ آمنہ کا یہ ناول ان کی اب تک لکھی گئی تمام تحریروں سے بڑھ کر ثابت ہوگا۔

نائلہ امین عرف ایمن.... راولپنڈی

اس بار کا جو افسانہ ٹاپ پہ تھا وہ تھا اپنی پیاری مصنفہ ایمل رضا کا۔ ایمل بہت اچھا لکھتی ہیں۔ "کچھ اصول دنیا کے" "میرے خیال سے ہر گھر کی کہانی ہے۔ دھرنا اور خوب صورت بھی اچھی تحریریں تھیں.... عروج فاطمہ کی نصیحت بھی سبق آموز تحریر تھی۔ "میرے اردگرد تو جیتی جاگتی کئی مثالیں ہیں۔ جو کہانیاں صرف مزا لینے کے لیے پڑھتی ہیں۔ "مدیحہ سعید کا ناولٹ' نعیمہ کا ناول "دل و نظر کی بات" واہ جی واہ دل خوش کر دیا۔ کیا کمال کی تحریر تھی.... واقعی میں ایسی کئی کہانیاں ہمارے اردگرد موجود ہیں۔ شہر آشوب کی یہ قسط انٹرسٹنگ تھی مگر مجھے دکھ ہو رہا ہے.... سائرہ اپنی اماں حضور کی وجہ سے نفسیاتی بن گیا ہے۔ اور آہا نیا ناول.... وہ بھی آمنہ جی کا.... مزا آ گیا۔ آمنہ جی اگر یہ ناول موضوع کے اعتبار سے آپ کی پسندیدہ تحریر ہے تو پھر تو یقیناً "یقیناً" ہمیں بہت ہی مجا (مزا) آنے والا ہے اور اور "آب حیات

آہ! سچ بتاؤں تو خوب روئی اس قسط میں.... اور یقین سے کہتی ہوں ہر لڑکی روئی ہوگی۔ پلیز عمیرہ جی رحم کرنا آگے دل گھبرا رہا ہے بڑا۔

اچھا جی اب بات ہو جائے ہمارے موسٹ فیورٹ ناول کی.... (ایک بات کہوں اس بار تو آپ نے دل ہی دہلا دیا جی) یہ قسط ہمیشہ کی طرح مزے دار تھی جی۔ میرے خیال سے زمر کو گردہ فارس ہی دے گا۔ نمرہ جی فارس کو سمجھاؤ زیادہ کان مت مسلا کرے' آخری قسط تک تو میرے خیال سے کان گھس گھس کر بالکل غائب ہو چکا ہوگا.... حد ہے یار اور اتنا بتا دوں ہاشم خاور کو نہیں مارے گا اور مجھے کیوں لگتا ہے ایسا کہ ہاشم حنین کا ہیرو بنے گا۔

نمل کی یہ قسط پڑھ کر ویسے ایک تبدیلی تو آئی.... گھر کو نئے سرے سے چمکایا.... ڈسٹنگ کرتے ہوئے پردے ہٹا کر راڈز دیکھے تو چیخیں ماریں (اُ ر... رے چھپکلی دیکھ کر) ہم حنہ کی طرح تھوڑی نا ہیں۔ ہم تو باہوت صفائی پسند ہیں جی! اور اک بہت ہی خاص بات حنہ کی پھٹی جرابوں میں سے جھانکتے دو انگوٹھے واہ جی واہ۔ کوئی حال نئیں یار.... حد ہی تک گئی۔

کیا مجھے نمرہ جی سے بات کرنے کا چانس مل سکتا ہے.... دراصل میں ان کو بتانا چاہتی ہوں' ان کی سب تحریروں سے زیادہ مجھے نمل نے بدل دیا ہے' میرے اندر بہت سے پازیٹو چینج آئے ہیں۔ اور ہاں صنم بلوچ کی بھی اگر ٹھیک والی آئی ڈی آپ کو معلوم ہو تو پلیز مجھے بتایئے گا.... میں کبھی کراچی

نہیں آئی مگر جب آئی تو آپ سب سے ضرور ملنا چاہوں گی اگر آپ کی پرمیشن ہوئی تو۔

ج پیاری ایمن! آپ کا خط طوالت کے باعث پورا شائع نہیں کر سکے۔ لیکن پڑھ کر بہت لطف آیا۔ بہت مزے دار خط لکھا ہے آپ نے.... اگر افسانہ بھی اتنا ہی دلچسپ ہے تو ضرور شائع ہوگا' خط بہت تاخیر سے ملا ہے۔ کوشش کیجیے گا آئندہ جلد بھجوا دیں۔ کراچی آئیں تو ہم سے ضرور ملیں' ہمیں خوشی ہوگی آپ سے مل کر۔

فرحا گل.... داربن کلاں

خواتین شعاع سے تعلق فرحت اشتیاق کی تحریر "جنون تھا کہ جستجو" پڑھ کر جڑا۔ خط لکھنے کی وجہ صرف اور صرف "نمل" ہے۔ اف نمرہ آپی کیا کمال لکھتی ہیں آپ

یہ تحریر ہمارے بھائی جان کو بہت پسند ہے۔ نمرہ آپی ایک بات تو بتائیے یہ "کٹو بیگم" حنین کا نک نیم آپ نے کہاں سے لیا۔ جب کبھی چھیڑ چھاڑ ہوتی ہے ہمارے ہاں تو یہ نام لے کر چڑایا جاتا ہے۔ "آب حیات" بہت بہت انٹرسٹنگ تحریر پڑھ کر بندہ سحرزدہ رہ جائے۔ "شہر آشوب" بھی بہت اچھی جا رہی ہے۔ نبیلہ ابر راجہ اور نبیلہ عزیز کیا ایک ہی رائٹر ہیں؟ اسما قادری اور نمرہ بخاری کہاں گم ہیں' میں ان دونوں کی اسٹوریز کو بہت مس کرتی ہوں۔ راحت جبین اور فرحت اشتیاق' تنزیلہ ریاض۔ انیسہ سلیم۔ راشدہ رفعت اور بہت سی پرانی لکھاریاں اب کیوں نہیں لکھ رہیں۔ کیا میں آپ کے سلسلے "آپ کا باورچی خانہ" اور خاتون کی ڈائری میں شرکت کر سکتی ہوں۔

اب کچھ اپنے گاؤں کے بارے میں میرا گاؤں دارین کلاں جو ڈیرہ اسماعیل خان سے ایک گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ نہایت خوب صورت اور بڑا ہے۔ اس کی آبادی تقریباً" 55 ہزار ہے۔ یہاں زندگی کی ہر سہولت مثلاً" اسکول' کالج' پوسٹ آفس' اسپتال' بینک موجود ہیں۔ اب تو گرلز کالج بھی بن چکا ہے میٹرک پاس کرتے ہی ہم بھی کالج کو رونق بخشیں گے۔ یہاں کے لوگ بہت ملنسار' محنتی ہیں۔ ہمارے ہاں سرائیکی اور پشتو بولی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں کی مشہور علاقائی ڈش "ثوبت" ہے۔ تقریباً" چار پانچ دن کے بعد ہر گھر میں یہ اعلان سننے کو ملتا ہے۔ "اج میڈی ثوبت مانے (روٹی) پکاؤ۔ ہمارے ہاں کی شادیاں بہت بارونق اور میلے گلے سے بھرپور ہوتی ہیں۔ یہاں کی مشہور تفریحی جگہیں سلمان تخت' پیر دی نمنڈی اور مذہبی مقامات "حاجی بابا کا مزار" ہے۔ دعا ہے کہ پاکستان کا ہر گاؤں شہر سلامت رہے۔

ج پیاری فرحا! آپ نے خط لکھا' بہت خوشی ہوئی۔ آئندہ خط لکھیں تو ثوبت کی ترکیب ضرور لکھیے گا۔ نبیلہ ابر راجہ اور نبیلہ عزیز مختلف رائٹرز کے نام ہیں۔

خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ اور سلسلوں میں شرکت کے لیے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ خواتین آپ کا اپنا پرچا ہے۔ آپ اس کے ہر سلسلے میں لکھ سکتی ہیں۔ "ڈائری اور آپ کا باورچی خانہ" میں ضرور شرکت کریں۔

انیقہ انا..... چکوال

امید ہے خیریت سے ہوں گی۔ سال بعد پرانے رابطے بحال کرنے بیٹھی ہوں تو سوچ رہی ہوں کیا لکھوں؟ کیا کہوں؟ بس اتنا ہوا ہے کہ پہلے سی شوخی اور چلبلاپن ختم ہو گیا ہے۔ لوگوں کا مزاج سمجھنا آیا ہے اور پرائیویٹ ادارے سے ہٹ کر ہم سرکار کے ملازم ہو گئے ہیں۔ بقول احباب کے گورنمنٹ کی استانی ہاہاہا....."

کہنی سنی سے لے کر بیوٹی بکس' تک سب کچھ وہی ہے۔ اور وہی بہترین معیار کی ہے۔ کمی ہے تو بس میری ہے۔ (ہائے ری خوش فہمی) نمل' آب حیات دونوں پسندیدہ ناول۔ ایک دور ایسا آیا کہ میرا کچھ بھی پڑھنے کو دل نہیں کرتا تھا۔ لیکن آج طویل مدت کے بعد میں گزشتہ زمانے والی پرانی انیقہ سے ملی ہوں۔ سارا رسالہ ایک رات میں پڑھ کر تبصرہ کرنے کے لیے بے چین رہنے والی ایک رات اور دن میں "آب حیات" کی پندرہ اقساط پڑھ لیں۔ میں اعتراف کرتی ہوں کہ عمیرہ کو آج بھی قاری کو اپنے الفاظ میں جکڑے رکھنے اور مسحور کرنے کا فن آتا ہے' بے شک سالار سکندر بہترین کردار ہے' لیکن وہ عمر جہانگیر جیسا اعلیٰ ترین نہیں ہے۔ (عمر بھی نہیں بھولتا) اور عنیزہ کیسی ہیں؟ سلام پہنچائیے گا۔ جنوری کا شمارہ پڑھ کر یہ سکون رہا کہ "دشت جنوں" کی پہلی قسط تھی۔ اکثر فقروں پر تو ہنسی روکنا مشکل ہوا تھا۔ آغاز تو خوب ہے یقین ہے کہانی آغاز کی طرح ہی زبردست ہو گی۔

سائرہ رضا کا تین چار اقساط کا مکمل ناول تھا' جاذب اور تاباں ولا' اس کا نام بتا دیجیے گا خواتین و شعاع دوبارہ پڑھے تو میرے اندر کا چھوٹا سا مصنف پھر جاگ گیا۔

بس اب دوبارہ آئی ہوں تو دعا کیجیے گا' جاؤں نہیں' کیونکہ مطالعہ بہت سی الجھنوں سے خصوصاً" تنہائی سے نجات دیتا ہے۔

ج پیاری انیقہ! یہ آپ کی خوش فہمی نہیں درست فہمی ہے۔ پرچے میں آپ کی کمی ہم نے اور ہماری قارئین نے بھی محسوس کی اور یہ تو نہیں پوچھیں گے کہ لکھنا کیوں چھوڑا؟ جو گزر گیا وہ گزر گیا لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ اب لکھنا شروع کر دیں' اچھا سا ناولٹ لکھ کر بھجوائیں۔

اور لوگوں کا مزاج سمجھ میں آنے لگا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اپنا مزاج بدل لیا جائے' ارے بھائی دوسرے اپنی خو نہیں بدلتے تو ہم اپنی وضع کیوں بدلیں۔ آپ اپنی شوخی اور چلبلاپن کیوں بھول گئیں؟

گورنمنٹ کی استانی بننے پر مبارک باد۔ کاش سچ مچ گورنمنٹ کی کوئی استانی ہوتی اور اس کو اچھی حکمرانی کے سبق سکھا سکتی۔

سائرہ رضا کے جاذب اور تاباں والے ناول کا عنوان "اب کر میری رفوگری" تھا۔ یہ ناول دو اقساط پر مشتمل تھا اور خواتین ڈائجسٹ کے جنوری 15ء اور فروری 15ء کے شمارے میں شائع ہوا۔

حنا گل..... بنوں

کرنل اشفاق حسین سے ایک مرتبہ کسی نے ان کے پسندیدہ ادیب کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے انگریزی ادیب "آرتھر ہیلے" کا نام لیا اور پسندیدگی کی وجہ بیان کی کہ وہ جس موضوع پر بھی لکھتا ہے اس پر خوب ریسرچ کرتا ہے اور جب لکھنے بیٹھتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے وہ اسی فیلڈ کا آدمی ہے جس کے بارے میں لکھا جا رہا ہے۔" اور یہی خوبی نمرہ احمد میں ہے نمل میں اتنی شاندار قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنے کے لیے بہت بہت مبارک۔

نمرہ احمد ایک شعر نکالا ہے اگر نمل کی زینت بن گیا تو زہے نصیب۔

ایک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر.....
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق۔

ج پیاری حنا! شعر بہت گھسا پٹا ہے اور شہنشاہ نے اپنی محبت کا اظہار اپنے وسائل اور مرتبے کے مطابق کیا ہے۔ حالانکہ محبت چیزوں کی محتاج نہیں وہ تو جذبوں کی شفافیت اور صداقت سے عبارت ہے۔ اور جو لوگ محبت بھرا دل رکھتے ہیں۔ بے ریانیت اور خلوص سے اپنی رشتوں کو نبھاتے ہیں..... وہ کیا غریب ہوتے ہیں؟

آمنہ ریاض..... کھوہا گجرات

ارم بشیر (اسلام آباد) کا خط پڑھ کر خوشی ہوئی کہ یہ بہن اتنی توجہ سے رسالے پڑھتی ہیں کہ انہوں نے کہانی کی چوری پکڑلی اس کے بعد "آب حیات" پڑھی۔ سالار سکندر کی اولاد واقعی ہی ذہین ہے افسانہ "بدل دو" بھی اچھا تھا۔ افسانہ "کچھ اصول دنیا کے بھی" بھی خاصا متاثر کن تھا۔ 2015ء کے حوالے سے جو سلسلہ تھا "یادیں یاد آتی ہیں" بھی ٹھیک تھا۔ تحریم منیبہ سے ملاقات اچھی رہی۔

"منیب علی بٹ کی باتیں بھی بس ٹھیک ہی تھیں۔ مجھے تو اس کی اس بات پر بہت ہنسی آئی کہ وہ صنم چوہدری کو اغوا کر کے اس سے تاوان میں اس کی ایکسٹینشنز اور میک اپ کا سامان مانگے گا۔ اس کے علاوہ حمیرا نوشین کا افسانہ "دھرنا" بھی اچھا تھا۔ ہمارے آج کل کے ڈرامے ایسے ہی ہیں کہ اپنی فیملی کے ساتھ بیٹھ کر نہیں دیکھے جا سکتے "شہر آشوب" امتل العزیز کا بہت اچھا جا رہا ہے۔ میرب کی حالت پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا۔ ج۔ آمنہ! آپ اپنا ایڈریس بھجوا دیں۔ اگست 15ء کا شمارہ آپ کو وی پی کر دیں گے۔ آپ کو پوسٹ مین کو 100 روپے دینا ہوں گے۔

خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

آویزہ شیخ..... ملتان

خواتین کے سارے سلسلے بہت اچھے ہیں۔ نمل اور آب حیات کے بارے میں تو کیا ہی کہنا۔

نمل پڑھتے پڑھتے انسان بیٹھ کر سوچنے ضرور لگتا ہے اور پھر سمجھ کر پڑھنے کی کوشش بھی۔

ج پیاری آویزہ! اتنا مختصر خط.....؟ آپ کے تفصیلی تبصرے کا انتظار ہے۔

سیدہ نسبت زہرا..... کہروڑ پکا

محبتوں میں خطائیں تو ہو ہی جاتی ہیں
محبتوں کا تقاضا ہے درگزر کرنا

ابھی ابھی میرے ہاتھ میں خواتین ڈائجسٹ آیا ہے۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ سروے میں خود کو نہ پا کر جو میری فیلنگ ہو رہی ہے، مجھے بہت زیادہ امید تھی۔

اتنی لگن، شوق اور توجہ سے خاص ٹائم نکال لکھا تھا..... بہرحال نہیں بس اب نہیں اور لوگوں کا بھی میں دیکھ چکی ہوں کیا ایسی خاصیت ہے۔ جو میرے جواب میں نہ تھی.....

ج۔ پیاری نسبت! اتنا غصہ، اتنی ناراضی، اتنی مایوسی..... ہمیں احساس ہو رہا ہے کہ آپ کو کتنا دکھ ہوا ہوگا..... دکھ کی بات بھی ہے۔ جن سے امید ہو، توقع ہو..... ان سے مایوسی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے لیکن اتنا تو سوچیں کہ خواتین اور شعاع کے مختلف سلسلوں میں آپ کا انتخاب ہر ماہ شامل ہوتا ہے۔ سروے شامل نہ ہو سکا تو کوئی وجہ ہو گی نا..... ہمیں اعتراف ہے آپ نے بہت محنت، لگن اور

شوق سے بہت اچھا لکھا تھا.... کوئی کمی نہیں تھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ جب آپ کا سروے موصول ہوا تو یہ سلسلہ ترتیب دیا جا چکا تھا۔ بہرحال اب جو ہوا سو ہوا' آئندہ کے لیے پکا وعدہ کہ سالگرہ نمبر کے سروے میں آپ ضرور شامل ہوں گی لیکن شرط ایک ہے کہ جلد بھجوا دیجیے گا۔

آپ شوق سے روٹھیں' ہم آپ کو روٹھنے نہیں دیں گے۔ اب یہی دیکھ لیں اتنی ناراضی کے باوجود آپ نے ہمیں خط لکھا۔

نسیم احمد مغل.... حیدر آباد

ایمل رضا کا "بدل دو" مجھے لگا' ایمل رضا نے میرا انداز فکر بہت سادہ اور آسان لفظوں میں کاغذ پر اتار دیا ہے۔ خیر باقی تحریروں میں تو نمل اور آب حیات ایسے سورج ہیں جن کو چراغ دکھانے کی میری کیا بساط.... ماشاء اللہ نمل میں اس بار بڑے ابا نے میرا دل خوش کیا۔ واہ واہ.... آب حیات میں جو سالار نے چنی کو اپنی ولدیت میں لینے کا فیصلہ کیا ہے شرعی رو سے یہ درست نہیں' وہ بھی ایسے انسان کی طرف سے جو قرآن و دین کا بہت علم رکھتا ہو! تو کیا عمیرہ جی اسے کلیئر کریں گی؟

ج۔ پیاری نسیم! ایک اچھا مصنف بہت سارے لوگوں کی ترجمانی کرتا ہے' اچھی تحریر ہو یا تقریر اس کی خوبی یہی ہے کہ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔

شرعی لحاظ سے سالار کا فیصلہ غلط ہے۔ کسی بچے کو گود لینے پر اس کی ولدیت تبدیل نہیں کرنا چاہیے۔ عمیرہ احمد وسیع علم رکھتی ہیں یہ شرعی مسئلہ یقیناً" ان کے علم میں ہو گا۔ عمیرہ احمد نے اب تک جو بھی لکھا ہے وہ تمام پوائنٹ ذہن میں رکھ کر لکھتی ہیں اور اپنی کہانی میں وضاحت' بھی دیتی ہیں۔ یقیناً اس نکتہ کی وضاحت بھی دیں گی۔

فرحت اشرف گھمن.... سیدوالا

اس ماہ کا ٹائٹل بہت خوب صورت لگا۔ نمل' بہت اچھا جا رہا ہے' ایک منفرد کہانی ہے۔ شہر آشوب اور آب حیات بھی اچھا جا رہا ہے۔ پہلے خواتین میں بڑے بڑے زمینداروں اور جاگیروں کی کہانیاں ہوتی تھیں۔ اب رائٹرز ایسی کہانیاں کیوں نہیں لکھتیں۔

ج۔ پیاری فرحت! خواتین ڈائجسٹ کے لیے جو خطوط بیس تاریخ تک موصول ہو جاتے ہیں وہ اشاعت کی منزل تک ضرور پہنچتے ہیں۔ آپ کی فرمائش مصنفین تک پہنچا رہے ہیں۔ جاگیرداروں کے موضوعات پر بہت لکھا جا چکا ہے۔ ہماری نئی لکھنے والیاں نئے موضوعات کو زیر بحث لاتی ہیں۔ اور بہت اچھے انداز میں' آپ انہیں بغور پڑھیں گی تو ان سے بھی ضرور لطف اٹھائیں گی۔

عفت سعید.... ٹوبہ ٹیک سنگھ

آمنہ ریاض کے "دشت جنوں" کی پہلی قسط ہی دماغ پر حاوی ہو گئی ہے۔ آمنہ جی اگر سب کردار آپ کے پسندیدہ ہیں تو ہم تو ہیں ہی اپنی رائٹرز کی دیوانی۔ ان شاء اللہ سب قارئین کی پسند ہو گا دشت جنوں۔ ایمل رضا کا۔ بدل دو۔ مگر افسوس بدلے گا کون۔ حاجرہ ریحان کا۔ خوب صورت پڑھ کر مزا آیا۔

عروج فاطمہ کی تحریر نصیحت۔ اچھی تحریر ہے ہر لڑکی کو کھانا پکانا تو لازمی آنا چاہیے۔ مدیحہ سعید کا ناولٹ۔ ادھورے چاند کا دکھ بہت خوب صورت تحریر۔

ج۔ پیاری عفت! خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔ انیقہ انا کے خط آپ کو پسند ہیں۔ خوش ہو جائیں اس ماہ ان کا خط شامل ہے۔

میمونہ بشیر.... نامعلوم شہر

سارے ناول' افسانے لاجواب تھے۔ "دشت جنوں" بھی اچھا اضافہ ہے لیکن قسط وار ناول زیادہ نہیں ہو گئے؟ نمرہ احمد میرے لیے وہ حیثیت رکھتی ہیں جو لفظوں میں' میں بیان نہیں کر سکتی۔ میری نمرہ احمد سے التجا ہے کہ پلیز وہ یہ شعر اپنے ناول میں شامل کر لیں۔ کیونکہ یہ ہاشم پر سوٹ ایبل ہے۔

اور پھر سب نے یہ دیکھا کہ اسی مقتل سے۔
میرا قاتل مری پوشاک پہن کر نکلا۔

فارس تو سر سے بھی اوپر ہے! آب حیات اپنی جگہ لاجواب ہے۔ ایمل رضا بھی زبردست لکھتی ہے۔ آب حیات میں مجھے حمین بہت اچھا لگتا ہے۔ آپ سب کو "پیاری" کہہ کر بلاتی ہیں پڑھ کر ایک اچھا سا احساس ہوتا ہے۔ نمل میں فارس کا جواب "ٹھیک ہے.... جیسا تم چاہو"

پڑھ کر دیر تک میں اور خدیجہ ہنستے رہے۔ سچ میں مزا آگیا! خط طول پکڑتا جا رہا ہے سو اجازت!

کیا نمرہ احمد اسلام آباد میں رہتی ہیں؟ پلیز بتا دیں کیونکہ میں جب اور بڑی ہو جاؤں گی ان شاء اللہ میری آرمی میں جاب ہو جائے گی تو تب میں ان سے ملنے جاؤں گی۔

ج - پیاری میمونہ! ہم صرف پیاری لکھتے ہی نہیں سمجھتے بھی ہیں کیونکہ آپ سب واقعی بہت پیاری ہیں۔ موسم کی خوشگواریت کا اندازہ آپ کے خط سے ہو رہا ہے۔ پروردگار آپ کو دنیا و آخرت کے ہر امتحان میں سرخرو کرے۔ آمین۔

نمرہ احمد کسی ایک شہر میں نہیں رہتیں میکہ، سسرال اور ان کا اپنا گھر مختلف شہروں میں قیام ہوتا ہے۔ "دشت جنوں" واقعی بہت اضافہ ہے۔ اس ماہ کی قسط پڑھ کر اپنی رائے دیجیے گا۔

فہمیدہ گل..... لاڑکانہ

جس کا سب سے زیادہ حق ہے تعریفوں کا وہ ہے صرف اور صرف "نمل" فارس اور زمر کے بیچ کی غلط فہمی دور ہو گئی بہت اچھا لگا۔ اور ہاں ہاشم کا کردار بہت اچھا ہے۔ اسے آخر میں سدھار لیجیے گا۔ سزا مت دیجیے گا۔ "شہر آشوب" بہت اچھی جا رہی ہے لیکن چندا کا کردار اور اس کی حرکتیں مجھے کوفت میں ڈال دیتی ہیں باقی کہانیاں بھی لاجواب تھیں میں نے بھی طویل وقت اور بہت ہی محنت سے ایک مکمل ناول لکھا ہے "میرے بے خبر"

ج - پیاری فہمیدہ! کہانی شائع ہونے کی صرف ایک شرط ہے۔ کہانی معیاری ہونا چاہیے۔ آپ خواتین پڑھتی رہی ہیں، آپ کو ہمارے معیار کا بخوبی اندازہ ہو گا۔ کہانی لکھی ہے تو فوراً بھجوا دیں۔ ہم پڑھ کر بتا سکتے ہیں شائع ہو گی یا نہیں۔

ناصرہ عبید..... مردان

سرورق پر ایک عدد حسین ماڈل کی تصویر؟ اس کی جگہ حسین پہاڑ، دریا، درخت وغیرہ سے مزین ٹائٹل یقیناً "اللہ اور اس کے رسول کی رضا کا باعث ہو گا اور ان شاء اللہ مقبولیت میں کمی ہرگز نہیں آئے گی بلکہ اضافہ ہو گا کیونکہ ماڈل کی تصویر کی وجہ سے مذہبی گھرانوں میں اتنے مفید رسالے کا داخلہ ناممکن ہوتا ہے۔ کم از کم ہمارے کے پی کے میں تو یہی بات ہے۔ نمرہ کی تفسیر بہت دل کو لگتی ہے ہم سب کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ عمیرہ احمد کی تعریف کے لیے تو کبھی بھی مجھے شایان شان الفاظ نہیں ملتے شہر آشوب بھی بہت سبق آموز ناول ہے۔ پلیز اجیہ کو گھر سے بھاگنے نہ دیں۔ مجھے وقار صاحب جیسے لوگوں پر بہت ترس آتا ہے۔ افسانے بہت زبردست ہوتے ہیں۔ قانتہ رابعہ تو اکثر دل کے تار ہلا جاتی ہیں۔

ج ناصرہ! آپ کا افسانہ کچھ زیادہ ہی مختصر ہے۔ ویسے اتنا اندازہ ضرور ہوا کہ آپ میں صلاحیت ہے۔ لکھ سکتی ہیں۔ مزید کچھ لکھ کر بھجوائیں۔ سرورق سے متعلق تجویز پر غور کریں گے۔ خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

کومل فاطمہ..... چک ڈھلو نمبر 1

نمرہ آپی نے حسب روایت یوں دل و دماغ کی گرہیں کھولیں کہ دل و دماغ پہ چھائی ساری دھند چھٹ گئی۔ میں جب جب "نمل" پڑھتی ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ نے یہ سب میرے لیے ہی لکھا ہے۔ مجھے ہمیشہ لگتا تھا کہ ہمیں ہر معاملے میں غیر جانبدار رہنا چاہیے مگر آپ نے جس طرح پچھلی قسط میں "اور نہیں بنائے اللہ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل" کی تفسیر کی تو آپ نے مجھ جیسے جانے کتنوں کی اصلاح کر دی۔ عمیرہ آپی نے جو سود پہ لکھا ہے شاید ہی کسی نے اس طرح لکھا اور سمجھایا ہو۔ آمنہ ریاض کا "دشت جنوں" بنیاد دیکھ کر لگ رہا ہے کہ عمارت انتہائی شاندار ہو گی۔

افسانے ابھی تک صرف دو ہی پڑھے ہیں۔ "بدل دو" اور "نصیحت" دونوں رائٹرز نے جو لکھا سو فیصد سچ لکھا..... ویلڈن ایمل جی! ۔۔ آپی جبیں سسٹر سے دیہاتی پس منظر پر کوئی ناول لکھوائیں اور نمرہ بخاری کو بھی تلاش کر کے لائیں۔

ج - پیاری کومل فاطمہ! بھئی آپ کی محفل ہے۔ سو بار آئیں۔ کس نے روکا ہے۔ شمارے کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ غیر جانب دار ایک مسلمان ہو ہی نہیں سکتا، مسلمان کے لیے تو حکم ہے ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کرو۔ ظالم کو ظلم سے روک کر اور مظلوم کو ظالم سے بچا کر۔ جو لوگ غیر جانب دار ہوتے ہیں در حقیقت وہ ظالم کے ساتھ ہوتے ہیں جو ظلم ہوتا دیکھ کر بھی آواز بلند نہیں کرتے۔ نمرہ بخاری اور جبیں سسٹرز کی کمی ہم کتنی شدت

سے محسوس کرتے ہیں، کیسے بتائیں کتنی بار کہا بھی لکھنے کو لیکن وہ ٹی وی کو پیاری ہو چکی ہیں۔

صبا گل، حمیرا کنول۔۔۔ فیصل آباد

امت العزیز کا ناول "شہر آشوب" اچھا ناول ہے۔ پلیز سائر کا رویہ اب تو میرب کے ساتھ ٹھیک ہی رکھیے گا۔ بہت سخت بندہ ہے۔ باقی افسانے بھی زبردست تھے۔ سب سے اچھا افسانہ "بدل دو" بازی لے گیا۔ تحریم منیبہ سے ملاقات اچھی رہی۔ نیب بٹ سے باتیں زبردست تھیں۔

ج صبا اور حمیرا! خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف پہنچائی جا رہی ہے۔ آپ کا سوال بیوٹی بکس میں دے دیا ہے۔

علیزہ۔۔۔ تھر

اس بار بھی خط لکھنے کی وجہ صرف اور صرف "نمل" ہے مائنڈ بلوئنگ "آؤسم"۔ زمر تو میری ہے ہی آئیڈیل اور فارس اف۔۔۔ اس سے تو میں بہت ہی زیادہ لو کرتی ہوں۔

ج خوش رہیں پیاری علیزہ! ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ تھر میں بھی ہمارا پرچا پڑھا جاتا ہے اور کوئی قاری بہن ہمیں تھر سے بھی خط لکھ سکتی ہے۔

طہ گل۔۔۔ نامعلوم شہر

ویلڈن نمرہ احمد کیا لکھتی ہیں آپ ماشاءاللہ اور عمیرہ احمد کا آب حیات بہت زبردست جا رہا ہے۔ اور تمام رائٹرز نے بہت اچھا لکھا۔

ج ۔ پیاری طہٰ! آپ کا خط شامل ہے۔ خواتین ڈائجسٹ میں لکھنے کے لیے کسی کو بھی اجازت کی ضرورت نہیں۔ آپ لوگوں کا اپنا پرچا ہے جو چاہیں، جس سلسلے کے لیے چاہیں، لکھیں۔

نور العین الزہرہ۔۔۔ عبدالحکیم

میں نے ماہ ستمبر میں کہانی ارسال کی تھی۔ پلیز مجھ کو میری کہانی کے بارے میں بتا دیں۔ سب کہانیاں زبردست تھیں نیا ناول اچھا ہے۔ ابھی کچھ اقساط پڑھوں گی تو اس کے بارے میں بہتر رائے دوں گی۔

ج۔ پیاری نور العین! آپ کی کہانی ابھی پڑھی نہیں۔ ہماری ان تمام قارئین سے جو ہمیں اپنی نگارشات ارسال کرتی ہیں گزارش ہے کہ اپنی تصنیفات ارسال کرنے کے بعد قریباً" دو ماہ تو ضرور ہی صبر کیا کریں۔ کیونکہ ہر ماہ ہمیں بہت زیادہ نگارشات ملتی ہیں تو انہیں پڑھنے میں اور پھر شائع ہونے میں وقت لگتا ہے۔

فرحت عباس۔۔۔ پیرو ضلع جھنگ

سب سے پہلے کرن کرن روشنی پڑھ کر نمل کی طرف دھیان لگایا۔ کیا خوب صورت چال چلی ہے، سعدی نے ہاشم کے ساتھ۔ اب مزہ آئے گا۔

مجھے تو لگتا ہے فارس اپنا گردہ زمر کو، ڈونیٹ کرے گا۔ خیر یہ تو نمرہ احمد بہتر جانتی ہیں۔ اس کے بعد آب حیات پڑھا عمیرہ جی سالار کے ساتھ بلکہ امامہ کے ساتھ کچھ غلط مت کیجیے گا پلیز۔ "شہر آشوب" اچھا لگا۔ دل و نظر کی بات بھی اچھا تھا۔

دشت جنوں، ابھی پڑھا نہیں۔ ان شاءاللہ اگلے ماہ اس کے بارے میں ضرور لکھوں گی۔

اس کے علاوہ جو بہنیں آپ کا باورچی خانہ میں لکھتی ہیں۔ مجھے ان سے پوچھنا ہے کہ جس برتن میں پانی گرم کرتے ہیں تو وہ اکثر بہت کالا ہو جاتا ہے کیا اس کو ٹھیک کرنے کے لیے کسی کے پاس کوئی طریقہ ہے تو وہ پلیز ضرور لکھیں۔

ج ۔ پیاری فرحت! آپ تمام لوگوں کے محبت سے لبریز خطوط چاہے شکستہ خط میں ہی کیوں نہ لکھے گئے ہوں اور چاہے ان میں ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں ہی اپنے خیالات کا اظہار کیا گیا ہو۔ ہمارے لیے بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ لہٰذا اگر آپ لوگوں کا کوئی خط یا کوئی اور تحریر شائع نہ ہو تو دل شکستہ نہ ہوا کریں۔ بہت سے موتی جیسے لفظوں سے مزین نامے اس وقت موصول ہوتے ہیں جب کاپی پریس میں جا چکی ہوتی ہے۔ اب آپ لوگ ہی بتائیں کہ کیا کیا جائے؟

اور یہ کیا بھئی؟ "ہم وشت جنوں" کے بارے میں آپ کی رائے جاننے کے شدت سے منتظر ہیں۔ جلدی سے پڑھ کر ہمیں خط لکھیں۔

آپ نے جو سوال پوچھا ہے، ہمیں تو نہیں پتا کسی قاری بہن کو اس کا جواب پتا ہو تو لکھ دیں۔

تہمینہ رؤف۔۔۔ بنوں

جس ہستی کی وجہ سے میں لکھنے پہ مجبور ہوئی ہوں وہ ہماری ہم سب کی فیورٹ ہماری عزیز از جان نمرہ احمد ہے۔ یہی آج اعتراف کرتے ہوئے ذرا سی بھی شرمندگی محسوس نہیں کر رہی کہ میں نے پردہ کرنا سیکھا صرف "جنت کے پتے" سے ہے میں ایک پٹھان ہوں اور ہم بہت سخت قسم کا پردہ کرتے ہیں۔ میں ٹوپی والا برقعہ 12 سال کی عمر سے پہنتی آئی ہوں اب 21 کی ہوں۔ مگر اصل پردے کے بارے میں، میں نے جب "جنت کے پتے" پڑھا تو میں حیران رہ گئی۔ پردہ صرف اپنے جسم کو چھپا کر رکھنے کا نام تو نہیں، اپنی نظر جھکا کر رکھنا پڑتا ہے۔ پردہ تو دل کا بھی ہوتا ہے۔ نمرہ جی آپ نے تب ہمیں سراپا بدل کے رکھ دیا تھا اور اب (نمل) کیا کہوں.... میں نے نمل کے سعدی کو دیکھنے کے بعد دل سے نماز پڑھنی شروع کی ہے۔ مجھے اب پتا چلا ہے کہ اصل نماز کو پڑھنے میں جو مزہ ہے ویسی لذت اور کہاں.... نمرہ جی یہ سلسلہ جاری رکھیے گا۔ عمیرہ احمد کا آب حیات لاجواب۔ حمین سکندر میرا پسندیدہ کردار ہے۔ اگر میرے بھانجے شایان اور بھانجی انوشہ کی ذہانت میں نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھی ہوئی ہوتی تو شاید میں بھی دوسروں کی طرح سوچتی کہ اتنی سی عمر میں اتنی ذہانت؟

ج تمینہ! ہم اپنی اتنی پیاری پٹھانی کا دل کیسے ٹوٹنے دے سکتے ہیں۔ آپ کا خط شامل ہے لیکن یہ تو بتائیں کہ اس پیاری پٹھانی نے لکھنا کیوں چھوڑ دیا؟

خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

آسیہ، عاصمہ، علینہ.... منگلا

میں آٹھویں کلاس میں تھی جب میں نے خواتین پڑھنا شروع کیا! اب میری بیٹی آٹھویں کلاس کی اسٹوڈنٹ ہے اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میں کتنی خاموش قاری ہوں۔

"شہر آشوب" زبردست جا رہا ہے، عمیرہ احمد کی تو بات مت کریں، حقیقت پر مبنی کہانی لگتی ہے افسانوں کے لیے معذرت ابھی پڑھے نہیں ہیں۔

ج ۔ پیاری عاصمہ! اس دفعہ تو آپ کی معذرت قبول کر لی ہے مگر اگلی دفعہ پورے شمارے پر تبصرے کے ساتھ آئیے گا۔

فائزہ ریاض.... حمزہ ڈھیر، صوابی

آتی ہوں میں اپنے موسٹ فیورٹ ناول نمل کی طرف جو میری جان ہے نمرہ آپی میرے پاس الفاظ نہیں ہیں اس ناول کی تعریف کے لیے۔ آب حیات بھی بڑا اچھا جا رہا ہے بہت کچھ سیکھنے کو مل رہا ہے۔ مجھے پوچھنا ہے کہ امامہ اور حمین نام کس تلفظ سے بندے کو پڑھنا چاہیے مثلاً "یہ امامہ ہے یا اُمامہ اور حمین یا حَمین پلیز پڑھنے کا صحیح تلفظ بتا دیں۔

ج ۔ پیاری فائزہ! لفظ امام کی تانیث ہے امامہ اور امام کا مطلب ہوتا ہے پیشوا، رہنما۔ حمین Hameen کا مطلب ہے نڈر، بہادر، شجاع، دلیر اور یہی اس کا صحیح تلفظ ہے۔

باقی تمام قارئین سے یہ پوچھنا ہے کہ یہ خیال ان کے دماغوں میں کیونکر راسخ ہو گیا ہے کہ ہم کہانیاں پڑھے بغیر رد کر دیتے ہیں۔ پڑھیں گے نہیں تو آپ لوگوں کی صلاحیتوں سے واقف کیسے ہوں گے؟ یقین جانیں ہم کوئی بھی کہانی پڑھے بغیر رد نہیں کرتے۔ باری آنے پر آپ کی کہانی بھی ضرور پڑھیں گے۔

ثوبیہ ارشاد.... سرگودھا

پرانے قاری ہونے کے ناتے یہ حق جانا کہ کچھ فرمائش و تنقید کی جائے۔ سلسلہ وار ناول میں ایک بہت روایتی ہیرو اپنی آن میں اور ہیروئن مظلوم۔

جو چیز رسالے کی جان ہے وہ افسانے ہیں۔ نہ صرف اس ماہ کے بلکہ تمام شماروں کے افسانے تو رسالے کی جان ہوتے ہیں۔ دو تین صفحے میں اچھا سبق بغیر کسی وعظ کے سمجھا دیتے ہیں۔ کہ بندہ اس کے حصار میں کافی دیر رہتا ہے۔ ناول اچھے۔ مگر وہ بات کہاں جو رفعت ناہید سجاد اور عالیہ بخاری کے ناولوں میں ہوتی ہے۔ پلیز ان سے درخواست کریں کہ وہ ضرور لکھیں۔ پہلے گرمی کی لمبی دوپہریں گزریں اور اب گلابی اور ٹھنڈی دھند میں لپٹی ہوئی پراسرار شامیں بھی گزر رہی ہیں۔ کہاں ہو تم چلے آؤ۔ اب نمل اچھا لگ رہا ہے۔ نمرہ بخاری بہت یاد آتی ہیں جو کہ پراپر پنجابی کامیڈی لکھتی ہیں۔

ج ۔ پیاری ثوبیہ! پرانی قاری ہونے کے ناتے آپ ہمیں بہت عزیز ہیں لیکن ہماری تمام قارئین کو یہ حق ہے کہ وہ

بے لاگ بصرہ کریں۔ تنقید' تعریف' مشورے' تجاویز۔ ہم ان سب کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ عالیہ بخاری تو ٹی وی کو پیاری ہو چکی ہیں۔ رفعت ناہید تک آپ کی فرمائش پہنچا رہے ہیں۔ افسانے پسند کرنے کا شکریہ۔

نادیہ ریاض' شمائلہ تبسم اور عظمیٰ جبیں

آپی آپ کے شماروں نے ہماری تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ہم تینوں ایک نیم سرکاری ادارے میں معلم کے فرائض ادا کر رہی ہیں۔

خواتین میں سمجھ نہیں آتا پہلے عمیرہ احمد کو پڑھیں یا نمرہ احمد کو کیونکہ ان دونوں کے درمیان مقابلہ نہایت خوب صورتی سے جاری ہے۔ ان سے گزارش ہے کہ جذبہ حب الوطنی پر ایک علیحدہ ناول لکھیں کیونکہ ان کے پاس معلومات کا خزانہ ہے۔ ہم انہیں ان کی بہترین کاوشوں پر خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

"عہد الست" "زمین کے آنسو" کی تعریف ادھار تھی۔ تنزیلہ ریاض اور نگہت سیما کو اتنے اچھے ناول لکھنے پر مبارکباد۔ سمیرا حمید سے گزارش ہے کہ ایک دفعہ "کارل" جیسے ہیرو کے ساتھ جلوہ افروز ہوں۔ سمیرا حمید کے افسانے لاجواب ہوتے ہیں۔

صائمہ گجرات سے کا بصرہ اچھا لگا۔ تسکین گل کی فائر مارنے کی بات تو بہت ہی اچھی لگی۔

ایک اور بات ہماری دوستوں سنگیتا چند' عفت بتول اور ڈبل ایم ایس کو آپ نے لازمی سلام کہنا ہے۔ ہمارا خط شائع ہو گا تو ہم ان کو سرپرائز دیں گے وہ بھی تو خواتین پڑھتی ہیں ہم سے مانگ مانگ کر۔

ج۔ محترمہ نادیہ ریاض' شمائلہ تبسم اور عظمیٰ جبین! یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ تینوں ہمارے شماروں سے نہ صرف حظ اٹھاتی ہیں بلکہ ان سے رہنمائی بھی حاصل کرتی ہیں۔ اب آپ نے ہمیں اتنے سیلوٹ پیش کیے ہیں تو جواباً" ہماری طرف سے بھی آپ تینوں کو اور آپ کی سہیلیوں سنگیتا چند' عفت بتول اور ڈبل ایم ایس کو ہمارا خلوص و محبت بھرا اسلام۔ بائی داوے یہ ڈبل ایم ایس کا اصلی نام کیا ہے؟

عمیرہ احمد کے بارے میں ایک خوش خبری سنا دیں وہ اگست یا ستمبر کے شمارے میں حب الوطنی پر ایک مکمل ناول لکھیں گی۔ عمیرہ احمد لکھیں گی تو یہ کہنے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ بہت اچھا ناول ہو گا۔ سمیرا حمید سے تو ہم بھی اصرار کر رہے ہیں کہ وہ "یارم" جیسا ناول خواتین کے لیے بھی لکھیں۔ سارہ رضا کا ناول "اب کر میری رفوگری" پر ڈراما بن چکا ہے۔ اے آر وائی سے 28 جنوری کو شروع ہو رہا ہے۔

☆

قارئین متوجہ ہوں!

1- خواتین ڈائجسٹ کے لیے تمام سلسلے ایک ہی لفافے میں بھجوائے جا سکتے ہیں، تاہم ہر سلسلے کے لیے الگ کاغذ استعمال کریں۔

2- افسانے یا ناول لکھنے کے لیے کوئی بھی کاغذ استعمال کر سکتے ہیں۔

3- ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھیں اور صفحے کی پشت پر یعنی صفحے کی دوسری طرف ہرگز نہ لکھیں۔

4- کہانی کے شروع میں اپنا نام اور کہانی کا نام لکھیں اور اختتام پر اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیں۔

5- مسودے کی ایک کاپی اپنے پاس ضرور رکھیں، ناقابل اشاعت کی صورت میں تحریر واپسی ممکن نہیں ہو گی۔

6- تحریر روانہ کرنے کے دو ماہ بعد صرف پانچ تاریخ کو اپنی کہانی کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔

7- خواتین ڈائجسٹ کے لیے افسانے، خط یا سلسلوں کے لیے انتخاب، اشعار وغیرہ درج ذیل پتے پر رجسٹری کروائیں۔

خواتین ڈائجسٹ

37-اردو بازار کراچی

خبریں وغیرہ

وصفہ سہیل

محنت

گزشتہ برس ریلیز ہونے والی فلم "منٹو" کو شائقین فلم نے بہت پسند کیا۔ بھارت میں ہونے والے کولکتہ فلم فیسٹول میں بھی اس فلم کو پیش کیا گیا۔ سرمد کھوسٹ اس فلم کے ساتھ خود اس فلم فیسٹول میں شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ جے پور فلم فیسٹول میں بھی سرمد کھوسٹ اس فلم کو لے کر گئے جہاں پر سرمد کی اداکاری کو بہت سراہا گیا اور انہیں ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس فلم نے جے پور فلم فیسٹول میں دو اور ایوارڈ حاصل کیے ایک بہترین ساؤنڈ اور دوسرا بہترین ایڈیٹنگ کا۔ سرمد کے ساتھ اس فلم فیسٹول میں نمرہ بچہ نے بھی شرکت کی۔

نقصان

نیرہ نور کا نام موسیقی کی دنیا میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ نیرہ نور کہتی ہیں کہ "موسیقی میں ان کے رجحان کا بڑا سبب ایک ایسے علاقے میں ان کی پیدائش ہے جہاں کی فضاؤں میں موسیقی رچی بسی ہے۔" (نیرہ نور کا تعلق آسام سے ہے۔) میں نے موسیقی کی تربیت کسی گھرانے سے حاصل نہیں کی ہے۔ بس شوق کی وجہ سے کالج کے پروگرامز میں حصہ لیتی تھی۔ سب سے پہلے نیشنل اسکول آف آرٹس میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ سننے والوں نے اتنی تعریف کی کہ یہی حوصلہ افزائی ٹیلی وژن تک لے آئی۔ نیرہ نور مزید کہتی ہیں کہ موجودہ موسیقی کا رجحان ہماری اصل موسیقی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (نیرہ آپ بہت سادہ مزاج ہیں، ورنہ موسیقی کا جو حشر آج ہو چکا ہے وہ...؟) نیرہ نور کے پسندیدہ گلوکاروں میں بیگم اختر، کملا جھریا، رسولن بائی ہیں۔ نیرہ نور کی آواز بلاشبہ کانوں میں رس گھولتی ہے مگر نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ سریلی آواز ہمارے مختلف چینلز کو سنائی

نہیں دیتی۔ (بھی چیختی دھاڑتی آوازیں سننے والے کانوں میں یہ سریلی آواز جائے گی کیسے۔۔۔؟) ہمارے چینلز موسیقی کے پروگرام کرتے ہیں' ان میں جج بنانے کے لیے بھی نیرہ نور کو نہیں بلاتے۔ اس سے نیرہ نور کی شخصیت میں کوئی کمی نہیں آئی مگر یہ ضرور پتا چلتا ہے کہ ہم اپنے لیجنڈز کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔

حق دار

پاکستان کی بیٹی ملالہ یوسف زئی پر بنائی گئی دستاویزی فلم "ہی نیمڈ می ملالہ" کو برٹش اکیڈمی ایوارڈ (بافٹا) کے لیے نامزد کرلیا گیا ہے۔ (یہ کوئی نئی خبر تو نہیں۔) انہترویں سالانہ بافٹا ایوارڈ کی تقریب چودہ فروری کو اوپرا ہاؤس لندن میں منعقد کی جائے گی۔ ملالہ کی اس فلم کو دیگر ایوارڈز کے لیے دستاویزی فلم کی کیٹگری میں نامزدگی حاصل ہونے کا بھی امکان ہے (ملالہ کو جو کچھ مل چکا ہے اس کی بھی کیا وہ حق دار تھی جواب یہ۔ ایوارڈ۔۔؟)

کچھ ادھر اُدھر سے

☆ سوات میں لڑکی کو کوڑے مارنے والی وڈیو جعلی نکلی' وہ وڈیو جس سے سوات میں ملٹری آپریشن کا رستہ ہموار ہوا' ایک ایسی وڈیو جس نے پوری دنیا میں پاکستان کو بدنام کیا۔ وہ وڈیو جس کے بہانے مغرب زدہ موم بتی بریگیڈ نے اسلامی سزاؤں کو ہی نشانہ بنایا۔ وہ وڈیو جس نے کئی این جی اوز کو مالا مال کردیا۔ وہ وڈیو جس کی بنا پر ریٹنگ کے بھوکے چینلز اور اینکرز ایک لمبے عرصے تک قوم کو بے وقوف بناتے رہے۔ وہ جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوئی۔ اس خبر کو کسی نے بریک نہیں کیا۔ نہ ہی کسی چینل میں اس کو لیڈ اسٹوری کے طور پر لیا گیا۔

(انصار عباسی۔ کس سے منصفی چاہیں)

☆ معیشت پر مشرف کی نحوست کے سائے اب آہستہ آہستہ چھٹ رہے ہیں اور آئینی حکومت کو مدتِ پوری کرنے دی گئی تو قدرے اور مضبوط ہوجائے

گی لیکن قومی یک جہتی کی حالت ضرورت سے زیادہ خراب ہے۔

(عبداللہ طارق سہیل۔ وغیرہ وغیرہ)

☆ کیا کسی اینکر' کالم نگار یا صحافی نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی؟ کیا ان سب کی ذاتی زندگی میں کہیں کوئی طوفان نہیں آیا؟ کیا ان کے معاشقے لوگوں کو دکھا کر انہیں' ان کی اولادوں اور گھر والوں کے سامنے شرمندہ نہیں کیا جاسکتا لیکن ہم سب میڈیا والوں کو' رسوا کرنے کے لیے کوئی اور گھر اور جھانکنے کے لیے کسی اور کا گریبان چاہیے۔ روزانہ ہمارے ٹی وی چینلز پر غلط انگریزی اور بے سروپا اردو بولنے والے بڑے بڑے نیوز اینکرز اور رپورٹرز نظر نہیں آتے لیکن ہم تمسخر کے لیے میرا کو پکڑ لیتے ہیں اور پھر ہمارا دھندا چلنے لگتا ہے۔

(جاوید چوہدری۔ زیرو پوائنٹ)

آپ کا باورچی خانہ

صبا شفیق

س ۔ کھانا پکاتے ہوئے آپ کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں۔ پسند ناپسند غذائیت یا گھر والوں کی صحت؟

ج ۔ ہمارے ہاں کھانا پکاتے ہوئے غذائیت اور ذائقے دونوں کا دھیان رکھا جاتا ہے اور پسند و ناپسند کا خیال بھی ضرور رکھا جاتا ہے' گھر میں امی ہم پانچ بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ ابو باہر ہوتے ہیں ماموں بھی کچھ عرصہ پہلے لندن جا بسے۔ بڑی بہن کی شادی ہو گئی اس لیے اب ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کسی کو کچھ نہ پسند آئے' پہلے بڑا مسئلہ ہوتا تھا خصوصاً" جب دال بنتی تھی کیونکہ میرے سویٹ سے ماموں کو دال سے کافی چڑ ہے۔

س ۔ کھانے کا وقت ہے۔ گھر میں اچانک مہمان آ گئے ہیں۔ کسی ایسی ڈش کی ترکیب بتائیں جو فوری تیار کر کے تواضع کر سکیں؟

ج ۔ ہمارے گھر مہمان اکثر بتا کر ہی آتے ہیں اس لیے زیادہ مسئلہ نہیں ہوتا ہے لیکن اگر کبھی ایسا ہو جائے تو بھی مشکل نہیں کیونکہ میری امی سیخ کباب فریز کر کے رکھتی ہیں لہٰذا اچانک مہمان آجائیں تو فٹافٹ کباب نکال کر فرائی کیے' ساتھ ساتھ پیاز ٹماٹر کا مسالا تیار کیا۔ کباب مل کر تیار شدہ مسالے میں شامل کریں اور کوئلہ رکھ کر دم پر لگا دیں مزیدار کھانا تیار' ویسے اب تو ریڈی ٹو کک نے تمام مشکلیں ہی حل کر دیں جس سے تیار کیجئے جھٹ پٹ کھانا۔

س ۔ کچن خاتون خانہ کی سلیقہ مندی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ آپ کچن کی صفائی کے لیے کیا خصوصی اہتمام کرتی ہیں؟

ج ۔ ہمیں کچن کی صفائی کا ویسا ہی خیال رکھنا چاہیے جیسے ہم اپنا رکھتے ہیں۔ گھر میں چونکہ کھانا میں بناتی ہوں اس لیے زیادہ گند نہیں پھیلنے دیتی ہاتھ کے ہاتھ برتن دھوتی ہوں چولہا اور شیڈز وغیرہ بھی صاف کر دیتی ہوں' ہفتہ وار صفائی کی ذمہ داری نادیہ (چھوٹی بہن) کی ہے جو کہ اپنا کام زبردست طریقے سے انجام دیتی ہے۔

س ۔ صبح ناشتے میں آپ کیا بناتی ہیں؟ ایسی خصوصی ڈش جو آپ بہت اچھی بناتی ہیں؟

ج ۔ ناشتا ہم لوگ سادہ ہی کرتے ہیں' روٹی گھی یا مکھن کے ساتھ اور گرما گرم چائے کا ایک کپ' کبھی کبھار چھٹی کے روز چھوٹی بہنوں اور بھائی کی فرمائش پر پراٹھوں کے ساتھ آملیٹ بناتی ہوں جو میں نے اپنے ابو سے سیکھا ہے ترکیب حاضر ہے۔

چکن آملیٹ

ضروری اشیاء :

انڈے	دو عدد
پیاز	چھوٹے سائز کی ایک عدد
ٹماٹر	ایک عدد
ہری مرچیں	دو سے تین عدد
پسی ہوئی لال مرچ	دو چائے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
چکن کی بون لیس بوٹیاں	پانچ سے چھ عدد
گھی	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

چکن کو ابال کر چھوٹی چھوٹی بوٹیاں کرلیں انڈے پھینٹ کر اس میں تمام چیزیں شامل کریں سوائے ٹماٹر کے' گھی کو گرم کریں اور اس میں انڈے کے آمیزے

کو اچھی طرح سے پھیلا دیں انڈے کو دونوں طرف سے اچھی طرح سینکیے' ٹماٹر کو چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر آملیٹ میں اوپر سے ڈال کر کھائیں بہت لذیذ لگے گا۔

س۔ مہینے میں کتنی بار باہر کھانا کھاتی ہیں؟

ج۔ گھر میں جب کسی کی سالگرہ ہو تو باہر کا کھانا گھر پر منگوا لیتے ہیں اس طرح سے برتھ ڈے سیلبریٹ کرتے ہیں' باہر کھانا کھانے تو نہیں جاتے مگر دہی بھلے' سموسہ چاٹ' آئس کریم یا اس طرح کی دوسری چیزیں کھانے باہر ضرور جاتے ہیں' چاہے کوئی موقع ہو نہ ہو ابھی چھوٹی عید پر سب مل کر PHC گئے پیزا کھایا اور خوب مزہ کیا۔

س۔ پکانے کے لیے ڈش کا انتخاب کرتے ہوئے موسم کو مد نظر رکھتی ہیں؟

ج۔ کوئی بھی ڈش بناتے ہوئے موسم کو مد نظر ضرور رکھتے ہیں پکوڑے ساون میں بنائے اور کھائے جاتے ہیں' آئس کریم کھانے کا مزہ بھی سخت سردی میں ہی ہے' اسی طرح ہم سب بہنیں تو انتظار کرتی ہیں کہ سخت سردی ہو بارش ہو رہی ہو ایسے میں گرما گرم کافی پینے کا جو مزہ ہے کسی اور وقت نہیں۔

س۔ اچھا کھانا پکانے کے لیے کتنی محنت کی قائل ہیں؟

ج۔ محنت سے تو ہمیں ہر کام کرنا چاہیے لیکن میرا خیال ہے کہ کھانا پکاتے ہوئے محنت سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہوتی ہے' بھئی آپس کی بات ہے کہ اب کون سل پر بیٹھ کر مسالے اور چٹنیاں پیسے جناب گرائنڈر زندہ باد' جب میں کھانا بناتی ہوں تو ہرگز ایسا نہیں کرتی کہ ساتھ میں دوسرے بھی کام کر رہی ہوں مجھے ایسا کرنا سخت ناپسند ہے۔ میں کھانا پوری لگن اور توجہ سے بناتی ہوں جو شکر ہے کہ سب کو پسند ہی آتا ہے۔

س۔ کچن کی کوئی ٹپ جو دینا چاہیں؟

ج۔ کوفتے بناتے ہوئے ایک کلو قیمے میں دو کھانے کے چمچے چاول کا آٹا شامل کرلیں۔ کوفتے نہیں ٹوٹیں گے۔

کچن میں ہمیشہ باوضو ہو کر جائیں۔ ہر کام اچھا ہو گا۔

☆

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

چکن مٹر رول

ضروری اشیاء :

چکن کا قیمہ	ایک پاؤ
مٹر	ایک کپ
دیگی مرچ پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
کالی مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
پیاز	ایک کھانے کا چمچہ
لیموں کا رس	ایک کھانے کا چمچہ
چلی ساس	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ

پراٹھے بنانے کے اجزا :

میدہ	آدھا کلو
خشک دودھ	دو کھانے کے چمچے
چینی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
گھی	حسب منشا

ترکیب :

فرائی پین میں تیل گرم کر کے لہسن ادرک، ابلے ہوئے مٹر اور قیمہ ڈال کر پانچ منٹ بھونیں۔ پھر اس میں دیگی مرچ پیسٹ، پسی کالی مرچ، نمک، پیاز (باریک کٹی ہوئی)، لیموں کا رس اور چلی ساس ڈال کر پانچ منٹ مزید بھونیں پھر چولہے سے اتار دیں۔

پراٹھوں کے لیے دیے گئے اجزا حسب ضرورت نیم گرم پانی سے گوندھ لیں اور تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔ اس کے بعد کڑاہی میں تیل یا گھی ہلکا گرم کر لیں۔ آٹے کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنا کر بیل لیں اور پوری کی طرح تل لیں۔ پوری پراٹھے پر چکن قیمہ، باریک کٹی پیاز ڈال کر رول بنائیں اور حسب پسند ساس یا چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

مٹر پنیر مسالا

اشیاء :

پنیر	سو گرام
مٹر	آدھا پاؤ
پیاز	تین عدد
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
ٹماٹر	چار عدد
ہری مرچ	دو عدد
لونگ	دو عدد
الائچی	ایک عدد
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
پسا دھنیا	دو چائے کے چمچے
پسی لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
پسا گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب پسند

ترکیب :

پیاز اور ٹماٹر کو الگ الگ پیس کر پیسٹ بنا لیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے اس میں پنیر کو سنہرا ہونے تک تلیں۔ ایک پین میں تیل گرم کر کے اس میں الائچی اور لونگ ڈالیں پھر پسی ہوئی پیاز گولڈن ہونے تک تلیں پھر اس میں ادرک، ہری مرچ، لال مرچ، ہرا دھنیا، ڈال کر کچھ دیر تک پکائیں پھر ٹماٹر کا پیسٹ اور نمک شامل کر دیں۔ جب مسالا بھن جائے اور تیل الگ ہو جائے تو تھوڑا سا گرم پانی ڈال کر گاڑھا

سالن بنالیں پھراس میں مٹر کے دانے ڈالیں اور کچھ دیر پکائیں۔ آخر میں پنیر شامل کر کے گرم مسالا چھڑکیں اور ہلکی آنچ پر دس منٹ دم دیں۔ مزیدار مٹر پنیر مسالا تیار ہے۔

شملہ مٹر قیمہ

اجزا :

قیمہ	تین پاؤ
مٹر	آدھا کلو
شملہ مرچ	آدھا پاؤ
پیاز	دو عدد
ٹماٹر	تین عدد
پسا ہوا ادرک لہسن	دو کھانے کے چمچے
پسی لال مرچ	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
پسا دھنیا	دو کھانے کے چمچے
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
ثابت کالی مرچ	پانچ عدد
لونگ	چار عدد
دار چینی	ایک ٹکڑا
پسا گرم مسالا	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب منشا

ترکیب :

تیل میں پیاز سرخ کر کے ادرک لہسن، کالی مرچ، لونگ اور دار چینی ڈال کر بھونیں پھر گرم مسالے کے علاوہ باقی تمام مسالے ڈال کر بھون لیں پھر قیمہ، مٹر، شملہ اور ٹماٹر ڈال کر حسب ضرورت پانی ڈال کر گلالیں۔ مٹر اور قیمہ گل جائے تو گرم مسالا ڈال کر بھونیں۔ مزیدار شملہ مٹر قیمہ تیار ہے۔

ہرا بھرا پلاؤ

اجزاء

پیاز	دو عدد باریک کٹی ہوئی
ادرک، لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
دہی	آدھا کپ
کالا زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
ثابت گرم مسالا	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
تیل	ایک پیالی
مٹر	آدھی پیالی
چاول	آدھا کلو
مرغی	آدھا کلو

ہری چٹنی بنانے کے لیے :

ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
پودینہ	آدھی گٹھی
ہری مرچیں	چار عدد
لہسن کے جوئے	چار عدد

ان سب کو تھوڑے سے پانی کے ساتھ پیس کر پیسٹ بنالیں

ترکیب :

مرغی کی یخنی بنالیں۔ ایک الگ پتیلی میں تیل گرم کر کے پیاز گلابی کرلیں پھر مٹر اور تمام مسالے ڈال کر اچھی طرح بھون لیں، دس منٹ ہلکی آنچ پر پکانے کے بعد یخنی سے چکن نکال کر شامل کریں اور بھون لیں پھر یخنی کا پانی چھان کر ڈالیں اور چاول شامل کر کے تیز آنچ پر پکائیں۔ ابال آنے کے بعد آنچ درمیانی کردیں پھر پانچ منٹ کے بعد ہلکی آنچ کر کے دم پر رکھ دیں۔ رائتے اور چٹنی کے ساتھ نوش فرمائیں۔

ط۔م

س۔ میں ایک پڑھی لکھی لڑکی ہوں‘ میں نے ریگولر ماسٹر کیا ہوا ہے‘ دو سال جاب بھی کر چکی ہوں۔ میری تقریباً" پانچ سال پہلے منگنی ہوئی تھی‘ اس وقت میں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا‘ تب میرے منگیتر کی کوالیفکیشن ایف اے تھی۔ وہ مجھ سے دو سال چھوٹا ہے اور ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے‘ یہ رشتہ امی لوگوں نے اپنی مرضی سے کیا تھا اور میں بھی دل سے خوش تھی اس رشتے پہ۔ جب میرا رشتہ ہوا تو سب لوگوں نے امی ابو لوگوں کو بہت باتیں کہیں کہ اتنی پڑھی لکھی بیٹی کا رشتہ ان پڑھ لوگوں میں کر دیا ہے پر اس وقت امی لوگ بھی خوش تھے کہ لڑکا اکلوتا ہے اور ان کا بزنس بھی ہے تھوڑا بہت اور الگ گھر بھی ہے۔ ان لوگوں کا آنا جانا لگا رہا ہمارے گھر۔ میں اپنے منگیتر سے بات بھی کرتی رہی‘ ہمارے درمیان اچھی خاصی انڈراسٹینڈنگ پیدا ہو گئی۔ وہ ایف اے کے دو سال بعد ایسے ہی رہا۔ پھر اس نے مجھ سے امپریس ہو کر یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا کہ اس کو بھی پڑھنے کا شوق ہوا‘ وہ اسٹڈی میں بہت اچھا ہے۔ قرآن حفظ بھی کیا ہوا ہے‘ جب اس نے ایڈمیشن لیا تب میری تعلیم مکمل ہو گئی‘ میں چونکہ گھر میں بڑی ہوں تو امی ابو کو میری شادی کی فکر لگ گئی۔ لڑکے والوں کا بھی اصرار تھا کہ شادی کر دیں۔ ابھی اس کی تعلیم مکمل ہونے میں چار سال باقی تھے‘ میری امی نے ان لوگوں سے کہا آپ لوگوں کے بیٹے کی تعلیم بھی مکمل نہیں ہے اور نہ ہی اتنا کوئی خاص بزنس ہے کہ ہم لوگ بیٹی دے دیں جب تک یہ جاب نہیں کرتا ہم شادی نہیں کر سکتے۔ یہ بات میرے منگیتر کو بہت بری لگی‘ اس نے ایک دو دفعہ امی سے بدتمیزی بھی کی۔ بس وہی دن تھا‘ میری امی کو اس سے نفرت ہو گئی میرے امی ابو نے ان لوگوں کو رشتے سے نہ کر دی جس کا شدید دکھ مجھے بھی ہوا اور اس کو بھی‘ اس نے دوبارہ رشتہ جوڑنے کے لیے منتیں کرنا شروع کر دیں۔ کافی لوگ بھیجے‘ علاقے کے معزز لوگوں کو بھیجا میرے ابو یہ بات کسی حد تک مان گئے۔ انہوں نے دوبارہ میرے رشتے کے لیے ہاں کر دی جب پہلی دفعہ میرا رشتہ ٹوٹا تو ایک دو اچھے رشتے بھی آئے۔ امی کا مائنڈ ادھر بن گیا تھا۔ اب وہ کسی صورت رضامند نہیں تھیں‘ مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ میں اپنے ابو سے کہہ سکوں جس کا نتیجہ یہ نکلا امی نے ان لوگوں کو دوبارہ منع کر دیا کہ اب دوبارہ نہ آئیں۔ اب میرے منگیتر کا ماسٹر مکمل ہونے میں ایک سال رہ گیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں ٹوٹ چکا ہوں۔ تم لوگوں نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ‘ وہ دن رات تڑپتا ہے وہ کہتا ہے میں نے پانچ سال تمہارے خواب دیکھے ہیں۔ ادھر میں ماں کے ہاتھوں مجبور ہوں‘ میں عجیب ذہنی کشمکش کا شکار ہوں کہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ کیا میری امی ٹھیک ہیں؟ یا اس کا پیار سچا ہے‘ میں بے وفائی کر رہی ہوں؟ میں احساس جرم میں مبتلا ہوتی جا رہی ہوں۔

ج۔ جب تک لڑکے کی تعلیم مکمل نہ ہو‘ اور وہ اپنے پاؤں پر نہ کھڑا ہو جائے‘ شادی کرنا بہت سارے مسائل کو جنم دیتا ہے۔ اس صورت میں صرف لڑکی ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ وہ لوگ جو ہر طرح کی ضمانت دے کر لڑکی بیاہ کر لے جاتے ہیں اپنے ہی لڑکے کو پرایا کر کے ہاتھ جھاڑ کر پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں‘ لیکن آپ کا منگیتر ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے‘ اس لیے جو کچھ ماں باپ کے پاس ہے‘ وہ اسی کا ہے۔ آپ کی امی کو اس بات پر اعتراض تھا تو یہ بات انہیں اس وقت سوچنا چاہیے تھی جب رشتہ آیا تھا‘ لیکن انہوں نے اس وقت خوشی خوشی رشتہ طے کر دیا جبکہ لوگوں نے اس پر باتیں بھی کیں۔ رشتہ طے ہونے کے بعد آپ نے اپنے منگیتر سے بات چیت شروع کر دی۔ آپ دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لیے لگاؤ پیدا ہونا ایک فطری امر تھا اس نے آپ سے متاثر ہو کر یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا۔ آپ کے گھر والے آپ کی شادی کی فکر میں تھے۔ منگیتر کے گھر والوں نے شادی کے لیے کہا تو آپ کی امی نے لڑکے کی تعلیم اور جاب کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ قدرتی بات تھی کہ آپ کے منگیتر کے جذبات کو ٹھیس لگی‘ اس نے غصہ میں آپ کی امی سے بدتمیزی کی۔ آپ کی امی نے پانچ سال کا تعلق توڑ کر رشتہ سے انکار کر دیا۔ منگیتر کی تعلیم مکمل ہونے میں اب صرف ایک سال ہے۔ آپ اس لڑکے کو

چاہتی ہیں، وہ بھی آپ کو چاہتا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے آپ کی خاطر اپنی تعلیم مکمل کرنے کی کوشش کی۔ آپ کے والد بھی راضی ہیں۔ مسئلہ صرف آپ کی والدہ ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنالیا ہے۔ دوسرے آپ کے اچھے رشتے آرہے ہیں اس نے بھی ان کے ارادے کو تقویت دی ہے۔ آپ اپنے منگیتر سے کہیں وہ تعلیم مکمل کرکے اپنے پاؤں پر کھڑا ہوجائے۔ پھر اپنے والد سے بات کریں۔ وہ تو راضی ہیں ہی.... آپ انہیں اپنی مرضی بتائیں وہ آپ کی والدہ کو خود راضی کرلیں گے۔ صرف آپ کی والدہ کی ضد پر رشتہ جوڑنے اور توڑنے کو کھیل نہیں بنایا جاسکتا۔ والدہ شادی کے بعد جب آپ کو خوش دیکھیں گی تو خود راضی ہوجائیں گی۔

س۔ الف

غیر معمولی ذہین لوگوں کے ساتھ یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ وہ غیر معمولی حساس بھی ہوتے ہیں۔ آپ کے ساتھ بھی یہی مسئلہ ہے۔ آپ کے خط کا ہر لفظ آپ کی ذہانت کا عکاس ہے۔ تخلیقی صلاحیت رکھنے والے افراد خصوصاً" خواتین عموماً" تصوراتی دنیا میں بہت دور نکل جاتی ہیں۔ آپ کا ذہن آپ کے ماحول سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ آپ نے ہر طرح اپنی سوچ پر پہرے بٹھانے کی کوشش کی۔ مذہب میں پناہ لی.... قرآن حفظ کیا۔ اس سختی کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آپ کے ذہن پر مزید حاوی ہوگیا.... آپ جتنی شدت سے اس کو اپنے ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتی ہیں وہ اتنی شدت سے آپ کے ذہن پر حاوی ہوتا ہے۔ آپ کا مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ حل نہ ہوسکے۔ لیکن اس کے لیے آپ کو باقاعدہ علاج کرانا پڑے گا۔ بہتر یہ ہے کہ کسی اچھے سائیکاٹرسٹ سے مل کر اس سے مشورہ کرلیں۔

مریم۔ راولپنڈی

س۔ ہم چار بہنیں ہیں' بھائی ایک ہی ہیں' بھائی ہم سے بڑے ہیں۔ دو بہنوں کی شادی بہت پہلے ہوگئی تھی۔ گھر کے عام مسائل' ساس' نندیں' کم آمدنی زیادہ افراد' انہیں بھی درپیش ہیں۔ ایک بہن کے شوہر تو کوئی کام ہی نہیں کرتے' وہ بہن سلائی پر کپڑے سی کر اپنے بچوں کی ضروریات پوری کرتی ہے' لیکن وہ جیسے تیسے اپنی سسرال میں ہی رہ رہی ہے۔ چھ ماہ پہلے تیسری بہن کی شادی ہوئی۔ یہ بہن انٹرپاس ہے۔ شروع سے اس کا مزاج عجیب تھا۔ گھر کے کسی کام میں حصہ نہیں لیتی تھی نہ ہی اسے کوئی کام کرنا آتا تھا۔ شادی سے پہلے تین ماہ منگنی رہی۔ اس دوران امی نے اسے کھانا پکانا سیکھنے کو کہا۔ کئی بار کی کوشش کے باوجود اس نے توجہ نہیں دی۔ امی کے ڈانٹنے پر ایک دوبار پکانے کی کوشش کی تو ہاتھ جلا بیٹھی۔ جب رشتہ آیا تو امی نے اس کی مرضی معلوم کی تھی' اس نے رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ تب ہی بات طے ہوئی تھی' لیکن شادی سے ایک ہفتہ پہلے اس نے اچانک شادی سے انکار کردیا۔ اس وقت تک کارڈ تقسیم ہوچکے تھے۔ گھر میں سب پریشان ہوگئے۔ کوئی وجہ بھی نہیں بتاتی تھی۔ امی اور بہنوں نے سمجھا سمجھا کر شادی کردی۔ شادی کے بعد بھی وہ الجھی الجھی نظر آتی تھی۔ شادی کے ایک ماہ بعد شوہر کی پوسٹنگ دوسرے شہر ہوگئی تو وہ اسے ساتھ لے گئے۔ وہاں وہ پانچ ماہ ان کے ساتھ رہی' لیکن اب بہنوئی اسے واپس ہمارے گھر چھوڑ گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ سارا دن سوتی رہتی ہے۔ گھر کی صفائی اور دیگر کاموں کے لیے انہوں نے ملازمہ رکھ دی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ خوش نہیں ہے۔ بہنوئی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔ بہن سے پوچھا تو اس نے کہا میں اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی یہ مجھے طلاق دے دے۔ بہنوئی بھی کسی صورت واپس لے جانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ آپ مشورہ دیں اس صورت میں کیا کیا جائے۔ کیا طلاق ہی اس مسئلہ کا حل ہے! بھائی کی شادی ہوچکی ہے۔ والد کوئی کام نہیں کرتے۔ طلاق کی صورت میں جو بدنامی ہوگی' اس کا بھی مسئلہ ہے۔

ج۔ آپ کی بہن اگر کسی اور کو پسند کرتی ہوتیں تو وہ رشتہ طے ہوتے وقت ہی ہامی نہ بھرتیں یا کم از کم احتجاج ضرور کرتیں۔ اسی طرح شادی کے بعد اگر شوہر سے کوئی شکایت ہوتی یا شوہر کی کوئی بات ناگوار ہوتی یا ان میں کوئی برائی ہوتی تو وہ ضرور بتاتیں۔ انہوں نے طلاق مانگنے کی کوئی وجہ نہیں بتائی نہ ہی شوہر کی کوئی برائی کی ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ شادی کی ذمہ داری ہی نہیں اٹھانا چاہتیں' رشتہ طے ہوتے وقت ہامی بھرنا اور عین شادی کے وقت انکار کا سبب بھی یہی ہے کہ جب شادی سر پر آگئی تو انہوں نے اس سے فرار چاہا۔ سارا دن سوتے رہنا بھی فرار کی شکل ہے۔
آپ کی بہن ڈپریشن کی مریضہ ہیں۔ آپ ان کا کسی اچھے سائیکاٹرسٹ سے علاج کرائیں۔ علاج سے ٹھیک ہوجائیں گی۔

سلمیٰ ناز..... کراچی

س - میرے بالوں میں خشکی ہو گئی ہے۔ سر کی جلد سے پرتیں سی اترتی ہیں۔ سر میں خارش بھی ہوتی ہے۔ کوئی ایسا گھریلو نسخہ بتائیں جس سے خشکی دور ہو جائے؟

ج - ایک چمچہ کسٹر آئل ایک چمچہ سرسوں کا تیل اور ایک چمچہ کھوپرے کا تیل برابر مقدار میں لے کر ملا لیں اور ہفتہ میں ایک بار ضرور اس کا مساج کریں۔

ایک حصہ لیموں کا رس اور دو حصے ناریل کا تیل لے کر بالوں کی جڑوں میں مساج کریں اور لگانے کے تین یا چار گھنٹے کے بعد گرم پانی سے دھولیں۔

شیمپو استعمال کرنے میں احتیاط کریں۔ ایسا شیمپو استعمال کریں جو خشک بالوں کے لیے ہو۔ بہتر یہ ہے۔ اینٹی ڈینڈرف شیمپو استعمال کریں۔ لیکن یہ پندرہ دن سے زیادہ استعمال نہ کریں۔

فرزانہ ناز قریشی..... یو ایس اے

س - میرا رنگ صاف ہے لیکن چہرے پر شادابی اور چمک نہیں ہے۔ چہرہ فریش نظر نہیں آتا۔ اس کے علاوہ ہونٹوں کے اوپر کا حصہ سیاہ ہے؟

ج - فرزانہ بہن! ہو سکتا ہے کہ آپ کے بالائی لب کے اوپری حصے میں بال ہوں جس کی بنا پر وہ حصہ سیاہ نظر آتا ہے۔ آپ تھریڈنگ سے وہ بال صاف کرلیں۔

خوب صورت اور چمکتی دمکتی جلد کے لیے سب سے پہلے غیر ضروری غور و فکر اور جلنے کڑھنے کی عادات ختم کریں کیونکہ پریشانی سے بھی جلد پہ دھبے اور چھائیاں پڑ جاتی ہیں۔

جلد کے مساج سے چہرے پر چمک آتی ہے اور دوران خون تیز ہو جاتا ہے۔ مساج کے لیے ایک چمچہ دودھ میں دو تین قطرے زیتون کا تیل ملا کر مساج کریں۔ اس سے جلد چمک دار ہو جائے گی۔ ایک کیلے کا گودا لے کر اس میں ایک چمچہ شہد ملا کر اچھی طرح یک جان کرلیں اور چہرے اور گردن پر لگائیں۔ بیس منٹ بعد نیم گرم پانی سے چہرہ دھولیں۔

دس گرام پسے ہوئے بادام میں ایک چمچہ شہد ملا کر چہرے پر آہستہ آہستہ رگڑیں۔ کچھ دیر بعد نیم گرم پانی سے دھوئیں۔ چہرہ شفاف ہو جائے گا۔

پھل سبزیاں دودھ زیادہ مقدار میں استعمال کریں۔ اگر کوئی جسمانی کمزوری ہے تو آئرن کے کیپسول اور وٹامن کی گولیاں بھی استعمال کر سکتی ہیں لیکن پہلے ڈاکٹر سے مشورہ کرلیں۔

صائمہ..... گاؤں کاٹھور

س - میرے چہرے پر کیل مہاسے اور دانے ہیں۔ مختلف اشتہاری کریمیں استعمال کیں تو یہ مہاسے اور بڑھ گئے۔ مہاسے ختم ہو جائیں تو چہرے پر داغ چھوڑ جاتے ہیں۔ کوئی ایسا نسخہ بتائیں۔ جو میں آسانی سے کر سکوں؟

ج - ایک نسخہ لکھ رہے ہیں جو آپ آسانی سے کر سکتی ہیں۔

نیم کے پتے لے کر انہیں اچھی طرح سے دھوئیں اور پانی میں جوش دے لیں۔ پانی ٹھنڈا کر کے اس سے چہرہ دھوئیں چند ہفتوں میں ہی فرق محسوس کریں گی۔

جب تک دانوں سے نجات نہ مل جائے روزانہ نیم کے پتوں کا جوش دیا ہوا پانی چہرہ دھونے کے لیے استعمال کریں۔ اس کے علاوہ غذا میں بھی احتیاط ضروری ہے۔ انڈا گوشت کھٹائی اور تیز مسالوں والی اشیاء سے پرہیز کریں۔